

کلیاتِ پریم چند

19

بہارِ طفلی

مرتبہ
مدن گوپال



قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل (حکومتِ ہند)

ویسٹ بلاک ۱، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110 066

Kulliyat-e-Premchand-19

Edited by : Madan Gopal

Project Assistant : Dr. Raheel Siddiqui

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت	:	اپریل، جون 2004 شک 1926
پہلا ایڈیشن	:	1100
قیمت	:	188/-
سلسلہ مطبوعات	:	1148

ISBN. 81-7587-051-6

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک - 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی-110006

پیش لفظ

ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند ایڈیشن منظر عام پر آئیں۔ قومی اردو کونسل پریم چند کی تمام تحریروں کو ”کلیات پریم چند“ کے عنوان سے 22 جلدوں میں ایک مکمل سیٹ کی صورت میں شائع کر رہی ہے۔ ان میں ان کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور اداریے بہ اعتبار اصناف یکجا کیے جا رہے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ناول : جلد 1 سے جلد 8 تک، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک،

ڈرامے : جلد 15 و جلد 16، خطوط : جلد 17،

تراجم : جلد 18 و جلد 19، متفرقات (مضامین اور اداریے) :

جلد 20 سے جلد 24 تک

”کلیات پریم چند“ میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حسب ضرورت پریم چند کے ماہرین سے بھی ملاقات کر کے مدد لی گئی ہے۔

کلیات کو زمانی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ سن اشاعت اور اشاعتی ادارے کا نام شائع کرنے کا التزام بھی رکھا گیا ہے۔

”کلیات پریم چند“ کی یہ جلدیں قومی اردو کونسل کے ایک بڑے منصوبے کا نقش اول ہیں۔ اس پروجیکٹ کے تحت اردو ادب کے ان ادبا و شعرا کی کلیات شائع کی جائیں گی جو کلاسیکی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے کی اس پہلی کاوش میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں ضرور راہ پائی ہوں گی۔ اس سلسلے میں

قارئین کے مفید مشوروں کا خیر مقدم ہے۔

آئندہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر / تحریریں دریافت ہوتی ہیں، آئندہ ایڈیشنوں میں ان کو شامل کیا جائے گا۔

اردو کے اہم کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کے انتخاب اور ان کی اشاعت کا فیصلہ قومی اردو کونسل کے ادبی پینل نے پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کی سربراہی میں کیا۔ ادبی پینل نے اس پروجیکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کر کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی کی۔ قومی اردو کونسل ادبی پینل کے تمام ارکان کی شکرگزار ہے۔ ”کلیات پریم چند“ کے مرتب مدن گوپال اور پروجیکٹ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی شکرپے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

امید ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح ”کلیات پریم چند“ کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند،

نئی دہلی

فہرست

نمبر	شمار عنوان	صفحہ نمبر
	دیباچہ	1
-1	ٹالسٹائی کی کہانیاں	3-144
-2	مہاتما شیخ سعدی	145-214
-3	ہما کے پتر پتری کے نام	215-293
-4	سکھ داس	295-348
-5	رام جچا	349-487
-6	جنگل کی کہانیاں	489-526
-7	کتے کی کہانی	527-569
-8	درگاداس	571-635

دیباچہ

پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں نالٹائے کے کچھ افسانوں کے تراجم کیے تھے۔ یہ کہاں شائع ہوئے اس کی جانکاری نہیں ملتی۔ ہو سکتا ہے یہ کتابی صورت میں ہی شائع ہوئے ہوں۔ نالٹائے کی کچھ کہانیوں کا ترجمہ ہندی پستک ایجنسی کلکتہ سے 1933 میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ہندی داں طبقے کے لیے سہی کی زندگی اور خدمات پر ”مہاتما شیخ سہی“ کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی۔ مذکورہ بالا تصانیف میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان کتابوں سے بچے اور طالب علم لطف اندوز ہوں اور انھیں تعلیم سے دلچسپی پیدا ہو۔ ”پتا کے پتر پتری کے نام“ جس میں جواہر لال نہرو نے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کے نام کچھ خطوط لکھے تھے، یکجا کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کچھ ناولوں کے ترجمے بھی کیے تھے۔ ”سکھ داس“ 9120 میں شائع ہوا۔

پریم چند ایک زمانہ تک مختلف اسکولوں میں معلم کی حیثیت سے رہے۔ اس لیے بچوں کے لیے لکھنا انھوں نے ضروری سمجھا۔ جس میں رامائن کی تلخیص ”رام چرچا“ کے

عنوان سے ”لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور“ سے شائع کرایا۔ بچوں ہی کے لیے جنگل کی کہانیاں، کتے کی کہانی (1936)، درگا داس (1936) یکے بعد دیگرے سروسق پریس سے شائع ہوئیں۔۔۔ پریم چند تقریباً بیس سال مختلف اسکولوں میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ بچوں کی نفسیات اور بچوں کے لیے کتابوں کی فراہمی نیز دلچسپی کو سامنے رکھ کر انھوں نے مضامین لکھے۔ اس طرح سے اس جلد میں بچوں کے لیے لکھے ہوئے مضامین اور ترجمے کو شامل کیا گیا ہے۔ چونکہ اس میں زیادہ تحریریں ہندی میں تھیں اس لیے ان کا ترجمہ نہ کر کے صرف اردو رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے تاکہ پریم چند کا بنیادی متن برقرار رہے۔ امید ہے کہ قارئین کو یہ جلد پسند آئے گی۔

مدن گوپال

ٹالسٹائے کی کہانیاں

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	چھادان	7
2	راچپوت قیدی	14
3	دعرو و لوہاسی ریچھ کا شکار	30
4	منش کا جیون آدھار کیا ہے؟	34
5	ایک چنگاری گھر کو جلا دیتی ہے	47
6	دو وردھ پُرش	55
7	پریم میں پریشور	66
8	مورکھ سمیت	72
9	دیا لوسوامی	94
10	بال لیلیا	96
11	سکھ تیاگ میں ہے	97
12	بھوت اور روٹی	100
13	ایک آدمی کو کتنی بھومی چاہیے	103
14	انڈے کے برابر دانہ	112
15	دھرم مٹر	115
16	دیامے کی دیا	128
17	سورت کا چائے خانہ	130
18	مہنگا سودا	135
19	راجا ورگ پال اور چندر دیو	138
20	تین پرشن	142

چھمادان

دلی نگر میں بھاگی رتھ نام کا ایک سوداگر رہتا تھا۔ وہاں اس کی اپنی دو دکانیں اور ایک رہنے کا مکان تھا۔ وہ سندر تھا۔ اس کے بال کول، چکیلے اور مضطرب تھے۔ وہ ہنسوا اور گانے کا بڑا پریمی تھا۔ یودا اوستا میں اسے مدھ پینے کی بان پڑ گئی تھی۔ ادھک لپی جانے پر کبھی کبھی ہلا بھی چھایا کرتا تھا، پرنو دیواہ کر لینے پر مدھ پینا چھوڑ دیا تھا۔ گرمی میں ایک سے وہ کبھ پر گنگا جانے کو تیار ہو، اپنے بچوں اور استری سے بداع مانگنے آیا۔

استر۔ پران ناتھ، آج نہ جائیں، میں نے برا پہنا دیکھا ہے۔
بھاگی رتھ۔ پر یہ، تمہیں مجھے ہے کہ میں میلے میں جا کر تمہیں بھول جاؤں گا؟
استری۔ یہ تو میں نہیں جانتی کہ میں کیوں ڈرتی ہوں، کیل اتنا جانتی ہوں کہ میں نے برا سوہن دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب تم گھر لوٹے ہو تو تمہارے بال فوہت ہو گئے ہیں۔
بھاگی رتھ۔ یہ تو سکن ہے۔ دیکھ لینا میں سارا مال بچ میلے سے تمہارے لیے ابھی ابھی چیزیں لاؤں گا۔

یہ کہہ کر گاڑی پر بیٹھ، وہ چل دیا۔ آدمی دور جا کر اسے ایک سوداگر ملا، جس سے اس کی جان پہچان تھی۔ وہ دونوں رات کو ایک ہی سرائے میں ٹھہرے۔ سندھیا سے بھوجن کر پاس کی کوٹھریوں میں سو گئے۔

بھاگی رتھ کو سویرے جاگ اٹھنے کا ابھیاں تھا۔ اس نے یہ دھار کر کے کہ خٹھڑے خٹھڑے راہ چلنا سکھ ہوگا، منہ اندھیرے اٹھ، گاڑی تیار کرائی اور بھڑارے کے دام چکا کر چلا ہٹا۔ بکس کوس جانے پر گھوڑوں کو آرام دینے کے لیے ایک سرائے میں ٹھہرا اور آنگن میں بیٹھ کر ستار بجانے لگا۔

اچانک ایک گاڑی آئی۔ پولیس کا ایک کرچاری اور دو سپاہی اترے۔
کرچاری اس کے سمپ آکر پوچھنے لگا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ وہ

سب کچھ ہٹا کر بولا آئے، بھونکے۔ پرتو کرچاری بار بار یہی پوچھتا تھا کہ تم رات کو کہاں ٹھہرے تھے؟ اکیلے تھے یا کوئی ساتھ تھا؟ تم نے ساتھی کو آج صبح دیکھا یا نہیں۔ تم منہ اندھیرے کیوں چلے آئے؟

بھاگی رتھ کو اچنبھا ہوا کہ بات کیا ہے؟ یہ پرشن کیوں پوچھے جارہے ہیں؟ آپ تو مجھ سے اس بھانٹی پوچھتے ہیں، جیسے کوئی چور یا ڈاکو ہوں۔ میں تو گنگا انسان کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کو مجھ سے کیا مطلب ہے؟

کرچاری۔ میں اس پرانت کا پولیس افسر ہوں، اور یہ پرشن اس لیے کرتا ہوں کہ جس سوداگر کے ساتھ کل رات تم سرائے میں سوئے تھے، وہ مار ڈالا گیا ہے۔ ہم تمہاری تلاشی لینے آئے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ اس کے اسباب کی تلاشی لینے لگا، ایک ایک تھیلے میں سے ایک چمرا نکلا، وہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر بھاگی رتھ ڈر گیا۔

کرچاری۔ یہ چمرا کس کا ہے؟ اس پر خون کہاں سے لگا ہے؟
بھاگی رتھ چپ رہ گیا، اس کا کٹھ رک گیا، ہچکتا ہوا کہنے لگا۔ میرا نہیں، میں نہیں جانتا۔
کرچاری۔ آج سویرے ہم نے دیکھا ہے کہ وہ سوداگر گلا کٹے چارپائی پر پڑا ہے۔ کوٹھری اندر سے بند تھی، سوائے تمہارے بھیتر کوئی نہ تھا۔ اب یہ خون سے بھرا ہوا چمرا اس تھیلے میں سے نکلا ہے۔ تمہارا کھ ہا گواہی دے رہا ہے۔ بس تم نے ہی اسے مارا ہے۔
بتاؤ کس طرح مارا اور کتنے روپے چرائے؟

بھاگی رتھ نے سونگندہ کھا کر کہا۔ میں نے سوداگر کو نہیں مارا۔ بھونکے کرنے کے پیچھے پھر میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میرے پاس اپنے آٹھ ہزار روپے ہیں۔ یہ چمرا میرا نہیں۔
پرتو اس کی باتیں اکڑی ہوئی تھیں، کھ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ پانی کی بھانٹی بجے سے کانپ رہا تھا۔ پولیس افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی منگیلیں کس کر گاڑی میں ڈال دو۔ جب سپاہیوں نے اس کی منگیلیں کیں، تو وہ رونے لگا۔ افسر نے پاس کے تھانے پر لے جا کر اس کا روپیہ پیسہ چھین اسے حوالات میں دے دیا۔

اس کے بعد دلی میں اس کے چال چلن کی جانچ کی گئی۔ سب لوگوں نے یہی کہا کہ وہ پہلے مدھ لپی کر بک بک کیا کرتا تھا، پر اب اس کا آچار بہت اچھا ہے۔ عدالت میں

تحقیقات ہونے پر اسے رام پور نواحی سوداگر کا قودہ کرنے اور بیس ہزار روپے چرائینے کا اپرا دمی ٹھہرایا گیا۔

بھاگی رتھ کی استری کو اس بات پر دشاں نہ ہوتا تھا۔ اس کے بالک چھوٹے چھوٹے تھے۔ ایک ابھی دودھ پیتا تھا۔ وہ سب کو ساتھ لے کر پتی کے پاس پہنچی۔ پہلے تو کرپاریوں نے اسے اس سے ملنے کی آستیا نہ دی، پرتو بہت دنے کرنے پر آگیا مل گئی اور پھرے ولے اسے قید گھر میں لے گئے۔ جیوں ہی اس نے اپنے پتی کو بیڑی پہنے ہوئے چھوٹوں اور ڈاکوئس کے سچ بیٹھا ہوا دیکھا، وہ بے سدھ ہو کر دھرتی پر گر پڑی۔ بہت دیر میں سدھ آئی۔ وہ بچوں سہت پتی کے کٹ بیٹھ گئی اور گھر کا حال کہہ کر پوچھنے لگی کہ یہ کیا بات ہے؟ بھاگی رتھ نے سارا دتانت کہہ سنایا۔

استری۔ تو اب کیا ہو سکتا ہے؟

بھاگی رتھ۔ ہمیں مہاراج سے دنے کرنی چاہیے کہ وہ نرپرا دمی کو جان سے نہ

ماریں۔

استری۔ میں نے مہاراج سے دنے کی قسمی، پرتو وہ سو یکار نہیں ہوئی۔

بھاگی رتھ نے نراں ہو کر سر جھکا لیا۔

استری۔ دیکھا میرا پسنا کیسا سچ نکلا! تمہیں یاد ہے نہ، میں نے تم کو اس دن کہیں جانے سے روکا تھا۔ تمہیں اس دن نہ چلنا چاہیے تھا۔ لیکن میری بات نہ مانی۔ سچ کچ بتاؤ، تم نے اس سوداگر کو نہیں مارا نہ؟

بھاگی رتھ۔ کیا تمہیں بھی میرے اوپر سند یہہ ہے؟

یہ کہہ کر وہ منہ ڈھانپ کر رونے لگا۔ اتنے میں سپاہی نے آکر استری کو وہاں سے ہٹا دیا اور بھاگی رتھ سد یو کے لیے اپنے پر یوار سے بداع ہو گیا۔

گھر والوں کے چلے جانے پر جب بھاگی رتھ نے یہ وچارا کہ میری استری بھی مجھے اپرا دمی سمجھتی ہے تو من میں کہا، بس، معلوم ہو گیا، پر ماتما کے بنا اور کوئی نہیں جان سکتا کہ میں پاپی ہوں یا نہیں۔ اسی سے دیا کی آشا رکھنی چاہیے۔ پھر اس نے چھوٹنے کا کوئی تین نہیں کیا۔ چاروں اور سے نراں ہو کر المیہ کے ہی مجروسے 'رہا۔

بھاگی رتھ کو پہلے تو کوڑے مارے گئے۔ جب گھ 'بھر گئے تو اسے لوہ گڑھ کے بندی خانے بھیج دیا گیا۔

وہ چھبیس ورش بندی خانے میں پڑا رہا۔ اس کے بال پک کر سن کے سے ہو گئے، کمر ٹیڑھی ہو گئی، دیہہ کھل گئی، سد یو اداس رہتا۔ نہ کبھی ہنستا، نہ ہوتا، پرتو بھگوان کا بھجن بغیر کیا کرتا تھا۔

وہاں اس نے دری بننے کا کام سیکھ کر کچھ روپیہ جمع کیا اور بھکت مال مول لے لی۔ دن بھر کام کرنے کے بعد سانجھ کو جب تک سورج کا پرکاش رہتا، وہ پتنگ کو پڑھا کرتا اور اتوار کے دن بندی خانے کے ٹکٹ والے مندر میں جا کر پوجا پانٹھ بھی کر لیتا تھا۔ جیل کے کرچاری اسے سوشل جان کر اس کا مان کرتے تھے۔ قیدی لوگ اسے بوڑھا بابا اتھوا مہاتما کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ قیدیوں کو جب بھی کبھی کوئی عرضی سمجھنی ہوتی، تو وہ اسے اپنا کھیا بناتے اور جھگڑے اسی سے چکایا کرتے۔

اسے گھر کا کوئی ساہار نہ ملتا تھا۔ اسے یہ بھی نہ معلوم تھا کہ استری، بالک جیتے ہیں یا مر گئے۔

ایک دن کچھ نئے قیدی آئے، سندھیا سے پرانے قیدی ان کے پاس آکر پوچھنے لگے کہ بھائی، تم کہاں سے آئے ہو اور تم نے کیا کیا اپراہد کیے ہیں؟ بھائی تجھ اداس بیٹھا سنتا رہا۔ نئے قیدیوں میں ایک ساتھ ورش کا ہٹا سکتا آدمی، جس کے داڑھی بال خوب چھنے ہوئے تھے، اپنی مام کہانی یوں سن رہا تھا! بھائیوں، میرے متر کا گھوڑا ایک بڑے سے بندھا ہوا تھا۔ مجھے گھر جانے کی جلدی پڑی ہوئی تھی۔ میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے گھوڑا چھوڑ دیا۔ متر کہیں چلا گیا تھا۔ پولیس والوں نے چھوڑا کر مجھے پکڑ لیا یہ بھی کوئی یہ نہیں بتلا سکا کہ میں نے کس کا گھوڑا چلایا اور کہاں سے، پھر بھی جلدی کے اپراہد میں مجھے یہاں بھیج دیا ہے۔ اس سے پہلے ایک بار میں نے ایسا اپراہد کیا تھا کہ میں لوہ گڑھ میں بھیجے جانے لائق تھا، پرتو مجھے اس سے کوئی نہیں پکڑ سکا۔ اب بٹا اپراہد ہی یہاں بھیج دیا گیا ہوں۔

ایک قیدی۔ تم کہاں سے آئے ہو؟

نیا قیدی۔ دلی سے۔ میرا نام بلدیو سنگھ ہے۔

بھائی تجھ۔ بللا بلدیو سنگھ تھیں بھائی تجھ کے گھر والوں کا کچھ حال معلوم ہے،

جیتے ہیں کہ مر گئے؟

بلدیو۔ جانتا کیا؟ میں انھیں بھلی بھانٹی جانتا ہوں۔ اچھے مالدار ہیں۔ ہاں ان کا

ہا نہیں قید ہے۔ میرے ہی جیسا ارادہ ان کا بھی تھا۔ بوڑھے بابا تم یہاں کیسے آئے؟
بھاگی تھ۔ اپنی دیتی کھانا نہ کھی، کیول ہائے کہہ کر بولا۔ میں اپنے پاؤں کے
کارن چھیس ورش سے یہاں پڑا سڑ رہا ہوں۔

بلدیو۔ کیا پاپ، میں بھی سنوں؟

بھاگی تھ۔ بھائی جانے دو، پاؤں کا پھل اوشیہ بھوگنا پڑتا ہے۔

وہ اور کچھ نہ کہنا چاہتا تھا، پرنٹو دوسرے قیدیوں نے بلدیوں کو سارا حال کہہ سنایا
کہ وہ ایک سوداگر کا ذدہ کرنے کے ارادہ میں یہاں قید ہے۔ مل دیو نے یہ حال سنا تو
بھاگی تھ کو دھیان سے دیکھنے لگا۔ کھنے پر ہاتھ مار کر بولا۔ واہ واہ بڑا اچڑج ہے! لیکن دادا
تم تو بالکل بوڑھے ہو گئے۔ دوسرے قیدی بلدیو سے پوچھنے لگے کہ تم بھاگی تھ کو دیکھ کر
چکت کیوں ہوئے۔ تم نے کیا پہلے اسے کہیں دیکھا ہے؟ پرنٹو بلدیو نے اتر نہیں دیا۔

بھاگی تھ کے چت میں یہ سننے آئین ہوا کہ شاید بلدیو رام پوری سوداگر کے اصلی مارنے
والے کو جانتا ہے۔ بولا۔ بلدیو سنگھ کیا تم نے یہ بات سنی ہے اور مجھے بھی پہلے کہیں دیکھا ہے۔

بلدیو۔ وہ باتیں تو سارے سنار میں پھیل رہی ہیں۔ میں کس طرح نہ سنتا، بہت
دن بیت گئے، مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

بھاگی تھ۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سوداگر کو کس نے مارا تھا؟

بلدیو۔ (فس کر) جس کے تھیلے میں چھرا نکلا، وہی اس کا مارنے والا۔ یدی کسی نے
تھیلے میں چھرا چھپا بھی دیا ہو، تو جب تک کوئی پکڑا نہ جائے، اسے چور کون کہہ سکتا ہے؟ تھیلہ
تمہارے سر ہانے دھرا تھا۔ یدی کوئی دھرا پاس آکر چھرا تھیلے میں چھپاتا تو تم اوشیہ جاگ اٹھے۔

یہ باتیں سن کر بھاگی تھ کو نچے ہو گیا کہ سوداگر کو اسی نے مارا ہے۔ وہ ہٹھ کر
وہاں سے چل دیا، پر ساری رات جاگتا رہا۔ دکھ سے اس کا چت ویاکل ہو رہا تھا۔ اسے
ایک پرکاری باتیں یاد آنے لگیں۔ پہلے استری کی اس سے کی صورت دکھائی دی جب وہ
اسے میلے جانے کو منع کر رہی تھی۔ سامنے ایسا جان پڑا کہ وہ کھڑی ہے۔ اس کی بولی اور ہنسی
تک سنائی دی۔ پھر بالک دکھائی پڑے، پھر یوواستھا کی یاد آئی، کتنا پرسن چٹ تھا، کیسا آند
سے دوار پر بیٹھا ستار بجایا کرتا تھا۔ پھر وہ سرائے دکھائی دی، جہاں وہ پکڑا گیا تھا۔ تب وہ
جگہ سامنے آئی، جہاں اس پر کوڑے لگے تھے۔ پھر بیڑی اور بندی خانہ، پھر بڑھاپا اور چھیس

ورش کا دکھ۔ یہ سب باتیں اس کی آنکھوں میں بھرنے لگیں۔ وہ اتنا دکھی ہوا کہ جی میں آیا کہ ابھی پران دے دوں۔

ہائے۔ اس بلدیو چنڈال نے یہ کیا کیا! میں تو اپنا سروناش کر کے بھی اس سے بدلہ اوشیہ لوں گا۔

ساری رات بچن کرنے پر بھی اسے شافی نہیں ہوئی۔ دن میں اس نے بلدیو کو دیکھا تک نہیں۔ چندہ دن بیت گئے، بھاگی رتھ کی یہ دشاتھی کہ نہ رات کو نیند، نہ دن کو چین۔ کردھ اگنی میں جل رہا تھا۔

ایک رات وہ جیل خانے میں ٹہل رہا تھا کہ اس نے قیدیوں کے سونے کے چہترے کے نیچے سے مٹی گرتے دیکھی۔ وہ وہیں ٹھہر گیا کہ دیکھوں مٹی کہاں سے آرہی ہے۔ سہا بلدیو چہترے کے نیچے سے نکل آیا اور بجے سے کلچنے لگا۔ بھاگی رتھ آنکھیں موند کر آگے جانا چاہتا تھا کہ بل دیو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ دیکھو میں نے جتوں میں مٹی بھر کے باہر پھینک کر یہ سرگ لگائی ہے، چپ رہنا۔ میں تم کو یہاں سے بھاگ دیتا ہوں۔ یہی شور کردے تو جیل کے افسر مجھے جان سے مار ڈالیں، پرتو یاد رکھو کہ تمہیں مار کر مروں گا، یوں نہیں مرنے۔

بھاگی رتھ اپنے شتر وکر دیکھ کر کردھ سے کانپ اٹھا اور ہاتھ چھڑا کر بولا۔ مجھے بھاگنے کی اچھا نہیں، اور مجھے مارے تو تمہیں چھیں ورش ہو چکے ہیں۔ رہی یہ حال پرکت کرنے کی بات، جیسی پر ماتا کی آکٹیا ہوگی، ویسا ہوگا۔

اگلے دن جب قیدی باہر کام کرنے گئے تو چہرے داروں نے سرگ کی مٹی باہر پڑی ہوئی دیکھ لی۔ کھوج لگانے پر سرگ کا پتہ چل گیا۔ حاکم سب قیدیوں سے پوچھنے لگے۔ کسی نے نہ بتلایا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہی بتلادیا تو بلدیو مارا جائے گا۔ افسر بھاگی رتھ کو ستہ دہوی جانتے تھے، اس سے پوچھنے لگے۔ بوڑھے بابا تم سچے آدمی ہو۔ کچ بتاؤ کہ یہ سرگ کس نے لگائی ہے؟

بلدیو پاس ہی ایسے کھڑا تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ بھاگی رتھ کے ہونٹ اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چپ چاپ دچار کرنے لگا کہ جس نے میرا سارا جیون ناش کر دیا، اسے کیوں چھپاؤں؟ دکھ کا بدلا دکھ سے اوشیہ بھوگنا چاہیے، پرتو بدلا دینے پر بھر وہ کچ نہیں سکتا۔ شاید یہ سب میرا بھرم ماتر ہو۔ سوداگر کو کسی اور نے ہی مارا ہو، یہی اس نے ہی مارا تو اسے مروا دینے سے مجھے کیا لا بھ ہوگا؟

انسر۔ بابا، چپ کیوں ہو گئے؟ تلاتے کیوں نہیں؟

بھاگی رتھ۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا، آپ جو چاہیں سو کریں۔

حاکم نے بار بار پوچھا، پرتو بھاگی رتھ نے کچھ بھی نہیں بتلایا۔ بات ٹل گئی۔ اسی رات بھاگی رتھ جب اپنی کٹھری میں لیٹا ہوا تھا، بلدیو چپکے سے بھیڑ آکر بیٹھ گیا۔ بھاگی رتھ نے دیکھا اور کہا۔ بلدیو سنگھ اب اور کیا چاہتے ہو؟ یہاں تم کیوں آئے؟

بلدیو چپ رہا۔

بھاگی رتھ۔ تم کیا چاہتے ہو؟ یہاں سے چلے جاؤ، نہیں تو میں پہرے والے کو بلا لوں گا۔

بلدیو۔ (پاؤں پر پڑ کر)، مجھے چھما کر دو، مجھے چھما کرو۔

بھاگی رتھ۔ کیوں؟

بلدیو۔ میں نے ہی اس سوداگر کو مار کر وہ چھرا تمہارے تھیلے میں چھپا دیا تھا۔ میں تمہیں بھی مارنا چاہتا تھا مگر باہر سے آہٹ ہو گئی، میں چھرا تھیلے میں رکھ کر بھاگ نکلا۔

بھاگی رتھ چپ ہو گیا، کچھ نہیں بولا۔

بلدیو۔ بھائی بھاگی رتھ، بھگوان کے واسطے مجھ پر دیا کرو۔ مجھے چھما کرو۔ میں کل اپنا اپرادھ اٹھایا کر لوں گا۔ تم چھوٹ کر اپنے گھر چلے جاؤ گے۔

بھاگی رتھ۔ باتیں بتانا سبج ہے۔ چھیس ورش کے اس دکھ کو دیکھو، اب میں کہاں جاسکتا ہوں، استری مر گئی، لڑکے بھول گئے، اب تو میرا کہیں کوئی ٹھکانا نہیں۔

بلدیو دھرتی سے ماتھا چھوڑ رو رو کر کہنے لگا۔ مجھے کوڑے لگنے پر بھی اتنا کٹ نہیں ہوا تھا، جو اب تمہیں دیکھ کر ہو رہا ہے۔ تم نے دیا کر کے سرنگ کی بات نہیں بتلائی۔ چھما کرو۔ چھما کرو۔ میں اتنی دھمکی ہو رہا ہوں۔

یہ کہہ کر بلدیو دھاڑ مار کر رونے لگا۔ بھاگی رتھ کے نتروں سے بھی جل کی دھارا بہہ نکل۔ بولا۔ پورن پر ماتھا تم پر دیا کریں، کون جانے کہ میں اچھا ہوں یا تم اچھے ہو۔ میں نے تمہیں چھما کیا۔

اگلے دن بلدیو سنگھ نے سویم کر چاریوں کے پاس جا کر سارا حال سنا کر اپنا اپرادھ مان لیا۔ پرتو بھاگی رتھ کو چھوڑ دینے کا جب پروانہ آیا، تو اس کا دیہانت ہو چکا تھا۔

راجپوت قیدی

دھرم سنگھ نامی راجپوت راجپوتانہ کی سینا میں ایک افسر تھا۔ ایک دن ماتا کی مہری آئی کہ میں بوڑھی ہوتی جاتی ہوں۔ مرنے سے پہلے ایک بار تمہیں دیکھنے کی بھلاشا ہے، یہاں آکر مجھے وداع کر آشروداد لو اور کریا کرم کر کے آئندہ پوروک نوکری پر لوت جانا۔ تمہارے واسطے میں نے ایک کنیا کھوج رکھی ہے۔ وہ بڑی بدمعاشی اور دھنواں ہے۔ یہی تمہیں بھائے تو اس سے دیواہ کر کے سکھ پوروک گھر ہی پر رہنا۔

اس نے سوچا ٹھیک ہے، ماتا دنوں دن درہل ہوتی جا رہی ہے، سمجھو ہے کہ میں پھر اس کے درشن نہ کر سکوں۔ اس کارن چلنا ہی ٹھیک ہے۔ کنیا یہی سندر ہوئی تو دیواہ کرنے میں کیا ہانی ہے۔ وہ سینا پتی سے چھٹی لے کر ساتھیوں سے وداع ہو، چلنے کو پرست ہو گیا۔ اس سے راجپوتوں اور مرہٹوں میں یدھ ہو رہا تھا۔ راستے میں سد یو جیسے رہتا تھا۔ یہی کوئی راجپوت اپنا قلعہ چھوڑ کر کچھ دور باہر نکل جاتا تھا تو مرہٹے اسے پکڑ کر قید کر لیتے تھے۔ اس کارن یہ پر بندھ کیا گیا تھا کہ سچاہ میں دو بار سپاہیوں کی ایک کھنچی مسافروں کو ایک قلعے سے دوسرے قلعے تک پہنچا آیا کرتی تھی۔

گرمی کی رات تھی۔ دن نکلنے ہی قلعے کے نیچے اسباب کی گاڑیاں لاد کر تیار ہو گئیں۔ سپاہی باہر آگئے اور سب نے سڑک کی راہ لی۔ دھرم سنگھ گھوڑے پر سوار ہو، آگے چل رہا تھا۔ سولہ میل کا سفر تھا، گاڑیاں دھیرے دھیرے چلتی تھیں۔ کبھی سپاہی ٹھہر جاتے تھے، کبھی گاڑی کا پھیا نکل جاتا تو کبھی گھوڑا اڑ جاتا تھا۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ راستہ آدھا بھی نہیں کٹا تھا۔ گرم ریت اڑ رہی تھی۔ دھوپ آگ کا کام کر رہی تھی۔ چھایا کہیں نہیں تھی۔ صاف میدان تھا۔ سڑک پر نہ کوئی درکش نہ جھاڑی۔ دھرم سنگھ آگے تھا اور کبھی کبھی اس کارن ٹھہر جاتا تھا کہ گاڑیاں آکر مل جائیں۔ من

میں دھارنے لگا کہ آگے کیوں نہ چلوں۔ گھوڑا تیز ہے، یدی مراٹھے دھادا کریں گے تو گھوڑا دوڑا کر نکل جاؤں گا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چرن سنگھ بندوق ہاتھ میں لیے اس کے پاس آکر بولا۔ آؤ آگے چلیں۔ اس سے بڑی گری ہے۔ بھوک کے مارے دیا کل ہو رہا ہوں۔ سبھی کپڑے پسینے میں بھیگ رہے ہیں۔ چرن سنگھ ہماری بھرکم آدمی تھا۔ اس کا منہ لال تھا۔

دھرم سنگھ۔ تمہاری بندوق بھری ہوئی ہے؟

چرن سنگھ۔ ہاں، بھری ہوئی ہے۔

دھرم سنگھ۔ اچھا چلو، مگر چھڑ نہ جانا۔

یہ دونوں چل دیے۔ باتیں کرتے جاتے تھے، پر دھیان دائیں بائیں تھا۔ صاف میدان ہونے کے کارن درشتی چاروں اور جاسکتی تھی۔ آگے چل کر سڑک دو پہاڑیوں کے بیچ سے ہو کر نکلتی تھی۔

دھرم سنگھ۔ اس پہاڑی پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھ لینا اچت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک مراٹھے کہیں سے آکر ہمیں پکڑ لیں۔

چرن سنگھ۔ اجی چلے بھی چلو۔

دھرم سنگھ۔ نہیں، آپ یہاں ٹھہریے۔ میں جا کر دیکھ آتا ہوں۔

دھرم سنگھ نے گھوڑا پہاڑی کی اور پھیر دیا۔ گھوڑا شکاری تھا، اسے کھمبی کی بھائی لے اڑا۔ وہ ابھی پہاڑی کی چوٹی پر نہیں پہنچا تھا کہ سو قدم آگے تیس مراٹھے دکھائی پڑے۔ دھرم سنگھ لوٹ پڑا، پر تو مراٹھوں نے اسے دیکھ لیا اور بندوقیں سنبال کر گھوڑے دوڑا، اس پر لپکے۔ دھرم سنگھ بے تہاشا نیچے اڑا اور چرن سنگھ کو پکار کر کہنے لگا۔ بندقیں تیار رکھو اور گھوڑے سے بولا۔ پیارے، اب سے ہے۔ دیکھنا ٹھوکر نہ کھانا نہیں تو جھگڑا ساہت ہو جائے گا۔ ایک بار بندوق لے لینے دے..... پھر میں کسی کے باندھنے کا نہیں۔ ادھر چرن سنگھ مراٹھوں کو دیکھ گھوڑے کو چابک مار، ایسا بھاگا کہ گردے میں گھوڑے کی پونچھ ہی پونچھ دکھائی دی اور کچھ نہیں۔

دھرم سنگھ نے دیکھا کہ بچے کی کوئی آشا نہیں ہے، خالی تلوار سے کیا بنے گا، وہ قلعے کی اور بھاگ نکلا، پر تو چھ مراٹھے اس پر لوٹ پڑے۔ دھرم سنگھ کا گھوڑا تیز تھا، پر ان کے گھوڑے اس سے بھی تیز تھے۔ بس پر یہ بات ہوئی کہ وہ سامنے سے آرہے تھے۔ دھرم

سنگھ چاہتا تھا کہ گھوڑے کی باگ موڑ کر اسے دوسرے راستے پر ڈال دے۔ پر تو گھوڑا اتنا حیر
 جادبا تھا کہ رک نہیں سکا۔ سیدھا مراٹھوں سے جا ٹکرایا۔ بچے گھوڑے پر سوار بندوق اٹھائے
 لال داڑھی والا ایک مراٹھا دانت ٹکاتا ہوا اس کی اور لپکا۔ حرم سنگھ نے کہا میں ان دھڑوں کو
 بجلی بھاتی جانتا ہوں۔ یہی وہ مجھے جیتا پکڑ لیں گے تو کسی کندرا میں پھینک کر کوڑے مارا
 کریں گے۔ اس لیے یا تو آگے نکلو، نہیں تو نکوار سے ایک دو کو ڈبیر کر دو۔ مرنا اچھا ہے، قید
 ہونا ٹھیک نہیں۔ حرم سنگھ اور مراٹھوں میں دس ہاتھ کا ہی اتار رہ گیا تھا کہ پیچھے سے گولی
 چلی، حرم سنگھ کا گھوڑا گھائل ہو کر گرا اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی دھرتی پر آ گیا۔

حرم سنگھ اٹھنا چاہتا تھا کہ دو مراٹھے آکر اس کی ٹھکیں کسنے لگے۔ حرم سنگھ نے
 دھکا دے کر انہیں دور کر لیا۔ پر تو دوسروں نے آکر بندوق کے کندوں سے اسے مارنا شروع
 کیا اور وہ گھائل ہو کر پرتھوی پر گر پڑا۔ مراٹھوں نے اس کی ٹھکیں کس لیں، کپڑے پھاڑ
 دیے، دپیہ دپیہ سب جھین لیا۔ حرم سنگھ نے دیکھا کہ گھوڑا جہاں گرا تھا، وہیں پڑا ہے۔
 ایک مراٹھے نے پاس آکر زین اتارنی چاہی۔ گھوڑے کے سر میں ایک جمید ہو گیا تھا۔ اس
 میں سے کالا رکت بہہ رہا تھا۔ دو ہاتھ ادھر ادھر کی دھرتی کچڑ ہو گئی تھی۔ گھوڑا چت پڑا ہوا
 ہوا میں پھنک رہا تھا۔ مراٹھے نے گلے پر نکوار پھینک دی۔ گھوڑا مر گیا، اس نے زین اتار لی۔
 لال داڑھی والا مراٹھا گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دوسروں نے حرم سنگھ کو اس کے
 پیچھے بٹھا کر اسے اس کی کمر سے ہاتھ دیا اور جنگل کا راستہ لیا۔

حرم سنگھ کا بڑا حال تھا۔ مسک پھٹا تھا۔ لہو بہہ کر آنکھوں پر جم گیا تھا۔ مشکوں
 کے مارے کندھا پھٹا جاتا تھا۔ وہ مل نہیں سکتا تھا۔ اس کا سر بار بار مراٹھے کی پیٹھ سے ٹکراتا
 تھا۔ مراٹھے پہاڑیوں پر اوپر چپے ہوتے ہوئے ایک ندی پر پہنچے، اسے پار کر کے ایک گھاٹی
 ملی۔ حرم سنگھ یہ جانتا چاہتا تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ پر تو اس کے ہنر بند تھے، وہ کچھ نہ
 دیکھ سکا۔

شام ہونے لگی۔ مراٹھے دوسری ندی پار کر کے ایک پتھر لی پہاڑی پر چڑھ گئے۔
 یہاں دھواں اور کتوں کا بھونکنا سنائی دیا، مانو کوئی ہستی ہے۔ توڑی دیر چلی کر گاؤں آ گیا۔
 مراٹھوں نے گاؤں چھوڑ دیا۔ حرم سنگھ کو ایک اور دھرتی پر بٹھا دیا، باگ آکر اس پر پتھر
 پھینکنے لگے۔ پر تو ایک مراٹھے نے انہیں وہاں سے ہٹا دیا۔ لال داڑھی والے ایک سبک کو

بلایا۔ وہ دبلا پتلا آدمی پھنا ہوا کرتا پہننے تھا۔ مراٹھے نے اس سے کچھ کہا، وہ جا کر بیڑی بٹھا لایا۔ مراٹھوں نے حرم سنگھ کی ٹھکیں کھول کر اس کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی اور اسے کٹھری میں قید کر کے تالا لگا دیا۔

۲

اس رات حرم سنگھ ذرا بھی نہیں سویا۔ گرمی کی ریت میں راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ ٹھیکر پرانے کال ہو گیا۔ دیوار میں ایک جھروکا تھا۔ اسی سے اندر اجالا جا رہا تھا۔ جھروکے کے دوارا حرم سنگھ نے دیکھا کہ پہاڑ کے نیچے ایک سڑک اتری ہے، دائیں اور ایک مراٹھے کا جمونڈا ہے۔ اس کے سامنے دو بیل ہیں۔ دوار پر ایک کالا کتا بیٹھا ہوا ہے۔ پاس ایک بکری اور اس کے بچے پونچھ ہلاتے پھر رہے ہیں۔ ایک استری چٹیلے رنگ کی ساڑی پہنے پانی کی کافر سر پر دھرے ہوئے ایک ہالک کی اٹلی پکڑے جمونڈے کی اور آ رہی ہے۔ وہ اندر مٹی کے لال داڑھی والا مراٹھا ریشمی کپڑے پہنے، چاندی کے منھے کی تلواریں لٹکائے ہوئے باہر کی اور آیا اور سینک سے کچھ بات کر کے چل دیا۔ پھر دو ہالک گھوڑے کو پانی پلا کر لوتے ہوئے دکھائی پڑے۔ اتنے میں کچھ ہالک کٹھری کے کھٹ آکر جھروکے میں ٹھہنیاں ڈالنے لگے۔ پیاس کے مارے حرم سنگھ کا کٹھ سوکھا جاتا تھا۔ اس نے انھیں پکارا، پر تو وہ بھاگ گئے۔

اتنے میں کسی نے کٹھری کا تالا کھولا۔ لال داڑھی والا مراٹھا بھیڑ آیا۔ اس کے ساتھ ایک نانا پرش تھا۔ اس کا سانولا رنگ، نزل کالے نیر، گول کپول، کتری ہوئی مہین داڑھی تھی۔ وہ پرسن کھ ہنسوڑ تھا۔ یہ پرش لال داڑھی والا مراٹھے سے بہت بڑھیا دستر پہنے ہوئے تھا۔ سنہری گوٹ لگی ہوئی نیلے رنگ کی ریشمی اچکن تھی۔ چاندی کے مہان والی تلواریں، کلابتو کا جوتا تھا۔ لال داڑھی والا مراٹھا کچھ بڑھاتا حرم سنگھ کو ٹھکیوں سے دیکھتا دوار پر کھڑا رہا۔ سانولا پرش آکر حرم سنگھ کے پاس بیٹھ گیا اور آنکھیں دکھا کر جلدی جلدی اپنی ماتری بھاشا میں کہنے لگا۔ بڑا اچھا راجپوت ہے۔

حرم سنگھ نے ایک اکثر بھی نہ سمجھا۔ ہاں پانی مانگا۔ سانولا پرش ہنسا۔ تب حرم نے ہونٹ اور ہاتھوں کے سبکیے سے بتایا کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ سانولے پرش نے پکارا۔

سوشلا!

ایک چھوٹی سی کنیا دوڑتی ہوئی بھیڑ آئی۔ تیرہ ورش کی اوستھا سانولا رنگ، دہلی پتلی، نتر کالے اور ریلے، سندر بدن، نیلی ساڑی، گلے میں سورن ہار پہنے ہوئے۔ سانولے پردوش کی بڑی معلوم پڑتی تھی۔ پتا کی آٹھریہ پاکر وہ پانی کا ایک لوٹا لے آئی اور دھرم سنگھ کو بھونچکی ہو کر دیکھنے لگی کہ وہ کوئی دغیر ہے۔

پھر خالی لوٹا لے کر سوٹھلا نے ایسی چھلانگ ماری کہ سانولا پردوش ہنس پڑا۔ تب پتا کے کہنے سے کچھ روٹی لے آئی۔ اس کے پیچھے وہ سب باہر چلے گئے اور کونھری کا تالا بند کر دیا۔ کچھ دیر پیچھے ایک سیوک آکر مراٹھی میں کچھ کہنے لگا۔ دھرم نے سمجھا کہ کہیں چلنے کو کہتا ہے۔ وہ اس کے پیچھے ہو گیا۔ بیزی کے کارن لنگڑا کر چلتا تھا۔ باہر آکر دھرم نے دیکھا کہ دس گھروں کا ایک گاؤں ہے۔ ایک گھر کے سامنے تین لڑکے تین گھوڑے پکڑے ہوئے ہیں۔ سانولا پردوش باہر آیا اور دھرم کو بھیڑ آنے کو کہا۔ دھرم بھیڑ چلا گیا، دیکھا کہ مکان سوٹھ ہے، گوبری پھری ہوئی ہے، سامنے کی دیوار کے آگے ایک گدا بچھا ہوا ہے۔ نیچے لگے ہوئے ہیں۔ دائیں بائیں دیواروں پر پردے گرے ہوئے ہیں۔ ان پر چاندی کے کام کی بندوقیں، پستول اور تلواریں لٹکی ہوئی ہیں۔ گدے پر پانچ مرہٹے بیٹھے ہیں۔ ایک سانولا پردوش اور دوسرا داڑھی والا اور تین اتھھی۔ سب بھونچ کر رہے ہیں۔

دھرم سنگھ دھرتی پر بیٹھ گیا۔ بھونچ سے شجھت ہو کر ایک مرہٹا بولا۔ دیکھو راجپوت، تمہیں دیا رام نے پکڑا ہے (سانولے پردوش کی اُور انگلی کر کے) اور سپت راؤ کے ہاتھ بچ ڈالا ہے، اتیو اب سپت راؤ تمہارا سوامی ہے۔

دھرم سنگھ کچھ نہ بولا۔ سپت راؤ ہنسنے لگا۔

مرہٹا۔ وہ یہ کہتا ہوا کہ تم گھر سے روپے منگوا لو، دغ دے دینے پر تم کو چھوڑ دیا جائے گا۔

دھرم سنگھ۔ کتنے روپے؟

مرہٹا۔ تین ہزار!

دھرم سنگھ۔ میں تین ہزار نہیں دے سکتا۔

مرہٹا۔ کتنے دے سکتے ہو؟

دھرم سنگھ۔ پانچ سو۔

یہ سن کر مرے شٹا۔ سمپٹ راؤ دیا رام سے کمرلہ کرنے لگا اور اتنی جلدی جلدی بولنے لگا کہ اس کے منہ سے جھاگ نکل آیا۔ دیا رام نے آنکھیں نیچی کر لیں، تھوڑی دیر میں مرے شانت ہوئے اور پھر مول تول کرنے لگے۔ ایک مرے نے کہا۔ پانچ سو روپے سے کام نہیں چل سکتا۔ دیا رام کو سمپٹ راؤ کا روپیہ دینا ہے۔ پانچ سو روپے میں تو سمپٹ راؤ نے تمہیں مول ہی لیا ہے۔ تین ہزار سے کم نہیں ہو سکتا۔ یدی روپیہ نہ منگاؤ گے تو تمہیں کوزے مار جائیں گے۔

دھرم نے سوچا کہ جتنا ڈرو گے، یہ ڈشٹ اتنا ہی ڈرائے گا۔ وہ کھڑا ہو کر بولا۔ اس بھلے ہنس سے کہہ دو کہ یدی مجھے کوزے کا بجھے دکھائے گا تو میں گھر والوں کو کچھ نہیں لکھوں گا۔ میں تم چندالوں سے نہیں ڈرتا۔

سمپٹ راؤ۔ اچھا ایک ہزار منگاؤ۔

دھرم سنگھ۔ پانچ سو سے ایک کوزی زیادہ نہیں۔ یدی تم مجھے مار ڈالو گے تو اس پانچ سو سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

یہ سن کر مرے آپس میں صلاح کرنے لگے۔ اتنے میں ایک سیوک ایک منخیہ کو لیے ہوئے بھیڑ آیا۔ وہ منخیہ مونا تھا۔ ننگے پیر، بیڑی پڑی ہوئی۔ دھرم سنگھ اسے دیکھ کر چکت ہو گیا۔ وہ ہر دوش چرن سنگھ تھا۔ سیوک نے چرن سنگھ کو دھرم سنگھ کے پاس بیٹھا دیا۔ وہ ایک دوسرے سے اپنی ہتھاکر کرنے لگے۔ دھرم سنگھ نے اپنا ورتانت کہہ سنایا۔ چرن سنگھ بولا۔ میرا گھوڑا از گیا، بندوق رنجک چاٹ گئی اور سمپٹ راؤ نے مجھے پکڑ لیا۔

سمپٹ راؤ۔ (پھر) اب تم دونوں ایک ہی سواری کے دوش میں ہو۔ جو پہلے روپے دے دے گا۔ وہی چھوڑ دیا جائے گا (دھرم سنگھ کی اُور دیکھ کر) دیکھا! تم کیسے کر دمی ہو اور تمہارا ساتھی کیسا سوئیل ہے۔ اس نے پانچ ہزار روپے بھیجنے کو گھر لکھ دیا ہے۔ اس کا رن اس کا پالن پوٹن بھائی کیا جائے گا۔

دھرم سنگھ۔ میرا ساتھی جو چاہے سو کرے، وہ دھنواں ہے، اور میں تو پانچ سو روپے سے ادھک نہیں دے سکتا۔ چاہے مارو چاہے چھوڑو۔

مرے چپ ہو گئے۔ سمپٹ راؤ جھٹ سے قلمدان اٹھا لیا۔ کاغذ قلم دوات نکال کر دھرم کی پیٹھ ٹھوک، اسے لکھنے کو کہا۔ وہ پانچ سو روپے لینے پر راضی ہو گیا تھا۔

دھرم سنگھ — ذرا ٹھہرو۔ دیکھو، ہمارا پالن پون بھلی بھانٹی کرنا، ہمیں ایک ساتھ رکھنا، جس سے ہمارا سہ اچھی طرح کٹ جائے۔ بیڑیاں بھی نکال دو۔

سمپت راؤ — جیسا چاہو ویسا بھوجن کرو۔ بیڑیاں نہیں نکال سکتا۔ شاید تم بھاگ جاؤ۔ ہاں، رات کو نکال دیا کروں گا۔

دھرم سنگھ نے پتر لکھ دیا۔ پرنتو پتہ سب جھوٹ لکھا، کیونکہ من میں نشے کر چکا تھا کہ کبھی نہ کبھی بھاگ جاؤں گا۔

تب مربنوں نے دھرم سنگھ اور چرن سنگھ کو ایک ہی کوفری میں پہنچا کر ایک لونا پانی کچھ باجرے، کی رونیاں دے کر اوپر سے تالا بند کر دیا۔

۳

دھرم سنگھ اور چرن سنگھ کو اس پرکار رہتے رہتے ایک مہینہ گزر گیا۔ سمپت راؤ ان کو دیکھ کر سدو بستا رہتا تھا، پر کھانے کو باجرے کی ادھ پکی روٹیوں کے سوا اور کچھ نہ دیتا تھا۔ چرن سنگھ اداس رہتا اور کچھ نہ کرتا۔ دن بھر کوفری میں پڑا سویا رہتا اور دن گنتا رہتا تھا کہ روپیہ کب آئے اور چھوٹ کر اپنے گھر پہنچوں۔ دھرم تو جانتا تھا کہ روپیہ کہاں سے آتا ہے جو کچھ گھر بھیجتا تھا ماما اسی پر زواہ کرتی تھی۔ وہ بیجاری پانچ سو روپے کیسے بھیج سکتی ہے۔ الیشور کی دیا ہوئی تو میں بھاگ جاؤں گا۔ وہ گھات میں لگا ہوا تھا۔ کبھی سیٹی بجاتا ہوا گاؤں کا چکر لگاتا، کبھی بیٹھ کر منی کے کھلونے اور ٹوکریاں بناتا۔ وہ ہاتھوں کا چتر تھا۔

ایک دن اس نے ایک گڑیا بنا کر چھت پر رکھ دی۔ گاؤں کی استریاں جب پانی بھرنے آئیں تو سوشیلا نے ان کو بلا کر گڑیا دکھائی۔ وہ سب ہنسنے لگیں۔ دھرم سنگھ نے گڑیا سب کے آگے کڑ دی۔ پرنتو کسی نے نہیں لی، وہ اسے باہر رکھ کر کوفری میں چلا گیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ سوشیلا گڑیا اٹھا کر بھاگ گئی۔

اگلے دن دھرم نے دیکھا کہ سوشیلا دوار پر بیٹھی گڑیا سے کھیل رہی ہے۔ ایک بڑھیا آئی۔ اس نے گڑیا چھین کر توڑ ڈالی، سوشیلا بھاگ گئی۔ دھرم سنگھ نے اور گڑیا بنا کر سوشیلا کو دے دی۔ پھل یہ ہوا کہ وہ ایک دن جھوٹا سا لونا لائی، بھوی پر رکھا اور دھرم کو دکھا کر بھاگ گئی۔ دھرم نے دیکھا تو اس میں دودھ تھا۔ اب سوشیلا اتنی اچھے اچھے بھوجن لا کر دھرم کو دینے

گئی۔

ایک دن آنڈمی آئی۔ ایک گھنٹہ سلا دھارینہ برسا۔ ندیاں نالے بھر گئیں۔ باندھ پر سات فٹ پانی چڑھ آیا۔ جہاں تہاں جھرنے جھرنے لگے، دھار ایسی پڑی تھی کہ پتھر لڑھکے جاتے تھے، گاؤں کی گلیوں میں ندیاں بہنے لگیں۔ آنڈمی ختم جانے پر دھرم سنگھ نے سمپت راؤ سے چاقو مانگ کر ایک پہیا بنا، اس کے دونوں اُور دو گڑیا باندھ کر پیسے کو پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ پانی کے بل سے چلنے لگا۔ سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا اور گڑیا کو ناچتے دیکھ کر تالیاں بجانے لگا۔ سمپت راؤ کے پاس ایک پرانی بگڑی ہوئی گھڑی پڑی تھی۔ دھرم سنگھ نے اسے ٹھیک کر دیا۔ اس کے بیچے اور لوگ اپنے گھنٹے، پستول اور گھڑیاں لالاکر دھرم سے ٹھیک کرانے لگے۔ اس پر کارنمپت راؤ نے پرسن جو کر دھرم سنگھ کو ایک چٹنی، ایک بری اور ایک ریتی دے دی۔

ایک دن ایک مربنا روگی ہو گیا۔ سب لوگ دھرم سنگھ کے پاس آکر دوا دارو مانگنے لگے۔ دھرم کچھ دیکھ تو تھا ہی نہیں، پر اس نے پانی میں ریتا ملا کر کچھ منتر سا پڑھ کر کہا کہ جاؤ، یہ پانی روگی کو پلاؤ، پانی پلانے پر روگی چنگا ہو جائے گا۔ دھرم کا بھاگیہ اچھا تھا کہ اب بہت سے مرے اس کے ہتھ بن گئے۔ ہاں کچھ لوگ اب بھی اس پر سندیہ کرتے تھے۔

دیا رام دھرم سنگھ سے چڑھتا تھا۔ جب اسے دیکھتا منہ پھیر لیتا۔ پہاڑی کے نیچے ایک اور بوڑھا رہتا تھا۔ مندر میں آنے کے سے دھرم سنگھ اسے دیکھا کرتا تھا۔ یہ بوڑھا نانا تھا۔ داڑھی مونچھ برف کی مانند شویت، منہ لال، اس میں جھریاں پڑی ہوئیں، ناک نوکیلی، نیر نزدیکی، دو داڑھیوں کے سوائے سب دانت ٹوٹے ہوئے۔ وچیں ککڑی ٹیکتا چاروں اُور بھیڑیے کی طرح جھانکتا ہوا مندر میں جانے کے سے جب کبھی دھرم سنگھ کو دیکھ پاتا تھا تو جل کر راکھ ہو جاتا اور منہ پھیر لیتا تھا۔

ایک دن دھرم سنگھ بوڑھے کا گھر دیکھنے کے لیے پہاڑی سے نیچے اترا۔ کچھ دور جانے پر ایک بانچھ ملا۔ چاروں اُور پتھر کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ بیچ میں میوے کے درکش لگے ہوئے تھے۔ درکشوں میں ایک جھونپڑا تھا۔ دھرم سنگھ آگے بڑھ کر دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی بیڑی کھڑکی بوڑھا چونکا، کمر سے پستول نکال کر دھرم سنگھ پر گولی چلائی، پر وہ دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ بوڑھے کو آکر سمپت راؤ سے کہتے سنا کہ دھرم سنگھ بڑا ڈشٹ ہے۔ سمپت راؤ نے دھرم کو بلا کر پوچھا۔ تم بوڑھے کے گھر کیوں گئے تھے؟

دھرم سنگھ بولا - میں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں کیول یہ دیکھنے لگا تھا کہ وہ بوڑھا کہاں رہتا ہے۔ سمیت نے بوڑھے کو شانت کرنے کا بہت پریقن کیا، پر وہ بڑبڑاتا ہی رہا۔ دھرم سنگھ کیول اتنا ہی سمجھ سکا کہ بوڑھا یہ کہہ رہا ہے کہ راجپوتوں کا گاؤں میں رہنا اچھا نہیں، انھیں مار دینا چاہیے۔ بوڑھا چل دیا، تو دھرم سنگھ نے سمیت راؤ سے پوچھا کہ بوڑھا کون ہے؟

سمیت راؤ - یہ بڑا آدمی ہے۔ اس نے بہت راجپوت مارے ہیں۔ پہلے یہ بڑا دھناڑھیہ تھا۔ اس کی تین استریاں اور آٹھ پُتر تھے۔ سب ایک ہی گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن راجپوتوں نے دھاوا کر کے گاؤں جلا دیا۔ اس کے سات پُتر تو مر گئے۔ آٹھواں قید ہو گیا۔ یہ بوڑھا راجپوتوں کے پاس جا کر اور ان کے سنگ رہ کر اپنے پُتر کی کھوج لگانے لگا۔ انت میں اسے پا کر اپنے ہاتھوں سے اس کا قدھ کر کے بھاگ آیا۔ پھر ورکت ہو کر تیرتھ یا ترا کو چلا گیا۔ اب یہ پہاڑی کے نیچے رہتا ہے۔ یہ بوڑھا کہتا ہے کہ تمہیں مار ڈالنا اچٹ ہے۔ پرنٹو میں تم کو مار نہیں سکتا، پھر روپیہ کہاں سے ملے گا؟ اس کے سوائے میں تمہیں یہاں سے جانے بھی نہ دوں گا۔

اس طرح دھرم یہاں ایک مہینہ رہا۔ دن کو وہ ادھر ادھر پھرا کرتا یا کوئی چیز بناتا، لیکن رات کو وہ دیوار میں چھید کیا کرتا۔ دیوار پتھر کی تھی، کھودنا سچ نہیں تھا۔ لیکن وہ پتھروں کو ریتی سے کاٹتا تھا، یہاں تک کہ انت میں اس نے اپنے نکلنے بھر کو ایک چمیدر بنالیا۔ بس، اب اسے یہ چھتا ہوئی کہ راستہ معلوم ہو جائے۔

ایک دن سمیت راؤ شہر گیا ہوا تھا۔ دھرم سنگھ بھوجن کر کے تیسرے پہر راستہ دیکھنے کی اچھا سے سامنے والی پہاڑی کی اُور چل دیا۔ سمیت راؤ باہر جاتے سے اپنے پُتر سے سیدو کہہ جایا کرتا تھا کہ دھرم سنگھ کو آنکھوں سے پرے نہ ہونے دینا۔ اس کارن بالک اس کے پیچھے دوڑا اور چلا کر کہنے لگا - مت جاؤ میرے پتا کی آکھیا نہیں ہے۔ یدی تم نہیں لوٹو گے تو میں گاؤں والوں کو بلا دوں گا۔

دھرم سنگھ بالک کو پھسلانے لگا۔ میں دور نہیں جاتا۔ کیول اس پہاڑی پر جانے کی اٹھا ہے۔ روٹیوں کے واسطے مجھے ایک بوٹی کی ضرورت ہے۔ تم بھی ساتھ چلو بیڑی کے ہوتے کیسے بھاگوں گا۔ آکھو ہے۔ آؤ، کل میں تم کو تیر کمان بنا دوں گا۔

بالک مان گیا۔ پہاڑی کی چوٹی کچھ دور نہ تھی۔ بیزی کے کارن چلنا کٹھن تھا۔ پرنٹو جوں توں کر کے دھرم سنگھ چوٹی پر پہنچ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دشمن دشا میں ایک گھائی دکھائی دی۔ اس میں گھوڑے چل رہے تھے۔ گھائی کے نیچے ایک گاؤں تھا۔ اس سے پرے ایک اونچی پہاڑی تھی۔ پھر ایک اور پہاڑی تھی۔ ان پہاڑیوں کے پھوں بچ جنگل تھا، اس سے پرے پہاڑ تھے، ایک سے ایک اونچے۔ پورب اور بچتم دشا میں بھی ایسی ہی پہاڑیاں تھیں۔ کندراؤں میں سے جہاں تہاں گاؤں کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ داستو میں یہ مرہٹوں کا دلش تھا۔ اتر کی اُور دیکھا تو بیروں تلے ایک ندی بہہ رہی ہے اور وہیں گاؤں ہے، جس میں وہ رہا کرتا تھا۔ گاؤں کے چاروں اُور باغیچے لگے ہوئے تھے اور استریاں ندی پر بیٹھی دستر دھو رہی تھیں اور ایسی جان پڑتی تھیں مانو گزیا بیٹھی ہیں۔ گاؤں سے پرے ایک پہاڑی تھی۔ پرنٹو دشمن دشا والی پہاڑی سے نیچی۔ اس سے پرے دو پہاڑیاں اور تھیں۔ ان پر گھنا جنگل تھا۔ ان کے بچ میں میدان تھا۔ میدان کے پار بہت دور پر کچھ دھواں دکھائی دیا۔ اب دھرم سنگھ کو یاد آیا کہ قلعے میں رچے ہوئے سور یہ کہاں سے اُدے ہوتا اور کہاں اُست ہوا کرتا تھا۔ اسے نیچے ہو گیا کہ دھواں کا بادل ہمارا قلعہ ہے اور اسی میدان میں سے جانا ہوگا۔

اندھیرا ہو گیا، مندر کا گھنٹہ بجنے لگا۔ پشو گھر لوٹ آئے۔ دھرم سنگھ بھی اپنی کوشری میں آ گیا۔ رات اندھیری تھی۔ اس نے اسی رات بھاگنے کا وچار کیا پر در بھاگیہ سے سندھیا سے مرہٹے گھر لوٹ آئے۔ آج ان کے ساتھ ایک مردہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مرہٹا یدھ میں مارا گیا ہے۔ مرہٹے اس شو کو انسان کر کے شویت دستر لپیٹ اترھی بنا ’رام نام ستیہ‘ کہتے ہوئے گاؤں سے باہر جا کر ششان بھوی میں واہ کر کے گھر لوٹ آئے۔ تین دن اُپواس کرنے کے بعد چوتھے دن باہر چلے آئے۔ سمپ راؤ گھری میں رہا۔ رات اندھیری تھی، فکل پکش ایسی لگا ہی تھا۔

دھرم سنگھ نے سوچا کہ رات کو بھاگنا ٹھیک ہے۔ چرن سنگھ سے کہا — بھائی چرن سرگم تیار ہے۔ چلو بھاگ چلیں۔

چرن سنگھ (بھیم صہ، ہوکر) — راستہ تو جانتے ہی نہیں، بھاگیں گے کیسے؟

دھرم سنگھ — راستہ میں جانتا ہوں۔

چرن سنگھ — مانا کہ تم راستہ جانتے ہو۔ پرنٹو ایک رات میں قلعے تک نہیں پہنچ

سکتے۔

دھرم سنگھ - یدی قلعے تک نہیں پہنچیں گے تو رات میں کسی جنگل میں چھپ کر دن کاٹ لیں گے۔ دیکھو میں نے بھوجن کا پر بندھ بھی کر لیا ہے۔ یہاں پڑے پڑے سڑنے میں کیا لالچ ہے؟ یدی گھر سے روپیہ نہ آیا تو کیا بنے گا۔ راجپوتوں نے ایک مرہٹا مار ڈالا ہے۔ اس کارن یہ سب بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ بھاگنا ہی اچت ہے۔
چرن سنگھ اچھا چلو۔

۴

گاؤں میں جب سناٹا ہو گیا تو دھرم سنگھ سرنگ سے باہر نکل آیا، پر چرن سنگھ کے پیر سے ایک پتھر گر پڑا۔ دھماکہ ہوا تو سمیت راؤ کا کتا بھونکا، لیکن دھرم سنگھ نے اسے پہلے ہی ہلا لیا تھا۔ اس کا شبد سن کر وہ چپ ہو گیا۔

رات اندھیری تھی، تارے نکلے ہوئے تھے، چاروں اُور سناٹا تھا، گھانٹاؤں دھند سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چلتے چلتے راستے میں کسی چھت پر سے ایک بوڑھے کے رام نام چنے کی آواز سنائی دی۔ دونوں ڈبک گئے، تھوڑی دیر میں پھر سناٹا چھا گیا۔ تب وہ آگے بڑھے۔
دھند بہت چھا گئی۔ دھرم سنگھ تاروں کی اُور دیکھ کر راہ چلنے لگا۔ ٹھنڈ کے کارن چلنا سہج نہ تھا۔ دھرم سنگھ کودتا چھاندتا چلا جاتا تھا، چرن سنگھ پیچھے رہنے لگا۔

چرن سنگھ - بھائی دھرم ذرا ٹھہرو جو توں نے میرے پیروں میں چھالے ڈال دیے۔
دھرم سنگھ - جوتے نکال کر پھینک دو۔ ننگے پیر چلو۔
چرن سنگھ نے جوتے اتار کر پھینک دیے۔ پتھروں نے اس کے پاؤں گھماں کر دیے، وہ ٹھہر ٹھہر کر چلنے لگا۔

دھرم سنگھ - دیکھو چرن! پاؤں تو پھر پٹنگے ہو جائیں گے، پر یدی مرہٹوں نے آکھڑا تو پھر سمجھ لو کہ جان گئی۔

چرن سنگھ چپ ہو کر پیچھے چلنے لگا۔ تھوڑی دور جانے پر دھرم سنگھ بولا - ہائے، ہائے ہم راستہ بھول گئے۔ ہمیں تو بائیں اُور کی پہاڑی پر چڑھنا تھا۔

چرن سنگھ - ٹھہرو دم ذرا لینے دو۔ میرے پیر گھماں ہو گئے ہیں۔ دیکھو رکت بہہ رہا

ہے۔

دھرم سنگھ — کچھ چتا نہیں، یہ سب ٹھیک ہو جائیں گے، تم چلے چلو۔ وہ لوٹ کر بائیں اڈر کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آگے جنگل ملا، جھاز یوں نے ان کے سب ڈسٹر پھاڑ ڈالے۔ اتنے میں کچھ آہٹ ہوئی، وہ ڈر گئے۔ سمپ جانے پر معلوم ہوا کہ بارہ سنگھ بھاگا جا رہا ہے۔

پرات کال ہونے لگا۔ قلعہ یہاں سے ابھی سات میل پر تھا۔ میدان میں پہنچ کر چرن سنگھ بیٹھ گیا اور بولا۔ میرے پاؤں تھک گئے۔ میں اب نہیں چل سکتا۔

دھرم سنگھ (کردہ سے) — اچھا تو رام! رام!! میں اکیلا ہی جاتا ہوں۔
چرن سنگھ اٹھ کر ساتھ ہو لیا۔ تین میل چلنے پر اچانک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی، وہ بھاگ کر جنگل میں گھس گئے۔

دھرم سنگھ نے دیکھا گھوڑے پر چڑھا ہوا ایک مرہٹا جا رہا ہے۔ جب وہ نکل گیا تو دھرم بولا کہ بھگوان نے بڑی دیا کی کہ اس نے ہمیں نہیں دیکھا۔ چرن بھائی! اب چلو۔
چرن سنگھ — میں نہیں چل سکتا، مجھ میں طاقت نہیں۔

چرن سنگھ مونا آدمی تھا۔ ٹھنڈ کے مارے اس کے پیر اکڑ گئے۔ دھرم سنگھ اسے اٹھانے لگا، تو چرن سنگھ نے چیخ ماری۔

دھرم سنگھ — جی، جی، یہ کیا؟ مرہٹا تو ابھی پاس ہی جا رہا ہے۔ کہیں سن نہ لے۔
اچھا یدی تم نہیں چل سکتے ہو تو میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔

دھرم سنگھ نے چرن سنگھ کو پیٹھ پر بیٹھا کر قلعے کی راہ لی۔
دھرم سنگھ — بھائی چرن سنگھ سیدھی طرح بیٹھے رہو۔ گلا کیوں گھونٹتے ہو۔

۵

اب ادھر کی بات سنئے۔ مرہٹے نے چرن سنگھ کا شہر سن لیا۔ اس نے گولی چلائی، پرنٹو خالی گئی۔ مرہٹا دوسرے ساتھیوں کو لینے کے لیے گھوڑا دوڑا کر چل دیا۔

دھرم سنگھ — چرن! معلوم ہوتا ہے کہ اس ڈشٹ نے تمھاری آواز سن لی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بلانے گیا ہے۔ یدی اس کے آنے سے پہلے پہلے ہم دور نہیں نکل جائیں گے تو

سمجھو جان گئی۔ (من میں) یہ بوجھا میں نے کیوں اٹھایا، یدی میں اکیلا ہوتا تو اب تک کبھی کا نکل گیا ہوتا۔

چرن سنگھ — تم اکیلے چلے جاؤ۔ میرے کارن پران کیوں کھوتے ہو؟
 دھرم سنگھ — کدہا نہیں، ساتھی کو چھوڑ کر چل دینا، دھرم کے خلاف ہے۔
 دھرم سنگھ پھر چرن سنگھ کو کندھے پر لاد کر چلنے لگا۔ آدھا میل چلنے پر ایک جھرنا ملا۔
 دھرم سنگھ بہت تھک گیا تھا۔ چرن سنگھ کو کندھے پر سے اتار کر دھرام کرنے لگا۔ پانی پینا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ دونوں بھاگ کر جھاریوں میں چھپ گئے۔
 مرہٹے ٹھیک وہیں آکر ٹھہرے، جہاں دونوں چھپے ہوئے تھے۔ انھوں نے سونگھ لینے کو کتا چھوڑا۔ پھر کیا تھا دونوں پکڑے گئے۔ مرہٹوں نے دونوں کو گھوڑوں پر لاد لیا۔ راستے میں سمپت راؤ مل گیا۔ اپنے قیدیوں کو پہچانا۔ ترنت اپنے ساتھ والے گھوڑے پر بیٹھایا اور دن نکلنے نکلنے وہ سب گرام میں پہنچ گئے۔
 اسی سے بوڑھا بھی وہاں آگیا۔ سب مرہٹے وچار کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔
 بوڑھے نے کہا کچھ مت کرو، ان دونوں کا ترنت ذدہ کر دو۔

سمپت راؤ — میں نے تو ان پر روپیہ لگایا ہے۔ مار کیسے ڈالوں؟
 بوڑھا — راجپوتوں کو پالنا پاپ ہے۔ وہ تمہیں سوائے دکھ کے اور کچھ نہ دیں گے۔
 مار کر جھگڑا سہايت کرو۔

مرہٹے ادھر ادھر چلے گئے۔ سمپت راؤ دھرم سنگھ کے پاس آیا اور بولا دیکھو دھرم سنگھ پندرہ دن کے اندر اگر روپیہ نہ آیا تو میں تمہیں اوشیر مار ڈالوں گا۔ اس میں سندیہہ نہیں۔
 اب شکھر گھر والوں کو خط لکھ ڈالو کہ ترنت روپیہ بھیج دیں۔
 دونوں نے خط لکھ دیے، پھر وہ پہلے کی بھاتی قید کر دیے گئے، پرنٹو کوٹھری میں نہیں،
 اب کی بار چھ ہاتھ جوڑے گڈھے میں بند کیے گئے۔

۶

اب انھیں اتنی کشت دیا جانے لگا۔ نہ اہر جا پاتے تھے نہ بیڑیاں نکالی جاتی تھیں۔ کٹوں کے سامان آدھ کچی روٹی، ایک لوٹے میں پانی پہنچا دیا جاتا تھا اور کچھ نہیں۔ گڈھا

سیلا تھا، اس میں اندھیرا اور اتنی ڈرگندہ تھی۔ چرن سنگھ کا سارا شریر سوکھ گیا۔ دھرم سنگھ من ملین۔ تن چھین رہنے لگا۔ کرے تو کیا کرے۔

دھرم ایک دن بہت اداس بیٹھا تھا کہ اوپر سے روٹی گری، دیکھا تو سوشیلا بیٹھی ہوئی ہے۔

دھرم سنگھ نے سوچا، کیا سوشیلا اس کام میں میری سہایت کر سکتی ہے۔ اچھا اس کے لیے کچھ کھلونے بناتا ہوں۔ کل جب آئے گی تو اسے دے کر بات کر دوں گا۔

دوسرے دن سوشیلا نہیں آئی۔ دھرم سنگھ کے کان میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ کئی آدمی گھوڑوں پر سوار ادھر سے نکل گئے۔ وہ سب باتیں کرتے جاتے تھے۔ دھرم سنگھ کو اور تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، ہاں 'راجپوت' شہد بار بار سنائی دیا۔ اس سے اس نے انومان کیا کہ راجپوتوں کی سبنا کہیں کٹ آچکی ہے۔

تیسرے دن سوشیلا پھر آئی اور دو روٹیاں گڑھے میں پھینک دیں۔ تب دھرم سنگھ بولا تو کل کیوں نہیں آئی؟ دیکھ میں نے تیرے واسطے یہ کھلونے بنائے ہیں۔

سوشیلا — کھلونے لے کر کیا کروں گی۔ انھوں نے تمہیں مار ڈالنے کا دھار کل پکا کر لیا ہے۔ سب مر رہے اکٹھے ہوئے تھے۔ اسی کارن میں کل نہیں آ سکی۔

دھرم سنگھ — کون مارنا چاہتا ہے؟

سوشیلا — میرا چتا۔ بوزھوں نے یہ صلاح دی ہے کہ راجپوتوں کی سبنا کٹ آگئی ہے اور تمہیں مار ڈالنا ہی ٹھیک ہے۔ مجھے تو یہ سن کر رونا آتا ہے۔

دھرم سنگھ — پدی تمہیں دیا آتی ہے تو ایک بانس لادو۔

سوشیلا — یہ نہیں ہو سکتا۔

دھرم سنگھ — سوشیلا! دیا کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ بانس لادو۔

سوشیلا — بانس کیسے لاؤں۔ وہ سب گھر پر بیٹھے ہیں، دیکھ لیں گے۔ یہ کہہ کر وہ

چلی گئی۔

سو یہ آست ہو گیا۔ تارے چمکنے لگے۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا، مندر کا گھنٹا بجا۔ بس

پھر سنانا ہو گیا۔ دھرم سنگھ اس دھار میں بیٹھا تھا کہ سوشیلا بانس لائے گی، انھوں نہیں۔

اچانک اوپر سے مٹی گرنے لگی۔ دیکھا تو سامنے کی دیوار میں بانس لٹک رہا ہے۔

دھرم سنگھ پر سن ہوا۔ اس نے بانس کو نیچے کھینچ لیا۔

باہر آکاش میں تارے چمک رہے تھے۔ گڑھے کے کنارے پر منہ رکھ کر دھیرے سے سوشیلا نے کہا۔ دھرم سنگھ سوائے دو کے اور سب باہر چلے گئے ہیں۔

دھرم سنگھ نے چرن سنگھ سے کہا بھائی چرن! آؤ ایک بار پھر یقین کر دیکھیں، ہفت نہ بارو، چلو میں تمہاری سہایتا کرنے کو تیار ہوں۔

چرن سنگھ مجھ میں تو کروٹ لینے کی ہمتی نہیں، چلنا تو ایک اور رہا، میں نہیں بھاگ سکتا۔

دھرم سنگھ۔ اچھا! رام رام۔ پرنٹو مجھے زردی مت بھتا۔

دھرم سنگھ چرن سنگھ سے گلے ملا، بانس کا ایک سرا سوشیلا نے پکڑا اور دوسرا دھرم سنگھ

نے۔ اس بھائی وہ باہر نکل آیا

دھرم سنگھ۔ سوشیلا تمہیں بھگوان کشل سے رکھیں۔ میں جنم بھر تمہارا جس گاؤں گا۔

اچھا جیتی رہو، مجھے بھول مت جانا۔

دھرم سنگھ نے تھوڑی دور جا کر پتھروں سے بیزی توڑنے کا بہت ہی یقین کیا، پر وہ نہ

ٹوٹی۔ وہ اسے ہاتھ میں اٹھا کر چلنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ چندرا اُدے ہونے سے پہلے جنگل

میں پہنچ جائے، پرنٹو پہنچ نہ سکا۔ چندرا نکل آیا، چاروں اور اجالا ہو گیا، پر سو بھاگیہ سے جنگل

میں پہنچنے تک راہ میں کوئی نہ ملا۔

دھرم سنگھ پھر بیزی توڑنے لگا، پر سارا یقین ٹھیک ہو گیا۔ وہ تھک گیا، ہاتھ پاؤں

گھماں ہو گئے۔ وچار نے لگا، اب کیا کروں؟ بس چلو، ٹھہرنے کا کام نہیں۔ یدہ ایک بار بیٹھ

گیا تو پھر اٹھنا کھن ہو جائے گا۔ مانا کہ پراتہ کال سے پہلے قلعے میں نہیں پہنچ سکتا، نہ سہی،

دن بھر جنگل میں کاٹ دوں گا۔ رات آنے پر پھر چل دوں گا۔ سہا پاس سے دوڑے نکلے،

وہ جھٹ جھاڑی میں چپ گیا۔

چاند پھیکا پڑ گیا، سوریا ہونے لگا۔ جنگل پیچھے چھوٹ گیا، صاف میدان آ گیا۔ قلعہ

دکھائی دینے لگا۔ بانس اور دیکھنے پر معلوم ہوا کہ تھوڑی دور پر کچھ راجپوت سپاہی کھڑے

ہیں۔ دھرم سنگھ گمن ہو گیا اور بولا۔۔۔ اب کیا ہے۔ پرنٹو ایسا نہ ہو کہ مرے پیچھے سے آ پکڑیں،

میں سپاہیوں تک نہ پہنچ سکوں، اس کارن جتنا بھاگا جائے اتنا بھاگو۔

اتنے میں بانس اور سے دو قدم کی دوری پر کچھ مرے دکھائی پڑے۔ دھرم زراش

ہو گیا۔ چلا اٹھا۔۔۔ بھائیو دوڑو دوڑو مجھے بچاؤ! بچاؤ!

راجپوت سپاہیوں نے دھرم سنگھ کی پکار سن لی۔ مرہٹے سمیپ تھے، سپاہی دور تھے۔ وہ دوڑے، دھرم سنگھ بھی بیڑیاں اٹھا کر بھائیو! بھائیو!! کہتا ہوا ایسا بھاگا کہ جھٹ سپاہیوں سے جا ملا، مرہٹے ڈر کر بھاگ گئے۔

راجپوت پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟ پرتو دھرم سنگھ گھبرایا ہوا، ”بھائیو بھائیو“ پکارتا چلا جاتا تھا۔ نکٹ آنے پر سپاہیوں نے اسے پہچان لیا۔ دھرم سنگھ سارا ورتانت کہہ کر بولا۔۔۔ بھائیو! اس طرح میں گھر گیا اور دیواہ کیا۔ ددھاتا کی یہی لیلہ تھی۔ ایک مہینہ پیچھے پانچ ہزار مندر دے کر چن سنگھ چھوٹ کر قلعے میں آیا۔ وہ اس سے ادھ موئے کے سامن ہو رہا تھا۔

دُھڑ و نواسی رچھ کا شکار

ہم ایک دن رچھ کے شکار کو نکلے۔ میرے ساتھی نے ایک رچھ پر گولی چلائی۔ وہ گہری نہیں لگی۔ رچھ بھاگ گیا۔ برف پر لو کے چہرہ باقی رہ گئے۔

ہم ایکڑ ہو کر یہ دھار کرنے لگے کہ ترنت پیچھا کرنا چاہیے یا دو تین دن ٹھہر کر اس کے پیچھے جانا چاہیے۔ کسانوں سے پوچھنے پر ایک بوڑھا بولا۔ ترنت پیچھا کرنا ٹھیک نہیں، رچھ کو بک جانے دو۔ پانچ دن پیچھے شاید وہ مل جائے۔ ابھی پیچھا کرنے پر تو وہ ڈر کر بھاگ چائے گا۔

اس پر ایک دوسرا جوان بولا۔ نہیں نہیں ہم آج ہی رچھ کو مار سکتے ہیں۔ وہ بہت موٹا ہے، دور نہیں جاسکتا۔ سو یہ است ہونے سے پہلے کہیں نہ کہیں بک جائے گا، نہیں تو میں برف پر چلنے والے جوتے پہن کر ڈھونڈ نکالوں گا۔

میرا ساتھی ترنت رچھ کا پیچھا کرنا نہیں چاہتا تھا، پر میں نے کہا۔ جھگڑا کرنے سے کیا مطلب۔ آپ سب گاؤں کو جائیے۔ میں اور درگا (میرے سیوک کا نام) رچھ کا پیچھا کرتے ہیں، مل گیا تو واہ واہ! دن بھر اور کرنا ہی کیا ہے؟

اور سب تو گاؤں کو چلے گئے، میں اور درگا جنگل میں رہ گئے۔ اب ہم بندوقیں سنبال کر، کمر کس، رچھ کے پیچھے ہو لیے۔

رچھ کا نشان دور سے دکھائی پڑتا تھا۔ پرتیت ہوتا تھا کہ بھاگتے سے کبھی تو وہ پیٹ تک برف میں ڈھنس گیا ہے۔ کبھی برف چیر کر نکلا ہے۔ پہلے پہلے تو ہم اس کی کھوج کے پیچھے بڑے بڑے پیڑوں کے نیچے چلتے رہے۔ پرتو گھٹا جنگل آ جانے پر درگا بولا۔ اب یہ راہ چھوڑ دینی چاہیے، وہ یہیں کہیں بیٹھ گیا ہے۔ دھیرے دھیرے چلو، ایسا نہ ہو کہ وہ ڈر کر بھاگ جائے۔

ہم راہ چھوڑ کر بائیں اور لوٹ پڑے۔ پانچ سو قدم جانے پر سامنے وہی چہرہ بھر

دکھائی پڑے۔ اس کے پیچھے چلتے چلتے ایک سڑک پر جا نکلے۔ جنہوں سے جان پڑتا تھا کہ رچھ گاؤں کی اور گیا ہے۔ درگا — مہاراج سڑک پر کھوج لگانے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ گاؤں کی اور نہیں کیا آگے چل کر جنہوں سے پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس اور گیا ہے۔ ایک میل آگے جانے پر جنہوں سے ایسا پرکٹ ہوتا تھا کہ رچھ سڑک سے جنگل کی اور نہیں، جنگل سے سڑک کی اور آیا ہے۔ اس کی انگلیاں سڑک کی طرف تھیں۔ میں نے پوچھا کہ درگا! کیا یہ کوئی دوسرا رچھ ہے؟

درگا — نہیں یہ وہی رچھ ہے، اس نے دھوکا دیا ہے۔ آگے چل کر درگا کا کہنا سچ نکلا، کیونکہ رچھ دس قدم سڑک کی اور آکر پھر جنگل کی طرف لوٹ گیا تھا۔
درگا — اب ہم اسے اوشیہ مار لیں گے۔ آگے دلدل بنے وہ وہیں جا کر بیٹھ گیا ہے، چلے۔

ہم دونوں آگے بڑھے۔ کبھی تو میں کسی جھاڑی میں پھنس جاتا تھا، برف پر چلنے کا ابھراس نہ ہونے کے کارن کبھی جوتا پیر سے نکل جاتا تھا۔ پسینے سے بھیگ کر میں نے کوٹ کندھے پر ڈال لیا۔ لیکن درگا بڑی پھرتی سے چلا جا رہا تھا۔ دو میل چل کر ہم جمیل کے اس پار پہنچ گئے۔

درگا — دیکھو سنسان جھاڑی پر چڑیاں بول رہی ہیں۔ رچھ وہیں ہے۔ چڑیاں رچھ کی مہک پا گئی ہیں۔

ہم وہاں سے ہٹ کر آدھا میل چلے ہوں گے کہ پھر رچھ کا خر دکھائی دیا۔ مجھے اتنا پسینا آگیا کہ میں نے صاف بھی اتار دیا۔ درگا کو بھی پسینہ آگیا تھا۔
درگا — سواری بہت دوڑ دھوپ کی، اب ذرا وشرام کر لیجیے۔

سندھیا ہو چلی تھی۔ ہم جوتے اتار کر دھرتی پر بیٹھ گئے اور بھوجن کرنے لگے۔ بھوک کے مارے روٹی ایسی اچھی لگی کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں نے درگا سے پوچھا کہ گاؤں کتنی دور ہے؟

درگا کوئی آٹھ میل ہوگا۔ ہم آج ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔ آپ کوٹ پہن لیں، ایسا نہ ہو کہ سردی لگ جائے۔

درگا نے برف ٹھیک کر کے اس پر کچھ جھاڑیاں بچھا کر میرے لیے بچھونا تیار کر دیا۔ میں ایسا بے

سدھ سویا کہ اس کا دھیان ہی نہ رہا کہ کہاں ہوں۔ جاگ کر دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بھاری دیوان خانہ بنا ہوا ہے، اس میں بہت سے اچلے چلکتے ہوئے کھجے لگے ہوئے ہیں۔ اس کی چھت تو بے کی طرح کالی ہے۔ اس میں رنگ دار حصہ دپک جھگا رہے ہیں۔ میں چلکھ ہو گیا۔ پرنٹو ترنت مجھے یاد آیا کہ یہ تو جنگل ہے، یہاں دیوان خانہ کہاں؟ اصل میں شویت کھجے تو برف سے ڈھکے ہوئے ویکش تھے۔ رنگ دار دپک ان کی پیوں میں سے چلکتے ہوئے تارے تھے۔

برف گر رہی تھی، جنگل میں سناٹا تھا۔ اچانک ہمیں کسی جانور کے دوڑنے کی آہٹ ملی۔ ہم سمجھے کہ ریچھ ہے۔ پرنٹو پاس جانے پر معلوم ہوا کہ جنگلی کھڑا ہے۔ ہم گاؤں کی اور چل دیے۔ برف نے سارا جنگل شویت بنا رکھا تھا۔ ویکشوں کی شاخاؤں میں سے تارے چلکتے اور ہمارا پیچھا کرتے ایسے دکھائی دیتے تھے، مانو سارا آکاش چلائمان ہو رہا ہے۔

جب ہم گاؤں پہنچے تو میرا ساتھی سو گیا تھا۔ میں نے اسے جگا کر سارا درتات کہہ سنایا اور زمیندار سے اگلے دن کے لیے شکاری اِکتر کرنے کو کہا۔ بھوجن کر کے سو رہا۔ میں اتنا تھک گیا تھا کہ یدی میرا ساتھی مجھے نہ جگاتا تو میں دوپہر تک سویا پڑا رہتا۔ جاگ کر میں نے دیکھا کہ ساتھی دستر پہنے تیار ہے اور اپنی بندوق ٹھیک کر رہا ہے۔

میں — درگا کہاں ہے؟

ساتھی — اسے گئے دیر ہوئی۔ وہ کل کے چہرہ پر شکاریوں کو اکٹھا کرنے گیا ہے۔ ہم گاؤں کے باہر نکلے۔ دھند کے مارے سور یہ دکھائی نہ پڑتا تھا۔ دو میل چل کر دھواں دکھائی پڑا۔ پاس جا کر دیکھا تو شکاری آلو بھون رہے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں۔ درگا بھی وہیں تھا۔ ہمارے پہنچنے پر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ریچھ کو گھیرنے کے لیے درگا ان سب کو لے کر جنگل کی اور چل دیا۔ ہم بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ آدھا میل چلنے پر درگا نے کہا کہ اب کہیں بیٹھ جانا اچت ہے۔ میری بائیں اور اونچے اونچے ویکش تھے۔ سامنے منش کے برابر اونچی برف سے ڈھکی ہوئی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ان کے چچ سے ہو کر ایک پگڈنڈی سیدی وہاں پہنچتی تھی، جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ دائیں اور صاف میدان تھا۔ وہاں میرا ساتھی بیٹھ گیا۔

میں نے اپنی دونوں بندوقوں کو بھلی بھائی دیکھ کر وچار کیا کہ کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟

تین قدم پیچھے ہٹ کر ایک اونچا وکس تھا۔ میں نے ایک بندوق بھر کر اس کے سہارے کھڑی کر دی، دوسرا گھوڑا چڑھا کر ہاتھ میں لے لی، میان سے تلوار نکال کر دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک جنگل میں سے درگا کا شبہ سنائی دیا۔ ”وہ اٹھا“ ”وہ اٹھا“ اس پر سب شکاری بول اٹھے۔ سارا جنگل گونج پڑا۔ میں گھات میں تھا کہ رچھ دکھائی پڑا اور میں نے غرت گولی چھوڑی۔

اکسمات بانیں اور برف پر کوئی کالی چیز دکھائی دی۔ میں نے گولی چھوڑی، پرتو خالی گئی اور رچھ بھاگ گیا۔

مجھے بڑا شوک ہوا کہ اب رچھ ادھر نہیں آئے گا۔ شاید ساتھی کے ہاتھ لگ جائے۔ میں نے پھر بندوق بھری، اتنے میں ایک شکاری نے شور مچایا۔ ”یہ ہے“ ”یہ ہے“ یہاں آؤ۔ میں نے دیکھا کہ درگا بھاگ کر میرے ساتھی کے پاس آیا اور رچھ کو انگلی سے دکھانے لگا۔ ساتھی نے نشانہ لگایا۔ میں نے سمجھا اس نے مارا، پرتو وہ گولی بھی خالی گئی، کیونکہ پدی رچھ گر جاتا تو ساتھی اوشیہ اس کے پیچھے دوڑتا، وہ دوڑا نہیں، اس سے میں نے جانا کہ رچھ مرانہیں۔

میں! کیا آہتی آئی، دیکھتا ہوں کہ رچھ ڈرا ہوا اندھا دھند بھاگا میری اور آرہا ہے۔ میں نے گولی ماری، پرتو خالی گئی۔ دوسری چھوڑی، وہ لگی تو سہی، پرتو رچھ گرا نہیں۔ میں دوسری بندوق اٹھاتا ہی چاہتا تھا کہ اس نے جھپٹ کر مجھے دبا لیا اور لگا میرا منہ نوچنے۔ جو کشت مجھے اس سے ہو رہا تھا۔ میں اسے درن کر نہیں سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چھریوں سے میرا منہ پھیل رہا ہے۔

اتنے میں درگا اور ساتھی رچھ کو میرے اوپر بیٹھا دیکھ کر میری سہایتا کو دوڑے۔ رچھ انھیں دیکھ ڈر کر بھاگ گیا۔ سارانش یہ کہ میں گھائل ہو گیا، پر رچھ ہاتھ نہ آیا اور ہمیں خالی ہاتھ گھر لوٹنا پڑا۔

ایک ماس پیچھے ہم پھر اس رچھ کو مارنے کے لیے گئے، میں پھر بھی اسے نہ مار سکا، اسے درگا نے مارا، وہ بڑا بھاری رچھ تھا۔ اس کی کھال اب تک میرے کمرے میں پھٹی ہوئی ہے۔

منش کا جیون آدھار کیا ہے

۱

مادھو نامی ایک چھار جس کے نہ گھر تھا، نہ دھرتی، اپنی استری اور بچوں سہت ایک جھونپڑے میں رہ کر محنت مزدوری دوارا پیٹ پالتا تھا۔ مجوری کم تھی، اُن مہنگا تھا، جو کھاتا تھا، کھا جاتا تھا۔ سارا گھر ایک ہی کبل اوڑھ کر جاؤں کے دن کاٹتا تھا۔ اب وہ کبل بھی پھٹ کر تار تار رہ گیا تھا۔ پورے ایک ورش سے وہ اس دچار میں لگا ہوا تھا کہ دوسرا دستر مول لے۔ پیٹ مار مار کر اس نے تین روپے جمع کیے تھے، اور پانچ روپے پاس کے گاؤں والوں پر آتے تھے۔

ایک دن اس نے یہ دچارا کہ پانچ روپے گاؤں والوں سے اُگاہ کر دستر لے آؤں۔ وہ گھر سے چلا، گاؤں میں پہنچ کر وہ پہلے ایک کسان کے گھر گیا۔ کسان تو گھر میں نہیں تھا، اس کی استری نے کہا کہ اس سے روپیہ موجود نہیں، پھر دے دوں گی۔ پھر وہ دوسرے کے گھر پہنچا۔ وہاں سے بھی روپیہ نہ ملا! پھر وہ بنیا کی دکان پر جا کر دستر ادھار مانگنے لگا۔ بنیا بولا۔ ہم ایسے کنگالوں کو ادھار نہیں دیتے۔ کون پیچھے پیچھے پھرتا رہے، جاؤ اپنی راہ لو۔

وہ نراش ہو کر گھر لوٹ پڑا۔ راہ میں سوچنے لگا کہ کتنی اچرج کی بات ہے کہ میں سارے دن کام کرتا ہوں، اس پر بھی پیٹ نہیں بھرتا، چلتے سے استری نے کہا تھا کہ دستر اوشیہ لانا۔ اب کیا کروں، کوئی ادھار بھی تو نہیں دیتا۔ کسانوں نے کہہ دیا، ابھی ہاتھ خالی ہے پھر لے لینا۔ تمہارا ہاتھ تو خالی ہے مگر میرا گھر کیسے چلے۔ تمہارے پاس گھر، پشو، سب کچھ ہے، میرے پاس تو یہ شریر ہی شریر ہے۔ تمہارے پاس اُن کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں۔ مجھے ایک ایک دانہ مول لینا پڑتا ہے۔ سات دن میں تین روپے صرف روٹی میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ ہے بھگوان! سوچتا ہوا مندر کے پاس پہنچ کر دیکھتا کیا ہے کہ دھرتی پر کوئی شویت دستو پڑی ہے۔ اندھیرا ہو گیا، صاف نہ دکھائی دیتا ہے۔ مادھو نے سمجھا کہ کسی نے اس کے دستر چھین لیے ہیں، مجھ سے کیا مطلب۔ ایسا نہ ہو کہ اس جھگڑے میں

پڑنے سے مجھ پر کوئی آہتی کھڑی ہو جائے، چل دیا۔
 تھوڑی دور گیا تھا کہ اس کے من میں چمچتا ہوا - میں کتنا نزدیکی ہوں۔ کہیں وہ
 بچا رہا۔ بھوکا نہ مر رہا ہو۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ میں اسے اس دشا میں چھوڑ کر چلا جا رہا
 ہوں۔ وہ لوٹ پڑا اور اس آدمی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

۲

پاس پہنچ کر مادھو نے دیکھا کہ وہ منش بھلا چنگا جوان ہے۔ کیول شیت سے دکھی ہو
 رہا ہے۔ اس منش کو آنکھ بھر کر دیکھنا تھا کہ مادھو کو اس پر دیا آگئی۔ اپنا کوٹ اتار کر بولا۔ یہ
 سے باتیں کرنے کا نہیں۔ یہ کوٹ پہن لو اور میرے سنگ چلو۔

منش کا شریر سوچنے، کھ دیا لو، ہاتھ پاؤں سڈول تھے۔ وہ پرسن بدن تھا۔ مادھو نے
 اسے کوٹ پہنا دیا اور بولا۔ ستر، اب چلو باتیں پیچھے ہوتی رہیں گی۔ منش نے پریم بھاؤ
 سے مادھو کو دیکھا اور کچھ نہ بولا۔

مادھو تم بولتے کیوں نہیں؟ یہاں ٹھنڈ ہے۔ گھر چلو، یدی تم چل نہیں سکتے، تو یہ لو
 لکڑی، اس کے سہارے چلو۔

منش مادھو کے پیچھے پیچھے ہوا۔

مادھو۔ تم کہاں رہتے ہو؟

منش۔ میں یہاں کا رہنے والا نہیں۔

مادھو۔ میں نے بھی یہی سمجھا تھا۔ کیوں کہ یہاں تو میں سب کو جانتا ہوں۔ تم مندر
 کے پاس کیسے آگئے؟

منش۔ یہ میں نہیں بتا سکتا۔

مادھو۔ کیا تم کو کسی نے دکھ دیا ہے؟

منش۔ مجھے کسی نے دکھ نہیں دیا۔ اپنے کرموں کا بھوگ ہے۔ پر ماتا نے مجھے دنڈ

دیا ہے۔

مادھو۔ تندرست یہ پریشور سب کا سوا می ہے، پرنتو کھانے کو آن اور رہنے کو گھر تو

چاہیے۔ تم اب کہاں جانا چاہتے ہو۔

منش — جہاں ایٹور لے جائے۔

مادھو چکت ہو گیا۔ منش کی بات چیت بڑی پر یہ تھی۔ وہ ٹھگ پر تیت نہ ہوتا تھا، پر اپنا پتہ کچھ نہیں بتاتا تھا۔ مادھو نے سوچا، 'اوشید اس پر کوئی بڑی دیتی پڑی ہے۔ بولو۔ بھائی، مگر چل کر ذرا آرام کرو، پھر دیکھا جائے گا۔'

دونوں وہاں سے چل دیے۔ راہ میں مادھو وچار کرنے لگا، میں تو دستر لینے آیا تھا، یہاں اپنا بھی دے بیٹھا۔ ایک ننگا منش ساتھ ہے۔ کیا یہ سب باتیں دیکھ کر مالتی پرسن ہوگی۔ کدالی نہیں۔ مگر چتا ہی کیا ہے؟ ذیا کرنا منش کا پریم دھرم ہے۔

۳

ادھر مادھو کی استری مالتی جلدی جلدی لکڑی کاٹ کر پانی لائی، پھر بھونج بنایا، بھون کو کھلایا، 'آپ کھایا' پتی کے لیے بھونج الگ رکھ کر کرتے میں ٹانگہ لگاتی ہوئی یہ وچار کرنے لگی۔ ایسا نہ ہو، بنیا میرے پتی کو ٹھگ لے، وہ بڑا سیدھا ہے، کسی سے چھل نہیں کرتا، بالک بھی اسے پھنسا سکتا ہے۔ آٹھ روپیہ بہت ہوتے ہیں۔ اتنے روپے میں تو اچھے دستر مل سکتے ہیں۔ بچھلی سردی کس کٹ سے کٹی، جاتے سے اسے دیر ہو گئی تھی۔ پرتو کیا ہوا اب تک اسے آجاتا چاہیے تھا۔

اتنے میں آہٹ ہوئی۔ مالتی باہر آئی، دیکھا کہ مادھو ہے۔ اس کے ساتھ ننگے سر ایک منش ہے۔ مادھو کا کوٹ اس کے گلے میں پڑا ہے۔ پتی کے ہاتھوں میں کوئی گھڑی نہیں ہے۔ وہ شرم سے سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر مالتی کا من زارشا سے ویاکل ہو گیا۔ اس نے سمجھا، کوئی ٹھگ ہے، تیوری چڑھا کر کھڑی ہو دیکھنے لگی کہ وہ کیا کرتا ہے۔

مادھو بولا — یدی بھونج تیار ہو تو لے آؤ۔

مالتی جل کر راکھ ہو گئی، کچھ نہ بولی، چپ چاپ وہیں کھڑی رہی۔ مادھو تازہ گیا کہ استری کرودھ اگنی میں جل رہی ہے۔

مادھو — کیا بھونج نہیں بنایا؟

مالتی (کرودھ سے) — ہاں بنایا ہے۔ پرتو تمہارے واسطے نہیں۔ تم تو دستر مول لینے گئے تھے۔ یہ کیا کیا؟ اپنا کوٹ بھی دوسروں کو دے دیا۔ اس ٹھگ کو کہاں سے لائے۔

یہاں کوئی سداہرت تھوڑے ہی چلتا ہے۔

مادھو — بس بس بنا سوچے سمجھا کسی کو برا کہنا اُچت نہیں ہے، پہلے اس سے پوچھ تو لو یہ کیسا.....

مالتی — پہلے یہ بتاؤ کہ روپے کہاں پھینکے ؟

مادھو — یہ لو اپنے تین روپے۔ گاؤں والوں نے کچھ نہیں دیا۔

مالتی — (پیسے لے کر) میرے پاس سنسار بھر کے ننگے لچوں کے لیے بھوجن نہیں ہے۔

مادھو — پھر وہی بات! پہلے پوچھ تو لو، یہ کیا کہتا ہے؟

مالتی — بس بس! پوچھ چکی، میں تو دیواہی کرنا نہیں چاہتی تھی، تم تو گھر کھوؤ ہو۔

مادھو نے بہت برا سمجھایا، وہ ایک نہ مالتی۔ دس درش کے پرانے جھگڑے یاد کر کے بکواس کرنے لگی، یہاں تک کہ کردھ میں آکر مادھو کی بجٹ پھاڑ ڈالی اور گھر سے باہر جانے لگی پر راستے میں رک گئی اور ہتی سے بولی -- اگر یہ بھلا مانس ہوتا تو ننگا نہ ہوتا۔ بھلا تمھاری بھینٹ اس سے کہاں ہوئی؟

مادھو — بس، یہی تو میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔ یہ گاؤں کے مندر کے پاس ننگا بیضا تھا۔ بھلا دُچار تو کر۔ یہ ریتو باہر ننگا بیٹھنے کی ہے؟ دیوگتی سے میں وہاں جا پہنچا، نہیں تو کیا جانے یہ مرتا یا بیٹا۔ ہم کیا جانتے ہیں کہ اس پر کیا وہنتی پڑی ہے۔ میں اپنا کوٹ پہنا کر اسے یہاں لے آیا۔ دیکھ، کردھ مت کر۔ کردھ پاپ کا مول ہے۔ ایک دن ہم سب کو یہ سنسار چھوڑنا ہے۔

مالتی کچھ کہنا چاہتی تھی پر منش کو دیکھ کر چپ ہو گئی۔ وہ آنکھیں موندے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے مون دھارن کیے استھر بیضا تھا۔

مادھو — پیاری کیا تم میں ایثار کا پریم نہیں؟

یہ دُجن سن، منش کو دیکھ کر مالتی کا چہرہ ترنت پگھل گیا، جھٹ سے اٹھی اور بھوجن لا کر اس کے سامنے رکھ دیا اور بولی — کھائیے۔

مالتی کی یہ دشادہ دیکھ کر منش کا منکھار بند کھل گیا اور وہ ہنسا۔ بھوجن کر لینے پر مالتی بولی — تم کہاں سے آئے ہو؟

منش — میں یہاں کا رہنے والا نہیں۔

مالتی — تم مندر کے پاس کس پرکار پہنچے؟
منش — میں کچھ نہیں بتا سکتا۔

مالتی — کیا کسی نے تمہارا مال چرا لیا؟
منش — کسی نے نہیں، پر میٹھور نے یہ دھڑ دیا ہے!
مالتی — کیا تم وہاں ننگے بیٹھے تھے؟

منش — ہاں شیت کے مارے غصہ رہا تھا۔ مادھو نے دیکھ کر دیا کی، کوٹ پہنا کر مجھے یہاں لے آیا۔ تم نے ترس کھا کر مجھے بھونج کھلا دیا۔ بھگوان تم دونوں کا بھلا کرے۔
مالتی نے ایک گرتا اور دے دیا۔ رات کو جب وہ اپنے پتی کے پاس جا کر لیٹی تو یہ باتیں کرنے لگی۔

مالتی — سنتے ہو۔

مادھو — ہاں۔

مالتی — اُن تو چمک گیا۔ کل بھونج کہاں سے کریں گے۔ شاید پڑوسن سے مانگنا پڑے۔
مادھو — جیسے گے تو اُن بھی کہیں سے مل ہی جائے گا۔

مالتی — وہ منش اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اپنا پتہ کیوں نہیں بتلاتا؟

مادھو — کیا جانوں۔ کوئی کارن ہوگا؟

مالتی — ہم اوروں کو دیتے ہیں پر ہم کو کوئی نہیں دیتا۔

مادھو نے اس کا کچھ اثر نہ دیا۔ منہ پھیر کر سو گیا۔

۴

پرانہ کال ہو گیا۔ مادھو جاگا، بچے ابھی سوئے پڑے تھے۔ مالتی پڑوسن سے اُن مانگنے گئی تھی۔ اجنبی منش بھوی پر بیٹھا آکاس کی اُور دیکھ رہا تھا۔ پرتو اس کا کھ اب پر سن تھا۔
مادھو — جڑ پیٹ روٹی مانگتا ہے، شریر و ستر، اتھ کام کرنا آدھیک ہے۔ تم کوئی کام جانتے ہو؟

منش — میں کوئی کام نہیں جانتا۔

مادھو — ابھی اس بڑی دستو ہے۔ منش یہی چاہے تو سب کچھ سکھ سکتا ہے۔

منش — میں سیکھنے کو تیار ہوں۔ آپ سکھا دیجیے۔

مادھو — تمہارا نام کیا ہے؟

منش — میکو۔

مادھو — بھائی میکو، یدی تم اپنا حال سنانا نہیں چاہے تو نہ سناؤ، پرتو کچھ کام اوشیہ کرو۔ جوتے بنانا سیکھ لو اور یہیں رہو۔

میکو — بہت اچھا۔

اب مادھو نے میکو کو سوت بانٹا، اس پر موم چڑھانا، جوتے بننے آدی کام سکھانا شروع کر دیا۔ میکو تین دن میں ہی ایسے جوتے بنانے لگا، مانو سدا سے چمار کا ہی کام کرتا رہا ہو۔ وہ گھر سے باہر نہیں لھکتا تھا۔ بولتا بھی بہت کم تھا۔ اب تک وہ کیول ایک بار اس سے ہنسا تھا، جب مالتی نے اسے بھوجن کرایا تھا، پھر وہ کبھی نہیں ہنسا۔

۵

دیرے دیرے ایک ورش بیت گیا۔ چاروں اور دھوم مچ گئی کہ مادھو کا نوکر میکو جیسا پتکے منبوط جوتے بناتا تھا، دوسرا کوئی نہیں بنا سکتا۔ مادھو کے پاس بہت کام آنے لگا اور اس کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔

ایک دن مادھو اور میکو کام کر رہے تھے کہ ایک گاڑی آئی۔ اس میں سے ایک دھنی ہڈوش اتر کر جھونپڑے کے پاس آیا۔ مالتی نے جھٹ سے کواڑ کھول دیا، وہ بھیتز آگیا۔

مادھو نے انھ کو پرنام کیا۔ اس نے ایسا سندر ہڈوش پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سویم دبلا تھا۔ میکو اور بھی دبلا اور مالتی تو ہڈیوں کا پنجر اٹھی۔ وہ ہڈوش تو کسی دوسرے ہی لوک کا وادی معلوم پڑتا تھا۔ لال منہ، چوڑی چھاتی، تتی ہوئی گردن، مانو سارا شریر لوبے میں ڈھلا ہوا ہو۔

ہڈوش — تم میں استاد کون ہے؟

مادھو — مجور میں۔

ہڈوش — (چڑا دکھا کر) تم یہ چڑا دیکھتے ہو؟

مادھو — ہاں مجور۔

پُردش - تم جانتے ہو کہ یہ کس بات کا چڑا ہے؟

مادھو - مہاراج یہ چڑا بہت اچھا ہے۔

پُردش - اچھا، 'نُورکھ کہیں کا! تم نے شاید ایسا چڑا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ جرمن

دیش کا چڑا ہے، اس کا مول میں روپے ہے۔

مادھو - (بچے سے) بھلا مہاراج ایسا چڑا کہاں سے دیکھ سکتا تھا؟

پُردش - اچھا تم اس کا بوٹ بنا سکتے ہو؟

پُردش - ہاں بھور بنا سکتا ہوں۔

پُردش - ہاں بھور کی بات نہیں، سمجھ لو کہ چڑا کیسا ہے اور بنوانے والا کون ہے۔

پہلی سال بھر کے اندر کوئی ٹانکا اُکھڑ گیا اتھوا جوتے کا روپ بگڑ گیا تو تجھے بندی خانہ جانا پڑے گا۔ نہیں تو دس روپے مجھری ملے گی۔

مادھو نے میکو کی اُور نکلیوں سے دیکھ کر دھیرے سے پوچھا کہ کام لے لوں۔ اس

نے کہا۔ ہاں! لے لو۔ مادھو ٹاپ لینے لگا۔

پُردش - دیکھو، ٹاپ ٹھیک لینا۔ بوٹ چھوٹا نہ پڑ جائے۔ (میکو کی طرف دیکھ کر)

یہ کون ہے؟

مادھو - میرا کاریگر۔

پُردش - (میکو سے) ہو، ہو، دیکھو بوٹ ایک درش چلنا چاہیے۔ پورا ایک درش

کم نہیں۔ میکو کا اس پُردش کی اُور دھیان ہی نہیں تھا۔ وہ کسی اور ہی دھن میں مت بیٹھا

بٹس رہا تھا۔

پُردش - (کردھ سے) نُورکھ! بات سنتا ہے کہ ہنستا ہے۔ دیکھو بوٹ بہت جلدی

تیار کرتا۔ دیر نہ ہونے پائے۔

باہر نکلتے سے پُردش کا منک دوار سے لکرا گیا۔ مادھو بولا - سر ہے کہ لوہا، کواڑی

توڑ ڈالا تھا۔

مالتی بولی - دھوان ہی بلوان ہوتے ہیں۔ اس پُردش کو میراج بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا

اور کی تو بات ہی کیا ہے؟

اس آدمی کے جانے کے بعد مادھو نے میکو سے کہا۔ بھائی کام تو لے لیا ہے، کوئی

جھڑا نہ کھڑا ہو جائے۔ چڑا بہمولیہ ہے اور وہ آدمی بڑا کر دھمی ہے، بھول نہ ہونی چاہیے۔
تھمارا ہاتھ صاف ہو گیا ہے۔ بوٹ کاٹ تم دو، سی میں دوں گا۔

میکو بوٹ کاٹنے لگا۔ مالتی بچیہ اپنے پتی کو بوٹ کاٹنے دیکھا کرتی تھی۔ میکو کی کاٹ دیکھ کر چکرائی کہ وہ یہ کیا کر رہا ہے۔ شاید بڑے آدمیوں کے بوٹ اسی پر کار کاٹے جاتے ہوں۔ یہ دچار کر چپ رہ گئی۔

میکو نے چڑا کاٹ کر دوپہر تک سلپر تیار کر لیے۔ مادھو جب بھوجن کر کے اٹھا تو دیکھتا کیا ہے کہ بوٹ کی جگہ سلپر بنے رکھے ہیں۔ وہ گھبرا گیا اور من میں کہنے لگا۔ اس میکو کو میرے ساتھ رہتے ایک ورش ہو گیا۔ ایسی بھول تو اس نے بھی نہیں کی۔ آج اسے کیا ہو گیا۔ اس پُردش نے تو بوٹ بنانے کو کہا تھا اس نے تو سلپر بنا ڈالے، اب اسے کیا آخر دوں گا۔ ایسا چڑا اور کہاں مل سکتا ہے (میکو سے)۔ (جر۔ یہ تم نے کیا کیا؟ اس نے تو بوٹ بنانے کو کہاں تھا نا! اب میرے سر کے بال نہ بچیں گے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھی کہ دوار پر ایک آدمی نے آکر پکارا۔ مالتی نے کواڑ کھول دیئے۔ یہ اس دھنی آدمی کا وہی نوکر تھا، جو اس کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ رام رام! تم نے بوٹ بنا تو نہیں ڈالے؟

مادھو۔ ہاں بنا رہا ہوں۔

نوکر۔ میرے سوا کا دیہانت ہو گیا۔ اب بوٹ بنانا دیتھ ہے۔

مادھو۔ ارے!

نوکر۔ وہ تو گھر تک بھی پہنچنے نہیں پائے۔ گاڑی میں ہی پران تیاگ دیئے۔ سوامی

نے کہا ہے کہ اس چڑے کے سلپر بنا دو۔

مادھو۔ (پرسن ہو کر) یہ لو سلپر۔

آدمی سلپر لے کر چلتا بنا۔

۶

میکو کو مادھو کے ساتھ رہتے رہتے چھ ورش بیت گئے۔ اب تک وہ کیول دو بار ہنسا تھا، نہیں تو چپ چاپ بیٹھا اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ مادھو اس پر آتی پرسن تھا اور ڈرتا رہتا تھا کہ کہیں بھاگ نہ جائے! اس بھے سے مادھو نے اس سے پتہ وہ کچھ نہیں پوچھا۔

ایک دن مالتی چولھے میں آگ جلا رہی تھی۔ بالک آٹھن میں کھیل رہے تھے کہ ایک بالک نے آکر کہا، چاچا میکو! دیکھو وہ استری دولڑکیاں سنگ لیے آ رہی ہیں۔
میکو نے دیکھا کہ ایک استری چادر اوڑھے چھوٹی چھوٹی کنیاں سنگ لیے چلی آ رہی ہے۔ کنیاؤں کا ایک سارنگ روپ ہے۔ بھید کیوں یہ ہے کہ ان میں ایک نکلڑی ہے۔ بڑھیا بھیترا آئی تو مادھو نے پوچھا۔ مائی کیا کام ہے؟
اس نے کہا۔ ان لڑکیوں کے جوتے بنادو۔

مادھو بولا۔ بہت اچھا۔

وہ ٹاپ لینے لگا تو دیکھا کہ میکو ان لڑکیوں کو اس پر کار تاک رہا ہے مانو پہلے کہیں دیکھا ہے۔

بڑھیا۔ اس لڑکی کا ایک پاؤ لجا ہے، ایک ٹاپ اس کا لے لو۔ باقی تین ہر ایک جیسے ہیں۔ یہ لڑکیاں جڑواں ہیں۔

مادھو۔ (ٹاپ لے کر) یہ نکلڑی کیسے ہو گئی۔ کیا جنم سے ہی ایسی ہے؟

بڑھیا۔ نہیں، اس کی ماما نے ہی اس کی ٹانگ کچل دی تھی۔

مالتی۔ تو کیا تم اس کی ماما نہیں ہو؟

بڑھیا۔ نہیں، بہن، نہ ان کی ماما ہوں، نہ سبندھی۔ یہ میری کنیاں نہیں۔ میں نے انھیں پالا ہے۔

مالتی۔ تو پر بھی تم انھیں بڑا پیار کرتی ہو؟

بڑھیا پیار کیوں نہ کروں۔ میں نے اپنا دودھ پلا پلا کر انھیں بڑا کیا ہے۔ میرا اپنا بھی بالک تھا۔ پرتو اسے پر ماتمانے لے لیا۔ مجھے ان کے ساتھ اس سے بھی ادھک پریم ہے۔

مالتی۔ تو یہ کس کی کنیاں ہیں؟

بڑھیا۔ چھ ورش ہوئے کہ ایک پتہ کے اندر ان کے ماما پتا کا دیہانت ہو گیا۔ پتا کی مشکل کے دن مرتیو ہوئی، ماما کی شہر دار کو۔ پتا کے مرنے کے تین دن پیچھے یہ پیدا ہوئیں۔ ان کے ماں باپ میرے پڑوسی تھے۔ ان کا چچا لکڑہارا تھا۔ جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کاٹنے پٹر کے نیچے دب کر مر گیا۔ اسی پتہ میں ان کا جنم ہوا۔ جنم ہوتے ہی ماما بھی چل بسی۔ دوسرے دن جب میں ان سے ملنے گئی تو دیکھا کہ بچاری مری پڑی ہے۔ مرتے سے

کردت لیتے ہوئے اس کنیا کی ٹانگ اس کے نیچے دب گئی۔ گاؤں والوں نے اس کا داہ کرم کیا۔ ان کے ماتا پتا رکھ تھے، کوڑی پاس نہ تھی، سب لوگ سوچتے تھے کہ کنیاؤں کو کون پالے۔ اس سے وہاں میری گود میں دو مہینے کا بالک تھا۔ سب نے یہی کہا کہ جب تک کوئی پر بندھ نہ ہو، تمہیں ان کو پالو میں نے انہیں سنبھال لیا۔ پہلے پہلے میں اس لنگڑی کو دودھ نہیں پلایا کرتی تھی، مگر پھر مجھے اس پر دیا آگئی اور اسے بھی دودھ پلانے لگی۔ اُس سے پر ماتما کی کرپا سے میری چھاتی میں اتنا دودھ تھا کہ تینوں بالکوں کو پلا کر بھی بہہ نکلتا تھا۔ میرا بالک مر گیا۔ یہ دونوں پل گئیں۔ میری دشا اب پہلے سے بہت اچھی ہے۔ میرا پتی ایک بڑے کارخانے میں نوکر ہے۔ میں انہیں پیار کیسے نہ کروں۔ یہ تو میرا جیون آدھار ہیں۔

یہ کہہ کر بڑھیا نے دونوں لڑکیوں کو چھاتی سے لگایا۔

مالتی — ستیہ ہے، منٹ ماتا پتا کے بنا جی سکتا ہے۔ پرتو المٹور کے بنا جیتا نہیں رہ سکتا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سارا جھونپڑا پر کاشت ہو گیا۔ سب نے دیکھا کہ میکو کو نے میں بیٹھا ہنس رہا ہے۔

۷

بڑھیا لڑکیوں کو لے کر چلی گئی تو میکو نے اٹھ کر مادھو اور مالتی کو پر نام کیا اور بولا۔

سوامی، میں اب وداع ہوتا ہوں۔ پر ماتما نے مجھ پر دیا کی، اگر کوئی بھول چوک ہوئی ہو تو چھما کرتا۔

مادھو اور مالتی نے دیکھا کہ میکو کا شریر تجبجئے ہو رہا ہے۔

مادھو دندوت کر کے بولا — میں جان گیا کہ تم سادھارن منٹ نہیں۔ اب میں تمہیں نہیں رکھ سکتا، نہ کچھ پوچھ سکتا ہوں، کیول یہ بتا دو کہ جب میں تمہیں اپنے گھر لایا تھا تو تم بہت اداس تھے۔ جب میری استری نے مجھ کو دیا تو تم ہنسے۔ جب وہ دھنی آوی بوٹ بنوانے آیا تھا، تب تم ہنسے۔ آج لڑکیوں کے سنگ بڑھیا آئی۔ تب تم ہنسے، یہ کیا بھید ہے؟ تمہارے مکھ پر اتنا تیج کیوں ہے؟

میکو — تیج کا کارن تو یہ ہے کہ پر ماتما نے مجھ پر دیا کی، میں اپنے کرموں کا پھل

بھوک چکا۔ ایٹور نے تین باتوں کو سمجھانے کے لیے مجھے اس مرث لوک میں بھیجا تھا، تینوں باتیں سمجھ گیا۔ اس لیے میں تین بار ہنسا۔ پہلی بار، جب تمھاری استری نے مجھے بھونچ دیا، دوسری بار، دھنی پُروش کے آنے پر، تیسری بار آج بڑھیا کی بات سن کر۔

مادھو۔ پریشور نے یہ دھڑتھیں کیوں دیا تھا؟ وہ تین باتیں کون سی ہیں۔ مجھے بھی بتاؤ؟

میکو۔ میں نے بھگونان کی آستیا نہ مانی تھی، اس لیے دھڑلا تھا۔ میں دہوتا ہوں۔ ایک سے بھگونان نے مجھے ایک استری کی جان لینے کے لیے مرثیو لوک میں بھیجا۔ جا کر دیکھتا ہوں کہ استری اتنی ڈرہل ہے اور بھوی پر پڑی ہے۔ پاس ترنت کی جنمی دو جڑواں لڑکیاں رو رہی ہیں۔ مجھے یراج کا دوت جان کر وہ بولی۔۔۔ میرا پتی درکش کے نیچے دب کر مر گیا ہے۔ میرے نہ بہن ہے، نہ ماما۔ ان لڑکیوں کا کون پالن کرے گا؟ میری جان نہ نکال، مجھے انھیں پال لینے دے۔ بالک ماما پتا بنا پل نہیں سکتا۔ مجھے اس کی باتوں پر دیا آگنی۔ یراج کے پاس جا کر میں نے نویدن کیا کہ یراج! مجھے استری کی باتیں سن کر دیا آگنی۔ اس کی جڑواں لڑکیوں کو پالنے والا کوئی نہیں تھا، اس لیے میں نے اس کی جان نہیں نکالی، کیونکہ بالک ماما پتا کے بنا نہیں پل سکتا۔ یراج بولے۔ جاؤ ابھی اس کی جان نکال لو اور جب تک یہ تین باتیں نہ جان لو گے کہ (۱) منش میں کیا رہتا ہے (۲) منش کو کیا نہیں ملتا (۳) منش کا جیون آدھار کیا ہے، تب تک تم سورگ میں نہ آنے پاؤ گے۔ میں نے مرثیو لوگ میں آکر استری کی جان نکال لی۔ مرتے سے کروٹ لیتے ہوئے اس نے ایک لڑکی کی ٹانگ کھل دی۔ میں سورگ کو آؤا، پرتو آندھی آئی۔ میرے کچھ اکھڑ گئے اور میں مندر کے پاس آگرا۔

۸

اب مادھو اور مالنی سمجھ گئے کہ میکو کون ہے۔ دونوں بڑے پرسن ہوئے کے اہو بھائیہ ہم نے دہوتا کے درشن کیے۔

میکو نے پھر کہا۔ جب تک منش میں شریر دھارن نہیں کیا تھا۔ میں شیت، 'گری' بھوک، پیاس کا کشت نہ جانتا تھا۔ پرتو مرثیو لوک میں آنے پر پرکٹ ہو گیا کہ دکھ کیا دستو ہے۔ میں بھوک اور جائزے کا مارا مندر میں گھسنا چاہتا تھا لیکن مندر بند تھا۔ میں ہوا کی آڑ

میں سڑک پر بیٹھ گیا۔ سندھیا سے ایک منٹ آتا دکھائی دیا۔ مرتیو لوک میں جنم لینے پر یہ پہلا منٹ تھا جو میں نے دیکھا تھا اس کا کھ ایسا بھیکر تھا کہ میں نے پھر موند لیے۔ اس کی اور دیکھ نہ سکا۔ وہ منٹ یہ کہہ رہا تھا کہ استری پڑوں کا پالن پوٹن کس بھانجی کرے۔ دستر کہاں سے لائے اتیادی' میں نے وچارا دیکھو میں تو بھوک اور شیت سے مر رہا ہوں یہ اپنا ہی روتا رو رہا ہے، میری کچھ سہایتا نہیں کرتا۔ وہ پاس سے نکل گیا۔ میں نراش ہو گیا۔ اتنے میں میرے پاس لوٹ آیا، اب دیا کے کارن اس کا کھ سندر دکھنے لگا۔ مادھو وہ منٹ تم تھے۔ جب تم مجھے گھر لائے، مالتی کا کھ تم سے بھیکر تھا۔ کیونکہ اس میں دیا کالیش ماتر نہ تھا۔ پرنٹو جب وہ دیا لو ہوکر بھوجن لائی تو اس کی کھ کی کھورتا جاتی رہی تب میں نے سمجھا کہ منٹ میں تو دستو پریم ہے۔ اس لیے پہلی بار ہنسا۔

ایک ورش پیچھے وہ دھنی منٹ بٹ بنوانے آیا۔ اسے دیکھ کر میں اس کارن ہنسا کہ بٹ تو ایک ورش کے لیے بنواتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ سندھیا ہونے سے پہلے مر جائے گا۔ تب دوسری بات کا گیان ہوا کہ منٹ جو چاہتا ہے، اسے نہیں ملتا اور میں دوسری بار ہنسا۔ چھ ورش پیچھے آج یہ بڑھیا آئی تو مجھے نچے ہو گیا کہ سب کا جیون آدھار پر ماتا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں، اس لیے تیسری بار ہنسا۔

۹

میکو پرکاش سرور ہو رہا تھا۔ اس پر آنکھیں نہیں جمتی تھیں۔ وہ پھر کہنے لگا۔ دیکھو پرانی ماتر پریم دوارا جیتے ہیں، کیول پوٹن سے کوئی نہیں جی سکتا۔ وہ استری کیا جانتی تھی کہ اس کی لڑکیوں کو کون پالے گا۔ وہ دھنی پڑوش کیا جانتا تھا کہ گاڑی میں ہی مر جاؤں گا، گھر پہنچنا کہاں! کون جانتا تھا کہ کل کیا ہوگا۔ کپڑے کی ضرورت ہوگی کہ کفن کی۔

منٹ شریر میں میں کیول اس کارن جیتا بچا کہ تم نے اور تمھاری استری نے مجھ سے پریم کیا۔ وہ انا تھ لڑکیاں اس کارن پلیں کہ ایک بڑھیا نے پریم وٹ ہوکر دودھ پلایا۔ مطلب یہ ہے کہ پرانی کیول اپنے جتن سے نہیں جی سکتے۔ پریم ہی افسی جلاتا ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ جیووں کا دھرم کیول جیتا ہے، پرنٹو جب نچے ہوا کہ دھرم کیول جیتا نہیں، کٹھو پریم بھاؤ سے جیتا ہے۔ اسی کارن پر ماتا کسی کو یہ نہیں بتلاتا کہ قصیں کیا چاہیے، بلکہ ہر ایک کو یہی

بتلاتا ہے کہ سب کے لیے کیا چاہیے۔ وہ چاہتا ہے کہ پرانی ماتر پریم سے ملے رہیں۔ مجھے
وشواس ہو گیا کہ پرانوں کا آدھار پریم ہے ، پریمی پُروش پر ماتما میں اور پر ماتما پریمی پُروش
میں سد یو نواس کرتا ہے ۔ سارانش یہ ہے کہ پریم اور پر میشور میں کوئی بھید نہیں ۔
یہ کہہ کر دیوتا سورگ لوک کو چلا گیا ۔

ایک چنگاری گھر کو جلا دیتی ہے

ایک سے ایک گاؤں میں رحیم خاں نامک ایک مالدار کسان رہتا تھا۔ اس کے تین بچے تھے، سب یوٹک اور کام کرنے میں چتر تھے۔ سب سے بڑا بیٹا ہوا تھا، مٹھلا بیٹے کو تھا، چھوٹا کنوارا تھا۔ رحیم کی استری اور بہو چتر اور سوشیل تھیں۔ گھر کے سبھی پرانی اپنا اپنا کام کرتے تھے۔ کیول رحیم کا بوڑھا باپ دتے کے روگ سے پیڑت ہونے کے کارن کچھ کام کاج نہ کرتا تھا۔ سات برسوں سے وہ کیول کھاٹ پر بڑا رہتا تھا۔ رحیم کے پاس تین تیل، ایک گائے، ایک چھڑا، پندرہ بھیڑیں تھیں۔ استریاں کھیتی کے کام میں سہایا کرتی تھیں۔ اتاج مفت پیدا ہو جاتا تھا۔ رحیم اور اس کے بال بچے بڑے آرام سے رہتے، اگر پڑوسی کریم کے لنگڑے بچے قادر کے ساتھ ان کا ایک ایسا جھگڑا نہ چھڑ گیا ہوتا۔ جس سے سکھ چین جاتا رہا تھا۔

جب تک بوڑھا کریم جیتا رہا اور رحیم کا چٹا گھر کا پر بندھ کرتا رہا، کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ وہ بڑے پریم بھاؤ سے جیسا کہ پڑوسیوں سے ہونا چاہیے تھا، ایک دوسرے کی سہایا کرتے رہے۔ لڑکوں کا گھروں کو سنبھالنا تھا کہ سب کچھ بدل گیا۔ اب بیٹے کہ جھگڑا کس بات پر چھڑا۔ رحیم کی بہو نے کچھ مرغیاں پال رکھی تھیں۔ ایک مرغی تیرہ پٹو شالا میں جا کر انڈا دیا کرتی تھی۔ بہو شام کو وہاں جاتی اور انڈا اٹھا لاتی۔ ایک دن دیوگتی سے وہ مرغی بالکوں سے ڈر کر پڑوسی کے آگن میں چلی گئی اور وہاں انڈا دے آئی۔ شام کو بہو نے پٹو شالا میں جا کر دیکھا تو انڈا وہاں نہ تھا۔ ساس سے پوچھا، اسے کیا معلوم تھا۔ دیور بولا کہ مرغی پڑوس کے آگن میں کڑکڑا رہی تھی، شاید وہاں انڈا دے آئی ہو۔

بہو وہاں پہنچ کر انڈا کھونچنے لگی۔ بھیتر سے قادر کی ماما نکل کر پوچھنے لگی۔ بہو کیا ہے؟ بہو — میری مرغی تمہارے آگن میں انڈا دے گئی ہے۔ اسے کھوجتی ہوں۔ تم نے

دیکھا ہو تو بتادو۔

قادر کی ماں نے کہا — میں نے نہیں دیکھا۔ کیا ہماری مرغیاں انڈے نہیں دیتی کہ

ہم تمہارے انڈے بنورتی پھریں گی۔ دوسروں کے گھر جا کر انڈے کھونے کی ہماری عادت نہیں۔

یہ سن کر بہو آگ ہوئی، لگی بکنے۔ قادر کی ماں کچھ کم نہ تھی۔ ایک ایک بات کے سو سو اثر دیئے۔ رحیم کی استری پانی لانے باہر نکل تھی۔ گالی گلوچ کا شور سن کر وہ بھی آپہنچی۔ ادھر سے قادر کی استری بھی دوڑ پڑی۔ اب سب کی سب اکٹھی ہو کر لگیں گالیاں بکنے اور لڑنے۔ قادر کھیت سے آ رہا تھا، وہ بھی آکر مل گیا۔ اتنے میں رحیم بھی آپہنچا۔ پورا مہابھارت ہو گیا۔ اب دونوں ٹٹھ گئے۔ رحیم نے قادر کی داڑھی کے بال اکھاڑ ڈالے۔ گاؤں والوں نے آکر بڑی مشکل سے انھیں چھڑایا پر قادر نے اپنی داڑھی کے بال اکھاڑ لیے اور حکیم پرگنہ کے اجلاس میں جا کر کہا۔ میں نے داڑھی اس لیے نہیں رکھی تھی جو یوں اکھاڑی جائے۔ رحیم سے ہرجانہ لیا جائے، پر رحیم کے بوڑھے پتانے اسے سمجھایا کہ بیٹا ایسی ٹپھ بات پر لڑائی کرنا مڑکتا نہیں تو کیا ہے۔ ذرا وچار تو کرو، سارا بکھیرا صرف ایک انڈے سے پھیلا ہے۔ کون جانے شاید کسی بالک نے اٹھا لیا ہو اور پھر انڈا تھا کتنے کا۔ پر ماتا سب کا پالن پوٹن کرتا ہے۔ پڑی اگر گالی دے بھی دے تو کیا گالی کے بدلے گالی دے کر اپنی آتما کو ملین کرنا اچٹ ہے؟ کبھی نہیں، خیر! اب تو جو ہونا تھا، وہ ہو ہی گیا۔ اسے ملانا اچٹ ہے، بڑھانا ٹھیک نہیں۔ کر دھ پاپ کا مول ہے۔ یاد رکھو۔ لڑائی بڑھانے سے تمہاری ہی ہانی ہوگی۔

پرنتو بوڑھے کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا۔ رحیم کہنے لگا کہ قادر کو دھن کا ٹھمنڈ ہے، میں کیا کسی کا دیا کھاتا ہوں۔ بڑے گھر نہ بھیج دیا تو کہنا۔ اس نے بھی ناش ٹھوٹک دی۔

یہ مقدمہ چل ہی رہا تھا کہ قادر کی گاڑی کی ایک کیل کھو گئی۔ اس کے پر پوار والوں نے رحیم کے بڑے لڑکے پر چوری کی ناش کر دی۔

اب کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ لڑائی نہ ہو۔ بڑوں کو دیکھ کر بالک بھی آپس میں لڑنے لگے۔ جب کبھی وسر دھونے کے لیے استریاں ندی پر اکٹھی ہوتی تھیں، تو سوائے لڑائی کے کچھ کام نہ کرتی تھیں۔

پہلے پہل تو گالی گلوچ پر ہی بس ہو جاتی تھی، پر اب وہ ایک دوسرے کا مال چرانے لگے۔ جینا درلہ ہو گیا۔ نیائے چکاتے چکاتے وہاں کے کرچاری تھک گئے۔ کبھی قادر رحیم کو قید کرا دیتا، کبھی وہ اس کو بندی خانے بھجوا دیتا۔ کٹوں کی بھاتی جتنا ہی لڑتے تھے، اتنا ہی

کردہ بڑھتا تھا۔ چہ درش تک یہی حال رہا۔ بوڑھے نے بہتیرا سر پنکا کہ لڑکوں کیا کرتے ہو؟ بدلہ لینا چھوڑ دو۔ ہیر بھاؤ تیاگ کر اپنا کام کرو۔ دوسروں کو کشت دینے سے تمہاری ہی ہانی ہوگی۔ پرنٹو کسی نے کان پر جوں تک نہ ریگیتی تھی۔

ساتویں درش گاؤں میں کسی کے گھر دیواہ تھا۔ استری پُروش جمع تھے، باتیں کرتے کرتے رحیم کی بہو نے قادر پر گھوڑا چرانے کا دوش لگایا۔ وہ آگ ہو گیا۔ اٹھ کر بہو کو ایسا مکا مارا کہ وہ سات دن تک چارپائی پر پڑی رہی۔ وہ اس سے گربھوتی تھی۔ رحیم بڑا پرین ہوا کہ اب کام بن گیا۔ گربھوتی استری کو مارنے کے اپراہ میں بندی خانے نہ بھجوا یا تو میرا نام رحیم نہیں۔ جیٹ جا کر تالاش کردی۔ تحقیقات ہونے پر معلوم ہوا کہ بہو کو کوئی بڑی چوٹ نہیں آئی، مقدمہ خارج ہو گیا۔ رحیم کب چپ رہنے والا تھا۔ اوپر پکھری میں گیا اور منشی کو گھوس دے کر قادر کو بیس کوڑے مارنے کا حکم لکھوا دیا۔

اس سے قادر پکھری سے باہر کھڑا تھا۔ حکم سنتے ہی بولا — کوڑوں سے میری پینہ تو جلے گی ہی، پرنٹو رحیم کو بھی بھسم کیے بنا نہ چھوڑوں گا۔
رحیم ترنت عدالت میں گیا اور بولا — حضور قادر میرا گھر جلانے کی دھمکی دیتا ہے۔
کئی آدمی گواہ ہیں۔

حاکم نے قادر کو بلا کر پوچھا کہ کیا بات ہے۔
قادر — سب جھوٹ، میں نے کوئی دھمکی نہیں دی۔ آپ حاکم ہیں جو چاہیں سو کریں۔ پر کیا نیائے اسی کو کہتے ہیں کہ سچا مارا جائے اور جھوٹا چھین کرے۔
قادر کی صورت دیکھ کر حاکم کو نیچے ہو گیا کہ وہ اوشیہ ہی رحیم کو کوئی نہ کوئی کشت دے گا۔ اس نے قادر کو سمجھاتے ہوئے کہا — دیکھو بھائی، بدھی سے کام لو۔ بھلا قادر، گربھوتی استری کو مارنا کیا ٹھیک تھا؟ یہ تو ایثار کی بڑی کرپا ہوئی کہ چوٹ نہ آئی نہیں تو، کیا جانے کیا ہو جاتا، تم نے کر کے رحیم سے اپنا اپراہ چھما کرالو۔ میں حکم بدل ڈالوں گا۔
منشی — دفع 117 (ایک سو سترہ) کے انوسار حکم نہیں بدلا جاسکتا۔

حاکم — چپ رہو۔ پرماتما کو شانتی پر یہ ہے۔ اس کی آکینا کا پالن کرنا سب کا مکھیہ دھرم ہے۔

قادر بولا — حضور میری دستھا اب پچاس درش کی ہے۔ میرے ایک بیابا ہوا پُتر بھی

کر کام چلتا تھا۔ یدی کوئی کسی اور کام میں لگا ہوتا تھا، تو دوسرا اس کے پشو چرلاتا تھا۔ ایک کو کسی دستو کی ضرورت ہوتی تھی تو دوسرا ترنت دے دیتا تھا۔ نہ کوئی لڑائی تھی، نہ کوئی جھگڑا، پریم پریت ہر دوک جیون وقیع کرتا تھا۔ اب؟ اب تو تم نے مہابھارت بنا رکھا ہے۔ کیا اسی کا نام جیون ہے۔ ہائے ہائے یہ تم کیا پاپ کرم کر رہے ہو۔ تم دھرم کے سوامی ہو۔ یمراج کے سامنے تمہیں آخر دینا ہوگا۔ بالکوں اور استریوں کو تم کیا شکشا دے رہے ہو۔ گالی بکنا اور طعنے دینا! کل تاراوتی پڑوسن دھن دیوی کو گالیاں دے رہی تھی۔ اس کی ماما پاس بیٹھی سن رہی تھی۔ کیا یہی کھلمنسی ہے؟ کیا گالی کا بدلہ گالی ہونا چاہیے؟ نہیں بیٹا نہیں، مہا ہر دوشوں کا دجن ہے کہ کوئی تمہیں گالی دے تو سہہ لو۔ وہ سوئیں بچھتائے گا۔ یدی کوئی تمہارے گال پر ایک چپت مارے تو دوسرا گال اس کے سامنے کر دو۔ وہ لجھ اور نر ہو کر تمہارا بھگت ہو جائے گا۔ ابھمان ہی سب دکھ کا کارن ہے۔ تم چپ کیوں ہو گئے! کیا میں جھوٹ کہتا ہوں؟

رجیم چپ رہ گیا کچھ نہیں بولا۔

بوڑھا — مہاتماؤں کا واکہ یہ کیا استیہ ہے، کبھی نہیں۔ اس کا ایک ایک اکثر پتھر کی لکیر ہے۔ اچھا تم اپنے اس جیون پر دچار کرو۔ جب سے یہ مہابھارت آرمھ ہوا ہے، تم سکھی ہو! ذرا حساب تو لگاؤ کہ ان مقدموں، وکیلوں اور جانے آنے میں کتنا روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ دیکھو تمہارے پتر کیسے سندر اور بلوان ہیں، لیکن تمہاری آمدنی گھٹتی جاتی ہے۔ کیوں تمہاری مورکھتا سے، تمہیں چاہیے کہ لڑکوں سہہ کھتی کا کام کرو، پر تم پر تو لڑائی کا بھوت سوار ہے۔ وہ چین نہیں لینے دیتا۔ پچھلے سال جنی کیوں نہیں اُگی۔ اس لیے کہ سے پر بوئی نہیں گئی۔ مقدے چلاؤ کہ جنی بوؤ۔ بیٹا اپنا کام کرو۔ کھیتی باڑی کو سنبھالو۔ یدی کوئی کشت دے تو اسے چھما کر دو۔ پر ماتما پرسن رہتا ہے، ایسا کرنے پر تمہارا انتہ کرن شدھ ہو کر تمہیں آنند پراپت ہوگا۔

رجیم کچھ نہیں بولا۔

بوڑھا — بیٹا اپنے بوڑھے مؤدکھ پتا کا کہنا مانو۔ جاؤ کچھری میں جا کر آپس میں راضی نامہ کر لو۔ کل شب برات ہے۔ قادر کے گھر جا کر اسے نرٹا ہر دوک نیوتا دو اور گھر والوں کو بھی یہی شکھا دو کہ ہیر چھوڑ کر آپس میں پریم بڑھائیں۔

پتا کی باتیں سن کر رجیم کے من میں دچار ہوا کہ چتا جی جی کہتے ہیں۔ اس لڑائی

ہے۔ آج تک میں نے کبھی کوزے نہیں کھائے۔ میں اور اس سے چمھا؟ کبھی نہیں مانگ سکتا۔ وہ بھی مجھے یاد کرے گا۔

یہ کہہ کر قادر باہر چلا گیا۔

کچہری گاؤں سے سات میل پر تھی۔ رحیم کو گھر پہنچے پہنچے اندھیرا ہو گیا۔ اس سے گھر پر کوئی نہ تھا۔ سب باہر گئے ہوئے تھے۔ رحیم بھیتر جا کر بیٹھ گیا اور دُچار کرنے لگا۔ کوزے لگنے کا حکم سن کر قادر کا کٹھ کیسا اتر گیا تھا۔ پچارا دیوار کی اُور منہ کر کے رونے لگا تھا۔ ہم اور وہ کتنے دن تک ایک ساتھ کھیلے ہیں۔ مجھے اس پر اتنا کر دودھ نہ کرنا چاہیے تھا۔ یدی مجھے کوزے مارنے کا حکم سنایا جاتا، تو میری کیا دشا ہوتی۔

اس پر اسے قادر پر دیا آئی۔ اتنے میں بوڑھے پٹانے آکر پوچھا۔ قادر کو کیا دٹ ملا۔ رحیم۔ میں کوزے۔

بوڑھا۔ برا ہوا بیٹا، تم اچھا نہیں کرتے۔ ان باتوں میں قادر کی اتنی ہی ہانی ہوگی، جتنی تمھاری۔ بھلا، میں یہ پوچھتا ہوں کہ قادر پر کوزے پڑنے سے تمھیں کیا لایبھ ہوگا؟ رحیم۔ وہ پھر ایسا کام نہیں کرے گا۔

بوڑھا۔ کیا نہیں کرے گا؟ اس نے تم سے بڑھ کر کون سا بُرا کام کیا ہے؟ رحیم۔ واہ! واہ!! دُچار تو کریں کہ اس نے مجھے کتنا کشت دیا ہے۔ استری مرنے سے بچی اور گھر جلانے کی دھمکی دیتا ہے، تو کیا میں اس کا جس گاؤں؟

بوڑھا۔ (آہ بھر کر) بیٹا میں گھر میں پڑا رہتا ہوں اور تم سرور گھومتے ہو۔ اس لیے تم مجھے نُو رکھ سمجھتے ہو۔ لیکن درودہ نے تمھیں اندھا بنا رکھا ہے۔ دوسروں کے دوش تمھارے نظروں کے سامنے ہیں۔ اپنے دوش پیٹھ پیچھے ہیں۔ بھلا، میں پوچھتا ہوں کہ قادر نے کیا کیا! ایک کے کرنے سے بھی کبھی لڑائی ہوا کرتی ہے؟ کبھی نہیں، دو ہٹا لڑائی نہیں ہو سکتی۔ یدی تم شانت سو بھاد ہوتے، لڑائی کیسے ہوتی۔ بھلا، جواب تو دو۔ اس کی داڑھی کے بال کس نے اکھاڑے؟ اس کا بھوسا کس نے چرایا؟ اسے عدالت میں کس نے گھسیٹا؟ تس پر سارے دوش قادر کے ماتھے ہی قہوپ رہے ہو۔ تم آپ برے ہو۔ بس یہی سارے جھگڑے کی جڑ ہے۔ کیا میں نے تمھیں یہی ٹھنڈا دی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اور قادر کا پتا کس پریم بھاد سے رہتے تھے۔ یدی کسی کے گھر میں اُن چُک جاتا تھا تو ایک دوسرے سے اُدھار لے

جھگڑے میں ہم منی میں مل جاتے ہیں، لیکن اس مہابھارت کو کس پرکار ساپت کروں۔ بوڑھا اس کی من کی بات جان کر بولا۔ بیٹا میں تمہارے من کی بات جان گیا۔ لہذا تیاگ دو۔ پرتو جا کر قادر سے جزا کرو۔ پھیلنے سے پہلے ہی چنگاری کو بجھا دینا اچھا ہے۔ پھیل جانے پر کچھ نہیں بنتا۔

بوڑھا کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ استریاں کولاہل کرتی ہوئی بھیتر آئیں۔ انھوں نے قادر کے دند کا حال سن لیا تھا۔ حال میں پڑوسن سے لڑائی کر کے آئی تھیں۔ آکر کہنے لگیں کہ قادر یہ مجھے دکھاتا ہے کہ میں نے گھوس دے کر حاکم کو اپنی اور کھینچ لیا ہے۔ رجم کا سارا حال لکھ کر مہاراج کی سیوا میں بھیجنے کے لیے دنے پرتیار کیا ہے۔ دیکھو، کیا مزا چکھاتا ہوں۔ آدمی جائیداد نہ جھین لی تو بات ہی کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ رجم کے چھت میں پھر آگ دہک اٹھی۔

آشادھی ہونے کی ریتو تھی۔ کرنے کو کام بہت تھا۔ رجم بمصول میں گیا اور پشوؤں کو بھوسا ڈال کر کچھ کام کرنے لگا۔ اس سے وہ پتا کی باتیں اور قادر کے ساتھ لڑائی سب کچھ بھولا ہوا تھا۔ رات کو گھر میں آکر آرام کرتا ہی چاہتا تھا کہ پاس سے شہد سنائی دیا۔ وہ دشت بدھ کرنے ہی لگی ہے، جی کر کیا بنائے گا۔ ان شہدوں نے رجم کو پاگل بنا دیا۔ وہ چپ چاپ کھڑا قادر کی گالیاں سنتا رہا۔ جب وہ چپ ہو گیا تو وہ گھر میں چلا گیا۔

بھیتر آکر دیکھا کہ بہو بیٹھی تاک رہی ہے۔ استری بھوجن بنا رہی ہے۔ بڑا لڑکا دودھ گرم کر رہا ہے۔ منجھلا جھاڑو لگا رہا ہے۔ چھوٹا بھینس چرانے باہر جانے کو تیار ہے۔ سکھ کی یہ سب ساگر تھی، پرتو پڑوسی کے ساتھ لڑائی کا دکھ سہا نہ جاتا تھا۔ وہ جلا گھوٹا بھیتر آیا۔ اس کے کان میں پڑوسی کے شہد گونج رہے تھے۔ اس نے سب سے لڑنا آرمھ کیا۔ اتنے میں چھوٹا لڑکا بھینس چرانے باہر جانے لگا۔ رجم بھی اس کے ساتھ باہر چلا آیا۔ لڑکا تو چل دیا۔ وہ اکیلا رہ گیا۔ رجم من میں سوچنے لگا۔ قادر بڑا دشت ہے۔ ہوا چل رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ چیچھے سے آکر آگ لگا کر بھاگ جائے۔ کیا اچھا ہو جب وہ آگ لگانے آئے، تب میں اسے پکڑ لوں۔ بس پھر کبھی نہیں بچ سکتا، اوشیہ اسے بندی خانے جانا پڑے۔

یہ دچار کر کے وہ گلی میں پہنچ گیا۔ سامنے اسے کوئی چیز ہلتی دکھائی دی۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ قادر ہے، پر وہاں کچھ نہ تھا، چاروں اُور سناٹا تھا۔

تھوڑی دور آگے جا کر دیکھتا کیا ہے کہ پشوالہ کے پاس ایک منٹس جلتا ہوا، پھوس کا پولہ ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ دھیان سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ قادر ہے، پھر کیا تھا، زور سے دوڑا کہ اسے جا کر پکڑ لے۔

رحیم ابھی وہاں پہنچے ہی نہ پایا تھا کہ چھبر میں آگ لگ گئی، اجالا ہونے پر قادر پرستکھ دکھائی دینے لگا۔ رحیم باز کی طرح جھپٹا، 'لیکن قادر اس کی آہٹ پا کر چیخت ہو گیا۔ رحیم اس کے پیچھے دوڑا۔ اس کے گرتے کا پلہ ہاتھ میں آیا ہی تھا کہ وہ جھڑا کر پھر بھاگا۔ رحیم دھڑام سے پرتھوی پر گر پڑا۔ اٹھ کر پھر دوڑا۔ اتنے میں قادر اپنے گھر پہنچ گیا۔ رحیم وہاں جا کر اسے پکڑنا چاہتا تھا کہ اس نے ایسا لٹھ مارا کہ رحیم چل کر کھا کر بے سدھ ہو دھرتی پر گر پڑا۔ سدھ آنے پر اس نے دیکھا کہ قادر وہاں نہیں ہے، پھر کر دیکھتا ہے کہ پشوالہ کا جھبر جل رہا ہے، جوالا پر چنڈر ہو رہی ہے اور لپٹیں نکل رہی ہیں۔

رحیم سر پیٹ کر پکارنے لگا۔ بھائیو! یہ کیا ہوا! ہائے، میرا ستیاناس ہو گیا۔ جلتے جلتے اس کا لٹھ بیٹھ گیا۔ وہ دوڑنا چاہتا تھا، پرتھو اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ وہ دھم سے دھرتی پر گر پڑا، پھر اٹھا گھر کے پاس پہنچنے پہنچنے آگ چاروں اور پھیل گئی۔ اب کیا بن سکتا ہے؟ مجھے سے بڑوسی بھی اپنا اسباب باہر بھیجنے لگے۔ دایو کے بیک سے قادر کے گھر میں بھی آگ جا گئی۔ یہاں تک کہ آدھا گاؤں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ رحیم اور قادر دونوں کا کچھ نہ بچا۔ مرغیاں، بل، گاڑی، پشو، دتر، آن، بھوسا آدی سب کچھ سواہا ہو گیا۔ اتنا اچھا ہوا کہ کسی کی جان نہیں گئی۔

آگ رات بھر جلتی رہی۔ وہ کچھ اسباب اٹھانے بھیڑ گیا۔ پرتھو جوالا ایسی پر چنڈھی کہ جا نہ سکا۔ اس کے کپڑے اور داڑھی کے بال جھلس گئے۔

پراتے کال گاؤں کے چودھری کا بیٹا اس کے پاس آیا اور بولا۔ رحیم تمہارے پتا کی دشا اچھی نہیں ہے۔ وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ رحیم تو پاگل ہو رہا تھا۔ بولا۔ کون پتا جی؟ چودھری کا بیٹا۔ تمہارے پتا۔ اسی آگ نے ان کا کام تمام کر دیا ہے۔ ہم انہیں یہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے تھے۔ اب وہ بچ نہیں سکتے۔ چلو اتنم بھیجت کرلو۔

رحیم اس کے ساتھ ہولیا۔ وہاں پہنچنے پر چودھری نے بوڑھے کو خبر دی کہ رحیم آ گیا ہے۔ بوڑھے نے رحیم کو اپنے نکٹ بلا کر کہا۔ بیٹا میں نے تم سے کیا کہا تھا۔ گاؤں کس نے

جلایا؟

رجیم — قادر نے۔ میں نے آپ اسے چہر میں آگ لگاتے دیکھا تھا۔ یدی میں اسی سے اسے پکڑ کر پولے کو پیروں تلے مل دیتا، تو آگ کبھی نہ لگتی۔

بوڑھا — رجیم، میرا انت سے آگیا۔ تم کو بھی ایک دن اوشیہ مرنا ہے، پر جی بٹاؤ کہ دوش کس کا ہے؟

رجیم چپ ہو گیا۔

بوڑھا — بٹاؤ، کچھ بولو تو، پھر یہ سب کس کی کر توت ہے، کس کا دوش ہے؟

رجیم — (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میرا! چٹائی چھما کیجیے میں خدا اور آپ دونوں کا

اپہرادی ہوں۔

بوڑھا — رجیم!

رجیم — ہاں، چٹائی۔

بوڑھا — جانتے ہو اب کیا کرنا اچت ہے؟

رجیم — میں کیا جانوں۔ میرا تو اب گاؤں میں رہنا کٹھن ہے۔

بوڑھا — یدی تو پریشور کی آسمان مانے کا تو تجھے کوئی کٹھن نہ ہوگا۔ دیکھ یاد رکھ کسی نے نہ کہنا کہ آگ کس نے لگائی تھی، جو پڑش کسی کا ایک دوش چھما کرتا ہے، پر مانتا اس کے دو دوش چھما کرتا ہے۔

یہ کہہ کر خدا کو یاد کرتے ہوئے بوڑھے نے پران تیاگ دیے۔

رجیم کا کردہ شانت ہو گیا۔ اس نے کسی کو نہ بتلایا کہ آگ کس نے لگائی تھی،

پہلے پہلے تو قادر ڈرتا رہا کہ رجیم کے چپ رہ جانے میں بھی کوئی بھید ہے، پھر کچھ دنوں

پیچھے اسے دشا اس ہو گیا کہ رجیم کے چف میں اب کوئی بیر بھاؤ نہیں رہا۔

بس، پھر کیا تھا۔ پریم میں شتر د بھی جڑ ہو جاتے ہیں۔ وہ پاس پاس گھر بنا کر

پڑوسیوں کی بھانجی رہنے لگے۔

رجیم اپنے پتا کا اپدیش کبھی نہ بھولتا تھا کہ پھیلنے سے پہلے ہی چنگاری کو بجھا دینا

اچت ہے۔ اب یدی کوئی کٹھن دیتا تو بدلہ لینے کی اچھا نہیں کرتا۔ یدی کوئی اسے گالی

دیتا تو سہن کر کے وہ یہ اپدیش کرتا کہ کو دجن بولنا اچھا نہیں۔ اپنے گھر کے پرانیوں کو بھی

وہ یہی اپدیش دیا کرتا۔ پہلے کی آنکھیں اب اس کا جیون بڑا آئندہ دک کٹتا ہے۔

دو وردھ پُرش

۱

ایک گاؤں میں ارجن اور موہن نام کے دو کسان رہتے تھے۔ ارجن دھنی تھا، موہن سادھارن پُروش تھا۔ انھوں نے چڑکال سے بدری نارائن کی یاترا کا ارادہ کر رکھا تھا۔

ارجن بڑا سوشیل، سادھی اور ورژھ تھا۔ دو بار گاؤں کا چودھری رہ کر اس نے بڑا اچھا کام کیا تھا۔ اس کے دو لڑکے تھا ایک پوتا تھا۔ اس کی ساٹھ ورش کی دستاخمی، پرنٹو داڑھی ابھی تک نہیں پکی تھی۔

موہن پرسن بدن، دیالو اور ملنسار تھا۔ اس کے دو پُتر تھے۔ ایک گھر میں تھا، دوسرا باہر نوکری پر گیا ہوا تھا۔ وہ خود گھر میں بیٹھا بیٹھا بڑھئی کا کام کرتا تھا۔

بدری نارائن کی یاترا کا سٹلپ کیے انھیں بہت دن ہو چکے تھے۔ ارجن کو چھٹی ہی نہیں ملتی تھی۔ ایک کام سمپت ہوتا تھا کہ دوسرا آکر گھیر لیتا تھا۔ پہلے پوتے کا پیہ کرتا تھا۔ پھر چھوٹے لڑکے کا گونا آگیا۔ اس کے پیچھے مکان بنا پرامھ ہو گیا۔ ایک دن باہر لکڑی پر بیٹھ کر دونوں بوزھوں میں باتیں ہونے لگیں۔

موہن — کیوں بھائی اب یاترا کرنے کا وچار کب ہے ؟

ارجن — ذرا ٹھہرو۔ اب کی ورش اچھا نہیں لگا۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ سوروپے میں مکان تیار ہو جائے گا۔ تین سوروپے لگا چکے ہیں۔ ابھی دلی دور ہے۔ اگلے ورش چلیں گے۔
موہن — شبھ کاریہ میں دیری کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ میرے وچار میں تو ترنت چل دینا ہی اُچھ ہے۔ دن بہت اچھے ہیں۔

ارجن — دن تو اچھے ہیں، پر مکان کا کیا کروں۔ اسے کس پر چھوڑوں ؟

موہن — کیا کوئی سنبھالے والا ہی نہیں، بڑے لڑکے کو سوپ دو۔

ارجن — اس کا کیا بھروسا ہے۔

موہن — واہ واہ، بھلا بتاؤ تو کہ مرنے پر کون سنبھالے گا ؟ اس سے تو یہ اچھا ہے کہ

جیتے جی سنبھال لیں۔ اور تم سکھ سے جیون دیتیہ کرو۔

ارجن — یہ ستم ہے، پر کسی کام میں ہاتھ لگا کر اسے پورا کرنے کی اہم سبھی کی ہوتی ہے۔

موہن — تو کام کبھی پورا نہیں ہوتا، کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے۔ کل ہی کی بات ہے کہ رام نومی کے لیے استریاں کئی دن سے تیاری کر رہی تھیں۔ کہیں لپائی ہوتی تھی کہیں آٹا پیسا جاتا تھا۔ اتنے میں رام نومی آپہنچی۔ بہو بولی پریشور کی بڑی کرپا ہے کہ تہوار بنا بلائے ہی آجاتے ہیں۔ نہیں تو ہم اپنی تیاری ہی کرتے رہیں۔

ارجن — ایک بات اور ہے۔ اس مکان پر میرا بہت روپیہ خرچ ہوا ہے، اس سے روپے کا بھی توڑا ہے۔ کم سے کم سو روپے تو ہوں۔ نہیں تو یا ترا کیسے ہوگی۔

موہن — (ہنس کر) آہا ہا! جو جتنا دھنواں ہوتا ہے، وہ اتنا ہی کنگال ہوتا ہے۔ تم اور روپے کی چٹا! جانے دو، میں سچ کہتا ہوں۔ اس سے میرے پاس ایک سو روپے بھی نہیں، پرنتو جب چلنے کا نچھو ہو جائے گا تو روپیہ بھی کہیں نہ کہیں سے اوشیہ آجائے گا۔ بس یہ بتلاؤ کہ چلنا کب ہے؟

ارجن — تم نے روپے جوڑ رکھے ہوں گے، نہیں تو کہاں سے آجائے گا۔ بتلاؤ تو کسی۔

موہن — کچھ گھر میں سے، کچھ مال بیچ کر، پڑوسی کچھ چوکٹ آدی مول لینا چاہتا تھا، اسے سستی دے دوں گا۔

ارجن — سستی بیچنے پر بچھتاوا ہوگا۔

موہن — میں سوائے پاپ کے اور کسی بات پر نہیں بچھتاوا۔ آتما سے کون جیز چاری ہے۔

ارجن — یہ سب ٹھیک ہے، پرنتو گھر کے کام کاج بسرانا بھی اچھ نہیں۔

موہن — اور آتما کو بسرانا تو اور بھی برا ہے۔ جب کوئی بات من میں ٹھان لی تو

اسے بنا پورا کیے نہ چھوڑنا چاہیے۔

انت میں چلنا نچے ہو گیا۔ چار دن پیچھے جب وداع ہونے کا سہ آیا تو ارجن بڑے لڑکے کو سمجھانے لگا کہ مکان پر چھت اس پر کار ڈالنا، بھوسی، بکھار میں اس بھانتی جمع کر دینا منڈی میں جا کر اناج اس بھاؤ سے بیچنا، روپے سنبھال کر رکھنا، ایسا نہ ہو کہو جادیں، گھر کا پر بندھ ایسے رکھنا کہ کسی پرکار کی بانی نہ ہونے پائے، اس کا سمجھانا ساہت ہی نہ ہوتا تھا۔ اس کے پرتی کنول موہن نے اپنی استری سے کیول اتنا ہی کہا کہ تم چڑ ہو، سادو دھانی سے کام کرتی رہنا۔

موہن تو گھر سے پرسن مکھ باہر نکلا اور گاؤں چھوڑتے ہی گھر کے سارے بکھیرے بھول گیا۔ ساتھی کو پرسن رکھنا، سکھ پڑوک یا ترا کر گھر لوٹ آنا اس کا منتویہ تھا۔ راہ چلتا تھا تو ایٹور سمبندھی کوئی بھین گاتا تھا یا کسی مہا پڑوش کی کتھا کہتا، سڑک پر اٹھوا سرائے میں، جس کسی سے بھینٹ ہو جاتی۔ اس سے بڑی نمرتا سے بولتا۔

ارجن بھی چپکے چپکے چل رہا تھا، پرتو اس کا چھت دیا کھل تھا۔ سدو گھر کی چٹنا لگی رہتی تھی۔ لڑکا انجان ہے۔ کون جانے کیا کر بیٹھے۔ اُنک بات کہتا بھول آیا۔ ادھو دیکھو، مکان کی چھت پڑتی ہے یا نہیں۔ یہی دچار اسے ہر دم گھیرے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی لوٹ جانے کو تیار ہو جاتا تھا۔

۳

چلتے چلتے ایک مہینہ پیچھے وہ پہاڑ پر پہنچ گئے۔ پہاڑی بڑے اتھھی سیوک ہوتے ہیں۔ اب تک یہ مول کا اُن کھاتے رہے تھے۔ اب ان کی خاطر داری ہونے لگی۔ آگے چل کر وہ ایسے دیش میں پہنچے۔ جہاں ڈرگٹ اکال پڑ رہا تھا۔ کھیتیاں سب سوکھ تئی تھیں، اناج کا ایک دانہ بھی نہیں اُگا تھا۔ دھنواں کنگال ہو گئے تھے، دھن بین دیش کو چھوڑ کر بھیک مانگنے باہر بھاگ گئے تھے۔

یہاں انھیں کچھ کٹ ہوا، اُن کم ملتا تھا اور وہ بھی بڑا مہنگا۔ رات کو انھوں نے ایک جگہ دھرام کیا۔ اگلے دن چلتے چلتے ایک گاؤں ملا۔ گاؤں کے باہر ایک جھونپڑا تھا۔ موہن

تھک گیا تھا، بولا — مجھے پیاس لگی ہے۔ تم چلو میں اس جھونڈے سے پانی پی کر ابھی تمہیں آمتا ہوں۔ ارجن بولا — اچھا پی آؤ۔ میں دھیرے دھیرے چلتا ہوں۔

جھونڈے کے پاس آموہن نے دیکھا کہ اس کے آگے دھوپ میں ایک منش پڑا ہے۔ موہن نے اس سے پانی مانگا، اس نے کوئی اثر نہیں دیا۔ موہن نے سمجھا کہ کوئی روگی ہے۔

سمپ جانے پر جھونڈے کے بھیتر ایک بالک کے رونے کا شہد سنائی دیا، کیواڑ کھلے ہوئے تھے، وہ بھیتر چلا گیا۔

۴

اس نے دیکھا کہ نیچے سرکیول ایک چادر اوڑھے ایک بڑھیا دھرتی پر بیٹھی ہے، پاس میں بھوک کا مارا ہوا ایک بالک بیٹھا روٹی، روٹی، پکا رہا ہے۔ چولھے کے پاس ایک استری تڑپ رہی ہے، اس کی آنکھیں بند ہیں، کنٹھ رکا ہوا ہے۔

موہن کو دیکھ کر بڑھیا نے پوچھا، تم کون ہو؟ کیا مانتے ہو؟ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

موہن — مجھے پیاس لگی ہے۔ پانی مانگتا ہوں۔

بڑھیا — یہاں نہ کوئی برتن ہے، نہ کوئی لانے والا۔ یہاں کچھ نہیں۔ جاؤ، اپنی راہ لو۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ باہر سے وہ منش بھی گرتا پڑتا بھیتر آیا اور بولا۔ کال اور روگ دونوں نے ہمیں مار ڈالا۔ یہ بالک کئی دن سے بھوکا ہے۔ کیا کروں؟ یہ کہہ کر رونے لگا اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔ موہن نے ترنت اپنے تھیلے میں سے روٹی نکال کر اس کے آگے رکھ دی۔

بڑھیا بولی — ان کے کنٹھ سوکھ گئے ہیں، باہر سے پانی لے آؤ۔ موہن بڑھیا سے کنویں کا پتہ پوچھ کر باہر گیا اور پانی لے آیا۔ سب نے روٹی کھا کر پانی پیا۔ پرتو چولھے کے پاس والی استری تڑپتی رہی۔ موہن گاؤں میں جا کر کچھ دال، چاول مول لے آیا اور کچھری پکا کر سب کو کھلائی۔

تب بڑھیا بولی — بھائی کیا سناؤں، زردھن تو ہم پہلے ہی تھے، اس پر پڑا اکال۔
ہماری اور بھی دُرگتی ہو گئی۔ پہلے پہل تو پڑوسی اُن اُدھار دیتے تھے۔ پرتو وہ کیا کرتے۔ وہ
آپ بھوکوں مرنے لگے، ہمیں کہاں سے دیتے۔

منش نے کہا — میں مجھری کرنے نکلا۔ دو تین دن تو کچھ ملا، پھر کسی نے نوکر نہ
رکھا، پھر بڑھیا اور لڑکی بھیک مانگنے لگیں۔ اُن کا اکال تھا، کوئی بھیک بھی نہ دیتا تھا۔ بہتیرے
یتن کیے، کچھ نہ بن سکا۔ بھوک کے مارے گھاس کھانے لگے۔ اسی کارن یہاں میری استری
چولھے کے پاس پڑی تڑپ رہی ہے۔

بڑھیا — پہلے کئی دنوں تک تو میں چل پھر کر کچھ دھندا کرتی رہی۔ پرتو کہاں تک؟
بھوک اور روگ نے جان لے لی۔ جو حال ہے، تم اپنے خیزوں سے دیکھ رہے ہو۔
ان کی دھماں کر موہن نے وچارا کہ آج رات یہیں رہنا اُچھ ہے۔ ساتھی سے کل
مل لیں گے۔

پراتہ کال اٹھ کر وہ گاؤں میں گیا اور کھانے پینے کی جنس لے آیا۔ گھر میں کچھ نہ
تھا۔ وہ وہاں ٹھہر کر اس طرح کام کرنے لگا کہ مانو اپنا ہی گھر ہے۔ دو تین دن بیچھے سب
چلنے پھرنے لگے اور وہ استری اٹھ بیٹھی۔

چوتھے دن اکاڈی تھی۔ موہن نے وچارا کہ آج سندھیا کو ان سب کے ساتھ بیٹھ کر
پھلا پار کر کے کل پراتہ کال چل دوں گا۔

وہ گاؤں میں جا کر دودھ، پھل سب ساگری لاکر بڑھیا کو دے، آپ پوجا پاٹھ
کرنے مندر میں چلا گیا۔ ان لوگوں نے اپنی زمین ایک زمیندار کے یہاں گروی رکھ کر اکال
کے سے اپنا زدواہ کیا تھا۔ موہن جب مندر گیا، تب کسان یووک زمیندار کے پاس پہنچا اور

و نے پردک بولا — چودھری جی ۔ اس سے روپے دے کر کھیت چھڑانا میرے قابو کے باہر ہے۔ یہی آپ اس چوما سے مجھے کھیت ہونے کی آکھیا دے دیں، تو محنت مزدوری کر کے آپ کا بن چکا سکتا ہوں ۔

پرتو چودھری کب مانتا تھا؟ وہ بولا — پتا روپے دیے کھیت نہیں ہو سکتے، جاؤ۔ اپنا کام کرو، وہ نراش ہو کر گھر لوٹ آیا۔ اتنے میں موہن بھی پہنچ گیا۔ زمیندار کی بات سن کر وہ من میں دچار کرنے لگا کہ جب یہ زمیندار کھیت نہیں ہونے دیتا، تو ان کسانوں کی پران رکشا کیا کرے گا! یہی میں انھیں اسی ڈشا میں چھوڑ کر چل دیا، تو یہ سب کال کے کوار بن جائیں گے، کل نہیں پرسوں جاؤں گا۔

موہن اب بڑی دودھا میں پڑا تھا، نہ رہتے ہی بنتا تھا، نہ جاتے ہی بنتا تھا۔ رات کو پڑا پڑا سوچنے لگا۔ یہ تو اچھا بکھیرا پھیلا۔ پہلے اُن پانی اور اب کھیت چھڑانا، پھر گائے اور بیلوں کی جوڑی مول لینا۔ موہن تم کس جنجال میں پھنس گئے؟

دل چاہتا تھا کہ وہ انھیں ایسے ہی چھوڑ کر چل دے، پرتو دیا جانے نہ دیتی تھی۔

سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی۔ سوہن میں دیکھتا کیا ہے کہ وہ جانا چاہتا ہے، کسی نے اسے کچڑ لیا ہے۔ لوٹ کر دیکھا تو بالک روٹی مانگ رہا ہے۔ وہ ترنت اٹھ بیٹھا اور من میں کہنے لگا، 'نہیں اب میں نہیں جاتا۔ یہ سوہن مجھے ٹھکھا دیتا ہے کہ مجھے ان کا کھیت چھڑانا گائے بیل مول لینا اور سارا پر بندھ کر کے جانا اُچھ ہے۔'

پراتہ کال اٹھ کر زمیندار کے پاس گیا اور روپیہ دے کر ان کا کھیت چھڑا دیا۔ جب ایک کسان سے ایک گائے اور دو بیل مول لے کر لوٹ رہا تھا کہ راہ میں استریوں کو باتیں کرتے سنا۔

بہن پہلے تو ہم انھیں سادھارن منش جانتے تھے۔ وہ کیول پانی پینے آیا تھا، پر اب سنا ہے کہ کھیت چھڑانے اور گائے بیل مول لینے گیا ہے۔ ایسے مہاتما کے درشن کرنے چاہیے۔ موہن اپنی استوتی سن کر وہاں سے ٹل گیا۔ گائے بیل، لے کر جب جمونپڑے پر پہنچا تو کسان نے پوچھا — پتا جی، یہ کہاں سے لائے؟

موہن — انک کسان سے یہ بڑے سستے مل گئے ہیں۔ جاؤ، پٹو شالا میں بانڈھ کر اس کے آگے کچھ بھوسا ڈال دو۔

اسی رات جب سب سو گئے، تو موہن چپکے سے اٹھ کر گھر سے باہر نکل بدری نارائن کی راہ لی۔

۷

تین میل چل کر موہن ایک درکھ کے نیچے بیٹھ کر بڑھ نکال روپے گننے لگا تو تھوڑے ہی روپے باقی تھے۔ اس نے سوچا۔

اتنے روپے میں بدری نارائن پہنچنا افسوس ہے، بھیک مانگنا پاپ ہے۔ ارجن وہاں اوشیہ پہنچے گا اور آشا ہے کہ میرے نام پر کچھ چڑھاوا چڑھائی دے گا۔ میں تو اب اس جیون میں یہ یاत्रا کرنے کا سٹکپ پورا نہیں کر سکتا۔ ایتھا پر ماتما کی ایتھا، وہ بڑا دیا لو ہے۔ مجھ جیسے پاپیوں کو سند یہہ چھما کر دے گا۔

یہ دوچار کر کے گاؤں کا چٹکڑ کاٹ کر کہ کوئی دیکھ نہ لے، وہ گھر کی اور لوٹ پڑا۔ گاؤں میں پہنچ جانے پر گھر والے اسے دیکھ کر آتی پرسن ہوئے اور پوچھنے لگے کہ لوٹ کیوں آئے؟ موہن نے یہی آخر دیا کہ ارجن سے ساتھ چھوٹ گیا اور روپے چوری ہو گئے، اس کارن لوٹ آنا پڑا۔ گھر میں کوشل کشم تھی۔ کوئی کشت نہ تھا۔

موہن کا آنا سن کر ارجن کے گھر والے اس سے پوچھنے لگے کہ ارجن کو کہاں چھوڑا ان سے بھی اس نے یہی کہا کہ بدری نارائن پہنچنے سے تین دن پہلے میں ارجن سے چھڑ گیا۔ روپیہ کسی نے چرا لیا۔ بدری نارائن جانا افسوس تھا، مجھے لوٹنا ہی پڑا۔

سب لوگ موہن کی بڑھی پر ہنسنے لگے کہ بدری نارائن پہنچا ہی نہیں، راستے میں روپے کھو دیے۔ موہن گھر کے دھندے میں لگ گیا، بات بیت گئی۔

۸

اب ادھر کا حال سنئے۔

موہن جب پانی پینے چلا گیا، تب تھوڑی دور جا کر ارجن بیٹھ گیا اور ساتھی کی بات دیکھنے لگا۔ سندھیا ہو گئی پر موہن نہ آیا۔

ارجن سوچنے لگا ' کیا ہوا ساتھی کیوں نہیں آیا؟ میری آنکھیں لگ گئی تھیں۔ کہیں آگے نہ نکل گیا ہو، پر یہاں سے جاتا تو دکھائی نہیں دیتا؟ پیچھے لوٹ کر دیکھوں، کہیں آگے نہ چلا گیا ہو۔ پھر تو ملنا ہی اُسکو ہے۔ آگے ہی چلو، رات کو چٹی پر اوشیہ سمیٹ ہو جائے گی۔ راستے میں ارجن نے کئی منشیوں سے پوچھا کہ تم نے کوئی نانا سانولے رنگ کا آدمی دیکھا ہے؟ پرنتو کچھ پتہ نہ چلا۔ رات چٹی پر بھی موہن سے سمیٹ نہ ہوئی۔ اگلے دن یہ دُچار کر کے کہ وہ دیو پریاگ پر اوشیہ مل جائے گا، وہ آگے چل دیا۔

راستے میں ارجن کو ایک سادھو مل گیا۔ وہ جگن ناتھ کی یاترا کر کے آیا تھا۔ اب دوسری بار بدری نارائن کے درشن کو جا رہا تھا۔ رات کو چٹی میں وہ دونوں اکٹھے ہی رہے اور پھر ایک ساتھ یاترا کرنے لگے۔

دیو پریاگ میں پہنچ کر ارجن نے موہن کے دشنے میں پنڈے سے بہت پوچھ تاچھ کی، کچھ پتہ نہ چلا۔ یہاں سب یاتری اکٹھے ہو گئے۔ دیو پریاگ سے آگے چل کر سب لوگ رات کو ایک چٹی میں ٹھہرے۔ وہاں موسلا دھار مینہ برسنے لگا۔ بجلی کی کڑک، بادل کی گرج سے سب کانپ گئے۔ ساری رات جاگتے کئی۔ تراہی تراہی کرتے دن نکلا۔

انت کو دوپہر کے سب لوگ بدری نارائن پہنچ گئے۔ پنڈے دیو پریاگ سے ہی ساتھ ہو گئے تھے۔ بدری نارائن میں یہی ریتی ہے کہ پہلے دن یاتریوں کو مندر کی اور سے بھوجن کرایا جاتا ہے اور اسی دن یاتریوں کو انکا اٹھوا چڑھاوا بتلا دینا پڑتا ہے کہ کون کتنا چڑھائے گا، کم سے کم سوا روپیہ نیت ہے۔ اس سے تو سب نے پنڈوں کے گھروں میں جا کر وشرام کیا۔ دوسرے دن پراتہ کال اٹھ کر درشن پرسن میں لگ گئے۔ ارجن اور سادھو ایک ہی استھان میں ٹھہرے تھے۔ سانجھ کی آرتی کے درشن کر کے لوٹ کر جب گھر آئے تب سادھو بولا کہ میرا تو کسی نے روپے کا بٹا نکال لیا۔

۹

ارجن کے من میں یہ پاپ اُتھن ہوا کہ یہ سادھو جھوٹا ہے۔ کسی نے اس کا روپیہ نہیں چھایا۔ اس کے پاس روپیہ تھا ہی نہیں۔

لیکن ترنت ہی اس کو پٹھانا پ ہوا کہ کسی پردوش کے وشے میں ایسی کلپنا کرنا مہاپاپ ہے۔ اس نے من کو بہتیرا سمجھایا۔ پرتو اس کا دھیان اس سادھو میں ہی لگا رہا۔ پوتر استھان میں رہنے پر بھی چت کی ملنا دور نہیں ہوئی۔ اتنے میں کھنن کی آرتی کا گھنٹا بجا۔ دونوں درشارتھ مندر میں چلے گئے۔ بھیڑ بہت تھی۔ ارجن ہنر موند کر بھگوان کی استوتی کرنے لگا، پرتو ہاتھ بنوں پر تھا۔ کیونکہ سادھو کے روپے کھو جانے سے سنسکار چت میں پڑے ہوئے تھے۔ اتھ کرن کا شدھ ہو جانا کیا کوئی سچ بات ہے۔

۱۰

استوتی ساپت کر کے ہنر کھول کر، ارجن جب بھگوان کے درشن کرنے لگا، جب دیکھتا کیا ہے کہ مورتی کے اتی سبب موہن کھڑا ہے۔ اے موہن! نہیں نہیں، موہن یہاں کیسے پہنچ سکتا ہے؟ سارے راستے تو ڈھونڈنا آیا ہوں۔

موہن کو ساشاٹک دندوت کرتے دیکھ کر ارجن کو نیچے ہو گیا کہ موہن ہی ہے۔ سیات کسی دوسری راہ سے یہاں آپہنچا ہے۔ چلو، اچھا ہوا، ساتھی تو مل گیا۔ آرتی ہو گئی۔ یاتری باہر نکلنے لگے، ارجن کا ہاتھ بنوے پر تھا کہ کوئی روپے نہ چرا لے۔ وہ موہن کو کھونے لگا۔ پر اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔

دوسرے دن پراتھ کال مندر میں جانے پر ارجن نے پھر دیکھا کہ موہن ہاتھ جوڑے بھگوان کے سٹکھ کھڑا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر موہن کو پکڑ لے۔ پرتو جیوں ہی وہ آگے بڑھا، موہن لوپ ہو گیا۔

تیسرے دن بھی ارجن کو وہی درشید دکھائی دیا۔ اس نے وچارا کہ چل کر دوار پر کھڑے ہو جاؤں۔ سب یاتری وہیں سے نکلیں گے۔ وہیں موہن کو پکڑ لوں گا۔ اتیو اس نے ایسا ہی کیا، لیکن سب یاتری نکل گئے۔ موہن کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ ایک سپتھا بدری نارائن میں نو اس کر کے ارجن گھر لوٹ پڑا۔

۱۱

راہ چلتے ارجن کے چہرے میں وہی پرانے گھر کے جھیلے بار بار آنے لگے۔ سال بھر

بہت ہوتا ہے۔ اتنے دنوں میں گھر کی دشا نہ جانے کیا ہوئی ہو۔ کہاوت ہے۔ چھاتے لگے
چھ ماس اور مٹھن میں ہوئے اجاڑ۔ کون جانے لڑکے نے کیا کر چھوڑا ہو؟ فصل کیسی ہو؟
پشوؤں کا پالن پوشن ہوا ہے کہ نہیں؟

چلتے چلتے ارجن جب اس جمونپڑے کے پاس پہنچا، جہاں موہن پانی پینے گیا تھا تو
بھیت سے ایک لڑکی نے آکر اس کا کرتا پکڑ لیا اور بولی۔ بابا، بابا بھیت چلو۔

ارجن کرتا چھڑا کر جانا چاہتا تھا کہ بھیت سے ایک استری بولی۔ مہاشیہ! بھوجن کر کے
راتری کو بیٹیں دشرام کیچھے، کل چلے جانا۔ وہ اندر چلا گیا اور سوچنے لگا کہ موہن بیٹیں پانی
پینے آیا تھا۔ سیات ان لوگوں سے اس کا کچھ پتہ چل جائے۔

استری نے ارجن کے ہاتھ پیر دھلا کر بھوجن پر دیا۔ ارجن اس کو آشیش دینے

لگا۔

استری بولی۔ دادا، ہم اتنی سیوا کرتا کیا جانیں؟ یہ سب کچھ ہمیں ایک یاتری نے
سکھایا ہے۔ ہم پر ماتما کو بھول گئے تھے، ہماری یہ دشا ہو گئی تھی کہ یدی وہ بوڑھا یاتری نہ آتا
تو ہم سب کے سب مر جاتے۔ وہ یہاں پانی پینے آیا تھا، ہماری دُر دشا دیکھ کر بیٹیں ٹھہر گیا۔
ہمارا کھیت رہن پڑا تھا، وہ چھڑا دیا۔ گائے، بتل مول لے دیے اور ساگری جٹا کر ایک دن
نہ جانے کہاں چلا گیا۔

اتنے میں ایک بڑھیا آگئی اور یہ بات سن کر بول اٹھی۔ وہ منش نہیں تھا، سا کچھات
دیوتا تھا۔ اس نے ہمارے اوپر دیا کی، ہمارا اُدھار کر دیا، نہیں تو ہم مر گئے ہوتے وہ پانی
مانگنے آیا۔ میں نے کہا، 'جاؤ' یہاں پانی نہیں۔ جب میں وہ بات اسمن کرتی ہوں، تو
سیراشریر کانپ اٹھتا ہے۔

چھوٹی لڑکی بول اٹھی۔ اس نے اپنی کانور کھولی اور اس میں سے لوٹا نکالا، کنوئیں
کی اُور چلا۔

اس طرح سب کے سب موہن کی چرچا کرنے لگے۔ رات کو کسان بھی آپہنچا اور
وہی چرچا کرنے لگا۔ نند بیہ اس یاتری نے ہمیں جیون دان دیا ہے۔ ہم جان گئے کہ
پریشور کیا ہے اور پردیکار کیا۔ وہ ہمیں پشوؤں سے منش بنا گیا۔

ارجن نے اب سمجھا کہ بدری نارائن کے مندر میں موہن کے دکھائی دینے کا کارن کیا

تھا۔ اسے نیچے ہو گیا کہ موہن کی یاترا مکمل ہوئی۔

کچھ دنوں پیچھے ارجن گھر پہنچ گیا۔ لڑکا شراب پی کر مست پڑا تھا۔ گھر کا حال سب گڑبڑ تھا، ارجن لڑکے کو ڈانٹنے لگا۔ لڑکے نے کہا۔ تو یاترا پر جانے کو کس نے کہا تھا؟ نہ جانتے، اس پر ارجن نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔

دوسرے دن ارجن جب چودھری سے ملے جا رہا تھا، تو راہ میں موہن کی استری مل گئی۔

استری۔ بھائی جی، کشل سے تو ہو؟ بدری نارائن ہو آئے؟

ارجن۔ ہاں، ہو آیا۔ موہن مجھ سے راستے میں ٹھکڑے گئے تھے۔ کہو وہ کشل سے گھر

تو پہنچ گئے؟

استری۔ انھیں آئے تو کئی مہینے ہو گئے۔ ان کے بنا ہم سب اداس رہا کرتے تھے۔

لڑکے کو تو گھر کالے کھاتا تھا، سواری بنا گھر سونا ہوتا ہے۔

ارجن۔ گھر میں ہے یا کہیں باہر گئے ہیں؟

استری۔ نہیں، گھر میں ہیں۔

ارجن بھیت چلا گیا اور موہن سے بولا۔ رام رام! بھیا موہن، رام رام!!

موہن۔ رام رام، آؤ بھائی، کہو درشن کر آئے!

ارجن۔ ہاں، کر تو آیا، پر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یاترا مکمل ہوئی، اتھوا نہیں۔

لوٹنے سے میں اس جھونپڑے میں ٹھہرا تھا، جہاں تم پانی پینے گئے تھے۔

موہن نے بات ٹال دی اور ارجن بھی چپ ہو گیا، پرنتو اسے درڈھ دھواں ہو گیا کہ

انتم جڑتھ یاترا یہی ہے کہ پڑوش جیون پرینت پر تیک پرانی کے ساتھ پریم بھاؤ رکھ کر سد یو

اپکار میں تہر رہے۔

پریم میں پریشور

کسی گاؤں میں مورت نام کا ایک بنیا رہتا تھا۔ سڑک پر اس کی چھوٹی سی دکان تھی۔ وہاں رہتے اسے بہت کال ہو چکا تھا۔ اس لیے وہاں کے سب نواسیوں کو بھلی بھانپی جانتا تھا۔ وہ بڑا سدا چاری، ستیہ وکتا، دیوبارک اور سوشل تھا۔ جو بات کہتا، اسے ضرور پورا کرتا۔ کبھی دھیلے بھر بھی کم نہ تولتا اور نہ کبھی تیل ملا کر بیچتا۔ چیز اچھی نہ ہوتی، تو گراہک کو صاف صاف کہہ دیتا، دھوکا نہ دیتا تھا۔

چوتھے پن میں وہ بھگوت بھجن کا پریمی ہو گیا تھا۔ اس کے اور بالک تو پہلے ہی مر چکے تھے، انت میں تین سال کا بالک چھوڑ کر اس کی استری بھی جاتی رہی۔ پہلے تو مورت نے سوچا، اسے نانیہال بھیج دوں، پر پھر اسے بالک سے پریم ہو گیا۔ وہ سویم اس کا پالن کرنے لگا۔ اس کے جیون کا آدھار اب یہی بالک تھا۔ اسی کے لیے وہ رات دن کام کیا کرتا تھا۔ لیکن شاید ستان کا سکھ اس کے بھاگیہ میں لکھا ہی نہ تھا۔

پل پلا کر تیس ورش کی اوستھا میں یہ بالک بھی یملوک کو سدھار گیا۔ اب مورت کے شوک کی کوئی سیما نہ تھی۔ اس کا دشواس مل گیا، سد یو پر ماتما کی بندہ کر وہ کہا کرتا تھا کہ پریشور بڑا زردی اور انائی ہے۔ مرنا بوڑھے کو چاہیے تھا، مار ڈالا، یودک کو۔ یہاں تک کہ اس نے ٹھاکر کے مندر میں جانا بھی چھوڑ دیا۔

ایک دن اس کا پرانا مٹر، جو آٹھ ورش سے تیرھ یا تیرا کو گیا ہوا تھا، اس سے ملنے آیا۔ مورت بولا مٹر دیکھو، سردناش ہو گیا ہے۔ اب میرا جینا اکارتھ ہے۔ میں نیچے پر ماتما سے یہی ونی کرتا ہوں کہ وہ مجھے جلدی اس مرتیو لوک سے اٹھالے، میں اب کس آشا پر جیوں! مٹر — مورت، ایسا مت کہو۔ پریشور کی ایتھا کو ہم نہیں جان سکتے۔ وہ جو کرتا ہے ٹھیک کرتا۔ مٹر کا مرجانا اور تمھارا جیتے رہنا ودھاتا کے وش ہے اور کوئی اس میں کیا کر سکتا

ہے! تمہارے شوک کا مول کارن یہ ہے کہ تم اپنے سکھ میں سکھ مانتے ہو۔ پرائے سکھ سے سکھی نہیں ہوتے۔

مورت — تو میں کیا کروں ؟

متر — پر ماتما کی نیکام بھگتی کرنے سے بعد کرن شدھ ہوتا ہے۔ جب سب کام پر میثور کو ارپن کر کے جیون وقیع کر دو گے تو تمہیں پرمانند پراپت ہوگا۔

مورت — چف اسٹر کرنے کا کوئی آپائے تو بتلائیے۔

متر — گیتا، بھکت مالا دی گرنھوں کا شرون، پانھن، من کیا کرو۔ یہ گرنھ دھرم، ارتھ، کام، موکش چاروں پھلوں کو دینے والے ہیں۔ ان کا پڑھنا آرمھ کر دو، چف کو بڑی شانتی پراپت ہوگی۔

مورت نے ان گرنھوں کو پڑھنا آرمھ کیا، تھوڑے ہی دنوں میں اسے ان پستکوں سے اتنا پریم ہو گیا کہ رات کو بارہ بارہ بجے تک گیتا آدی پڑھتا اور اس کے اپدیشوں پر دھار کرتا رہتا تھا۔ پہلے تو وہ سوتے سے چھوٹے پتر کو اسرن کر کے رویا کرتا تھا۔ اب سب بھول گیا۔ سدا پر ماتما میں لولین رہ کر آند پدک اپنا جیون بتانے لگا۔ پہلے ادھر ادھر بیٹھ کر ہنسی ٹھٹھا بھی کر لیا کرتا تھا، پر اب وہ سے دیتھ نہ کھوتا تھا۔ یا تو دکان کا کام کرتا یا رامائن پڑھتا تھا۔ تاہر یہ یہ کہ اس کا جیون سدھر گیا۔

ایک رات رامائن پڑھتے پڑھتے اسے یہ چوہائیاں ملیں:-

ایک پتا کے وپل کمارا ہوئی پر تھک گن شیل اچارا

کوئی پنڈت کوئی تاپس گیا تا کوئی دھنوت شور کوئی داتا-

کوئی سرگیہ دھرمزت کوئی سب پر جھیں پریتی سم ہوئی

اکھیل وشو یہ مم اپجایا سب پر موی برابر دایا

مورت پستک رکھ کر من میں دھارنے لگا کہ جب ایثور سب پرانیوں پر دیا کرتے ہیں، تو کیا مجھے بھی پر دیا نہ کرنی چاہیے؟ تت پشچات سدما اور شبری کی کٹھا پڑھ کر اس کے من میں یہ بھاؤ اتہن ہوا کہ کیا مجھے بھی بھگوان کے درشن ہو سکتے ہیں!

یہ دھارتے دھارتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ باہر سے کسی نے پکارا — مورت!

بولا — مورت! دیکھ! یاد رکھ، میں کل تجھے درشن دوں گا۔

یہ سن کر وہ دکان سے باہر نکل آیا۔ وہ کون تھا؟ وہ چکت ہو کر کہنے لگا، یہ سوہن ہے اتھوا جاگرتی۔ کچھ پتا نہ چلا۔ وہ دکان کے بھیڑ جا کر سو گیا۔

دوسرے دن پراتہ کال اٹھ، پوجا پانٹھ کر دکان میں آ، بھوجن بنا، مورت اپنے کام دھندے میں لگ گیا۔ پرتو اسے رات والی بات نہیں بھولتی تھی۔

راتری کو پالا پڑنے کے کارن سڑک پر برف کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ مورت اپنی دھن میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں برف ہٹانے کو کوئی قلی آیا۔ مورت نے سمجھا کرشن چندر آتے ہیں، آنکھیں کھول کر دیکھا کہ بوڑھا لالو برف ہٹانے آیا ہے، ہنس کر کہنے لگا۔ آوے بوڑھا لالو اور میں سمجھوں کرشن بھگوان، واہ ری بڑھی!

لالو برف ہٹانے لگا، بوڑھا آدمی تھا، شیت کے کارن برف نہ ہٹا سکا۔ تھک کر بیٹھ گیا اور شیت کے مارے کاٹنے لگا۔ مورت نے سوچا کہ لالو کو ٹھنڈ لگ رہی ہے، اسے آگ تپا دوں۔
مورت — لالو بھیا، یہاں آؤ، تمہیں ٹھنڈ ستا رہی ہے۔ ہاتھ سینک لو۔
لالو دکان پر جا کر دھنیہ واہ کر کے ہاتھ سینکنے لگا۔

مورت — بھائی، کوئی چتا مت کرو۔ برف میں ہٹا دیتا ہوں۔ تم بوڑھے ہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھنڈ کھا جاؤ۔

لالو — تم کیا کسی کی بات دیکھ رہے تھے؟

مورت — کیا کہوں، کہتے ہوئے لجا آتی ہے۔ رات میں نے ایک ایسا سوہن دیکھا ہے کہ اسے بھول نہیں سکتا۔ بھکت مال پڑھتے پڑھتے میری آنکھ لگ گئی۔ باہر سے کسی نے پکارا 'مورت'! میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر شبہ ہوا "'مورت'! میں تمہیں درشن دوں گا" باہر جا کر دیکھتا ہوں تو وہاں کوئی نہیں۔ میں بھکت مال میں سدانا اور شبری کے چتر پڑھ کر یہ جان چکا ہوں کہ بھگوان نے پریم دس ہو کر کس پرکار سادھارن جیوؤں کو درشن دیے ہیں۔ وہی ابھیاں بنا ہوا ہے۔ بیٹھا ہوا کرشن چندر کی راہ دیکھ رہا تھا کہ تم آگئے۔

لالو — جب تمہیں بھگوان سے پریم ہے تو اوشیہ درشن ہوں گے۔ تم نے آگ نہ دی ہوئی، تو میں مر ہی گیا تھا۔

مورت — واہ بھائی لالو، یہ بات ہی کیا ہے۔ اس دکان کو اپنا گھر سمجھو۔ میں سدپو تمہاری سیوا کرنے کو تیار ہوں۔

لالو دھنیہ واد کر کے چل دیا۔ اس کے پیچھے دو سپاہی آئے۔ ان کے پیچھے ایک کسان آیا۔ پھر ایک روٹی والا آیا۔ سب اپنی راہ چلے گئے۔ پھر ایک استری آئی۔ وہ پہنے پرانے دستر پہنے ہوئے تھی۔ اس کی گود میں ایک بالک تھا۔ دونوں شیت کے مارے کانپ رہے تھے۔
 مورت — مائی، باہر خنڈ میں کیوں کھڑی ہو؟ بالک کو جاڑا لگ رہا ہے، بھیتر آکر کپڑا اوڑھ لو۔

استری بھیتر آئی، مورت نے اسے چولھے کے پاس بٹھایا اور بالک کو مٹھائی دی۔
 مورت — مائی تم کون ہو؟

استری — میں ایک سپاہی کی استری ہوں۔ آٹھ مہینے سے نہ جانے کرمچاریوں نے میرے پتی کو کہاں بھیج دیا ہے، کچھ پتا نہیں لگتا۔ گریہوتی ہونے پر میں ایک جگہ رسوئی کا کام کرنے پر نوکر تھی۔ جیوں ہی یہ بالک اُتہیں ہوا، انھوں نے اس مجھے سے کہ دو جیودوں کو اُن دینا پڑے گا، مجھے نکال دیا۔ تین مہینے سے ماری ماری پھرتی ہوں۔ کوئی ٹہلتی نہیں رکھتا۔ جو کچھ پاس تھا، سب بچ کر کھا گئی۔ ادھر ساہوکاروں کے پاس جاتی ہوں۔ سیات نوکر رکھ لے۔

مورت — تمہارے پاس کوئی ادنیٰ دستر نہیں ہے؟

استری — دستر کہاں سے ہو، چھدام بھی تو پاس نہیں۔

مورت — یہ لولوئی، اسے اوڑھ لو۔

استری — بھگوان تمہارا بھلا کرے۔ تم نے بڑی دیا کی۔ بالک شیت کے مارے مرا

جاتا تھا۔

مورت — میں نے دیا کچھ نہیں کی۔ شری کرشن چندر کی بیٹھا ہی ایسی ہے۔

پھر مورت نے استری کو رات والا سوپن سنایا۔

استری — کیا اچھج ہے، درشن ہونا کوئی اکسمو تو نہیں۔

استری کے چلے جانے پر سیب بیچنے والی آئی۔ اس کے سر پر سیبوں کی نوکری تھی اور

پٹینڈ پر اتاج کی ٹھری۔ نوکری دھرتی پر رکھ، کھجے کا سہارا لے کر وہ وشرام کرنے لگی کہ ایک

بالک نوکری میں سے سیب اٹھا کر بھاگا، سیب والی نے اسے دوڑ کر پکڑ لیا اور سر کے بال کھینچ

کر مارنے لگی۔ بالک بولا -- میں نے سیب نہیں اٹھایا۔

مورت نے اٹھ کر بالک کو چھڑا دیا۔

مورت — مائی چھما کر بالک ہے۔

سیب والی بولی — یہ بالک بڑا اُتپاتی ہے، میں اسے دٹھ دیے بنا کبھی نہ چھوڑوں گی۔

مورت — مائی جانے دے۔ دیا کر میں اسے سمجھا دوں گا، وہ ایسا کام پھر نہیں کرے

گا۔ بڑھیا نے بالک کو چھوڑ دیا۔ وہ بھاگتا چاہتا تھا کہ مورت نے اسے روکا اور کہا۔ بڑھیا سے اپنا اپرا دھ چھما کراؤ اور پرتکلیا کرو کہ چوری نہیں کرو گے۔ میں نے آپ تحصیں سیب اٹھاتے ہوئے دیکھا، تم نے یہ جھوٹ کیوں کہا؟

بالک نے رو کر بڑھیا سے اپنا اپرا دھ چھما کرایا اور پرتکلیا کی کہ پھر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس پر مورت نے اسے ایک سیب مول لے دیا۔

بڑھیا — واہ واہ، کیا کہنا، اس پر کار تو تم گاؤں کے سمست بالکوں کا ستیاناس کر ڈالو گے۔ یہ شکھما ہے، اس طرح تو سب لڑکے شیر ہو جائیں گے۔

مورت — مائی یہ کیا کہتی ہو! بدلا اور دٹھ دینا تو منٹش کا سو بھاء ہے۔ پر ماتما کا نہیں، وہ دیا لو ہے۔ یدی اس بالک کو ایک سیب چرانے کا کٹھن دٹھ ملتا نچھ ہے، تو ہم کو ہمارے اٹھت پاپوں کا کیا دٹھ ملتا چاہیے؟ مائی، سنو، میں تحصیں ایک کہانی سناتا ہوں۔ ایک کرچاری پر راجا کے دس ہزار روپے آتے تھے۔ اس کے بہت دنے کرنے پر راجا نے وہ رین چھوڑ دیا اس کرچاری کی بھی اپنے سیوکوں سے سو سو روپے پاوئے تھے، وہ انھیں بڑا کٹھ دینے لگا۔ انھوں نے بہتیرا کہا کہ ہمارے پاس پیسا نہیں، رین کہاں سے چکاویں۔ کرچاری نے ایک نہ سنی۔ وہ سب راجا کے پاس جا کر فریادی ہوئے، راجا نے اسی دم کرچاری کو کٹھن دٹھ دیا۔ تا تیرہ یہ کہ ہم جیووں پر دیا نہیں کریں گے تو پر ماتما بھی ہم پر دیا نہیں کرے گا۔

بڑھیا — یہ ستیہ ہے، پرتو ایسے برتاؤ سے بالک مجز جاتے ہیں۔

مورت — کدالپی نہیں، ورنہ سدھرتے ہیں۔

بڑھیا ٹوکرا اٹھا کر چلنے لگی کہ اسی بالک نے آکر دنے کی کہ مائی، یہ ٹوکرا تمہارے

گھر تک میں پہنچا آتا ہوں۔

راتری ہونے پر مورت بھوجن کرنے کے بعد گیتا پاتھ کر رہا تھا کہ اس کی آنکھ جھپکی

اور اس نے یہ درشہ دیکھا۔

مورت! مورت!!

مورت — کون ہو؟

میں — لالو، اتنا کہہ کر لالو ہنستا ہوا چلا گیا۔

پھر آواز آئی۔ میں ہوں۔ مورت دیکھتا ہے کہ دن والی استری لوٹی اوڑھے، بالک کو گود میں لیے، سمکھ آ کر کھڑی ہوئی اور ہنسی، اور لوپ ہو گئی۔ پھر شہ سناٹی دیا۔ میں ہوں، دیکھا کہ سب بیچنے والی اور بالک ہتے ہتے سامنے آئے اور انتر دھان ہو گئے۔

مورت اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے دشواس ہو گیا کہ کرشن چندر کے درشن ہو گئے، کیونکہ پرانی ماتر پر دیا کرتا ہی پر ماتما کا درشن کرتا ہے۔

مؤرکھ سمنٹ

ایک سے ایک گاؤں میں ایک دھنی کسان رہتا تھا۔ اس کے تین بھرتے۔ وجے، سپاہی، تارا و تک، سمنٹ مؤرکھ۔ گوگلی، بہری منورا نام کی ایک کنواری کنیا بھی تھی۔ وجے تو جا کر کسی راجا کی سینا میں بھرتی ہو گیا۔ تارا نے کسی پرسدھ مگر میں سوداگری کی کوٹھی کھول لی۔ مؤرکھ سمنٹ اور منورا ماما پتا کے ساتھ رہ کر کھیتی کا کام کرنے لگے۔

وجے نے سینا میں اونچی پدوی پراپت کر کے ایک علاقہ مول لے لیا اور ایک مالدار پُروش کی کنیا سے دیواہ کر لیا۔ اس کی آمدنی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، پرنتو پھر بھی کچھ نہ بچتا تھا۔

وجے ایک سے علاقے پر پہنچ کر کسانوں سے بٹائی مانتے لگا۔ کسان بولے کہ مہاراج ہمارے پاس نہ تیل ہے، نہ مل ہے، نہ بچ۔ بٹائی کہاں سے دیں؟ پہلے یہ ساگری جمع کر دو، پھر آپ کو علاقے سے بہت اچھی آمدنی ہونے لگے گی۔ یہ سن کر وجے اپنے پتا کے پاس پہنچا اور بولا۔ چاچی، اتنا دھنی ہونے پر بھی آپ نے میری کچھ سہایا نہیں کی۔ میں نے سینا میں کام کیا اور راجا کو پرسن کر ایک علاقہ مول لیا۔ اس کے بندھن کے لیے دھن کی ضرورت ہے۔ میں تیرے بھاگ کا حصے دار ہوں، اس لیے میرا بھاگ مجھے دے دیجیے کہ اپنا علاقہ ٹھیک کروں۔

پتا — بھلا میں پوچھتا ہوں کہ تم نے نوکری پر رہتے ہوئے کبھی کچھ دھن بھی بھیجا؟ سب کام سمنٹ کرتا ہے۔ میری سمجھ میں تمہیں تیرا بھاگ دینا سمنٹ اور منورا کے ساتھ انیائے کرتا ہے۔

وجے — سمنٹ تو مؤرکھ ہے، منورا گوگلی اور بہری ہے۔ انہیں دھن کا کیا کام ہے۔ وہ دھن سے کیا لایہ اٹھا سکتے ہیں؟

پتا — اچھا سمنٹ سے پوچھ لوں۔

پتا کے پوچھنے پر سمنٹ نے پرستادہ دکائی کہ وجے کو اس کا تیرا بھاگ دے

دینا چاہیے۔

وجے تیسرا بھاگ لے کر راجا کے پاس چلا گیا۔

تارا نے بھی بیوپار میں بہت دھن سنبھل کر کے، ایک دھنی پڑوش کی پٹری سے دیواہ کیا۔ پرنٹو دھن کی لالسا پھر بھی بنی رہی۔ وہ بھی چتا کے پاس آکر تیسرا بھاگ مانگنے لگا۔

چتا — میں تمہیں ایک کوڑی بھی دینا نہیں چاہتا۔ وچارو تو تم نے سوداگری کی کوٹھی کھول کر اتنا دھن اکٹھا کیا، کبھی چتا کو بھی پوچھا؟ یہاں جو کچھ ہے، سب مُسخت کی کمائی کا پھل ہے۔ اس کا پیٹ کاٹ کر تمہیں دے دینا انوچٹ ہے۔

تارا — نوزک مُسخت کو دھن لے کر کرنا ہی کیا ہے؟ آپ کے وچار میں مُسخت جیسے مُرکھ سے کوئی بھی پڑوش اپنی کنیا بیاہ دے گا؟ کدالہی نہیں۔ رہی منورما، وہ گوگی اور بہری ہے۔ میں مُسخت سے پوچھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔

تارا کے پوچھنے پر مُسخت نے تیسرا بھاگ دینا ترنت سویکار کر لیا اور تارا بھی اپنا بھاگ لے کر چمپت ہوا۔ مُسخت کے پاس جو کچھ سامان بچ رہا تھا، اسی سے کھیتی کا کام کر کے ماتا چتا کی سیوا کرنے لگا۔

۲

یہ کوئٹک دیکھ کر ادھر بڑا دکھی ہوا کہ بھائیوں نے پریتی سہت دھن بانٹ لیا۔ جوتی ہیزار کچھ بھی نہ ہوئی۔ تین بھوتوں کو بلا کر کہنے لگا۔ دیکھو وجے، تارا، مُسخت تین بھائی ہیں۔ دھن بانٹنے سے انہیں آپس میں جھگڑا کرنا اُچھ تھا، پرنٹو مُرکھ مُسخت نے سب کام بگاڑ ڈالا۔ اسی کی موذحتا سے تینوں بھائی آئندہ سے جیون دھیت کر رہے ہیں۔ تم جاؤ اور ایک ایک کے پیچھے پڑ کر ایسا اُتھات چاؤ کہ سب کے سب آپس میں لڑیں۔ دیکھنا بڑی چڑائی سے کام کرنا۔

تینوں بھوت — دھرم اوتارا! جو تینوں کو آپس میں لڑا لڑا کر مار نہ ڈالا، تو ہمارا نام دھرم راج کے بھوت ہی نہیں۔

ادھر — واہ واہ، شاباش، جاؤ مگر جو بنا کام پورا کیے لوٹے تو کھال کھینچ لوں گا،

اتنا سمجھ لو۔

تینوں بھوت چل کر ایک جمیل کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ منہ کیا کہ کون کون کس کس بھائی کے پیچھے لگے اور ساتھ ہی نیم باندھ دیا کہ جس بھوت کا کاریہ پہلے سہاوت ہو جائے، وہ ترنت دوسرے بھوتوں کی سہاوت کرے۔

کچھ دن پیچھے وہ تینوں پھر اسی جمیل پر جمع ہوئے اور اپنی اپنی کھٹا کہنے لگے۔
پہلا — بھائی صاحب، میرا کام تو بن گیا۔ وجے بھاگ کر چٹا کی شرٹ لینے کے سوائے اب اور کچھ نہیں کر سکتا۔

دوسرا — بتاؤ تو اسے کیسے پھانسا؟

پہلا — میں نے وجے کو اتنا گھمنڈی بنا دیا کہ وہ ایک دن راجا سے کہنے لگا کہ مہاراج یدی آپ مجھے سیناپتی کی پدوی پر نوبت کر دیں، تو میں آپ کو سارے بھت کا چکر دوڑتی راجا بنا دوں۔ راجا نے اسے ترنت سیناپتی بنا کر آکھیا دی کہ لٹکا کے راجا کو پراجت کر دو۔ بس پھر کیا تھا، لگی پیدھ کی تیاریاں ہونے۔ لڑائی چھڑنے سے ایک رات پہلے میں نے وجے کا سارا بارود گھیلا کر دیا۔ ادھر لٹکا کے راجا کے لیے گھاس کے ان گنت سپاہی بنا دیے۔ دونوں سیناؤں کے سٹکھ ہونے پر وجے کے سپاہیوں نے گھاس کے بنے ہوئے اصف یودھاؤں کو دیکھا تو ان کے جھٹکے چھوٹ گئے۔ وجے نے گولے پھینکنے کا حکم دیا۔ بارود گیلی ہو ہی چکی تھی، تو ہیں آگ کہاں سے دیتیں؟ پھل یہ ہوا کہ وجے کی سینا کو بھامنا ہی پڑا۔ راجا نے کرودھ کر کے اس کا بڑا اہمان کیا۔ اس کا علاقہ چھن گیا، اس سے وہ بندی خانے میں قید ہے۔ کیول یہ کام شیش رہ گیا کہ اسے بندی خانے سے نکال کر اس کے چٹا کے گھر پہنچا دوں، پھر چھٹی ہے۔ جو چاہے اس کی سہاوت کے لیے تیار ہوں۔

دوسرا — میرا کاریہ بھی سدھ ہو گیا ہے۔ تمھاری سہاوت کی کوئی آؤٹیکا نہیں۔ تارا کو پہلے تو مونا کر کے آکھی بنایا، پھر اتنا لومھی بنا دیا کہ وہ سنسار بھر کا مال لے لے کر کوٹھری بھرنے لگا، اس کا سب دھن خرچ ہو گیا اور اب ادھار روپے لے کر مال لے رہا ہے۔ ایک سہتاہ میں اس کا سب مال ستیاناس کر دوں گا اور تب اسے سوائے چٹا کی شرٹ جانے کے اور کوئی آپائے نہ رہے گا۔

تیسرا — بھائی ہمارا حال تو بڑا پتلا ہے، پہلے میں نے سمعت کے پینے کے پانی میں

پیٹ میں درد اتہن کرنے والی بوٹی ملائی، پھر کھیت میں جا کر دھرتی کو ایسا کڑا کر دیا کہ اس پر بل نہ چل سکے۔ میں سمجھتا تھا کہ پھڑا کے کارن وہ کھیت باہنے نہ آئے گا۔ پر تو وہ تو بڑا ہی موڈھ ہے، آیا اور بل چلانے لگا۔ ہائے ہائے کرتا جاتا تھا، پر تو بل ہاتھ سے نہ چھوڑتا تھا۔ میں نے بل توڑ دیا، پر وہ گھر جا کر دوسرا لے آیا۔ میں نے دھرتی میں گنفس کر بل کی آنی پکڑ لی، اس نے ایسا دھکا مارا کہ میرے ہاتھ کٹتے کٹتے بچے۔ اس نے کیول ایک کھلے کے سوائے باقی سارا کھیت باہ لیا ہے۔ یدی تم میری سہاتا نہ کرو گے تو سارا کھیل گھڑ جائے گا، کیونکہ یدی وہ اس پر کار کھیتوں کو ہاتھ اور بوتہ رہا، تو اس کے بھائی بھوکے نہیں مر سکتے، پھر پیر بھاؤ کس بھانجی اتہن ہو سکتا ہے؟ سکھ پروک ان کا پالن پوٹن کرتا رہے گا۔ پہلا۔ کچھ چتا نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ گھبراؤ نہیں کل۔ اوشیہ تھارے پاس آؤں گا۔

۳

سُمنٹ بل چلا رہا تھا، اچانک پیر ایک جھاڑی میں پھنس گیا۔ اسے اچنبھا ہوا کہ کھیت میں تو کوئی جھاڑی نہ تھی۔ یہ کہاں سے آئی، بات یہ تھی کہ بھوت نے جھاڑی بنا کر سُمنٹ کی ٹانگ پکڑ لی تھی۔

سُمنٹ نے ہاتھ ڈال کر جھاڑی کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا، دیکھا تو اس میں کالے رنگ کا بھوت بیٹھا ہوا ہے۔

سُمنٹ (گلا دبا کر) بولا — دباؤں گلا؟

بھوت — مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے جو کہو گے، وہی کروں گا۔

سُمنٹ — تم کیا کر سکتے ہو؟

بھوت — سب کچھ۔

سُمنٹ — میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے، اسے اچھا کر دو۔

بھوت — بہت اچھا۔

بھوت نے دھرتی میں سے تین بوٹیاں لا کر ایک بوٹی سُمنٹ کو کھلا دی۔ درد بند ہو گیا اور دوسری دو بوٹیاں سُمنٹ کو دے کر بولا — جس کو ایک بوٹی کھلا دو گے، اس کے سب روگ

تھال دور ہو جائیں گے۔ اب مجھے جانے کی آگیا دو۔ میں پھر کبھی نہیں آؤں گا۔
 سُمت — ہاں جاؤ، پر ماتا تمہارا بھلا کرے۔

پر ماتا کا نام سنتے ہی بھوت رساتل چلا گیا۔ کیول وہاں ایک چمید رہ گیا۔
 سُمت نے دوسری دو بوٹیاں پکڑی مین باندھ لیں اور گھر چلا آیا، دیکھا کہ وجے اور
 اس کی استری آئے ہوئے ہیں۔ بڑا پرسن ہوا۔

وجے بولا — بھائی سُمت! جب تک مجھے نوکری نہ ملو ہم دونوں کو یہاں رکھ سکتے ہو؟
 سُمت — کیوں نہیں آپ کا گھر ہے۔ آپ یہاں آندے رہیے۔
 بھونج کرتے سے وجے کی سمجھ استری پتی سے بولی کہ سُمت کے شریر سے مجھے
 درگندہ آتی ہے، اسے باہر بھیج دو۔

وجے — سُمت، میری استری کہتی ہے کہ تمہارے شریر سے درگندہ آتی ہے۔ پاس
 بیٹھا نہیں جاتا۔ تم باہر جا کر بھونج کرلو۔
 سُمت — بہت اچھا، تمہیں کٹ نہ ہو۔

۴

دوسرے دن وجے والا بھوت کھیت میں آکر سُمت والے بھوت کو کھونچنے لگا۔ کہیں
 پتا نہیں ملا، کھیت کے ایک کونے پر چمید دکھائی دیا۔

بھوت جان گیا کہ ساتھی کام آیا اور کھیت جوت چکا۔ کیا ہوا، چراور میں چل کر اس
 مؤرکھ کو دیکھتا ہوں۔ سُمت کے چراور میں پہنچ کر اس نے اتنا پانی چھوڑا کہ ساری گھاس اس
 میں ڈوب گئی۔

اتنے میں سُمت وہاں آکر ہسوں سے گھاس کاٹنے لگا۔ ہسوں کا منہ مڑ گیا، گھاس
 کسی طرح نہ کھتی تھی۔ سُمت نے سوچا کہ اب یہاں ورتھ سے منوانے سے کیا لا بھ ہوگا، پہلے
 ہسوا تیز کرنا چاہیے۔ رہا کام، یہ تو میرا دھرم ہے، ایک پتہ کیوں نہ لگ جائے، میں گھاس
 کاٹنے بنا یہاں سے چلا جاؤں۔ میرا نام سُمت نہیں۔

سُمت گھر جا کر ہسوا ٹھیک کر لایا۔ بھوت نے ہسوا کو پکڑنے کا ساہس کیا۔ پرتو پکڑ
 نہ سکا، کیونکہ سُمت لگا تار گھاس کاٹے جاتا تھا جب کیول گھاس کا ایک چھوٹا سا کٹڑا شیش رہ

گیا تو بھوت بھاگ کر اس میں جا چھا۔

سُمت کب رکنے والا تھا، وہ وہاں پہنچ کر گھاس کاٹنے لگا۔ بھوت وہاں سے بھاگا،
بھاگتے سے اس کی پونچھ کٹ گئی۔

بھوت نے وچارا کہ چلو جنی کے کھیتوں میں چلیں، دیکھیں جنی کیسے کاٹتا ہے۔ وہاں
جا کر دیکھا تو جنی کئی پڑی ہے۔

بھوت نے وچار کیا کہ یہ مُنرکھ بڑا چنڈال ہے۔ دن نکلنے نہیں دیا۔ رات رات میں
ساری جنی کاٹ ڈالی۔ یہ دُشٹ تو رات کو بھی کام میں لگا رہتا ہے۔ اچھا کھلیان میں چل کر
اس کا بھوسا سڑاتا ہوں۔

بھوت بھاگ کر چری میں چھپ گیا۔ سُمت گاڑی لے کر چری لادنے کے لیے
کھلیان میں پہنچا۔ ایک ایک پولی اٹھا کر گاڑی میں رکھنے لگا کہ ایک پولہ میں سے بھوت نکل
پڑا۔

سُمت — ارے دُشٹ تو پھر آیا؟

بھوت — میں دوسرا ہوں، پہلا میرا بھائی تھا۔

سُمت — کوئی ہو، اب جانے نہ پاؤ گے۔

بھوت — کرپا کر کے مجھے جھوڑ دیجیے۔ آپ جو آسمنا دیں، وہی کرنے کو تیار ہوں۔

سُمت — تم کیا کر سکتے ہو؟

بھوت — میں بھوسے کے سپاہی بنا سکتا ہوں۔

سُمت — سپاہی کیا کام دیتے ہیں؟

بھوت — تم ان سے جو چاہو، سو کام کرا سکتے ہو۔

سُمت — وہ گانا گا سکتے ہیں؟

بھوت — کیوں نہیں!

سُمت — اچھا بناؤ۔

بھوت — تم چری کے پولے لے کر یہ منتر پڑھو۔ ”ہے پولے میری آسمنا سے سپاہی

بن جا“ اور پھر پولے کو دھرتی پر مارو، سپاہی بن جائے گا۔

سُمت نے ویسا ہی کیا۔ پولے سپاہی بننے لگے۔ یہاں تک کہ پوری پلٹن بن گئی اور

مرد با جابجنگے لگا۔

سُمت (بس کر) — واہ! بھائی واہ! یہ تو خوب تماشا ہے، اسے دیکھ کر بالک بہت پرسن ہوں گے۔

بھوت — آگیا ہے، اب جاؤ۔

سُمت — نہیں، ابھی مجھے پھر پولے بنا دینے کا منتر بھی سکھا دو، نہیں تو یہ ہمارا سارا اناج ہی چٹ کر جائیں گے۔

بھوت — بس، یہ منتر پڑھو، ہے سپاہی، میرے سیوک، میری آگیا سے پھر پولے بن جاؤ۔ تب یہ سب پھر سے پولے بن جائیں گے۔

سُمت نے منتر پڑھا۔ سب کے سب پولے بن گئے۔

اب جاؤں؟ آگیا ہے۔

سُمت — ہاں جاؤ، بھگوان تم پر دیا کرے۔

بھگوان کا نام سنتے ہی بھوت دھرتی میں سما گیا۔ پہلے کے بھائی ایک جمید شیش رہ گیا۔

سُمت جب گھر لوٹا تو دیکھا کہ استری سہت منگھلا بھائی تارا بھاگ کر آیا ہوا ہے۔ وہ

سُمت سے بولا — بھائی سُمت، لین داروں کے ڈر سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ جب تک

کوئی روزگار نہ کریں، یہاں ٹھہر سکتے ہیں کہ نہیں؟

سُمت — کیوں نہیں۔ گھر کس کا اور میں کس کا؟ آئندہ سے رہیے۔

بھوجن پر سے جانے پر تارا کی استری نے تارا سے کہا کہ میں گنوار کے پاس بیٹھ کر

بھوجن نہیں کر سکتی۔

تارا — بھائی سُمت، میری استری تم سے گھن ٹرتی ہے۔ باہر جا کر بھوجن کر لو۔

سُمت — اچھی بات ہے۔ آپ کا چٹ پرکن چاہیے۔

۵

دوسرے دن تارا والا بھوت سُمت کو دکھ دینے کے واسطے کھیت میں پہنچ کر ساتھیوں کو

ڈھونڈنے لگا پر کسی کا پتا نہ چلا۔ کھوجتے کھوجتے ایک جمید تو کھیت کے کونے میں ملا، دوسرا

کھلیان میں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ دونوں کے دونوں میلوک جا پہنچے۔ اب مجھی سے اس مُرکھ کی

بنے گی۔ دیکھوں کہاں بچ کر جاتا ہے۔

اتو وہ سُمنف کی کھوج لگانے لگا۔ سُمنف اس سے مکان بنانے کے واسطے جنگل میں درکش کاٹ رہا تھا۔ دونوں بھائیوں کے آجانے سے گھر میں آدمیوں کے لیے جگہ نہ تھی۔ بھائی یہ چاہتے تھے کہ الگ الگ مکان میں رہیں، اس لیے مکان بنانا آدھیک ہو گیا تھا۔ بھوت درکش پر چڑھ کر شاکھاؤں پر بیٹھ سُمنف کے کام میں وگھن ڈالنے لگا۔ سُمنف کب نلنے والا تھا، سندھیا ہوتے ہوتے اس نے کئی درکچھ کاٹ ڈالے۔ انت میں اس نے اس درکش کو بھی کاٹ دیا، جس پر بھوت چڑھا بیٹھا تھا۔ ٹہنیاں کاٹتے سے بھوت اس کے ہاتھ میں آ گیا۔

سُمنف — ہیں، تم پھر آگئے؟

بھوت — نہیں، نہیں، میں تیسرا ہوں، پہلے دونوں میرے بھائی تھے۔

سُمنف — کچھ بھی ہو، اب میں نہیں چھوڑنے کا۔

بھوت — تم جو کچھ کہو گے، وہی کروں گا، کرپا کر کے مجھے جان سے نہ ماریے۔

سُمنف — تم کیا کر سکتے ہو؟

بھوت — میں درکش کے چوں سے سونا بنا سکتا ہوں۔

سُمنف — اچھا بناؤ۔

بھوت نے درکش کے سوکھے پتے لے کر ہاتھ سے ملے اور منتر پڑھ کر سونا بنا دیا۔

سُمنف نے منتر سیکھ لیا اور سونا دیکھ کر پرسن ہوا۔

سُمنف — بھائی بھوت اس کا رنگ تو بڑا سندر ہے، بالکوں کے کھلونے اس کے اچھے

بن سکتے ہیں۔

بھوت — اب آگیا ہے، جاؤں؟

سُمنف — جاؤ، پر مشور تم پر انوکرا کریں۔

پر مشور کا نام سنتے ہی یہ بھوت بھی بھوی میں سا گیا۔ کیول چھیدی چھیدی باقی رہ

گیا۔ گھر بنا کر تینوں بھائی سکھ پروک جیون وجیہ کرنے لگے۔ جماشنی کے تہوار پر سُمنف

نے بھائیوں کو بھوجن کرنے کا نیتا بھیجا انھوں نے اثر دیا کہ ہم گنواروں کے ساتھ پرتی

بھوجن نہیں کر سکتے۔

سُمنٹ نے اس پر کچھ نہ انہیں۔ مانا گاؤں کے استری پُروش بالک اور بالیکاؤں
اکثرت کر کے بھوجن کرنے لگا۔

بھوجن کرنے کے اپرانت سُمنٹ بولا — کیوں بھائی متروں، ایک تماشا دکھاؤں؟
سب ہاں دکھائیے۔

سُمنٹ نے سوکھے پتے لے کر سونے کا ایک ٹوکرا بھر دیا اور لوگوں کی اُور پھینکنے لگا۔
کسان لوگ سونے کے ٹکڑے لوٹنے لگے۔ آپس میں اتنا دھکم دھکا ہوا کہ ایک پچاری بڑھیا
پکل مٹی۔

سُمنٹ نے سب کو دھکار کر کہا — تم لوگوں نے بوڑھی مانا کو کیوں پکل دیا، شانت
ہو جاؤ تو اور سونا دوں۔ یہ کہہ کر ٹوکری کا سب سونا لٹا دیا، پھر سُمنٹ نے استریوں سے کہا
کچھ گاؤ، استریاں گانے لگیں۔

سُمنٹ — ہوں تمہیں گانا نہیں آتا۔

استریاں — ہمیں تو ایسا ہی آتا ہے اور اچھا سننا ہے تو کسی اور کو بلالو۔
سُمنٹ نے ترنت ہی بھوسے کے سپاہی بنا کر پلٹن کھڑی کر دی، بیڑ بجنے لگا، مکنوار
لوگوں کو بڑا ہی اچنچا ہوا۔ سپاہی بڑی دیر تک گاتے رہے، تب سُمنٹ نے ان کو بھوسا بنا دیا
اور سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

۷

پرات کال دے نے یہ چہ چاسنی تو ہانپتا ہانپتا سُمنٹ کے پاس آیا، بولا — بھائی سُمنٹ
یہ سپاہی تم کس ریتی سے بنائے تھے؟

سُمنٹ — کیوں؟ آپ کو کیا کام ہے؟

دے — کام کی ایک ہی کمی۔ سپاہیوں کی سہایت سے تو ہم راجہ جیت سکتے ہیں۔

سُمنٹ — یہ بات ہے! تم نے پہلے کیوں نہیں کہا؟ کلہیان میں چلیے، وہاں چل کر
جتنے کہو اتنے سپاہی بنا دیتا ہوں، پرنتو شرط یہ ہے کہ انہیں ترنت ہی یہاں سے باہر لے جانا
نہیں تو وہ گاؤں کا گاؤں چٹ کر جائیں گے۔

اتو کھلیان میں جا کر اس نے کئی پلٹنیں بنا دیں اور پوچھا بس 'کہ اور؟

وہجے — (پرسن ہو کر) بس بہت ہے، تم نے بڑا احسان کیا۔

سُمت — احسان کی کون سی بات ہے، اب کے درش بھوسا بہت ہوا ہے، یدی کبھی ٹوٹا پڑ جائے تو پھر آجانا پھر سپاہی بنا دوں گا۔

اب وہجے دھرتی پر پاؤں نہیں رکھتا تھا۔ سینا لے کر اس نے ترنت یدھ کرنے کے واسطے پرستھان کر دیا۔

وہجے کے جاتے ہی تارا بھی آپہنچا اور سُمت سے بولا — بھائی صاحب، میں نے سنا ہے کہ تم سونا بنا لیتے ہو۔ ہائے ہائے، یدی تھوڑا سا سونا مجھے مل جائے تو میں سارے سنسار کا دھن سمیچ لوں۔

سُمت — اچھا، سونے میں یہ گن ہے! تم نے پہلے کیوں نہیں کہا، تو تھلاؤ کتنا سونا بنا دوں۔

تارا — تین ٹوکڑے بنا دو۔

سُمت نے تین ٹوکڑے سونا بنا دیا۔

تارا — آپ نے بڑی دیا کی۔

سُمت — دیا کی کون بات ہے، جنگل میں پختے بہت ہیں۔ یدی کی ہو جائے تو پھر آجانا جتنا سونا مانگو گے اتنا ہی بنا دوں گا۔

سونا لے کر تارا بیوپار کرنے چل دیا۔

وہجے نے سینا کی سہایت سے ایک بڑا بھاری راجیہ وہجے کر لیا۔ ادھر تارا کے دھن کا بھی پاراوار نہ رہا۔ ایک دن دونوں میں ملاقات ہوئی۔ باتیں ہونے لگیں۔

وہجے — بھائی تارا، میں نے اپنا راجیہ الگ بنالیا اور اب میں چین کرتا ہوں۔ پرتو ان سپاہیوں کا پیٹ کہاں سے بھروں؟ روپے کی کمی ہے، سد یو بھی چٹا بنی رہتی ہے۔

تارا — تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے چٹا نہیں ہے، میرے دھن کی گنتی نہیں، پر اس کی رکھوالی کرنے کو سپاہی نہیں ملتے، بڑی دھشتی میں پڑا ہوں۔

وہجے — چلیے سُمت مُورکھ کے پاس چلیں۔ میں تمہارے واسطے تھوڑے سے سپاہی بنا دوں اور تم میرے لیے تھوڑا سا سونا بنا دو۔

تارا — ہاں ٹھیک ہے چلیے۔

دونوں بھائی سُمت کے پاس پہنچے۔

وہجے — بھائی سُمت میری سینا میں کچھ کی ہے، کچھ سپاہی اور بتا دو۔

سُمت — نہیں اب میں اور سپاہی نہیں بناتا۔

وہجے — پر تم نے وجہ جو دیا تھا، نہیں تو میں آتا ہی کیوں؟ کارن کیا ہے؟ کیوں

نہیں بتاتے؟

سُمت — کارن یہ کہ تمہارے سپاہیوں نے ایک منش کو مار ڈالا۔ کل جب میں اپنا کھیت جوت رہا تھا، تو پاس سے ایک اڑتی دیکھی۔ میں نے پوچھا، کون مر گیا؟ ایک استری نے کہا کہ وہجے کے سپاہیوں نے یدھ میں میرے بچے کو مار ڈالا۔ میں تو آج تک کیول یہ سمجھتا تھا کہ سپاہی بیڑ بھایا کرتے ہیں۔ پرنتو وہ منش کی جان مارنے لگے۔ ایسے سپاہی بنانے سے سنسار کا ناش ہو جائے گا۔

تارا — اچھا یدی سپاہی نہیں بتاتے، تو میرے لیے سونا تو تھوڑا سا اور بتا دو۔ تم نے وجہ دیا تھا کہ کی ہو جانے پر پھر بتا دوں گا۔

سُمت — ہاں وجہ تو دیا تھا پر میں اب سونا بھی نہ بتاؤں گا۔

تارا — کیوں؟

سُمت — اس لیے کہ تمہارے سونے نے بسنت کی لڑکی سے اس کی گائے چھین لی۔

تارا — یہ کیسے؟

سُمت — بسنت کی بھری کے پاس ایک گائے تھی، بالک اس کا دودھ پیتے تھے۔ کل وہ بالک میرے پاس دودھ مانگنے آئے۔ میں نے پوچھا، تمہاری گائے کہاں گئی، تو کہنے لگے کہ تارا کا ایک سیوک آکر، تین گلوے سونے کے دے کر ہماری گائے لے گیا۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ سونا، بنوا بنوا کر تم بالکوں کو بھلایا کر دے، پرنتو تم نے تو اس کی گائے ہی چھین لی، بس، سونا اب نہیں بن سکتا۔

دونوں بھائی زراش ہو کر لوٹ پڑے۔ راہ میں یہ سمجھوتا ہوا کہ وہجے تارا کو کچھ سپاہی دے دے اور تارا وہجے کو کچھ سونا۔ کچھ دن بعد دھن کے بل سے تارا نے بھی ایک راجپے لے لیا اور دونوں بھائی راجا بن کر آئندہ کرنے لگے۔

سُمنٹ گوگئی بہن کے سہت کھیتی کا کام کرتے ہوئے اپنے ماتا پتا کی سیوا کرنے لگا۔ ایک دن اس کی کتیا بیمار ہوگئی، اس نے سچال پہلے بھوت کی دی ہوئی بوٹی اسے کھلا دی۔ وہ بڑوگ ہو کر کھیلنے کودنے لگی۔ یہ حال دیکھ کر ماتا پتا نے اس کا بیورا پوچھا۔ سُمنٹ نے کہا کہ مجھے ایک بھوت نے دو بوٹیاں دی تھیں۔ وہ سب پرکار کے روگوں کو دور کر سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک بوٹی کتیا کو کھلا دی۔

اسی سے دیویتی سے وہاں کے راجا کی کتیا بیمار ہوگئی۔ راجا نے یہ دھڑی پنوائی تھی کہ جو پُروش میری کتیا کو اچھا کر دے گا، اس کے ساتھ اس کا دیواہ کر دیا جائے گا۔ ماتا پتا نے سُمنٹ سے کہا، یہ تو بڑا اچھا دوسر ہے، تمہارے پاس ایک بوٹی بچی ہے، جا کر راجا کی کتیا کو اچھا کر دو اور عمر بھر چین کرو۔

سُمنٹ جانے پر راضی ہو گیا۔ باہر آنے پر دیکھا کہ دوار پر کنکال بڑھیا کھڑی ہے۔ بڑھیا — سُمنٹ میں نے سنا ہے کہ تم روگیوں کے روگ دور کر سکتے ہو۔ میں روگ کے ہاتھوں بہت دنوں سے کشت بھوگ رہی ہوں۔ پیٹ کو روٹیاں ملتی ہی نہیں، دوا کہاں سے کروں؟ تم مجھے کوئی دوا دے دو، تو بڑا ایش ہوگا۔

سُمنٹ تو دیا کا بھنڈا رکھا۔ بوٹی نکال کر ترنت بڑھیا کو کھلا دی، وہ چٹکی ہو کر اسے آشیش دیتی ہوئی گھر کو چلی گئی۔

ماتا پتا یہ حال سن کر بڑے دکھی ہوئے اور کہنے لگے کہ سُمنٹ تم بڑے مؤرکھ ہو۔ کہاں راج کتیا اور کہاں یہ کنکال بڑھیا۔ بھلا اس بڑھیا کو چنگا کرنے سے قصیں کیا لایا بھلا؟ سُمنٹ — مجھے راج کتیا کے روگ دور کرنے کی بھی چھتا ہے۔ وہاں بھی جاتا ہوں۔ ماتا — بوٹی تو ہے ہی نہیں، جا کر کیا کرو گے؟

سُمنٹ — کچھ چھتا نہیں، دیکھوں تو سہی کیا ہوتا ہے۔ سم درشی پُروش دیو روپ ہوتا ہے۔ سُمنٹ کے راج محل پر پہنچتے ہی راج کتیا بڑوگ ہوگئی، راجا نے اتی پرسن ہو کر اس کا دیواہ سُمنٹ کے ساتھ کر دیا۔

اس لئے کچھ کال پیچھے راجا کا دیہانت ہو گیا۔ پھر نہ ہونے کے کارن وہاں کا راجہ سمٹ کھل گیا۔
اب تینوں بھائی راج پدوی پر پہنچ گئے۔

۹

وہجے کا پر بھاؤ سوریہ کی بھانٹی چمکنے لگا۔ اس نے بھوسے کے سپاہیوں سے جج جج کے سپاہی بنا دیے۔ راجہ بھر میں یہ حکم جاری کر دیا کہ دس گھر پیچھے ایک منٹ سینا میں بھرتی کیا جائے اور قائد پریڈ کرا کر سینا کو اسٹر مشنر ودھا میں ایسا چٹڑ کر دیا کہ جب کوئی مشنر سامنا کرتا تو وہ ترنت اس کا دھونس کر دیتا۔ سارے راجا اس کے بھسے سے کانپنے لگے۔ وہ اکھنڈ راج کرنے لگا۔

تارا بڑا بدھیمان تھا، اس نے دھن سنے کرنے کے نعمت منشیوں، گھوڑوں، گاڑیوں، جوتوں، جرابوں، دستروں، تاتہریہ یہ کہ جہاں تک ہوسکا، سب دیوہارک وستوؤں پر گر بٹھا دیا۔ دھن رکھنے کو لوہے کی سلاخوں والے پتے خزانے بنا دیے۔ اور چوری چکاری، لوٹ مار، دھن سبندھی جھگڑے بند کرنے کے نعمت انجنت قانون جاری کر دیے۔ سنسار میں روپیہ ہی سب کچھ ہے۔ روپے کی بھوک سے سب لوگ آکر اس کی سیوا کرنے لگے۔

سمٹ مڑکھ کی کر توت سینے۔ سسر کا کریاکرم کر کے اس نے راجسی رتن جھٹ دستروں کو اتار کر صندوق میں بند کر الگ دھر دیے، موٹے جھوٹے کپڑے پہن لیے اور کسانوں کی بھانٹی کھیتی کا کام کرنے کا وچار کیا۔ بیٹھے بیٹھے اس کا جی اُٹتا تھا۔

بھوجن نہ چچا، بدن میں چربی بڑھنے لگی، نیند اور بھوک دونوں جاتی رہی۔ اس نے اپنی گونگی بہن اور ماتا چٹا کو اپنے پاس بلا لیا اور ٹھیک پہلے کی بھانٹی کھیتی کا کام کرنا آرمھ کر دیا۔

منتری — آپ تو راجا ہیں، آپ یہ کیا کام کرتے ہیں۔

سمٹ — تو کیا میں بھوکا مر جاؤں؟ مجھے تو کام کے بنا بھوک ہی نہیں لگتی۔ کروں تو کیا کروں؟

دوسرا منتری — (سانے آکر) مہاراج راجہ کا پر بندھ کس پر کار کیا جائے؟ نو کروں

کو طلب کہاں سے دیں؟ روپیہ تو ایک نہیں۔

سُمنہ - یدی روپیہ نہیں تو طلب مت دو۔

منتری - طلب لیے بنا کام کون کرے گا؟

سُمنہ - کام کیسا، نہ کرنے دو۔ کرنے کو کھیتوں میں کیا کام تھوڑا ہے۔ کھاد

سنبالنا، سے پر کھیتی کرنا۔ یہ سب کام ہی ہیں کہ اور کچھ؟

اتنے میں ایک مقدمے والے سامنے آئے۔

کسان - مہاراج! اس نے میرے روپے چرا لیے۔

سُمنہ - کوئی بات نہیں، اس کو روپے کی ضرورت ہوگی۔

سب لوگ جان گئے کہ سُمنہ مہائورکھ ہے۔ ایک دن رانی بولی۔ پران ناتھ، سب

لوگ یہی کہتے ہیں کہ آپ مَورکھ ہیں۔

سُمنہ - تو اس میں ہانی ہی کیا ہے۔

رانی نے وچارا کہ دھرم شاستر کی یہی آکھیا ہے کہ استری کا پریشور پتی ہے۔ جس

میں وہ پرسن رہے، وہی کام کرنا دھرم ہے۔ اتیو وہ بھی راجا سُمنہ کے ساتھ کھیتی کا کام کرنے لگی۔

یہ دشا دیکھ کر بدھیمان پدوش سب کے سب انیہ دیشوں میں چلے گئے۔ کیول نرکھ

ہی مَورکھ وہاں رہ گئے۔ اس راجیہ میں روپیہ پر چلے نہ تھا۔ راجا سے لے کر رک تک کھیتی کا

کام کرتے تھے۔ آپ کھاتے اور دوسروں کو کھلا کر پرسن ہوتے۔

۱۰

ادھر ادھر راج بیٹھے دیکھ رہے ہیں کہ تینوں بھائیوں کا سردناش کر کے بھوت اب

آتے ہیں، اب آتے ہیں۔ پرنتو وہاں آتا کون ہے؟ ادھر کم کو بڑا آٹھر یہ ہوا کہ یہ کیا بات

ہے۔ انت میں سوچ وچار کر کے سوئیم کھوج لگانے کے لیے چلا۔

سُمنہ کے پرانے گاؤں میں جانے پر ڈھونڈنے سے تین چمید لے۔ ادھر کم کو معلوم

ہو گیا کہ تینوں بھوت مارے گئے۔ وہ بھائیوں کی کھوج میں چلا، جا کر دیکھا تو تینوں بھائی راجا

بن بیٹھے ہیں، پھر کیا تھا جل بھن کر راکھ ہی تو ہو گیا، دانت پیس کر بولا۔ دیکھوں یہ سب

میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جاتے ہیں؟ وہ ایک سینا پتی کا ہمیش بدل کر پہلے دجے کے

پاس پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر دینے کی مہاراج! میں نے سنا ہے کہ آپ مہاشوردر ہیں۔ میں
 استر شستر ودھامیں اتی نہیں ہوں۔ اچھا ہے کہ آپ کی سیوا کر کے اپنا گن پرکٹ کر دوں۔
 وجے اس کی چتونوں کو تازہ کیا کہ آدی چتور اور بدھیمان ہے۔ اسے جھٹ سینا پتی کی
 پڑوی پر نیوکت کر دیا۔

نوین سینا پتی سینا کو بڑھانے کا پر بندھ کرنے لگا۔ وجے سے بولا۔ مہاراج! میرے
 دھیان میں راجہ میں بہت لوگ ایسے ہیں، جو کچھ نہیں کرتے۔ راجہ کی استھرتا سینا سے ہی
 ہوتی ہے۔ اس لیے ایک تو سب یووک پڑوشوں کو رگروٹ بھرتی کر کے سینا پہلے سے پانچ گنی
 کر دینی چاہیے، دوسرے نئے نمونے کی بندوقیں اور توہیں بنانے کے واسطے راجدھانی میں
 کارخانے کھولنے چاہیے۔ میں ایک قار میں سو گولی چلانے والی بندوق اور گھوڑے، مکان، ہیل
 اتیادی نشٹ کر دیے والی توہیں بنا سکتا ہوں۔

وجے نے پرستار پروک جھٹ ساری راجدھانی میں آکھیا پتر جاری کر دیا کہ سب لوگ
 رگروٹ بھرتی کیے جائیں۔ نئے نمونے کی توہیں اور بندوقیں بنانے کے واسطے جگہ جگہ
 کارخانے کھول دیے۔ یدھ کی سمست ساگری جمع ہونے پر پہلے اس نے پڑوی راجا کو بھیتا،
 پھر میسور کے راجا پر چڑھائی کا ڈنکا بجا دیا۔

پر سو بھاگیہ سے میسور کے راجا نے وجے کا سارا ورتانت سن رکھا تھا۔ وجے نے تو
 پڑوشوں کو ہی بھرتی کیا تھا، اس نے استریوں کو بھی سینا میں بھرتی کر لیا۔ نئے سے نئے نمونوں
 کی بندوقیں اور توہیں بنا ڈالیں۔ سینا وجے سے چوگنی کردی اور نوین کلپنا یہ کی کہ ہم کے ایسے
 گولے بنائے جائیں جو آکاش سے چھوڑے جائیں اور دھرتی پر پھٹ کر شتر و کی سینا کا ناش
 کر دیں۔

وجے نے سمجھا تھا کہ پڑوی راجا کی بھانتی چھمن میں میسور کے راجا کو جیت کر اس کا
 راجہ چھمن لوں گا، پرتو یہاں رکھت ہی کچھ اور ہوئی۔ سینا ابھی گولی کی مار میں بھی نہیں پہنچی
 تھی کہ شتر و کی سینا کی استریوں نے آکاش سے ہم کے گولے برسانے آرمھ کر دیے۔ وجے
 کی ساری سینا کافی کی بھانتی پھٹ گئی۔ آدھی وہیں کام آئی، آدھی بھیسمت ہو کر بھاگ گئی۔
 وجے اکیلا کیا کر سکتا تھا، بھاگتے ہی بنی۔ میسور کے راجا نے اس کے راجہ پر اپنا ادھیکار
 کر لیا۔

دبے کا سروناش کر کے ادھرم تارا کے راجیہ میں پہنچا اور سوداگر کا بھیس دھارن کر کے وہاں ایک کوشی کھول دی، جو پُروش کوئی مال بیچنے آتا، اُسے چو گئے چنگے دام پر لے لیتا۔ شکھر ہی وہاں کی پر جا مالدار ہو گئی، تارا یہ حال دیکھ کر بڑا پرسن ہوا اور کہنے لگا کہ ویاپار بڑی دستو ہے، اس سوداگر کے آنے سے میرا کوش دھن سے بھر گیا، کسی بات کی کمی نہیں رہی۔

اب تارا نے ایک محل بنانا شروع کیا۔ اسے دشا اس تھا کہ روپیہ کے لالچ سے راج مزدور مسالا، سب کچھ سامگری شکھر ہی مل جائے گی، کوئی سٹھنائی نہ ہوگی۔ پرنٹو راجا کا محل بنانے کے واسطے کوئی نہ آیا۔ ادھرم سوداگر کے پاس روپے کی گنتی نہ تھی، اس کی انکھیا راجا اس سے ادھک مزدوری اور دام نہیں دے سکتا۔ اس کا محل نہ بن سکا۔ تارا کو سودا دھارن مکان میں ہی رہنا پڑا۔

اس کے پیچھے اس نے ایک باغ لگانا آرمھ کیا۔ اس سوداگر نے تالاب کھدوانا شروع کر دیا، سب لوگ روپے ادھک ہونے کے کارن سوداگر کے دشا میں تھے۔ راجا کا کام کوئی نہ کرتا تھا۔ باغ بھی بیج میں ہی رہ گیا۔ شیت کال آنے پر تارا نے اونی دستر آدی خریدنے کا دچار کیا۔ سارا سنسار چھان ڈالا، جہاں پوچھا یہی اتر ملا۔ کہ سوداگر نے کوئی دستر نہیں چھوڑا، سارے کے سارے خرید کر لے گیا۔

یہاں تک کہ روپے کے پر بھاؤ سے ادھرم نے راجا کے سب نوکر اپنے پاس کھینچ لیے۔ راجا بھوکوں مرنے لگا۔ کڑوہ ہو کر اس نے سوداگر کو اپنی راجدھانی سے نکال دیا۔ ادھرم نے سیما پر جا کر ذرا جمایا۔ تارا کو کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا تھا۔ اسے اپواں کیے تین دن بیت چکے تھے کہ دبے آکر سٹنکھ کھڑا ہو گیا۔

دبے — بھائی تارا، میں تو مر چکا۔ میری سینا، راج پاٹ، سب نطف ہو گیا۔ میسور کے راجا نے میری راجدھانی پر اپنا ادھکار کر لیا، بھاگ کر تمھارے پاس آیا ہوں، میری کچھ سہایا کیجیے۔

تارا — سہایا کی ایک ہی کہی۔ یہاں آپ اپنی جان پر آہنی ہے۔ اپواں کیے ہوئے تین دن ہو چکے ہیں۔ کھانے کو آن تک تو ملتا نہیں، تمھاری سہایا کس پر کار کروں؟

دبے اور تارا کی یہ دشا کر کے ادھرم پھر کرٹل کا ویش بدل کر سمنٹ کے پاس پہنچا اور نویدن کیا۔

مہاراج ! سینا کے بنا راجا کی شوبھا نہیں ہوتی اور نہ راجا کی رکشا ہوتی ہے۔ یدی آسنا ہو تو چٹوڑنگی سینا تیار کر دوں۔

سمنٹ — بہت اچھا، سینا تیار کرو اور اسے گانا بجاتا سکھاؤ۔ مجھے گانا بہت پسند ہے۔
مارو باجا مجھے بڑا پر یہ لگتا ہے۔ سینا تیار کر کے انھیں کیول باجا بجاتا سکھانا اور کچھ نہیں۔
ادھرم لوگوں کے پاس جا کر سمجھانے لگا کہ تم لوگ سپاہی بن جاؤ، قصصیں دسٹر اور اُن دیا جائے گا۔

لوگ — ہمارے پاس ان بہت ہے، استریاں کپڑے سی لیتی ہیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے، جاؤ، اپنا کام کرو۔ ہم سپاہی نہیں بنتے۔

ادھرم نے سمنٹ کے پاس آکر کہا — مہاراج آپ کی پر جا بڑی مؤرکھ ہے، مجھے نچے ہو گیا کہ وہ بنا سرکاری حکم کے سپاہی نہ بنیں گے۔ یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ جو کوئی سپاہی نہ بنے گا، اسے پھانسی دے دی جائے گی۔

سمنٹ ادھرم کا کہنا مان کر ویسا ہی حکم جاری کر دیا۔ لوگ ادھرم کے پاس آکر بولے۔
تم کہتے ہو کہ یدی ہم فوج میں بھرتی نہیں ہوں گے، تو جان سے مار دیے جائیں گے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ بھرتی ہو کر ہمارا کیا بنے گا؟ ہم نے سنا ہے کہ یدھ میں سپاہیوں کو مار ڈالا جاتا ہے۔

ادھرم — ہاں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔
لوگ — جب مرنا ہی ٹھہرا تو گھر میں رہ کر ہی کیوں نہ مریں؟ یدھ میں پران دینے سے کیا لا بھ ہے؟ ہم سپاہی نہیں بنتے۔

ادھرم — تم مہمانؤرکھ ہو، یدھ میں جا کر تم مارے ہی جاؤ گے، یہ بات نہیں ہے، فوج بھی سکتے ہو۔ پرتو سپاہی نہ بننے سے قصصیں پھانسی ضرور ہی ہو جائے گی۔

لوگ ڈر کر سمنٹ کے پاس پہنچے اور بولے — مہاراج، ایک سینا پتی ہمیں اجہج کی بات سناتا ہے اس کا کتھن ہے کہ یدی ہم سپاہی نہ بنیں گے تو مہاراج ہم کو اوشیہ پھانسی

دے دیں گے کیا یہ بات سچ ہے؟

سُمنٹ — (بُسن کر) بھلا سوچو تو، میں اکیلا تم سب کو کیسے چھانی دے سکتا ہوں؟

لوگ — تو ہم سپاہی کیوں نہیں؟

سُمنٹ — مت بنو۔

لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ادھر م بہت زراش ہوا کہ یہ منتر تو نہ چلا۔ اچھا پڑوی راجا کے پاس جا کر اسے یہ اپدیش کرتا ہوں کہ ایسا مؤرکھ راجا کا دلش چھین لے۔

اتوا ایک دوسرے راجا کے دربار میں جا کر اس نے ونے کی۔ مہاراج، سُمنٹ کے راجیہ میں اُن اور پشو بہت ہیں، روپیہ نہ ہوا، تو کیا ہے، بس چڑھائی کر کے اس کا راجیہ چھین لیجیے۔

راجا نے ادھر م کا کہنا مان کر یدھ کی تیاری کر دی۔

ادھر سُمنٹ کی پر جا خبر پا کر سُمنٹ کے پاس پہنچی کہ مہاراج، اتر دلش کا راجا یدھ کرنے کے واسطے آتا ہے۔

سُمنٹ نے کہا — آنے دو، ہماری کچھ ہانی نہیں۔

اتر دیشا چھتی نے سُمنٹ کی سینا کا بھید لینے کے لیے کچھ سپاہی بھیجے۔ وہاں سینا کہاں تھی، بھید کس کا لیں؟ وہ لوٹ گئے۔ تب اس راجا نے سینا کو یہ آسکتا دی کہ جا کر دلش لوٹ لے۔ سپاہی گاؤں میں پہنچ کر اُن، دسٹر، پشو اتیادی لوٹنے لگے۔ سُمنٹ کی پر جانے کسی کا سامنا نہیں کیا، کچھ نہ بولے، ورن سپاہیوں کی سیوا کرنے لگے اور کہنے لگے۔ بھائیوں، یدی اپنے دلش میں رہنے سے تمہیں کوئی کشت ہوتا ہے تو یہاں آکر ہمارے پاس رہو۔

اب سپاہی سوچنے لگے کہ یدھ کریں تو کس سے کریں؟ یہاں تو یہ سب لوگ آپ سے آپ سب کچھ دینے کو تیار ہیں اپنے راجا کے پاس جا کر بولے کہ مہاراج، سُمنٹ کی پر جا تو سویم سب کچھ دینے کو تیار ہے۔ لڑائی کس کے ساتھ کی جائے؟

راجا نے کہا — کچھ چھتا نہیں، جاؤ، گاؤں جلا دو۔ سب پشو مار ڈالو، ہم لڑائی اوشیہ کریں گے۔ یدی میرا کہا نہیں مانو گے، تو تمہیں توپ کے منہ پر باندھ کر اڑا دوں گا۔

سپاہی بھیسٹ ہو کر پھر لوٹے اور گاؤں آدی جلانے لگے۔ سُمنٹ کی پر جانے ان سے پریم پُرک کہا۔ ایسی اچھی چیزوں کو بھسم کرنے سے آپ کو کیا پھل ملے گا؟ یدی ابعما ہے تو یہ سب پدارتھ اپنے دلش کو لے جاؤ۔ ہمیں کوئی شوک نہیں ہوگا، پر تو اس پرکار پشودوں

کو ودھ کرنے سے ہمیں کلش ہوتا ہے۔

انت میں سینا کو پر جا پر دیا آگئی، سپاہی راجا کی نوکری چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ سُمت آند سے راجہ کرتا رہا۔

ادھرم سوچنے لگا کہ اب کیا کریں، اس مُورکھ نے تو بڑا کشت دیا۔ سچ ہے، بدھمانوں کو دُش میں کر لینا سچ ہے، مُورکھ کو سمجھنا کٹھن ہے۔ اچھا، ایک بھدر پُروش کا ویش بنا کر سُمت کے پاس چلتے ہیں۔ شاید کہنا مان جائے۔

وہ ترنت ویش بدل کر سُمت مُورکھ کی سیوا میں آیا اور بولا -- مہاراج 'میری اہم' ہے کہ آپ کی راجدھانی میں دیوپار پھیلاؤں۔ دیوپار کرنے سے پُروش بدھیمان اور چتر ہو جاتا ہے۔

سُمت -- بہت اچھا آئیے، دیوپار پھیلائیے۔

دوسرے دن ادھرم سورن مندرا کی تھیلی لے کر چوراہے پر پہنچا اور مہریں دکھلا کر لوگوں سے کہنے لگا کہ جو کوئی میرا کام کرے گا، اسے مہریں دی جائیں گی۔ وہاں کی مُرکھ پر جا مہروں کا نام تک نہیں جانتی تھی۔ سونے کے سندر سندر ٹکڑے دیکھ کر وہ لوگ پرسن ہو گئے اور ادھرم کا کام کرے۔

ادھرم نے سمجھا تارا والا منتر چل گیا۔

تھوڑے دن لوگ ادھرم کا کام کرتے رہے، اسے اُن دستر بھی دیتے رہے، جب ان کے پاس مہریں بہت ہو گئیں اور انھوں نے اپنی استریوں اور بالکوں کو گھنے بنا دیے، تب انھوں نے ادھرم کا کام کرنا چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ آنا دال بھی بیچنا بند کر دیا۔

ادھرم کی وچتر گئی تھی۔ ایک دن ایک کسان کے گھر جا کر وہ کہنے لگا۔ بھائی، اس مہر کے بدلے آدھا سیر آنا تو دے دو۔

کسان بولا -- مہریں لے کر کیا کروں گا؟ مہر تو پہلے کی ہی بہت پڑی ہیں۔ آنا نہیں بیچتا۔ ہاں پریشور کے نام پر مانگو گے تو دینے کو تیار ہوں۔ بھگوان کا نام سننے ہی ادھرم کانپ اٹھا اور بھاگ کر دوسرے کسان کے گھر پہنچا۔ وہاں بھی یہی حال ہوا۔ انت میں رات کو وہ بھوکا ہی سویا۔

پر جا کے لوگ سُمت کے پاس آکر کہنے لگے، 'مہاراج' ایک دھنی آدی آیا ہے، کوٹ

پتلون ڈالے رہتا ہے۔ کھاتا پیتا خوب ہے، کام کچھ نہیں کرتا۔ مہرے لیے بھرتا ہے، یدی ہم پر مشور کے نام پر اسے ان دینا چاہتے ہیں تو نہیں لیتا۔ مہرے دکھاتا ہے، اُن بیچنے کی ہمیں آویں نہیں، اسے بھوکا رہتا بھی اُچھ نہیں۔ کیا اُپائے کریں؟ اس طرح تو وہ بھوکوں مرجائے گا۔

سُمت — اسے بھوجن تو دینا ہی پڑے گا۔ گھر بیچے ایک دن باندھ دو۔

اب ادھرم مہاراج گھر گھر جا کر روٹی مانگ کر کھانے لگے، ہوتے ہوتے ایک دن راجا سُمت کے گھر کی باری آگئی۔ وہاں جا کر دیکھتا کیا ہے کہ سُمت کی کوگی بہن روٹی پکا رہی ہے۔ بہو دھا ایسا ہو چکا تھا کہ تلے پڑوش، یہاں رسوئی میں آکر بھوجن پا جایا کرتے تھے، اس کارن منورمانے یہ نعم باندھ دیا تھا کہ جن کے ہاتھ کام کرنے کے کارن کھور ہو گئے ہوں، وہی لوگ رسوئی میں بیٹھ کر بھوجن پایا کریں، دوسرا کوئی نہیں۔

ادھرم کو یہ بات معلوم نہ تھی، وہ جھٹ سے رسوئی گھر میں جا کر بیٹھ گیا۔ کوگی منورما نے اسے وہاں سے اٹھا دیا۔ رانی بولی -- مہاشیہ بُرا نہ مانے یہاں کی یہ ریتی ہے کہ کوئل ہاتھوں والے کو بچا کھچا بھوجن دیا جاتا ہے، آپ باہر ٹھہریں، جو کچھ اُن بچے کا مل جائے گا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سُمت بھی وہاں آ گیا۔

ادھرم — (سُمت سے) آپ کے راجیہ میں یہ انوکھا نم ہے کہ پرنیک پرانی کو ہاتھوں سے کام کرتا چاہیے، کام کیا کیول ہاتھوں سے ہی کیا جاتا ہے۔ آپ کو سیات معلوم نہیں کہ چتر پڑوش کیسے کام کرتے ہیں؟

سُمت — بھلا مُڑ رکھ کیا جانیں، ہم تو پرایہ ہاتھوں سے ہی کام کرتے ہیں۔

ادھرم — اسی کارن آپ لوگ مُڑ رکھ ہیں۔ اب میں آپ کو مستک دُدارا کام کرنا بتاؤں گا۔ تب آپ کو وِوت ہو جائے گا کہ مستک دُدارا کام کرنا ہاتھوں دُدارا کام کرنے سے کہیں ادھک پھل دانک ہے۔

سُمت — ادھو، تو ہم لوگ بُند یہہ مُڑ رکھ ہیں۔

ادھرم — مستک دُدارا کام کرنا سچ نہیں۔ مجھے آپ رسوئی میں بٹھا کر اس کارن بھوجن نہیں کراتے کہ میرے ہاتھ کوئل ہیں اور میں ہاتھوں سے کام نہیں کرتا، پرتو میں آپ سے ستیہ کہتا ہوں کہ مستک دُدارا کام کرنا اتنی تسخن ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مستک پھننے

لگ جاتا ہے۔

سُمت — تو متر، ایسا کٹ کیوں اٹھاتے ہو؟ مستک پھٹا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے؟
ہاتھوں سے سچ میں کام کیوں نہیں کر لیتے؟

ادھر — مجھے آپ لوگوں کی یہ گتی دیکھ کر دیا آتی ہے، اس کارن چاہتا ہوں کہ آپ
لوگوں کو بھی یہ کام سکھا دوں۔

سُمت — بہت اچھا سکھا دیجیے، کام کرتے کرتے جب ہمارے ہاتھ تھک جایا کریں
گئے، تو ہم مستک سے کام لیا کریں گے۔

دوسرے دن سُمت نے اپنی سمسٹ راجدھانی میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ ایک مہاتما
مستک دوارا کام کرنا بتلائیں گے کیونکہ اس پر کار کام کرنا اتنی لالچہ دانک ہے۔ سب لوگ آکر
ان کا اپڈیش سنیں۔

لوگوں کے دل کے دل آنے لگے۔ سُمت نے چتر پُروش کو ایک بڑے اونچے بُرج
پر چڑھا دیا کہ لوگ اسے بھلی پرکار دیکھ سکیں۔ اس بُرج پر ایک لائین گڑی ہوئی تھی۔

ادھر چوٹی پر پہنچ کر دیا لکھیان دینے لگا، لوگ سمجھتے تھے کہ وہ مستک دوارا کام کرنا
بتلائے گا، پرتو وہ خالی گپوڑے ہانکنے لگا کہ ہاتھوں سے کام کیے بنا منش بہت جین سے رہ
سکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ سبھی لوگ ہاتھوں سے کام کریں۔ لوگ ایک اکثر نہ سمجھتے اور نراش
ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ادھر کئی دن بُرج پر بیٹھا بکواد کرتا رہا۔ اسے بھوک ستانے لگی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ
جب مستک دوارا کام کرنا ہاتھوں سے کام کرنے سے اُتم ہے تو اسے بھوجن کی کیا کمی ہو سکتی
ہے۔ اس کارن انھوں نے بھوجن نہیں پہنچایا۔

سُمت نے پر جا سے پوچھا کہ کیا مہاتما نے مستک دوارا کام کرنا آرمھ کر دیا؟
سب نے یہی اثر دیا — مہاراج، ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا وہ تو کورا گال بجائے
چلا جاتا ہے، دکھاتا دکھاتا کچھ نہیں۔

تیسرے دن ادھر بھوک اور پیاس کے مارے دیا لکھل ہو کر گر پڑا اور چوٹی پر سے
لڑکھٹا دھرتی پر آگرا اور اس کا مستک پھٹ گیا۔

لوگوں نے دوز کر رانی سے یہ باتیں کہیں۔ رانی دوڑی ہوئی کھیت میں گئی، مُورکھ

سُمت اس سے کھیت میں مل چلا رہا تھا۔

رائی — مہاراج، شکھر چلیے، وہ مہاتما سُمت کو دارا کام کرنے لگا ہے۔

راجا — اچھا تو چلو۔

سُمت نے آکر دیکھا کہ مہاشے جی دھرتی پر پڑے ہیں اور ان کا سُمت پھٹ گیا ہے۔

سُمت — بھائیوں، مہاتما سُمت کہتا تھا کہ کام کرتے کرتے سُمت پھٹ جایا کرتا ہے

دیکھو انت میں بچارے کا سُمت پھٹ ہی گیا۔

سُمت چاہتا تھا کہ پاس جا کر دیکھوں کہ اس نے کتنا کام کیا ہے۔ پرنتو ادھر مہاراج اپنی

مُرکھتا کے پر بھاء سے دھرتی میں سا گیا۔ کیول ایک چھید باقی رہ گیا۔

سُمت — اوہو، یہ تو بھوت تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ تینوں کا پتا تھا۔

سُمت ابھی جیتا ہے، راجدھانی کی بستی نیچے بڑھتی جاتی ہے، وجے اور تارا ابھی اس

کے پاس آکر رہنے لگے ہیں، اتنی سیوا کرتا سُمت نے پر م دھرم مان رکھا ہے۔

اس راجدھانی میں یہی ایک وُلکشن ریتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ رسوائی میں بیٹھ کر

کیول وہی پردوش بھوجن کر سکتا ہے، جس کے ہاتھ کھور ہوں اور دوسروں کو بچا کھچا بھوجن دیا

جاتا ہے۔

دیا لو سوامی

ایک سے کسی گھر میں ایک سدا چاری دیا لو اور دھنی پڑوش رہتا تھا۔ اس کے بہت سے سیوک تھے۔ ایک دن جب سیوک آپس میں باتیں کرنے لگے کہ ہمارے سوامی سے بڑھ کر دوسرا جن آج پرتھوی پر کوئی نہیں اور دھنی لوگ اپنے کو دیوتا مانتے ہیں، سیوکوں کو پشو سمجھتے ہیں اور انہیں اتنی کشت دیتے ہیں۔ ہمارا سوامی کبھی کھوٹا دھن مکھ سے نہیں نکالتا، بس پر پتا سان ہمارا پالن پوٹن کرتا ہے۔ ہمارے ساتھ اس کا اتھاہ پریم ہے، ایسے سوامی کے گھر میں رہ کر ہم بہت سکھی ہے۔

ادھر م کو سوامی اور سیوکوں میں اس طرح پریتی دیکھ کر یہ دکھ ہوا کہ سنسار میں یدی اسی پرکار سوامی ہیکٹی پیل مئی تو ہمارا تو جلت میں سے راجیہ ہی اٹھ جائے گا، کوئی آپ درد کھڑا کرنا چاہیے۔ اس نے گوپال نام کے ایک سیوک کو اپنے دس میں کر لیا۔

کئی دن پیچھے جب سب سیوک ایکٹر ہو کر پھر سوامی کی بڑائی کرنے لگے تو گوپال بولا — سوامی کی اتنی بڑائی کرنا تمہاری مڑکتا ہے، جتنا ہم کام اس کا کرتے ہیں، یدی کسی راکشش کا بھی کرتے تو وہ بھی پرسن ہو جاتا۔ ہم اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں، اس کے حکم کی راہ نہیں دیکھتے۔ ہم اس کی آسینا نہ مانیں تب تو وہ آپرسن ہو، ہاں، کوئی کام بگاڑ کر دیکھو کیسا دغ دیتا ہے، ایک جمن میں نکال دے گا۔

کام بگاڑنے کی کسی نوکر نے ہامی نہیں بھری۔ گوپال نے کہا کہ دیکھو کل کیا تماشا دکھاتا ہوں۔

گوپال سوامی کی گائے بھیڑ چرایا کرتا تھا۔ سوامی گایوں کا بڑا پریمی تھا۔ پراتہ کال سوامی اپنے متروں کو جب گائے دکھلانے لایا، تو گوپال نے متروں کو آنکھ ماری کہ دیکھتے رہنا

کیا ہوتا ہے۔ ادھر بھی درخش پر بیٹا تماشا دیکھ رہا تھا۔

سوامی اپنے متروں کو گائیں دکھاتا پھرتا تھا کہ گوپال نے ریوڑ کو ڈرا دیا۔ وہ ادھر ادھر بھاگنے لگیں، ریوڑ میں کبری آنکھوں والا ایک چھڑا بڑا سندر تھا اور سوامی اسے بہت چاہتا تھا۔ سوامی بولا۔ گوپال، ذرا وہ چھڑا تو پکڑ لو، میرے متر اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

گوپال جھپٹ کر چھڑے کو اس بھانجی پکڑا کہ اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ادھر بڑا پرسن ہوا کہ اب لڑائی ہوگی، سیوک بھی کھڑے دیکھتے تھے کہ کیا ہوتا ہے۔ سوامی نے چھڑے کی یہ دشا دیکھی تو اس کی آنکھوں سے جولا نکلنے لگی کنو شبدھ جیھ پر آئے۔ سارے شریر میں رد مانج ہو گیا۔ پر ایک چھن میں اس نے انگڑائی لی اور لمبی سانس کھینچ کر بولا۔ -- گوپال تمہارے سوامی نے تمہیں یہ آسنا دی تھی کہ مجھے کرودھت کرد، پرنتو میرا سوامی تمہارے سوامی سے کہیں ادھک بلوان ہے۔ میں تم پر کرودھ نہیں کرتا، ورنج تمہارے سوامی کو آپرن کرتا ہوں۔ تمہیں دند کا بھے ہے، تم میری نوکری چھوڑنا چاہتے ہو، میں تمہیں نہیں روکتا۔ جہاں چاہو جاؤ۔ یہ لو دستر۔

یہ کہہ کر دیالو سوامی متر سہٹ اپنے گھر لوٹ گیا۔ اور ادھرم نراش ہو کر لوپ ہو گیا۔

بال لیلہ

ہولی کے دن تھے۔ رات کو ورشا ہو جانے کے کارن گاؤں کی گلیوں میں پانی بہہ رہا تھا۔ ایک گاؤں میں دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں نوین و ستر پہنے گلی میں آکر کھیلنے لگیں۔ مایا نے دھرتی پر ایسا پیر مارا کہ دیو کی آنکھوں میں چھینٹے پڑ گئے اور اس کا کرتا خراب ہو گیا۔ مایا ڈر کر بھاگنا چاہتی تھی کہ دیو کی ماں آگئی۔ اس نے دیو کی کو روٹے دیکھے، مایا کے منہ پر تھپڑ مارا۔ مایا زور سے رونے لگی۔ اس کی ماں اس کے رونے کا شہد سن کر باہر آگئی اور بولی۔۔ کیوں کیا ہوا؟ میری لڑکی کو کیوں مار رہی ہو؟

مایا نے رو کر کہا۔ ہوں، ہوں دیو کی کی ماں نے مارا، بس پھر کیا تھا، وہ مگی دیو کی کی ماں کو کوسنے۔

شہید شہید دونوں گھر کے اور لوگ آگئے اور گلے آپس میں لڑنے۔ ایک بڑھیا بولی کہ کیا کرتے ہو؟ ہولی کا دن ہے، جانے دو، پُپ کر دو۔ پرتو کون سنتا تھا، انت میں دیو کی اور مایا نے ہی لڑائی بند کی اور وہ اس پر کار کہ ادھر تو استری پُڑوش لڑائی کر رہے تھے، ادھر دیو کی مایا کو منا کر پھر وہیں جا کر کھیلنے لگی۔ ان دونوں نے گڑھے میں ایک ٹالی بنا کر اس میں گھاس کے تھکے تیرا نے شروع کیے۔ ایک تنکا بہہ نکلا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے دوڑتی دوڑتی وہاں پہنچ گئیں، جہاں یہ مہا بھارت چھڑا ہوا تھا۔

بڑھیا لڑکیوں کو آتے دیکھ کر بولی۔ تمہیں لجا نہیں آتی۔ انہیں لڑکیوں کے کارن لڑائی ہو رہی ہے کہ اور بھی کچھ؟ یہ بچاری تو پریم بھاء سے سب کچھ بھول کر اپنے کھیل میں لگی ہوئی ہیں، تم نے یدھ یکیہ رنج رکھا ہے۔ تم سے ادھک بدمی ان لڑکیوں میں ہے۔

سب کے سب پُپ ہو گئے اور مہاتماؤں کا یہ وچن اسرن کرنے لگے کہ بالکوں کی بھانٹی جب تک پُڑوش اپنا اندہ کرن شدھ نہیں کرتا، پرماتما میں نہیں مل سکتا۔

سکھ تیاگ میں ہے

ادوہ راجہ میں چتر سنگھ ناک ایک کسان رہتا تھا۔ دیواہ ہونے کے ایک ورش پیچھے اس کے پتا کا دہانت ہو گیا۔ اس سے اس کے پاس دھن دولت نہ تھی۔ دو گائے، دو بیل، ایک گھوڑی اور دس بھیڑیاں تھیں، لیکن پشو پالنے میں کشل ہونے کے کارن پینتیس ورش کے لگاتار پریشرم سے اب اس کے پاس دو سو گائیں، ڈیڑھ سو بیل، بارہ سو بھیڑیاں ہو گئی تھیں۔ وہ بڑے پر تشفٹ پُروشوں میں مگنا جانے لگا۔

جیسا کہ سنسار کی ریتی ہے۔ بہت لوگ اس سے ڈاہ کرتے اور کہتے تھے۔ چتر سنگھ بڑا بھائیوان ہے۔ دھن دولت سب کچھ اس کے پاس ہے، سنسار اب اسے سکھ روپ ہو رہا ہے۔ چتر سنگھ کو اتھی سیوا کا پریم تھا۔ اس کے دو پُتر اور ایک کنیا تھی۔ وہ سب بیاہے ہوئے تھے، غریبی کی دشا میں تو سب مل کر کام کیا کرتے تھے۔ دھوان ہو جانے پر دشا بگڑ گئی۔ بڑا لڑکا مدھ کا سیون کرتے کرتے ایک دن کسی لڑائی میں کام آیا، چھوٹا لڑکا ایک گھباری استری سے دیواہ کر کے پتا سے الگ رہنے لگا۔

دہنتی کے دن پھر آئے۔ پشوؤں میں مری پڑی، سب پشو مر گئے، ایک نہ بچا۔ دھن کچھ چوروں نے ہر لیا، کچھ یوں ہی نہٹ گیا۔ یہاں تک کہ چتر سنگھ کے پاس کوڑی نہ بچی۔ پڑوسی آندھ سنگھ نے ترس کھا کر اسے اور اس کی استری کو اپنے گھر میں نوکر رکھ لیا۔

آندھ سنگھ کو ان کے نوکر رکھ لینے میں بڑا لالچہ ہوا، کیونکہ پُروش استری دونوں بڑے سدا چاری اور سوامی بھگت تھے۔

ایک دن آندھ سنگھ کے گھر میں اس کے کچھ سمبندھی آئے۔ بھوجن کرتے سے آندھ سنگھ نے اپنے سمبندھی سے کہا کہ تم نے اس بوڑھے کو دیکھا؟

سمبندھی — اس بوڑھے میں کیا بات ہے؟

آندھ سنگھ — وہ اس پرانت میں کبھی سب سے ادھک مالدار تھا، اس کا نام چتر سنگھ

ہے۔

سمبندھی — ہاں، چتر سنگھ! میں نے اس کا نام تو سن رکھا تھا، دیکھا اسے آج ہی ہے۔

آنند سنگھ — اب وہ اتنا نکال ہو گیا ہے کہ اسے نوکری کرنی پڑی۔

سمبندھی — بھادی بڑی پرہل ہے۔ لکشی کبھی استر نہیں رہتی! میرے وچار میں چتر

سنگھ پچھلی بات یاد کر کے بہت دکھی رہتا ہوگا۔

آنند سنگھ — مجھے کچھ معلوم نہیں، میرے سامنے کبھی کچھ نہیں بولتا، چپکے چپکے کام کیے

جاتا ہے۔

سمبندھی — بھلا پوچھوں، تو کہ کیا حال ہے۔

آنند سنگھ — ہاں پوچھ، دیکھو۔

سمبندھی — (چتر سنگھ سے) بابا، تم ہمیں اس بھانجی آنند سے گڈے، عکے پر لینے،

نانا پرکار کے دشمن کھاتے دیکھ کر اوشیہ دکھی ہو گے، کیونکہ ایک سے تھا کہ تم بھی دشمن تھے۔

چتر سنگھ (ہنس کر) — اپنے سکھ دکھ کا بیورائی میں تمہیں سناؤں گا، تو تمہیں دشواس

نہیں ہوگا۔ ہاں میری استری سے پوچھ دیکھو کہ وہ کیا کہتی ہے، کیونکہ استریوں کو اپنی بہن

لکشی سے بڑا پیار ہوتا ہے۔

استری پچھلی اور کواڑوں کی اوٹ میں بیٹھی تھی، سمبندھی نے اس سے پوچھا — مائی

کہو کہ پہلے سکھ تھا کہ اب ہے؟

استری — سنے میں اور میرا بیتی دونوں پچاس ورش تک۔ ہمارے سکھ کو کھوجتے رہے،

وہ نہیں ملا۔ جب سے اس گھر میں نوکر ہوئے ہیں، تب سے کچھ سکھ پراپت ہوا ہے۔ اب

ہمیں کسی بات کی اہملا شالیں۔

سوائے چتر سنگھ کے سب انہماں کرنے لگے۔

استری — میں سہیہ کہتی ہوں، ہنسی نہیں کرتی۔ دھنواں ہونے پر ذرا بھی سکھ نہ تھا،

سکھ اب ہے۔

سمبندھی — کیوں؟

استری دھن ہونے پر ہم سدو ایسے چتا گرسٹ رہتے تھے کہ پر ماتا کو کبھی اسرنا

نہیں کرتے تھے، آج کوئی بڑا آدمی آگیا، اس کی سیوا میں کوئی تروٹی نہ رہ جائے، نہیں تو

ایمان ہوگا۔ نوکر کام نہیں کرتے، کیا کریں! کائے بہت ہیں، رات کو کہیں باگھ نہ اٹھالے جائے، سدا چوروں کا بھے رہتا تھا، ساری رات جاگتے کنتی تھی، پھر کبھی میری اور بچی کی کسی نہ کسی بات پر لڑائی بھی چل جاتی تھی، تاہم یہ یہ کہ کوئی چمن ایسا نہ تھا کہ چمن سے بیٹھے ہوں۔

سمبندگی — بھلا، اب؟

استری — اب لڑائی ہے نہ چلتا۔ جب کاٹا نہ رہا تو بیڑا کیوں ہو؟ سوامی کا کام کیا اور چھٹی ہوئی۔ اودھو کا لینا نہ مادھو کا دینا۔ ڈکھ کا اب لیش نہیں۔
وہ سب بننے لگے۔

چتر نگہ — یہ بات بننے کی نہیں۔ منش جیون میں ستیہ وچن ہے تو یہی ہیں۔ دھن نشٹ ہو جانے پر پہلے ہم ولاپ کیا کرتے تھے جب سے گیان چکشو کھل گئے ہیں، تب سے ہم موہ کے بندھن سے چھوٹ گئے۔ سنساری وٹھے میں لپت ہونے سے سکھ پراپت نہیں ہو سکتا۔

وہیں ایک پنڈت بھی بیٹھا ہوا تھا، وہ بولا — بہت ستیہ ہے، بندہ یہ سکھ تیاگ میں ہی ہے، راگ میں نہیں۔

بھوت اور روٹی

ایک دن پرانے کال ایک غریب کسان گھر سے دو روٹی پلے باندھ کر بل جوتے چلا۔ کھیت میں پہنچ کر روٹی تو اس نے ایک جھاڑی تلے رکھ دی اور آپ بل چلانے لگا۔ دوپہری ہونے پر اس نے بیلوں کو چرنے چھوڑ دیا اور آکر جب روٹی اٹھانے لگا تو روٹی نثار! ادھر دیکھا، ادھر دیکھا، کچھ پتہ نہیں۔ کوئی جاتا بھی دکھائی نہیں دیا۔ پھر روٹی کس نے اٹھالی؟

دوستو میں روٹی ایک بھوت نے اٹھالی تھی۔ وہ جھاڑی کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔ کسان بولا— کیا ہوا ایک دن روٹی نہ کھائی تو مرنے نہیں جاؤں گا۔ کسی بھوکے نے ہی اٹھائی ہوئی، بھگوان اس کا بھلا کرے۔

یہ کہہ کر کنوئیں پر پانی پی، اس نے پھر کھیت جوتا شروع کر دیا۔ بھوت اداس ہو کر ادھر کے پاس پہنچا اور اسے سارا ورنات کہہ سنایا۔

ادھر— (کرو دھ سے) تم مُرکھ ہو، کام کرنا کیا جانو! یدی سنساری لوگ اس پر کار سنش کر کے بیون وقیت کرنے لگیں گے تو ہمارا بیڑا ہی ڈوب جائے گا۔ جاؤ، نرت جاکر کوئی ایسا آپائے کرو کہ منش میں سنش اور دیا بھاؤ کا لوپ ہو جائے، نہیں تو تمہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔

بھوت لوٹ کر وچار کرنے لگا کہ کیا یقین کیا جائے۔ سوچتے سوچتے اسے آپائے سوچ ہی گیا۔

اس نے ایک کسان کا روپ دھر لیا اور اسی کسان کے پاس جاکر نوکر ہو گیا۔ پہلے درش تو اس نے کسان کو یہ صلاح دی کہ دلدل میں کھیتی بوؤ۔ دیوگتی سے اس سال چو ماہ نہ لگا، سب لوگوں کی کھیتیاں جل گئیں۔ اس کسان کو بڑا لالچہ ہوا۔ کھال کی دھرتی ہونے کے کارن کافی اناج اُگے۔

دوسرے ورث اس نے کسان سے کہہ کر ایک اونچے نیلے پر کھیتی بودائی۔ کال دس اتی ورثی ہونے کے کارن سب کھیتیاں پانی میں ڈوب کر سڑ گئیں۔ اس کسان کو کوئی ہانی نہ پہنچی۔
اب کسان کے پاس اتنا ہوا کہ کوٹھے بھر گئے۔ کرے تو کیا کرے؟ بھوت نے اسے مدھ بتانا سکھلا دیا۔ بس، پھر کیا تھا، کسان مدھ بتانا کرتوں سہ اس کا سیون کرنے لگا۔

بھوت نے ادھرم راج کے پاس پہنچ کر ونے کی۔ مہاراج اب چل کر دیکھے کہ میں نے کیسا منتر چلایا ہے۔ اب کسان کدالی نہیں بچ سکتا۔ اتو وہ دونوں کسان کے گھر پر پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں آس پاس کے کسان اکتر ہیں۔ کسان کی استری ان سب کو مدھ پلا رہی ہے۔ اتنے میں اس نے ٹھوکر کھائی اور مدھ کا پیالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔
کسان — (کردو حائر) پھوڑ کہیں کی! کیا تو اسے ڈاب کا پانی کھیتی ہے؟
بھوت نے ادھرم سے کہا — یہ وہ کسان ہے، جو رنگ ہونے پر بھی روٹی کھانے کی کچھ بھی چتا نہیں کیا کرتا تھا۔

استری کو جھڑک کر کسان آپ سب کو مدھ پلانے لگا۔ اسی سے وہاں کوئی ساہو بھوجن باٹنے آ گیا۔ کسان اسے ڈٹکار کر بولا۔ جاؤ یہاں سے، ہمیت گمس آتے ہو؟ یہاں بھوجن ووجن کچھ نہیں۔

ادھرم بڑا پرسن ہوا، بھوت بولا — ابھی کیا ہے، دیکھتے جاییے، کیا کیا ہوتا ہے۔ سب کسان پہلا پیالا پی کر مست ہو گئے اور آپس میں چکنی چڑی باتیں کرنے لگے۔
ادھرم — واہ بھائی بھوت کیا کہتا ہے، یدی یہ لوگ مدھ کے بھکت بن کر ایک دوسرے سے لومڑیوں کی طرح کپٹ کی باتیں کرنے لگیں گے، تو ہمارا راجہ اچل ہو جائے گا۔
بھوت — مہاراج، ابھی تو پہلا ہی پیالا ہے، دوسرا پیالا پیئے دیجئے، پھر ان کو آپ باگھ کے روپ میں دیکھیں گے۔

دوسرا پیالا پینے کی دیر تھی کہ وہ لوگ گلے آپس میں کولامل اور ہاتھ پائی کرنے۔ کسی نے کسی کی ناک کاٹ لی، کسی نے کسی کے کان۔ سوئم گھر کے مالک پر بے بھاد کی پڑی۔
ادھرم (اتی پرستتا سے) — واہ! واہ! کیا خوب!
بھوت — بس تیسرا پیالا پیٹ میں گیا کہ سب کے سب سو رہے۔

کسانوں نے تیسرا پیالا پی لیا۔ درشہ ہی اور ہو گیا۔ وہ پشو سان نکلے ہو کر تاپنے لگے۔ کوئی ادھر بھاگا کوئی ادھر۔ کوئی کہیں گر پڑا، کوئی کہیں۔ کسان دوڑ کر موری میں گر پڑا اور سوڑ کی بھانٹی دیں پڑا جلا چھاتا رہا۔

ادھر — بھائی بھوت، تم نے تو بڑا کام کیا، یہ منتر تو ایک ہی ہے۔ میری سمجھ میں تم نے مدھ بناتے سے اس میں لومڑی، باگھ اور سور کا رو دھرا دیا ہے جس سے وہ باری باری لومڑی باگھ اور سور بن گئے۔

بھوت — مہاراج یہ بات نہیں۔ یہ نیم ہے کہ منش کو غیہ کیول شودھا نوارن کرنے کو اُن ملتا رہتا ہے، تو وہ کوئی اُپدرو نہیں کرتا۔ جیوں ہی اسے ادھک ملا کہ اس نے دھوم مچائی۔ بس یہی منتر میں نے اس کسان پر چلایا ہے۔ جب تک وہ نروہن تھا۔ سنتوش سے جیون وقیع کرتا تھا۔ میں نے اسے اتنا اُن دیا کہ اس کی بدھی بھرشت ہو گئی۔ مدھ بنانا سیکھ کر اس نے پر میثور کے دیے ہوئے گن کارک پدارتھوں کو دشنے بھوگ کے نعت مادک بنا ڈالا۔ لومڑی، باگھ اور سوڑ کا اُنش اس میں پہلے سے المستصف تھا۔ ادھر پاتے ہی سب کچھ پرکٹ ہو گیا۔ اب وہ مدھ بھکت ہو کر سدھ پشو بنا رہے گا۔

ادھر م نے اتی پرسن ہو کر بھوت کو پردھان کی پدوی دے دی۔

ایک آدمی کو کتنی بھومی چاہیے

ایک دن اُرملا اپنی چھوٹی بہن نرملا سے گاؤں میں ملنے آئی۔ اُرملا ایک دھنی سوداگر سے بیابھی تھی اور نرملا گاؤں میں ایک غریب کسان کے ساتھ۔ بھوٹن کرتے سے ان میں یوں بات چیت ہونے لگی۔

اُرملا — نرملا، مجھے گاؤں میں رہنا پڑے تو گاؤں میں ذرا بھی جی نہ لگے۔ دیکھو ہم نگر میں رہ کر کیسے سندر وستر پہنتی ہیں۔ نانا پرکار کے دینن کھاتی ہیں۔ ناک تماشے دیکھتی ہیں۔ باغ بیچوں میں سیر کرتی ہیں اور سد یو رنگ رلیاں مناتی ہیں۔

نرملا (ابھیمان سے) — مجھ سے کہتی ہو؟ میں تو کبھی بھی تمہارے ساتھ اولادلی نہ کروں۔ مانا کہ ہم موٹا جھوٹا کھاتے ہیں، لیکن ہمیں رات دن چٹا تو نہیں گھرے رہتی۔ تمہیں تو سد یو لگی رہتی ہے۔ ہانی لایو دو جزواں بھائی ہیں، جو آج راجا ہے وہی کل کنکال ہے۔ یہاں تو سد یو ایک رس رہتے ہیں۔ کسان دھنواں نہیں بن سکتے، لیکن ان و وستر کی تو ان کو کمی ہو ہی نہیں سکتی۔

اُرملا — اُن کی ایک ہی کمی۔ تم تو پشو ہو۔ ریتی نیتی، آچار ویوہار، کیا جانو؟ کتنا ہی مار دکھو تم اور تمہاری ستان ایک دن اسی کھا دے ڈھیر پر پران تیاگ کر دے گی اور بس۔

نرملا — اس سے کیا! مرنا تو ایک دن سبھی کو ہے۔ کھیتی کا کام کٹھن ہے، پر ہمیں کسی کا بھے نہیں، نہ کسی کو مستک جھکانا پڑتا ہے۔ نگر میں رہتے ہوئے منٹل کا چٹ چنچل رہتا ہے۔ کیا جانے، کل تمہارا پتی مدھ سیوی بن کر جواری اور ویشیا گامی ہو جائے۔ ایسی باتیں آئے دن سننے میں آیا کرتی ہیں۔

متمرا چار پائی پر پڑا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ من میں سوچنے لگا، میری استری کہتی تو جج ہے ہم بال پن سے ہی کھیتوں کے کام میں لگے رہتے ہیں کہ ہمیں کلرم کرنے کا دھیان

تک نہیں آتا۔ پردہ بھی ہے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہمارے پاس کھیت نہیں ہیں۔ یدی میرے پاس دھرتی کافی ہو جائے تو پھر چاندی ہے۔

سنیوگ سے ادھرم بھی وہاں بیٹھا یہ باتیں سن رہا تھا۔ مقررہ میں دھرتی کی لالسا اتہن ہوتے دیکھ کر پرسن ہو کہنے لگا کہ اسی ترشنا کے وش ایک دن اس کا سردناش کردوں گا۔

۲

اس گاؤں کے سمپ ایک زمیندارن رہتی تھی، جس کے پاس دو سو بیگھے بھوی تھی۔ اس نے ایک بوڑھا سپاہی کارندہ رکھ چھوڑا تھا۔ وہ کارندہ اسامیوں کو بڑا دکھ دیتا تھا۔ مقررہ اپنے پشوؤں کو سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا، پر کبھی کبھی وہ اس کے کھیت کھلیان میں چلے ہی جاتے تھے۔ کئی بار اس کی اور کارندے کی لڑائی ہوئی۔ مقررہ اتہیت دکھی ہو گیا تھا۔

کچھ دن اپرانت یہ چچا پھیلی کہ بڑھیا اپنی ریاست بچتی ہے اور گاؤں کا بنیا اسے مول لینے کو تیار ہے۔ گاؤں والے ڈرے کہ یدی بنیا مالک بن گیا، تو اس کے سپاہی کارندے سے بھی ادھک دکھ دیں گے۔ اچت یہ ہے کہ سب مل کر ریاست خرید لیں۔ پرنٹو ادھرم نے ان میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ وہ لوگ کوئی نچے نہ کر سکے۔ تب انھوں نے فیصلہ کیا کہ لوگ اپنے اپنے نام سے بھوی خریدیں۔ بڑھیا اس پر بھی راضی ہو گئی۔ ایک کسان نے پچاس بیگھا دھرتی بڑھیا سے اس شرط پر مول لی کہ آدھا دام ترنت ددں گا اور آدھا ایک ورش بیچے۔

یہ سن کر مقررہ کے من میں بھی ارشیا اتہن ہوئی۔ اس نے دچارا کہ کچھ بھی ہو، چالیس بیگھا دھرتی ادھیہ مول لینی چاہیے۔ سو روپے گھر میں جمع تھے۔ باقی کچھ اناج اور تیل بچ کر چالیس بیگھا دھرتی خرید ہی لی۔ آدھا دام پہلے دے دیا، آدھا دو ورش بیچے چکا دینے کا دچن دیا۔

مقررہ بڑا بڑا وشارتھی تھا۔ خوب محنت سے کھیت جوتے، بوئے، فصل اچھی مگی۔ دو ورش کے بھیتر بھیتر بن چک گیا۔ اب وہ اپنے کھیتوں، پشوؤں، بھوسے، کھلیان، چراند کو دیکھ کر پھولا نہ ساتا۔ یہ کھیت وہاں پہلے بھی تھے اور مقررہ انھیں نیہ دیکھا بھی کرتا تھا۔ پرنٹو مو ہو جانے کے کارن ان کو دیکھنے میں اب کچھ اور ہی آنند ملتا تھا۔

اب مٹھرا کے پاس اپنی زمین تھی اور اس کے دن سکھ سے کٹ سکتے تھے۔ پرتو پڑوسی بڑا دھ دینے لگے۔ کبھی کوئی ٹھیت میں بیل چھوڑ دیتا، کبھی گاؤں کے بالک چراند میں ڈنگر چرانے لیتے۔ پہلے پہلے تو وہ سب سہن کرتا رہا، پر کہاں تک کرے؟ اس نے وچارا کہ یدی اس بیکار چپ لگائے رہوں گا تو یہ چین نہ لینے دیں گے۔ آخر اس نے ماتش کر کے کئی منشیوں پر ڈنڈ لکوا دیا۔ لوگ اس سے جل کر اور بھی دکھ دینے لگے۔

ایک رات دیارام نے مٹھرا کی دھرتی میں سے سارے ورکش کاٹ ڈالے۔ اس نے پراتہ کال جاکر دیکھا تو سارے ورکھ کٹے پڑے ہیں، آگ ہو گیا۔ سوچنے لگا، یہ کس کی شرارت ہے؟ کوئی ایک آدھ ورکش کاٹ لیتا تو خیر، کچھ بات نہ تھی، پر اس چنڈال نے تو ایک بھی ورکش نہ چھوڑا۔ ہو نہ ہو، یہ کپڑو تو دیارام نے کیا ہے۔

بس کروڑھ سے بھرا ہوا وہ دیارام کے گھر پہنچا اور بولا -- تم نے ورکش کیوں کانے؟ دیارام لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا۔ کیسے ورکھ؟ کس نے کانے؟ جاؤ، نہیں تو ابھی سر پھوڑ دیتا ہوں۔ مٹھرا بھلا یہ باتیں کب سہہ سکتا تھا؟ ترنت کچہری میں پہنچا اور ماتش ٹھونک دی۔ فیصلہ ہونے پر دیارام کوراخ گیا۔ ورکھ کانے کا کوئی ساکشی نہ تھا۔ مٹھرا جل بھن کر حائموں کو گالیاں دینے لگا کہ تم چوروں کو چھوڑ دیتے ہو۔ تم سوئم چور ہوا تیا دی۔

تاہم یہ یہ ہے کہ اب کوئی دن ایسا نہ تھا کہ پڑوسیوں سے اس کا لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ پہلے جب گھر کی ایک ہوا دھرتی پاس نہ تھی، تو وہ بڑا سکھی تھا۔ اب بویہ کلیش رہتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔

ان ہی دنوں گاؤں میں یہ چڑچاہوئی کہ لوگ گھر بار چھوڑ کسی نئے دیش میں جانے کا وچار کر رہے ہیں۔ مٹھرا بڑا پرسن ہوا کہ اجاڑ ہو جانے پر بہت سی دھرتی مل جائے گی، آئندہ دُک دن کاٹوں گا۔

ایک دن مٹھرا کے گھر میں ایک اتھھی آیا۔ مٹھرا نے اس کا بڑا آدر ستکار کیا۔ راتری کو بھوجن کرتے سے اتھھی بولا کہ سرکار نے پنجاب میں ایک نئی ہستی بسائی ہے۔ منش پیچھے پیچھے بیگھا زمین ملتی ہے۔ زمین بڑی سندر ہے۔ ابھی ایک منش خالی ہاتھ وہاں آیا تھا،

سودا پکا ہو رہا تھا کہ اکسمات ایک آتیجھی آ پہنچا۔

آتیجھی (مٹھرا سے) — تم بڑے ہی نرکھ ہو کہ پندرہ سو روپے میں تیرہ سو بیگھا دھرتی مول لیتے ہو۔ گجرات دیش میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں دھرتی بڑی سستی ہے۔ میں نے وہاں ایک ہزار روپے میں تیرہ ہزار بیگھا دھرتی مول لی ہے۔ وہاں کا راجا بڑا سیدھا سادا ہے، بس وہاں جا کر اسے پرین کر لو جتنی دھرتی چاہو گے، مل جائے گی۔

مٹھرا نے اس کا کہنا مان لیا اور اس بستی میں دھرتی لینے کا وچار چھوڑ دیا۔

۵

دوسرے دن مٹھرا ٹمب کو بستی میں چھوڑ کر ایک نوکر ساتھ لے ایک ہزار روپے پہلے باندھ، گجرات کو چل دیا۔ پانچ سو میل چلنے پر وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ سب لوگ ڈیروں میں رہتے ہیں، نہ کوئی دھرتی ہوتا ہے، نہ اُن کھاتا ہے۔ گائے، بھینس، گھوڑے اتیادی ترائی میں جڑتے پھرتے ہیں۔ استریاں دودھ دودھ کر مکھن آدی بنا لیتی ہیں، یہی ان کی جیو کا ہے۔ سب لوگ بنتے کھیتے، گاتے بجاتے، آند سہ کال دیتیہ کر رہے ہیں، کوئی جھگڑا ہے، نہ لڑائی۔ سب کے سب اُن پڑھ اور مڑکھ ہیں۔ پرنٹو کٹ کا نام نہیں۔

مٹھرا کو دیکھ کر وہ لوگ بڑے آندت ہوئے اور بڑی آؤ بھگت سے اسے ایک ڈیرے میں لے گئے۔ مٹھرا نے انھیں کچھ پدارتھ بھیٹ کیے۔

لوگ (بھیٹ لے کر) — مہاشے یہاں کی یہ ریتی ہے کہ جو کوئی ہمیں بھیٹ دیتا ہے اس کے بدلے میں ہم اسے کچھ اوشیہ دیتے ہیں۔ اس کارن آپ بتلائیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔

مٹھرا — مجھے کیول دھرتی کی بھلاشا ہے۔ ہمارے دیش میں بستی بڑھ جانے کے کارن ماتا نے پھل دینا چھوڑ دیا ہے۔ تمھاری دھرتی اچھی معلوم ہوتی ہے۔

لوگ (ہنس کر) — ہا! یہ بات تو نہیں۔ دھرتی جتنی چاہو لے لو۔ پرنٹو ہم اپنے راجا سے پوچھ لیں۔

اتنے میں راجا بھی وہاں آگیا۔ یہ باتیں سن کر مٹھرا سے کہنے لگا۔ -- ہاں! جتنی بھونی چاہے لے لو۔

مٹھرا -- میں آپ کو دھنیہ داد دیتا ہوں۔ مجھے بہت نہیں چاہیے۔ ہاں، اتنی بات ہے کہ دھرتی ٹاپ کر پٹا لکھ دیجیے۔ مرنا جینا بنا ہوا ہے، لکھا پڑھی بنا سودا ٹھیک نہیں ہوتا۔ آج آپ دے دیں، کل سیات آپ کی سنتان مجھ سے دھرتی چمین لے تو کیا بنا لوں گا؟

راجا -- بہت ٹھیک، دھرتی ٹاپ کر پٹا لکھ دیں گے۔

مٹھرا -- دام کیا ہوں گے؟

راجا -- ہم ایک بات جانتے ہیں، دوسری نہیں۔ بس ایک دن کی ایک سہستر مدرا۔

مٹھرا -- دن کا کیا حساب ہے، میں نہیں سمجھا۔

راجا -- بھائی صاحب، 'بیکھا سیکھا ہم کچھ نہیں جانتے' ہم تو ایک دن کی ایک سہستر مدرا لیتے ہیں۔ سور یہ ادے سے سر یہ آست تک جتنا چکر کوئی منش کاٹ لے۔ اتنی ہی دھرتی اس کی ہو جاتی ہے۔

مٹھرا -- کیا کہا؟ ایک دن میں تو منش بڑا بھاری چکر کاٹ سکتا ہے۔

راجا -- ہاں، تو کیا ہوا۔ پرتو ایک بات یہ ہے کہ جہاں سے چلو گے سور یہ آست سے پہلے پہلے تمہیں وہیں آنا پڑے گا۔

مٹھرا -- بھلا چکر کا چھ کون لگائے گا؟

راجا -- تم ایک کدال لے جانا اور گڈھے دیتے جانا۔ پرتو یہ یاد رہے کہ جہاں سے چلو سور یہ آست سے پہلے وہیں آجاؤ۔

مٹھرا -- بہت اچھا۔

یہ باتیں سن کر مٹھرا اتھک پر سن ہوا۔

بدر اکہاں؟ مٹھرا رات بھر اسی سوچ و چار میں رہا کہ میں پینتیس میل کا چکر سچ میں

کاٹ سکتا ہوں۔ اوہو، پینتیس میل! پھر تو میں بڑا علاقہ دار بن جاؤں گا۔ سو بھاگیہ سے دن بھی بڑے ہیں، پینتیس میل دھرتی بہت ہوتی ہے! گھنیا دھرتی بیچ ڈالوں گا۔ اچھے اچھے کھیت آپ رکھ لوں گا۔

دن نکلنے کے پہلے منہرا کی ایک چمن کے لیے آنکھیں جھپک گئیں۔ کیا سوہن دیکھتا ہے کہ سمجرات دلش کا راجا سناٹھ کھڑا ہنس رہا ہے۔ پاس جا کر ہنسنے کا کارن پوچھا تو جان پڑا کہ راجا نہیں، وہ تو سمجرات دلش کا سوچنا دینے والا اتھھی ہے۔ تم کہاں! پر معلوم ہوا، وہ تو نوین بستی کی بات بتلانے والا ٹلک ہے۔ سمپ جا کر دیکھنے لگا تو ٹلک کہاں! وہاں تو ساکشات ادھرم راج منہ بائے کھڑے ہیں اور ان کے پیروں کے نیچے دھوتی کپڑا پہنے ایک پُرڈش چٹ مرا پڑا ہے۔ جھک کر دیکھا تو منہرا! وہ بھیمت ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اوہو، سوہن میں بھی کیا کیا بھیکتا درشیہ دکھائی پڑتے ہیں۔

سور یہ اگستے ہی وہ راجا سب جنگل کو چل دیا۔

۸

جنگل میں پہنچ کر راجا نے کہا کہ جہاں تک درشی جاتی ہے، ہمارا ہی دلش ہے۔ کہیں سے چل کر کاٹنا آرمھ کر دو۔ دیکھو میں یہ چھڑی رکھ دیتا ہوں۔ بس سور یہ اُست سے پہلے یہیں آ جاتا۔

منہرا چھڑی پر ایک ہزار روپے رکھ کر، روٹی چلے باندھ، چھڑی ہاتھ میں لے، چل کر کانٹے لگا۔ تین میل چلنے پر ایک پہر دن چڑھ آیا۔ اسے گرمی ستانے لگی۔

منہرا نے من میں کہا، دن کے چار پہر ہوتے ہیں۔ ابھی تو تین پہر شیش ہیں۔ ابھی لونٹا اچھ نہیں۔ جو تے اتار ڈالوں، نیچے پھر چلنے میں سو بھتا ہوگا۔ تین میل اور جا کر بانیں اور پھر جاؤں گا۔ ابا! یہ کھڑا تو بہت ہی اچھا ہے، بھلا یہ کہیں چھوڑنے لگی ہے! یہاں تو جیوں جیوں آگے بڑھتا ہوں۔ اچھی سی اچھی دھرتی آتی جاتی ہے۔ (پھر کر) اوہو! راجا آدی تو کوئی دکھائی نہیں پڑتا، شاید دور نکل آیا۔ اب لونٹا چاہیے۔ گرمی بڑھ گئی ہے۔ پیاس سے گھلا سوکھا جاتا ہے۔ اس کے بانیں اور لونٹے لونٹے دوپھر ہو گئی، تب وہ ذرا دم لینے کو بیٹھ گیا۔ روٹی نکال کر کھائی، پانی پیا اور پھر چل کھڑا ہوا ہے۔ سور یہ کاچ سہانہ جاتا تھا۔

گری اتنی تھی کہ شریر جھلسا جاتا تھا۔ پرنتو ترشنا کا بھوت سر پر سوار تھا۔ کرے تو کیا کرے! کہنے لگا -- کیا چتا ہے! ابھی دکھ، پھر سکھ، چلو۔ چلتے چلتے دور نکل گیا، تب اسے دھیان آیا۔ یہ تو برا ہوا۔ میں نے بڑی چوک کی۔ اب یدی پورا گھیرا دے کر دھرتی کو ٹھیک چوکور بناؤں گا تو سور یہ آست سے پہلے چھڑی پر پہنچنا آسکھو ہے، اچھا نکھوتا ہی رہے دو۔ یہیں سے لوٹ چلوں۔ ایسا نہ ہو کہ سور یہ آست ہو جائے اور میں بچ میں ہی رہ جاؤں۔

۹

مٹھرائاک کی سیدھ میں چھڑی کی اور چلنے لگا۔ گری کے مارے اس کا کھ سوکھ گیا، شریر جل اٹھا، پاؤں گھائل ہو گئے۔ ٹانگیں تھک گئیں۔ ٹھہرے کیسے؟ سور یہ اس کا چاکر تو تھا نہیں کہ اس کے لیے کھڑا رہ جاتا۔

سوچنے لگا۔ ہائے ہائے! یہ میں نے کیا کیا؟ مجھے کیا لالچ نے مار گرایا۔ سور یہ ڈوبنے آیا، چھڑی کا کہیں پتہ نہیں، کروں تو کیا کروں! ہے بھگوان! اب صاف سر سے پھینک، لاشی چھوڑ کر وہ دوڑنے لگا۔

دوڑتے دوڑتے چھاتی لوہار کی دھوکنی بن گئی۔ اس کا ہر دے دھڑکنے لگا۔ وہ سر سے پیروں تک پسینے میں ڈوب گیا۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ اس نے سمجھا کہ اب پران گئے، چلا پڑا۔ ہائے، ساری کے لالچ میں آدمی بھی کھو بیٹھا! پرنتو اتنا کشت اٹھا کر یدی ٹھہر جاؤں گا، تو لوگ مجھے مہانرکھ سمجھیں گے۔ دوڑو! جیسے بن سکے، چھڑی پر پہنچو۔

اتنے میں اسے درات دیش واسیوں کا شبہ سنائی دینے لگا سور یہ ڈوبنے کو ہوا، لالی چھانگنی۔ چھڑی سامنے دکھائی دینے لگی۔ پاس راجا بیٹھا ہے۔ چھڑی پر ایک سہسر مندرا پڑی ہوئی ہے۔ اسے راتری والا سوپن اسرن ہوا۔ زراش ہو کر بولا۔ دھرتی تو مل گئی، پرنتو کیا میں چھڑی تک پہنچ سکتا ہوں؟

اتنے میں سور یہ آست ہو گیا۔ نیلے پر وہ کس پر کار پہنچے؟ وہ چلا اٹھا۔ ہائے ہائے! میرا سارا پریشم نفعمل ہوا، سور یہ آست ہو گیا۔

لوگ نیلے پر بیٹھے ہوئے پکارنے لگے۔ نہیں نہیں، سور یہ ابھی آست نہیں ہوا دوڑو۔ وہ جی تو زکر دوڑا اور انت میں نیلے پر چڑھ گیا۔ دیکھا کہ چھڑی پڑی ہے۔ راجا

پاس بیٹھا فس رہا ہے۔ پھر سوہن یاد آیا، اس کی ٹانگیں کانپ گئیں۔ وہ منہ کے بل پرتھوی پر
گر پڑا۔

مگرتے ہوئے اس کا ہاتھ چھری کو جا لگا۔ راجا بولا۔ بڑا اُدھی ہے، اس نے کتنی
دھرتی پر اوجھار جمایا!

نوکر جا کر اٹھانے لگا تو دیکھا کہ مٹھرا کے کٹھ سے رو دھر کی دھارا بہہ رہی ہے اور وہ
مرا پڑا ہے۔

پھر کیا تھا، سب نے وہیں جنگل میں لکڑیاں اکتر کر کے اس کا داہ کرم کیا اور سب کو
وِیت ہو گیا کہ اسے کیول ڈیزھ گز بھوی کی آدھینا تھی۔

انڈے کے برابر دانہ

ایک سے کھیتے کھیتے ندی میں سے بالکوں کو انڈے کے برابر اناج کا ایک دانہ ملا۔ پاس سے ایک راہی جا رہا تھا، اس نے ایک آنے میں مول لے کر اس دانے کو کسی راجا کے ہاتھ بچ ڈالا۔

راجا دیکھ کر بڑا چکھت ہوا۔ سارے منتریوں کو اکٹڑ کر کے پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ کوئی نہ بتا سکا۔ راجا نے اسے کھڑکی میں رکھ دیا۔ ایک دن مرنی نے آکر اس دانے میں چمید کر دیا۔ تب منتریوں نے جانا کہ وہ اناج کا دانہ ہے۔

راجا نے اپنے راجہ کے سمست دودانوں کو آگیتا دی کہ کھوج لگائے کہ ایسا دانہ کس دیش میں آگیتا ہے۔ دودانوں نے پستکیں چھان ماریں، کچھ پتہ نہ چلا۔ انھوں نے آکر راجا سے نویدن کیا کہ مہاراج ہماری پستکوں میں اس دانے کی کہیں دیا کھیا نہیں ملتی۔ کسی کسان کو بلا کر پوچھنا چاہیے۔

راجا نے سیوک بھیج کر ایک کسان کو بلایا۔ کسان بوڑھا، کبڑا۔ پیٹ بدن، منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا، دونوں ہاتھوں میں لافٹیاں لیے، گرتا پڑتا راجا کے سامنے آیا۔

راجا (ہاتھ میں دانا لے کر)۔ تم بتا سکتے ہو کہ ایسا دانہ کس دیش میں آتہن ہوتا ہے؟ تم نے ایسا دانا کبھی مول لیا ہے۔ اتھوا اپنے کھیت میں بویا ہے؟

کسان (دانہ نڈل کر)۔ پرتھوی ناتھ، میں نے ایسا دانہ کبھی نہیں دیکھا، نہ کبھی میں نے مول لیا، نہ کبھی بویا۔ میں نے تو یہی سادھارن دانے دیکھے ہیں۔ سیات میرے پتا کو کچھ معلوم ہو۔ ان سے پوچھ دیکھیے۔

راجا نے اس کے پتا کو بلا بھیجا۔ پتا کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی، وہ بیٹے سے اچھا تھا۔ آنکھ کان نے بھی جواب نہ دیا تھا۔

راجا (دانہ دکھا کر) - بابا 'یہ دانہ کس دیش کا ہے؟ تم نے ایسا دانہ کبھی خریدا تھا تو بویا ہے؟

چتا - مہاراج 'میں نے ایسا دانہ کبھی نہیں بویا۔ مول لینے کے وشے میں میری یہ ذہنی ہے کہ میرے سے میں روپے کی چال نہ تھی۔ اناج کے بدلے میں ہی سب دیوار چلتا تھا۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے سے میں آج کل سے دانہ بڑا پیدا ہوتا تھا۔ سیات میرے چتا کو کچھ معلوم ہو۔ انھیں بلوا بھیجے۔

راجا نے اس کے چتا کو بلایا۔ وہ ہٹا کٹا کھجکھ سے ٹھیک، ہاتھ میں لاشی نہ سوتا، راجا کے سامنے آیا۔ راجا نے اسے دانہ دکھایا اور پہلے کی بھانٹی دی پرشن کیا۔
بوڑھا (ہاتھ میں دانہ لے کر) - سوامی 'یہ دانہ میں نے بہت دنوں سے دیکھا ہے (کچھ کر) ہاں 'ٹھیک دی ہے۔

راجا - بھلا یہ تو بتلاؤ کہ ایسا دانہ کب اور کہاں ہوتا تھا؟ تم نے ایسا دانہ مول لے کر کبھی اپنے کھیت میں بویا تھا؟

بوڑھا - میرے سے میں سب جگہ ایسا ہی دانہ ہوتا تھا، میں ایسے ہی دانوں سے پلا ہوں۔ ہمارے کھیت میں سرودا ایسے ہی دانے اُگا کرتے تھے۔

راجا - پرتو تم انھیں کہیں سے مول لایا کرتے تھے کیا؟
بوڑھا (نہیں کر) - مہاراج 'اس سے مول لینے اتھوا بیچنے کا پاپ کرم کوئی نہیں کرتا تھا۔ ہم روپے کا نام تک بھی نہ جانتے تھے۔ سب کے پاس کافی اناج ہوتا تھا۔
راجا - تمہارے کھیت کہاں تھے؟

بوڑھا - پرانتا کی پرتھوی ہمارے کھیت تھے۔ جو جہاں چاہتا تھا، مل چلا سکتا تھا۔ دھرتی کسی ایک آدمی کی نہ تھی۔ سب لوگ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے پیٹ بھرتے تھے۔

راجا - اچھا، پہلے یہ بتلاؤ کہ اس سے دھرتی ایسا بڑا دانہ کیوں اُتین کرتی تھی، اب کیوں نہیں کرتی؟ دوسرے، تمہارا پوتا دو لاشیوں کے سہارا چلتا ہے، تمہارا بیٹا ایک لاشی کے سہارے اور تم بنا سہارے چلتے ہو۔ تمہاری آنکھیں اچھی ہیں، دانت ایک بھی نہیں ٹوٹا۔ یہ بات کیا ہے؟

بوڑھا - سوامی اس کا کارن یہ ہے کہ اس سے منش نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔

دوسروں کی کمائی سے اپنا اور پالن کرتے ہیں۔ پراچین سے میں لوگ پرماتما کی آسکتا پالن
کر کے ہاتھوں سے پراپت کی ہوئی دستو کو اپنی دستو سمجھتے تھے، دوسروں کی کمائی پر ہاتھ نہیں
بڑھاتے تھے۔

دھرم پتر

کسی مہاتما کے وردان سے ایک اتی نردھن کسان کے ایک پتر ہوا۔ مہاتما نے یہ بتلادیا تھا کہ جنم ہوتے ہی کسی پڑوش کو بالک کا دھرم پتا اور کسی استری کو اس کی دھرم ماما بنا دیتا، نہیں تو بالک کو جان کی جوکھم ہے۔

پتر جنم کے اگلے دن کسان نے ایک پڑوسی سے کہا کہ میرے بالک کے دھرم پتا بن جائیے۔ اس نے اتر دیا کہ میں ایسے کنگال کے پتر کا دھرم پتا نہیں بنتا۔ اس پر ہچکارا کسان سارے گاؤں میں پھرا۔ پر کسی نے اس کے پتر کا دھرم پتا بننا سوچا نہ کیا، جب وہ تراش ہو کر دوسرے گاؤں چل دیا۔ راہ میں ایک مہا پڑوش سے اس کی بھینٹ ہوئی۔

مہاتما — بچہ کہاں جاتے ہو؟

کسان — مہاراج، کہاں جاتے ہو؟ پر ماما نے اس بڑھاپے میں آنکھوں کا تارا، جیون کا سبارا، نام لیوا، پانی دیوا ایک پتر دیا ہے۔ اس کے دھرم پتا ماما بنائے بنا اس کا جیون کھن ہے۔ مہاتما کا وردان ہی ایسا ہے۔ میرے نردھن ہونے کے کارن کوئی اس کا دھرم پتا نہیں بنتا۔ اب کسی دوسرے گاؤں میں جاتا ہوں۔ شاید کوئی دیا کر کے بالک کا دھرم پتا بن جائے۔

مہاتما — اوہو! یہ بات ہے۔ میں بن جاتا ہوں۔

کسان (پرسن ہو کر) — آپ نے مجھ پر بڑی دیا کی، مگر اب اس کی دھرم ماما کون بنے؟ مہاتما — یہاں سے تھوڑی دور پر ایک گھر ہے۔ چوراہے پر ایک دھنی دڑک کا گھر ہے، وہاں چلے جاؤ۔ دوار پر تمہاری اس سے بھینٹ ہو جائے گی۔ یہ سب ورتانت سنا کر کہنا کہ آپ اپنی پٹری سے کہہ دیجیے کہ میرے پتر کی دھرم ماما بن جائے۔

کسان — ایسے دھنی پڑوش سے یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟ وہ مجھ سے شاید بات

نہ کرے۔

مہاتما — نہیں، ایسی بات نہیں۔ تم ترنت چلے جاؤ۔
 کسان اس سوداگر کے پاس پہنچا۔ اس نے بڑے ہرش سے اپنی پتہری کو اس کے
 پتہری کی دھرم ماما بنانا منظور کر لیا۔

۲

یہ بالک بڑا پر اکرمی اور بدھیمان تھا۔ دس درش کی اوستا میں اس کی ہدھی ایسی اچھی
 تھی کہ جو دیا انیہ بالک پانچ درش میں سیکھ سکتے تھے، وہ ایک درش میں سیکھ لیتا تھا۔
 ایک بار دیپ مالا کے اوسر پر بالک ماما پتا کی آکیتا لے کر گھر میں اپنے دھرم پتا کو
 پرنام کرنے گیا۔ سندھیا سے گھر لوٹ آنے پر وہ پتا سے کہنے لگا۔

پتاجی اپنی دھرم ماما کو تو پرنام کر آیا پر دھرم پتا کا درش کرنا بھی آدھیک ہے۔ کرپا
 کر کے مجھے بتائیے۔ ان کا استھان کہاں ہے؟

پتا — بیٹا ہمیں سوئیم اس کا بڑا دکھ ہے کہ ہم ان کا نواس استھان نہیں جانتے۔
 تمہارے تائمرن کے بعد ہم نے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔ کیا جانے مر گئے کہ جیتے ہیں!
 بالک — میں ان کے درش کروں گا۔ آج کرپا کر مجھے آگیا دیجیے۔ اڈیوگ کرنے
 سے کہیں نہ کہیں بھینٹ ہو ہی جائے گی۔

ماما پتانے بالک کو آکیتا دے دی اور اس نے گھر سے باہر نکل کر جنگل کی راہ لی۔
 اکسات راہ میں ایک مہاتما دکھائی پڑے۔

مہاتما — بیٹا، کہاں جاتے ہو؟

بالک — اپنے دھرم پتا کی کھوج میں۔ میں نے آج تک کبھی ان کے درش نہیں
 کیے۔ مجھے ان کے درش کی بڑی ابھلاشا ہے، پر میرے ماما پتا کی آکیتا لے کر میں اپنے
 دھرم پتا کو ڈھونڈنے جاتا ہوں۔

مہاتما — واہ! واہ! لو، تمہارا کام بن گیا۔ میں ہی تمہارا دھرم پتا ہوں۔

بالک نے پرسن ہو کر ان کے چرن چھوئے اور پوچھا، تو اب آپ کدھر جا رہے ہیں؟
 بڑی میرے گھر چلنے کا دچار ہے تو ابو بھائیہ نہیں تو میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

مہاتما — مجھے اس سے تمہارے گھر چلنے کا ادکاش نہیں، اور بہت کام کرنے ہیں۔

میں کل بچہ استخان کو لوٹوں گا۔ تم کل وہاں آجانا۔

بالک — میں آپ کا گھر نہیں جانتا، آؤں گا کہاں؟

مہاتما — کل پراتہ کال اپنے گھر سے باہر نکل کر سیدھے پورب دشا کی راہ لینا۔
کچھ دور چل کر تھیں جنگل ملے گا۔ وہاں ایک گھاٹی ہے۔ اس گھاٹی میں بیٹھ کر تنگ دھرام
کر کے دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے۔ جو کچھ دیکھو، اسے بھولنا نہیں۔ پھر وہاں سے آگے چل دینا۔
جنگل نکل جانے پر ایک باغ آئے گا۔ اس میں سنہری چھت والا استخان میرا گھر ہے میں
دوار پر ہی تھیں مل جاؤں گا۔

بالک — جو آگیا۔

یہ کہہ کر دھرم پتا انتر دھان ہو گئے اور بالک اپنے گھر لوٹ آیا۔

۴

دوسرے دن پراتہ کال بالک نے جنگل کی راہ لی۔ پورب دشا کی اور چلتے چلتے وہ
گھاٹی میں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ بچہ میں چیز کا ایک ورکش ہے، اسی شاکھا میں رتن سے بندھا
ہوا ایک بڑا شہتر لٹک رہا ہے اور ٹھیک اس کے نیچے شہد سے بھرا ہوا ایک کنڈ ہے۔ بالک بیٹھ
کر دیکھنے لگا۔ اتنے میں بچوں کے سگ اسے ایک ریچھنی آتی دکھائی دی۔ وہ سب دوڑ کر
مدھو کنڈ کے پاس پہنچے۔ ریچھنی لٹکتے ہوئے شہتر کو سر سے ڈھکیل کر مدھو کھانے لگی اور بچوں
نے بھی دیکھا ہی کیا۔ اتنے میں شہتر الٹ کر بچوں کو جا لگی۔ ریچھنی نے اسے پھر دھکا دیا۔
وہ الٹ کر ایک بچے کی پیٹھ پر لگی۔ بچے بھاگ گئے۔ ریچھنی نے شہتر کو پھر بڑی زور سے
دھکا دیا۔ اس سے بچے آکر مدھو کھانے لگے تھے۔ نئی الٹ کر ایک بچے کو ایسی لگی کہ وہ سر
میا۔ ریچھنی کو کرودھ آگیا۔ اس نے نئی کو ایسا جھٹکا دیا کہ رتا ٹوٹ گیا۔ نئی ریچھنی کے
سر پر گری اور وہ مر گئی۔

۵

بالک اس درشہ کا اتھ کچھ نہ سمجھا اور وہاں سے چل دیا۔ باغ میں پہنچ کر پھانک پر دھرم پتا
سے اس کی بھینٹ ہو گئی۔ وہ بالک کو بھیت لے گیا۔ بالک نے ایسا سندر اور ریتک استخان

کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دھرم پتا نے اسے سارا محل دکھایا اور تب ایک دوار پر کھڑا ہو کر کہنے لگا

بیٹا، دیکھو اس دوار میں تالا نہیں، کیول مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ دوار کھل سکتا ہے، پر تو تم کبھی اسے کھولنے کا ارادہ نہ کرنا۔ جب تک چاہو اس مہر میں رہو، پر اس دوار کو کبھی نہ کھولنا۔ یدی بھول کر کبھی کھول بیٹھو تو ریچھنی والا درشیر یاد رکھنا، بھول نہ جانا۔

اگلے دن دھرم پتا تو کہیں باہر چلا گیا، دھرم پتر وہاں آئندہ پڑوک نو اس کرنے لگا۔ رہتے رہتے تین ورش بیت گئے۔ ایک دن نمبر والے دوار پر کھڑا ہو کر وہ وچار کرنے لگا کہ دھرم پتا نے اس دوار کو کھولنے کا نیدھ کیوں کیا ہے۔ دیکھوں تو اس کے بھیرے کیا؟

دھکا دینے پر نمبر ٹوٹ گئی، دُورا کھل گیا۔ دیکھا کہ اندر بڑا دالان ہے۔ سچ میں ایک سنگھاسن پڑا ہوا ہے اور اس پر ایک گدار لگی ہوئی ہے۔ دھرم پتر نے جھٹ سے سنگھاسن پر چڑھ کر گدار اٹھالی۔ گدار اٹھاتے ہی دالان تو لوپ ہو گیا، اسے سارا سنسار درشنی گوجر ہونے لگا۔ کہیں سندھ، کہیں دھرتی، کہیں جمل، کہیں بستی، کہیں اجاڑ، کہیں مَن آتما، کہیں پاپ آتما، سب کے سب آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ اب دھرم پتر نے وچارا کہ چلو اپنے کھیت تو دیکھیں کہ اتاج کیسا پیدا ہوا ہے۔ دیکھتا کیا ہے کہ کھیتی پکی کھڑی ہے اور دولو چور رات کو چوری سے فصل کاٹ کر اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے۔ دھرم پتر نے سوچا کہ یہ تو ساری کھیتی ہی چرا لے جائے گا۔ مجھے پتا کو جگا دینا اچٹ ہے۔ اس نے اپنے پتا کو جگا دیا۔ پتا نے پڑوسیوں کو جگا کر کھیت میں پہنچ کر دولو کو پکڑ لیا اور اسے کارا گار میں بھجوا دیا۔

تب دھرم پتر نے وچارا کہ چلو، اپنی دھرم ماتا کو دیکھیں کہ وہ کیا کرتی ہیں۔ دھرم ماتا کا دیواہ ایک سوداگر سے ہو چکا تھا، اس سے وہ سوئی پڑی تھی۔ اس کا پتی اسے سوتا دیکھ کر کسی پراستری کے پاس چل دیا تھا۔ دھرم پتر نے یہ دشا دیکھ کر دھرم ماتا کو جگا دیا اور کہا کہ تمہارا پتی اس وقت کسی اموک استری کے پاس گیا ہے۔ دھرم ماتا اس استری کے گھر جا کر اپنے پتی کو نکال لائی اور اپنی سوت کو بہت مارا۔

۶

اس کے بعد دھرم پتر نے دیکھا کہ اس کی ماتا مجموعیڑے میں سوئی ہوئی ہے، ایک چور بھیر گھس کر اس کا صندوق توڑنے لگا ہے۔ ماتا جاگ اٹھی، چور مارنے دوڑا۔ دھرم پتر

نے کرودھ سے چور کو گدا ماری۔ چور ترنت مر گیا اور گدا ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

گدا چھوٹے ہی سنسار کا درشیدہ جاتا رہا، پھر وہی دالان تھا اور باہر سے دھرم پتا آکر کھڑا تھا۔ اس نے دھرم پتر کو سنگھاسن سے نیچے اتار کر کہا۔

آخر تم نے میری آسمیا بھنگ کی۔ دیکھو، پہلا پاپ تم نے یہ کیا کہ مہر توڑی، دوسرا پاپ یہ کہ سنگھاسن پر بیٹھ کر میری گدا ہاتھ میں لی، تیسرا پاپ یہ کہ گدا ہاتھ میں لے کر تم نے جگت میں اتنا پاپ پھیلا دیا کہیدی تم آدھا گھنٹہ اور بیٹھے رہتے تو آدھا سنسار نفع ہو جاتا۔ دیکھو، میں سوئم سنگھاسن پر بیٹھ کر تمہیں دکھاتا ہوں کہ تم نے کیا کر ڈالا۔ یہ کہہ اس نے سنگھاسن پر بیٹھ کر گدا ہاتھ میں لے لی۔ پھر سنسار آنکھوں کے سامنے آگیا۔

دھرم پتا۔ دیکھ، تو نے اپنے پتا کی کیا ڈرزشا کر دی ہے۔ دولو چور کا راگار میں رہ کر سب پرکار کے دھرم سکھ آیا ہے۔ اب اس کا سدھار اٹھو ہے۔ وہ تیرے پتا کے دو تیل چرا چکا ہے۔ اس سے وہ کھلیان میں آگ جلانے کو تیار ہے۔ یہ سب تیری ہی کر توت ہے۔ دھرم پتر اپنے پتا کا کھلیان جلا دیکھ شوکاثر ہوا۔

دھرم پتا۔ دیکھ، اب ادھر دیکھ، یہ تیری دھرم ماما کا پتی ہے۔ اس نے پر استری گامی ہو کر اپنی دیواہتا استری کو تیاگ دیا۔ اس کی پہلی پر یہ دیشا بن گئی ہے۔ تیری دھرم ماما دکھ سے بیڑت ہو کر مدھ سیونی ہو گئی ہے۔ دیکھ، اچھا اب یہ اپنی ماما کو دیکھ کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ ماما کہہ رہی تھی کیا اچھا ہوتایدی چور اس رات مجھے مار ڈالتا، میں ان پاپوں سے بچا جاتی۔

تب دھرم پتا نے دھرم پتر کو کاراگار کا درشیدہ دکھایا کہ دو سپاہی ایک ڈاکو کو پکڑے کھڑے ہیں۔

دھرم پتا۔ دیکھ، اس ڈاکو نے دس منٹس کا دودھ کیا ہے۔ اُچت یہ تھا کہ وہ اپنے پاپ کرموں پر آپ پشچا پاپ کرتا، پرنو تو نے اسے مار کر اس کے سارے پاپ اپنے اوپر لے لیے۔ پاپ کرم کا پھل بھوگنا ہی پڑے گا۔یدی تو ریچھنی والا درشیدہ اسرن رکھتا تو تیری یہ دشانہ ہوتی۔ دیکھ ریچھنی نے پہلی بار شبتیر ڈھکیلا تو بیچے ڈر گئے، پھر ڈھکیلا تو ایک بچہ مر گیا، تیسری بار ڈھکیلا تو آپ پران کھو بیٹھی۔ وہی تو نے کیا۔ اب اُپائے یہی ہے کہ تیں درش

تپ کر کے تو ڈاکو کے پاؤں کا پراہٹچ کر نہیں تو اس کے بدلے تجھے نرک بھونگنا پڑے گا۔

دھرم پتر - ڈاکو کے پاؤں کا پراہٹچ میں کس بھانتی کر سکتا ہوں؟

دھرم پتر - بتنا پاپ تو نے جگت میں پھیلایا ہے، اس کو دور کر دینا ہی ڈاکو اور اپنے پاؤں کا پراہٹچ کر دینا ہے۔

دھرم پتر - میں سنسار سے پاپ کیسے دور کر سکتا ہوں؟

دھرم پتر - پورب دشا کو جانے پر تجھے کھیت میں کچھ منٹ ملیں گے۔ بچ بدمی انوسار انھیں شگھما دینا اور راستے میں جو کچھ دیکھو، اسے اسرن رکنا۔ چوتھے دن تجھے ایک جنگل ملے گا۔ وہاں ایک کنڈیا ہے۔ اس میں ایک سادھو نو اس کرتا ہے۔ اسے سارا ورتانت سنا دینا۔ وہ تجھے پراہٹچ کرنے کی کریا بتلا دے گا۔ اس کی آکھیا نو سار غپ کرنے سے تیرے پاپ دور ہو جائیں گے۔

دھرم پتر یہ باتیں سن کر وہاں سے چل دیا۔

۷

راہ میں دھرم پتر یہ دچار کرتا جا رہا تھا کہ بتا اپنے اوپر پاپ لیے، سنسار سے پاپ کس پر کارنٹ ہو سکتا ہے۔ پاپیوں کو کاراگار بھیجنے یا ذدہ کرنے سے ہی جگت سے پاپ دور ہو سکتا ہے اور کوئی اُپائے نہیں۔

دیکھتا کیا ہے کہ کھیت میں ایک چھڑا گھسا ہے۔ لوگ اسے باہر نکال رہے ہیں۔ وہ ٹکٹا نہیں، ایک بڑھیا باہر کھڑی پکار رہی ہے کہ میرے چھڑے کو کیوں مارتے ہوں؟ دھرم پتر نے کسانوں سے کہا کہ تم کیوں دیرتھ جتا چلاتے ہو؟ باہر آ جاؤ۔ بڑھیا آپ اپنے چھڑے کو بلا لے گی۔

کسان باہر نکل آئے۔ بڑھیا نے چھڑے کو پکارا۔ وہ جھٹ دوڑ کر باہر آ گیا اور بڑھیا کے ہاتھ چاٹنے لگا۔

دھرم پتر اتنا تو سمجھ گیا کہ پاپ پاپ سے بڑھتا ہے۔ منٹ پاپ کرم دوارا پاپ نشت کرنے کا جتنا حق کرتے ہیں، اتنا ہی پاپ پھیلتا ہے، پر تو اسے نشت کیوں کر دوں؟ دیکھو،

بڑھیا کے پکارنے پر چھڑا باہر نہ نکلا تو کیا ہوتا۔

۸

اگلے دن دھرم پٹر ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک کسان کے گھر میں جا کر چار پائی پر بیٹھ گیا۔ ایک استری میلے دستر سے پتھر کی چوکی صاف کر رہی تھی۔ وہ جتنا صاف کرتی تھی، چوکی اتنی ہی میلی ہو جاتی تھی۔

دھرم پٹر — مائی یہ کیا کرتی ہو؟

استری — چوکی صاف کرتی ہوں، میں تو تھک گئی۔ یہ کسی طرح صاف ہی نہیں ہوتی۔

دھرم پٹر — شدہ کیسے ہو، دستر تو میلا ہے، پہلے دستر دھو کر سوچھ کر لو پھر چوکی ترنت صاف ہو جائے گی۔

استری نے ویسا ہی کیا۔ چوکی صاف ہو گئی۔ اگلے دن دھرم پٹر ایک جنگل میں پہنچا دیکھا کہ کچھ منش ایک لوہے کی چھڑ کو موڑ رہے ہیں، پر وہ نہیں مڑتی۔ لوگ اپنا چکر کھائے چلے جاتے ہیں۔

بات یہ تھی کہ جس کھبے کے ساتھ انھوں نے چھڑ کا سرا بانڈھ رکھا تھا۔ وہ سوئم گھومتا تھا۔ چھڑ مڑے کیسے؟ چھڑ کے ساتھ ساتھ کھبا چکر کھاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ منش بھی چکر کھاتے جاتے تھے۔

دھرم پٹر — تم یہ کیا کرتے ہو؟

لوگ — تم دیکھتے نہیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم چھڑ موڑ رہے ہیں۔ ہم پر شرم کرتے کرتے ہار گئے۔ پرتو یہ چھڑ مڑتی ہی نہیں۔

دھرم پٹر — تم یہ کیا کرتے ہو؟

دھرم پٹر — موڑیں کیسے کھبا تو گھوم جاتا ہے؟ یدہ پہلے کھبے کو استر کرلوں تو چھڑ ترنت موڑ جائے گی۔

کسانوں نے ویسا ہی کیا اور چھڑ مڑ گئی۔ اگلے دن دھرم پٹر کو کچھ جوا ہے ملے۔ دیکھا کہ وہ شیت نوارن کے لیے آگ جلا رہے تھے۔ انھوں نے سوکھی لکڑیاں اکثر ت کر کے

آگ جلائی۔ ابھی آگ جلی ہی تھی کہ انہوں نے اوپر سے کیلی گھاس ڈال دی۔ آگ بجھ گئی۔
 چوہاہوں نے کئی بار ایسا ہی کیا۔ پرنو آگ نہ جلی۔
 دھرم پُتر — بھائی کچھ دھیریہ دھارن کرو۔ پہلے آگ کو بھلی بھاتی دھک لینے دو۔
 پرچند ہو جانے پر جو ڈاؤ گے، بھسم ہو جائے گا۔
 چوہاہوں نے دیا ہی کیا۔ آگ جلنے لگی، پرنو دھرم پُتر نے ان درشیوں کا تاتہریہ
 کچھ نہ سمجھا۔

۹

چوتھے دن دھرم پُتر سادھو کی کُلیا پر پہنچ گیا۔
 سادھو — کون؟

دھرم پُتر — پاپی اور مہان پاپی، میں اپنے اور دوسروں کے پاپوں کا پرانچھٹ کرنے
 آپ کے پاس آیا ہوں۔

سادھو (باہر آکر) — کون سے پاپ؟

دھرم پُتر نے آدی سے لے کر انت تک سارا درتانت سادھو کو کہہ سنایا اور بولا۔
 پرہمو میں یہ تو سمجھ گیا کہ پاپ سے پاپ دور نہیں ہوتا۔ کثو بڑھتا ہی ہے، پرنو آپ کرپاکر
 یہ اپدیش کیجیے کہ پاپ نشٹ کس پرکار ہو سکتا ہے؟
 سادھو — اچھا میرے ساتھ آؤ۔

سادھو نے جنگل میں جا کر دھرم پُتر کو ایک ٹھٹھار دے کر کہا کہ اس ورکش کو کاٹ کر
 اس کے تنے کے تین ٹکڑے کر کے انھیں آگ سے مجلس دو۔ دھرم پُتر نے دیا ہی کیا، تب
 سادھو بولا، اچھا اب انھیں یہاں دھرتی میں گاڑ دو۔ سامنے پہاڑی کے نیچے ایک ندی بہتی
 ہے، وہاں سے منہ میں بھر بھر کر پانی لاؤ اور ان تینوں ٹکڑوں کو سینچتے رہو۔ پہلا ٹنڈ استری،
 دوسرا کسانوں اور تیسرا چرواہوں والا ہے۔ جب تینوں ٹنڈ ہرے ہو جائیں تو جان لینا کہ تیری
 چسپا پورن ہو گئی۔

یہ کہہ کر سادھو اپنی کُلیا میں چلا گیا۔

جب دھرم پُتر نڈوں کو پانی دے کر سندھیا کے سسے کنیا میں پہنچا تو دیکھا کہ سادھو مرا ہوا پڑا ہے، اس نے سادھو کا داہ کرم کیا۔

لوگوں میں یہ بات پرسدھ ہو گئی کہ سادھو کا دیہانت ہو گیا ہے اور اس نے دھرم پُتر کو اپنا شیشہ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ سادھو کی اس پرانت میں بڑی پر تشھا تھی، اس کارن دھرم پُتر کو ان پانی کا گھانا نہ رہا۔

ایک ورش کے پشچات دور دور یہ چرچا پھیل گئی کہ دھرم پُتر نیہ من میں پانی بھر بھر کر لاتا ہے، اور اس سے نڈوں کو سنیچ کر کنھن تپیا کرتا ہے۔ پھر کیا تھا چڑھاوا چڑھنے لگا۔ سنساری پُرش سوارتھ کے دُش دور دور سے اس کے پاس آنے لگے اور دھرم پُتر پوجنے لگا۔ پرنو اس کا یہ نیم تھا کہ جو کچھ آتا، اتاتھوں کو بانٹ دیتا، اپنے لیے کیول اُرد پُرن یگیہ کن ہی رکھتا اور کچھ نہیں۔

یہ ہی اسے نڈ سینچے سینچے کنی ورش ہو گئے، پرنو ہرا ایک بھی نہیں ہوا۔ ایک دن کنیا کے باہر اسے گھوڑے پر سوار کوئی منش جاتا دکھائی دیا۔ دھرم پُتر نے باہر جا کر پوچھا۔ تم کون ہو؟ پُرش — میں ڈاکو ہوں۔ منشیوں کو مار کر، ان کا دھن چرا کر موج کرتا ہوں۔

دھرم پُتر — (بسے سے سوگت) اس کا سدھار اکسمو ہے اور لوگ تو میرے پاس آکر اپنے پاپوں پر پشچاتپ کرتے ہیں، کتھو یہ تو اپنے پاپوں کی پرھنسا کرتا ہے۔ ہائے، ہائے، یی یہ ڈاکو یہاں آیا جایا کرے گا تو لوگ دُر کے مارے میرے پاس آنا چھوڑ دیں گے پھر مجھے ان پانی بھی نہ ملے گا۔ (پرکٹ) تیری دارتا سن کر مجھے بڑا آشچر یہ ہوتا ہے۔ لوگ تو میرے پاس آکر اپنے پاپ کرموں کا اسرن کر کے پشچاتپ کرتے ہیں، کتھو تو ان پر گھمنڈ کرتا ہے۔ سو بھادہ تجھے پریشور کا بسے نہیں ہے۔ دیکھ یہاں تیرے آنے سے لوگ بسے کھا کر میرے پاس آنا چھوڑ دیں گے۔ اس کارن تو یہاں سے چلا جا اور پھر یہاں نہ آنا۔

ڈاکو — میں پر ماتما سے نہیں ڈرتا۔ رہی چوری، سو اس میں پاپ ہی کیا ہے؟ تو تپیا سے پیٹ بھرتا ہے، میں چوری سے۔ پیٹ پالن سب کو ہی کرتا پڑتا ہے۔ یہ باتیں تو ان ہی نرکھوں کو سکھاتا، مجھے کیا سکھاتا ہے۔ میں تو پر ماتما کے نام پر کل اور دو منش کا ودھ کر ڈالوں گا، بس کہ اور کچھ بھی؟ میں تیرے رودھر سے اپنے ہاتھ رکتا نہیں چاہتا۔ دیکھ پھر میرے

منہ نہ لگتا۔

یہ کہہ کر ڈاکو وہاں سے چل دیا۔

۱۱

دھرم پٹر کو وہاں رہتے رہتے آٹھ درش دعیت ہو گئے۔ ڈاکو کے بھے سے لوگوں نے کتیا پر آنا چھوڑ دیا۔ دھرم پٹر کو اس کا بڑا کھید ہوا۔ ایک سے اس نے چت میں سوچا۔
ڈاکو ستیہ کہتا ہے۔ میں تو بسند یہ تپیا کو جیویکا بنا رکھا ہے۔ سادھو نے تو خپ کرنے کو کہا تھا۔ کتھو میں نے اچھا خپ کیا کہ مہنت بن کر اپنے کو بچوانے لگا، جب لوگ یہاں آکر استوتی کرتے ہیں، تو پرسن ہوتا ہوں، جب نہیں آتے تو ڈکھ مانتا ہوں۔ کیا اسی کا نام تپیا ہے؟ مان اور پرتشھا کے لوبھ میں ہوں، پاپ نفٹ تو کیا کرتا، اٹنا اور سنے کر لیے۔ اب اتم ہی ہے کہ دیرکت بوکر ایکانت میں بیٹھ کر پہلے اتھ کرن شدھ کروں، تب کچھ بنے گا ایتھا نہیں۔
یہ نیچے کر کے وہ کتیا چھوڑ کر جنگل کو چل دیا۔ مارگ میں اس کی ڈاکو سے بھیٹ ہوئی۔

ڈاکو — کیوں آج کہاں چلے؟

دھرم پٹر — ایکانت سیون کرنے، کیونکہ اب میں ایسے استھان پر نواس کرنا چاہتا ہوں، جہاں کوئی نہ آئے۔

ڈاکو — تو پینت کہاں سے بھرو گے؟

دھرم پٹر — جیسی ایثور ایتھا، دیکھا جائے گا۔

ڈاکو تو چل دیا۔ دھرم پٹر سوچنے لگا۔ میں نے اسے اپدیش کیوں نہ کیا؟ آج تو اس کا کٹھ شانت تھا۔ سمبھو یہ کچھ سن کر وہ ستمارگ پر چلنے کا اُدھوگ کرتا۔

دھرم پٹر (ڈاکو کو پکار کر) — اوہ بھائی ڈاکو، پر ماتا سر و تر دیا پک ہے، اب بھی مان جاؤ، یہ دشت کرم تیاگ دو۔

ڈاکو یہ سن کر چھرا نکال کر دھرم پٹر کو مارنے دوڑا۔ دھرم پٹر ڈر کر جٹ سے جنگل میں بھاگ گیا۔

ڈاکو — جا، چلا جا، چھوڑ دیتا ہوں۔ یہی پھر کبھی میرے سامنے آیا تو ماری ڈالوں گا۔

سندھیا سے دھرم پڑ جب ٹنڈ سیچے گیا تو اس نے دیکھا کہ استری والا ٹنڈ ہرا ہو گیا۔

۱۲

اب دھرم پڑ ورت ہو کر ایکانت سیون کرنے لگا۔ ایک دن جب وہ ٹنڈھا دس ہو کر کند مول پھل کھانے گھما سے باہر نکلا، تو دیکھتا کیا ہے کہ سامنے کے درکش پر صافے میں بندھی روٹی ٹنک رہی ہے۔ روٹی لے کر وہ ٹنڈھا میں لوٹ آیا۔

جب کبھی بھوک ستاتی اور وہ ٹنڈھا سے باہر آتا، تب اسے درکش سے روٹی مل جاتی۔ وہ ٹنڈھ پُرک کال ویتیت کرنے لگا۔ اسے کیول یہ بھی بتا رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تپیا پُرک ہونے سے پہلے ہی ڈاکو مجھے مار ڈالے۔ یہی کبھی ڈاکو کی آہٹ پاتا تو وہ گھما میں چمپ جاتا۔ دس ورش بیت جانے پر وہ ایک دن ٹنڈوں کو پانی دے رہا تھا، تو اس کے چھت میں یہ وچار آتھن ہوا۔ میں مرتیو سے ڈرتا ہوں، یہ بھی پاپ ہے۔ کون جانے کہ میں پرانتا ہونے سے ہی پاپوں سے نورت ہو جاؤں۔ ہانی لا بھ سب پرانتا کے ہاتھ ہے۔ منش کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اس وویک کے آتھن ہوتے ہی وہ ایسے ہو کر ڈاکو کی کھوج میں چلا۔ تھوڑی دور جانے پر اسے سامنے سے ڈاکو آتا دکھائی پڑا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ڈاکو نے ہاتھ پیر باندھے ایک منش کو گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا ہے۔

دھرم پڑ — بھائی ڈاکو، یہ کون ہے؟ اسے کہاں لیے جاتے ہو؟

ڈاکو — یہ ایک دھنا ڈھیہ سوداگر کا پڑ ہے۔ اپنے چتا کے دھن کا پتا نہیں بتلاتا، میں اسے جنگل میں لے جا کر کسی درکش سے باندھ کر اتنے چاک ماروں گا کہ یہ آپ ہی تلاوے گا۔

دھرم پڑ — نہیں نہیں ایسا مت کرو، اسے چھوڑ دو۔

ڈاکو — کیوں کیا تمہارا جی بھی مار کھانے کو چاہتا ہے؟ ہو اپنا راستہ لو، نہیں تو ابھی مار ڈالوں گا۔

دھرم پڑ (نڈر ہو کر) — میں ایسے ہوں، مرنے سے نہیں ڈرتا۔ بس پرانتا کی یہی آسنا ہے کہ اس منش کو چھوڑ دو۔

ڈاکو۔ اچھا، چھوڑ دیتا ہوں، دیکھو میں نے کتنی بار کہا ہے کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ پرنتو تم نہیں مانتے۔

دھرم مٹر۔ بھائی، اب بھی لوٹ مار چھوڑ دو۔

ڈاکو نے کچھ نہ سنا۔ وہ گھوڑا دوڑا کر وہاں سے چل دیا، منش پرسن ہو کر دھرم مٹر کا دھنیہ واد کرتا ہوا اپنے گھر لوٹ آیا۔
سندھیا سے دھرم مٹر نے جا کر دیکھا کہ کسانوں والا ٹنڈ ہرا ہو گیا ہے۔

۱۳

دس ورش بیت گئے۔ دھرم مٹر شانت سورپ راگ ڈولیش سے رہت ایسے پد پراپت ہو کر آند میں گمن بیضا ایک دن یہ وچار کرنے لگا۔

آہا، پر ماتما کیسا کرپالو اور دیا لو ہے۔ اس نے منشیوں کے لیے کیا کیا ادبست پدارتھ اہستھت کیے ہیں۔ تس پر بھی منش ڈکھ سے کلشیف کیوں ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ منش سکھ سے جیون کیوں وقیف نہیں کرتے؟ میرے دھیان میں کیول اگیان ہی اس کا منزل کارن ہے۔ یدی پریم بھاؤ سے پرانیوں کو سد پدیش دیا جائے تو انھیں سکھ مل سکتا ہے۔ ایکانت میں رہنا پاپ ہے۔ میرا دھرم ہے کہ اس تپ سے جو کچھ مجھے پراپت ہوا ہے۔ دوسروں پر اس کو پرکٹ کروں۔

اس سے اس کا چت دیا سے پرہن ہو گیا اتنے میں اسے ڈاکو دکھائی پڑا۔ پہلے تو اس نے وچارا کہ ڈاکو کو اپدیش کرنا دیرتھ ہے، اتنی باد سمجھا چکا ہوں۔ پرنتو اس نے سوچا کہ کیا ہوا، میرا تو دھرم ہی یہ ہے کہ پرانی ماتر میں پریم اور دیا بھاؤ اتہن کروں۔

دھرم مٹر نے دیکھا کہ ڈاکو ہنر نیچے کیے، لمین من اس کی اور آ رہا ہے وہ دوڑ کر ڈاکو کے چرنوں میں گر پڑا اور بولا۔۔۔ بھائی، اے بھائی پیارے، اپنے سورپ کو وچارو۔ دیکھو، تمھارے بھیتر ست چت آند سورپ شدہ نیچے، تمک پر ماتما وراجمان ہے۔ اگیان کے کارن کیوں دوسروں کو کشت دیتے اور آپ کشت بھو گتے ہو؟ کیوں جنم جمانتر کے لیے پاپ کا بوہما اکٹھا کرتے ہو؟ بھائی، میرا کہنا مانو، اپنا سردناش مت کرو۔ مان جاؤ، بھائی، مان جاؤ۔
ڈاکو (کرودھ سے)۔۔۔ بس، بس! اس بکواس کو چھوڑو، جاؤ اپنا کام کرو۔

پرتو اب دھرم پٹر وہاں سے نکلے والا نہ تھا۔ وہ ڈاکو کو آٹکھن کر کے رونے لگا۔ ڈاکو کا چت اس کی یہ دشا دیکھ کر ترنت ذروت ہو گیا۔ وہ جھٹ دھرم پٹر کے چروں میں گر پڑا اور بولا — دھرم پٹر آج تم نے مجھے پراحت کیا۔ میں ورش تک میں تمہارا سامنا کرتا رہا۔ میں نے تمہاری ایک ناسنی، پرتو آج دیوش ہوں، دیکھو، پہلی بار جب تم نے مجھے اپدیش کیا تھا، میں نے برا کر دودھ کیا تھا۔ پھر جب تم گھما میں تو اس کرنے لگے تو میں سمجھ گیا کہ تم ویراگی ہو گئے اسی دن سے میں تمہارے بھوج ناتھ میں روٹی لٹکانے لگا۔

تب دھرم پٹر نے سمجھا کہ استری چوکی تھی شدہ کر سکی جب اس نے پہلے دستر شدہ کر لیا۔ ارقھات اپنا اندہ کرن شدہ کیے بنا دوسروں کا اندہ کرن شدہ کرنا آسمو ہے۔

ڈاکو — تم مرتیو سے ایسے ہو گئے تو میرا چت پھر گیا۔

دھرم پٹر جان گیا کہ جس پر کار کھجے کو استھر کیے بنا چھڑ نہیں مڑ سکتی تھی، اسی پر کار اپنا چت استھر کیے بنا دوسروں کے چت کو اپنی اور موڑنا کھن ہے۔

ڈاکو — پرتو دیکھو، جب تک تم دیا سے نہیں بنے، میرا چت بھی ذروت نہیں ہوا، پرتو تمہارا پریم روپ بنا تھا کہ میں تمہارے اومین ہو گیا۔

دھرم پٹر پرمانند کو پراحت ہو کر ڈاکو سہت نڈوں کے پاس گیا۔ دیکھا کہ چرواہوں والا نڈ بھی برا ہو گیا ہے۔ تب دھرم پٹر کو نچے ہو گیا کہ جس پر کار مدھیم اتنی گیلی گھاس کو نہیں جلا سکتی تھی، اسی پر کار جب تک پُروش کا اپنا چت پرکاش سروپ نہیں ہو جاتا، تب تک وہ دوسروں کو پرکاش نہیں کر سکتا۔

تین نڈوں کے ہرا بھرا ہو جانے پر دھرم پٹر کے آنند کی کوئی سیما نہ رہی۔ اسے دشا اس ہو گیا کہ میری تپیا پُرن ہوئی۔ اس نے ڈاکو کو دکھت کر کے ترنت سادھی لے لی۔ اب ڈاکو بڑے اتساہ سے اپنے گرو کے آگیا نو سار جگت میں بھکتی مارگ کا اپدیش کر کے جیون وچت کرنے لگا۔

دیا سے کی دیا

کسی سے ایک منش ایسا پالی تھا کہ اپنے ستر درش کے جیون میں اس نے ایک بھی اچھا کام نہیں کیا تھا۔ نیہ پاپ کرتا تھا، لیکن مرتے سے اس کے من میں گھائی ہوئی اور وہ رو رو کر کہنے لگا۔ ہے بھگوان مجھ پالی کا بیڑا کیسے پار ہوگا؟ بھکت تسل کر پا اور دیا کے سمندر ہو، کیا مجھ جیسے پالی کو چھما نہ کرو گے؟

اس بچپا تپ کا یہ پھل ہوا کہ وہ نرک میں نہ گیا، سورگ کے دوار پر پہنچا دیا گیا۔ اس نے کنڈی کھڑکائی۔

بھیت سے آواز آئی۔ سورگ کے دوار پر کون کھڑا ہے؟ چڑگت، اس نے کیا کیا کرم کیے ہیں؟

چڑگت - مہاراج، یہ بڑا پالی ہے۔ جنم سے لے کر مرن پر منت اس نے ایک بھی شہہ کرم نہیں کیا۔

بھیت سے - جاؤ، پاپیوں کو سورگ میں آنے کی آسنا نہیں ہو سکتی۔
منش - آپ کون ہیں؟
بھیت سے - یوگیشور۔

منش - یوگیشور، مجھ پر دیا کیجیے۔ اور جیو کی اگیا نسا پر دچار کیجیے۔ آپ ہی اپنے من میں سوچیے کہ کس کھنائی سے آپ نے موش پد پراپت کیا ہے۔ مایا موہ سے رست ہو کر من کو شہہ کرتا کیا کوئی کھیل ہے؟ بسند یہہ میں پالی ہوں، پرنو پر ماتما دیا لو ہیں، مجھے چھما کریں گے۔

بھیت کی آواز بند ہو گئی۔ منش نے پھر کنڈی کھٹکائی۔

بھیت سے پھر آواز آئی۔ کون ہے؟ مرتیو لوک میں اس نے کیا کام کیے ہیں؟
چڑگت - سواں اس نے جیون پر منت ایک کام بھی اچھا نہیں کیا۔
بھیت سے - جاؤ تمہارے سر کیسے پاپیوں کے لیے سورگ نہیں بنا ہے۔

منش - مہاراج، آپ کون ہیں ؟

بھیتہ سے - بدھ

منش - مہاراج، کیوں دیا کے کارن آپ اوتار کہلائے۔ راج پاٹ، دھن دولت، سب پر لات مار کر پرانی ماتر کا دکھ نوارن کرنے پتو آپ نے ہیراگ دھارن کیا۔ آپ کے پریم اُپدیش نے سنسار کو دیسے بنا دیا۔ میں نے مانا کہ میں پاپی ہوں، پرتوانت سے پریم کا اتہن ہونا نکل نہیں ہو سکتا۔

بدھ مہاراج مون ہو گئے۔

پاپی نے پھر دوار بلایا۔

بھیتہ سے - کون ہے ؟

چتر گپت - سوامی، یہ بڑا دُشٹ ہے۔

بھیتہ سے - جاؤ بھیتہ آنے کی آکھا نہیں۔

پاپی - مہاراج، آپ کا نام ؟

بھیتہ سے - کرشن !

پاپی (اتی پرستنا سے) - آہا، آہا! اب میرے بھیتہ چلے جانے میں کوئی سندھید نہیں، آپ سو نیم پریم کی موتی ہیں۔ پریم دُش ہو کر آپ کیا ناچ ناچے ہیں، اپنی کیرتی کو دھاریے، آپ تو سد یو پریم کے دھیسھوت رہتے ہیں۔ آپ ہی کا اُپدیش تو ہے۔ ”ہری کو بجے سو ہری کا ہوئی۔“ اب مجھے کوئی چتا نہیں۔

سورگ کا دوار کھل گیا اور پاپی بھیتہ چلا گیا۔

سورت کا چائے خانہ

بمبئی صوبے کے سورت نگر میں چائے کی ایک دکان تھی، جہاں دلش دیشتر کے نوادی چائے پینے آیا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں فارس دلش کا دووان ملا چائے پینے آیا۔ اس نے سارا جیون پریشور کا سچا سروپ جاننے اور اسی دشنے میں پستکیں لکھنے اور پڑھنے میں وقیف کیا تھا۔ پھل یہ ہوا کہ وہ ناسک ہو گیا تھا! فارس کے بادشاہ نے اسے بہت بُرا مانا اور اسے اپنے راجیہ سے نکال دیا۔

جنم بھر آدی کارن کی کھوج کرتے کرتے یہ ابھاگا ملا انت میں بڑھی جن ہو کر یہ ماننے پر اُتر آیا کہ اس سنار کا کوئی کرتا نہیں۔

اس ملا کے ساتھ ایک حبشی غلام تھا۔ ملا تو دکان میں چلا گیا، حبشی باہر بیٹھ کر دھوپ کھانے لگا۔ ملا نے ایم بھاگ کر چائے کی پیالی پی اور غلام سے بات چیت کرنے لگا۔

ملا — اے اوانا لائق، بھلا بتا، خدا ہے کہ نہیں؟

حبشی — خدا کے نہ ہونے میں بھی شک ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں، خدا ہے (کاٹھ کی مورتی دکھا کر) دیکھیں یہ میرا خدا ہے۔ یہ ہمیشہ میری حفاظت کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس لکڑی کو پاک مانا جاتا ہے۔

اس سے دکان میں اور بھی لوگ اُتھتے تھے۔ سوامی سیوک میں یہ ہاتیں دیکھ کر ایک برہمن دیوتا بولے — حبشی تو اتھتہ مڑ رکھ ہے، پر ماتما کبھی جیب میں سا سکتا ہے۔ وہ تو سنار کا کرتا دھرتا اور ہرتا ہے، اس سرو شتی مان برہمن کے مندر شری گنگا جی کے تھ پر بنے ہوئے ہیں، وہاں کے پجاری ہی اس پر ماتما کا واستوک سروپ جانتے ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ ہسٹر دں درشوں کے الٹ پھیر سے ان پجاریوں کے ستان اتھوا ادھکار اور پر تشھا میں کوئی نیوتا نہیں ہوئی، جس سے سدھ ہوتا ہے کہ بھگوان سوئم جن کی رکھا کرتے رہتے ہیں۔

یہودی — ہرگز نہیں، سچ خدا کا گھر ہندوستان میں نہیں، نہ وہ برہمنوں کی حفاظت کرتا ہے۔ برہمنوں کا خدا سچا نہیں ہو سکتا۔ سچا خدا تو ابراہیم، اٹھن اور یعقوب کا ہے۔ یہ سوامی

اسرائیل کے اور کسی قوم کی حفاظت نہیں کرتا۔ ہمیشہ سے ہماری قوم خدا کو پیاری ہے۔ آج کل تو ہم گرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دراصل ہمارا امتحان ہو رہا ہے، کیونکہ خدا ہمیں قول دے چکا ہے کہ وہ ایک دن ہم سب کو یروشلم میں جمع کر دے گا۔ اس وقت وہاں کے پرانے مندر کی شان دگنی ہو کر کل دنیا پر ہماری بادشاہت قائم ہو جائے گی۔
یہ کہہ کر یہودی کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

اس پر ایک پادری صاحب بولے — جھوٹ! سراسر جھوٹ!! تم تو پر ماتما کو انیائی ٹھہراتے ہو۔ وہ سب سے پریم کرتا ہے، کیول تم سے ہی نہیں۔ مانا کہ پراچین سے میں اس نے تمہاری سہایتا کی تھی، پرنٹو ادھر انیس سو ورش ہوئے کہ وہ تم سے اپرن ہے۔ اس کارن کوئی بھی منش تمہارا مت انگیکار نہیں کرتا۔ پر ماتما نے اپنے بیٹے یسوع کو منش کا پاپ برنے کے لیے بھیجا اور جب تک کوئی یسوع کی شرن میں نہ آئے، اس کی مکتی نہیں ہو سکتی۔

یہ سن کر ایک مسلمان ٹرک بول اٹھا — آپ دونوں کا یقین غلط ہے۔ بارہ سو ورش ہوئے کہ حضرت محمد ﷺ صاحب نے سچا دین پھیلا کر آپ کے مذہب کو رد کر دیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یورپ، ایشیا اور چین میں دسرن اسلام کی روشنی کس تیزی سے پھیل رہی ہے؟ آپ لوگ خود مانتے ہیں کہ خدا یہودیوں سے خفا ہے، پھر اسلام قبول کیوں نہیں کرتے، شیعہ کافر ہیں، سنت جماعت بنا اور اصلی رب کو پاؤ۔

ایرانی ملا شیعہ تھا۔ شیعوں پر یہ کنکاش سن کر گبڑا اور کچھ جواب دینا چاہتا تھا، پرنٹو صیشیوں، بیسائیوں، تبت نواسی لاماؤں اور فارس آدی دیش دیشا نتر کے رہنے والوں میں متانترو شیک ایسا کوالا بل چا کہ وہ کچھ نہ بول سکا۔ پرنیک منش یہی کہتا تھا کہ میرے ہی دیش میں سچا پریمشور ہے اور میں ہی سچی ستھارتھ ریتی سے اس کی پوجا کرتا ہوں۔ ایک چینی الگ چپ چاپ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ ترک نے اس سے کہا۔

بھائی صاحب، آپ چپ کیوں بیٹھے ہیں؟ میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ میرے پاس آنے والے چینی سوداگر سب یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ اسلام کو سب مذہبوں سے اچھا خیال کرتے ہیں۔ آپ اس موقع پر ضرور اپنی رائے دیں۔

چینی — مہاشے، میرے دچار میں ان جھگڑوں اور لڑائیوں کا مکھیہ کارن اگیاں ہے۔ نیے، میں آپ کو ایک درفانت سناتا ہوں۔

جس جہاز میں میں چین سے یہاں آیا ہوں۔ وہ ساری پرتھوی کا چکر لگا چکا ہے۔ آتے سے ہم پانی لینے کے لیے ایک دن سواترا ٹاپو کے پوربی تھ پر ٹھہرے۔ تھ پر ناریل کے درکش کھڑے تھے، سب کے سب جہاز سے اتر، تھ پر جا کر، درکشوں کی چھایا میں بیٹھ گئے۔

اتنے میں وہاں ایک اندھا آیا۔ بات چیت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سوریہ کے پرکاش کا تھ جاننے کے نعمت لگا سوریہ پر درشنی رکھنے سے اندھا ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس آکر وہ کہنے لگا۔ دیکھو، سوریہ کا پرکاش پانی نہیں، کیونکہ ہم اسے پانی کے سان ایک برتن سے دوسرے برتن میں نہیں ڈھال سکتے اور واہ اسے ہلا بھی نہیں سکتی۔ یہ اگنی بھی نہیں، یدی اگنی ہوتی تو پانی سے بجھ جاتی۔ وہ آتما بھی نہیں، کیونکہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے، پر کرتی بھی نہیں، کیونکہ وہ تیرہ ہے۔ بس سدھ ہوا کہ سوریہ کا پرکاش نہ جل ہے، نہ اگنی، نہ آتما ہے، نہ پر کرتی۔ تو ہے کیا؟ کچھ بھی نہیں!

اس اندھے کے ساتھ گوپال ٹاک ایک نوکر تھا۔ اندھا تو ہم سے باتیں کرتا رہا گوپال نے ناریل کی جٹا اور دودھ سے ایک موم بنی تیار کر لی۔ اندھا گوپال سے بولا -- گوپال، دیکھو، کیسا اندھیرا ہے! میں نے تم سے ٹھیک کہا تھا کہ سوریہ نہیں ہے، پھر بھی سب لوگ کہا کرتے ہیں کہ سوریہ ہے، پرنو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ کیا ہے؟

گوپال - سوریہ کیا ہے؟ یہ جاننے سے مجھے کچھ پریوجن نہیں۔ ہاں پرکاش کو میں بھلی بھانتی جانتا ہوں۔ دیکھیے میں نے یہ موم بنی بنا لی ہے۔ یہ میرا سوریہ ہے۔ رات کو اسی کی سہایت سے میں سب کام کر سکتا ہوں۔

پاس ہی سواترا ٹاپو کا رہنے والا ایک لنگڑا بیٹھا تھا، ہنس کر بولا - معلوم ہوا کہ جنم ہی سے اندھے ہو، جب ہی کہتے ہو سوریہ نہیں ہے۔ سنو، اگنی کا ایک گولہ ہے، پراتہ کال تیرہ سمندر سے ٹھٹھا ہے اور سندھیا سے ہمارے ٹاپو کے پربتوں میں چھپ جاتا ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ تم کو نیز نہیں، نہیں تو سویم دیکھ لیتے۔

ایک دھیر بیٹھا یہ باتیں سن رہا تھا۔ بولا - واہ، جی واہ! کیا کہنا ہے، تم کبھی ٹاپو کے باہر نہیں گئے۔ یدی نوکا پر بیٹھ کر دور سمندر میں جاتے، تو پتہ لگ جاتا کہ سوریہ ٹاپو کے پربتوں میں اوپ نہیں ہوتا، کتھو سمندر سے ہی لھٹتا اور ساکس کال کو سمندر میں ہی ڈوب جاتا

ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اپنے غمروں سے دیکھا ہے۔

اس پر ہمارے ساتھ ایک ہندستانی نے کہا آرمہ کیا۔ مجھے آپ کی مُرکھتا دیکھ کر اچھڑ ہوتا ہے۔ سور یہ یڈی اگنی کا گولا ہوتا تو سمندر میں ڈوب کر بجھ نہ جاتا؟ بھائی صاحب، یہ بات نہیں وہ تو ساکشات دیوتا ہے۔ رتھ میں سوار سُمر و پر بت کے گرد گھومتا ہے۔ کبھی کبھی راہو اور کیتو اسے پکڑ لیتے ہیں۔ پرنٹو برہمن لوگ ایٹور سے دفی کر کے اسے چمڑا لیتے ہیں۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ سور یہ دیو کیوں تمہارے ٹاپو میں پرکاش کرتے ہیں، اور جگہ نہیں۔ تمہارے یہ دھار مٹھیا ہیں۔

ایک جہاز کا کپتان بھی وہاں موجود تھا۔ بولا — دیوتا کی ایک ہی کبھی سور یہ دیوتا نہیں، وہ کیول ہندستان میں ہی پرکاش نہیں کرتا۔ میں نے دیش دیشاتر کی یا ترا کی ہے۔ سور یہ تو ساری پرتھوی پر پرکاش کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ جاپان دیش میں نکلتا ہے اور انگلستان کے پیچھے چھپ جاتا ہے، اسی کارن جاپانی اپنے دیش کو یمن ارتھات سور یہ کی جنم بھومی کہتے ہیں۔

ایک انگریز بھی وہاں بیٹھا تھا۔ بولا — تم سب مُنرکھ ہو، سور یہ کی چال کا رنر نے ہم نے کیا ہے۔ وہ نہ کہیں سے نکلتا ہے، نہ چھپتا ہے۔ سد یو پرتھوی کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ یڈی ایسا نہ ہوتا تو ابھی ہم پرتھوی کا چکر کاٹ کر آئے ہیں۔ کہیں نہ کہیں ہم ادیش سور یہ سے نکراتے۔

کپتان — تم سب مُنرکھ ہو۔ سور یہ پرتھوی کے گرد نہیں گھومتا، ورن پرتھوی سور یہ کے گرد گھومتی ہے۔ وہ اپنی دھوری پر پھرتی ہوئی چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ جو بھاگ گھومتے سے سور یہ کے سمکھ ہوتا ہے، وہاں دن ہوتا ہے، باقی سب دیشوں میں رات ہوتی ہے۔ سور یہ کسی دیش پر بت، دیپ، سمندر اتھوا دیش میں پرکاش نہیں کرتا، ورن اس کا پرکاش کبھی گرہ اپ گرہوں کو سامن پر سامن میں ملتا ہے۔ دھار کر کے دیکھو تو آپ کو میرا کہنا بالکل ٹھیک بنے گا۔ تب آپ کو دھواس ہو جائے گا کہ سور یہ تارے سب کے لیے سامن اُنکاری ہیں۔

بذہیمان کپتان نے اس پرکار اپنے انوبھو اور درھانت سے سب کو سمجھا دیا۔
چینی پھر کہنے لگا — بھن بھن مت والے کہتے ہیں کہ ہم بھگوان کو مانتے ہیں، دوسرا

کوئی نہیں مانتا اور جس پد برہم نے سارے جگت کو رچا ہے اسے اپنے اپنے مندروں میں بند کرنے کی چھٹا کرتے ہیں۔

پر ماتما نے منش کو سُستا دکھلانے کے لیے اپنا مندر آپ بتا دیا ہے۔ جو اودتیہ ہے۔
 وہ مندر بھی دیراٹ سنسار ہے۔ سارے ماٹھی مندر اس مندر کی پرتی چھایا ہیں۔
 سادھارن مندروں میں تو شکھ، گھنٹا، دچک، چتر، مورتیاں، دھارک پٹکیں، ہون کنڈ اور
 پہاری آدی پائے جاتے ہیں۔ پر کیا کوئی ایسا مندر ہے، جہاں مندر کے سان کنڈ، سور یہ،
 چندر اور اُگھر ہوں کے سان پر کاشان دچک اور بھ منزل کی طرح منوہاری چتر ہوں؟ کیا ان
 ادھر یہ ساگر یوں کی سنسار کی ان نشور دستوؤں سے تکتا کی جاسکتی ہے؟ ایٹور کی کرپا اور دیا کی
 دیا کھیا کرنے کے لیے سنسارک شکھ ساگر کی لیکھا اور کون سی دھرم پٹک ادھک اُپیگی
 ہو سکتی ہے؟ پدوش کی نج آتما سے ادھک دھرم شاستر کون سا ہے؟ پردھکار کے سان کون سا
 بلیدان ہے اور یوگی کے چھ کے تلید اور کون ہون کنڈ ہے، جہاں سویم بھوان نواس کرتے ہیں؟
 پدوش کی نج بدھی کے انوسل پر ماتما کا گیان ہوتا ہے۔ جیوں جیوں پرانی پر م دیو کی
 کرپا اور پر بھو کی اپنے چت میں استھاپنا کر کے اسے انوبھو کرتا ہے، تیوں تیوں وہ پر ماتما کے
 سمپ ہو جاتا ہے۔

اس کارن گیانی کو امیانی سے گلابی کرنا ادھرم ہے، یوگی اور مہاتما دی ہے، جو
 ناسک سے بھی دویش نہیں کرتا۔

جینی کی دارتا سن کر سب چپ ہو گئے۔

مہنگا سودا

بھارت ورش میں مین پوری ایک بہت چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس میں کیول سات ہزار منشیوں کی بستی ہے، پرتو کیا ہوا، محل، منتری، جزل، کرل سب ہیں۔ سینا میں ساٹھ سپاہی ہیں، پرتو نام تو سینا ہے۔ ساٹھ ہوں چاہے ساٹھ ہزار۔ سب دیوہارک پدارتھوں پر کر لگا ہوا ہے۔ پرتو منش ہی اتنے تھوڑے ہیں کہ کر کی آمدنی سے راجا تک کا پیٹ نہیں بھرتا۔ منتری آدمی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اس کارن راجا نے آمدنی کا ایک اور اپائے کر رکھا ہے۔ ارقھارت جو گھر بنا کر اسے ٹھیکے پر دے رکھا ہے۔ جو اکھیلنے والے ہاریں اتھوا جیتیں راجا اپنا کلینا لے لیتا ہے۔ یہاں ویش آمدنی اس کارن ہوتی ہے کہ اور راجاؤں نے اپنے دیشوں میں جو بند کر رکھا ہے، کیونکہ منش جو بار کر پرایہ آتم گھاٹ کر لیا کرتے تھے۔ مین پوری کا راجا سوتیز ہے، اس لیے اسے جو کھلانے سے کون روک سکتا ہے؟

اس جو گھر میں دیش دیشا ستر کے لوگ جو اکھیلنے آتے ہیں۔ یدہی راجا اس کمائی کو پاپ سمجھاتا ہے، پرتو کرے کیا۔ ستیہ دیوہار سے دھن نہیں ملتا۔ بنا دھن کے کام نہیں چلتا۔ اس کارن اسے جو کھلانا ہی پڑتا ہے۔

بڑی راجدھانیوں کی بھانتی یہاں کسی بات کی کمی نہیں۔ دربار ہوتے ہیں، سینا قواعد پریڈ کرتی ہے۔ چیف کورٹ، وکیل، قانون آدمی سب کچھ ویدیہ مان ہیں۔ یہاں کی پر جا بڑی سوشل ہے۔ پرتو دیویوگ سے یہاں کسی منش نے ایک پُروش کو مار ڈالا۔ اب بڑے ٹھاٹ باٹ سے چیف کورٹ کے جج الیکٹر ہوئے۔ وکیل بیرسٹر آدمی سب کے سامنے انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ گھاٹک کا سر کاٹ دیا جائے۔

مشکل یہ پڑی کہ اس راجدھانی میں گھاٹک کاٹنے کی کل ویدیہ مان نہ تھی۔ راجا نے منتریوں کی سنتی سے کاشمیر کے راجا کو پتر لکھا کہ کرپا کر کے گھاٹک کاٹنے کی کل بھیج دیجیے۔ اس راجا نے دس ہزار روپے مانگے۔ اب تو راجا جی چکرائے کہ دس ہزار کا تو آدمی بھی نہیں۔ کل

کے دام اتنے! پھر دکن کے مہاراج کو لکھا۔ اس نے آٹھ ہزار مول کیا، راجا نے وچارا کہ یدی گھا کاٹنے کی کل مول لی گئی تو ساری راجدھانی ہی بک جائے گی، یہ ٹھیک نہیں۔ کیا کریں، منتریوں نے کہا۔ مہاراج، بیٹا جی سے کہیے کہ وہ کسی سپاہی کو حکم دے دیں کہ وہ خونی کاٹا کاٹ دے، کیونکہ یدھ میں بھی تو وہ یہی کام کرتے ہیں۔ پر تو کسی سپاہی نے گھا کاٹنا انگریز نہیں کیا۔

راجا نے اس دشنے میں منتریوں سے صلاح کی اور اس سببانے آپ سبھائی۔ انت میں بڑے جھگڑے کے بعد یہ نچے ہوا کہ خونی کو عمر بھر کے لیے قید کر دیا جائے۔

راجا نے یہ بات مان لی۔ اب بندی خانہ کہاں سے لائیں؟ ایک سادھارن کوٹھری تھی، وہیں خونی کو قید کر کے اس پر پہرا لگا دیا۔ حکم دیا کہ پہرے والا دو قیدی کے واسطے راجا کے لنگر میں سے پیہ روٹی لا دیا کرے۔

ایک ورش پورا ہو جانے پر راجا جب راجدھانی کا حساب دیکھنے لگا تو اس نے پانچ سو روپے خونی کے بھوجن، چھاجن، پہرے آدی کا خرچ لکھا ہوا دیکھا۔ سوچنے لگا، ہیں یہ کیا، پانچ سو روپے! یہ خونی ابھی تو جوان ہے۔ مرنے کے سہ تک تو ہماری راجدھانی چٹ کر جائے گا۔

منتریوں کو بلا کر کہنے لگا کہ شکھر اس خونی کا کوئی ٹھکانا کرو۔

منتری آپس میں وچار کرنے لگے۔

پہلا — پہرا بنادو۔

دوسرا — خونی یدی بھاگ گیا؟

اتیو پہرا بنا دیا گیا۔ مگر خونی بھاگ نہیں۔ آپ پیہ جا کر راجا کے لنگر سے روٹی لے آتا، رات کو کوٹھری بند کر کے آندھ سہ سوتا اور بھاگنے کا نام تک نہ لیتا تھا۔

منتری بڑی چلت ہوئے کہ اب کیا کریں، اس کے یہاں پڑے رہنے سے ہمارے راجا کی بانی ہی بانی ہے، لایہ کچھ بھی نہیں۔ ایک منتری نے خونی کو بلایا اور بات چیت کرنے لگا۔ منتری — بھائی، تم بھاگتے کیوں نہیں؟ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو، مہاراج اس کا برا نہ مانیں گے۔

خونی — مہاراج برا مانے اٹھوا بھلا، میں جاؤں کہاں اور کروں کیا؟ آپ نے تو

میرا سروٹاش کر دیا، کام کرنے کا ابھی اس مجھے نہیں رہا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ آپ اسی سے میرا گلا کاٹ ڈالتے۔ ہائے ہائے، یہ کیسا انیائے ہے، پہلے منٹش کو قید کر کے نکلنا بتا دینا اور پھر کہنا کہ بھاگ جاؤ۔ میں نہیں جاتا، میں تو اب یہیں پران دوں گا۔

لیجیے، اب پھر کمیشن بیٹھا۔ کئی دن کے ادھویشن کے اپرانت یہ نیچے ہوا کہ سو روپے سال پنشن دے کر اسے یہاں سے وداع کر دیا جائے۔

اندھے کو چاہیے دو آنکھیں۔ خونی پنشن پا کر بڑا پرسن ہوا۔ مین پوری چھوڑ کر دوسری راجدھانی میں دھرتی مول لے کر کھیتی کرنے لگا۔ اب وہ آئے ورش مین پوری جا کر سو روپے لے آتا ہے اور آنند پروک جیون دتیہ کرتا ہے۔

بس، اس میں یہی بات اچھی ہوئی کہ اس نے کسی ایسے دلش میں اپرا دھ نہیں کیا، جہاں قیدی کا گلا کاٹنے اتھو بندی خانے میں رکھنے کے لیے خرچ کی کچھ بھی چتا نہیں کی جاتی۔

راجا درگ پال اور چندر دیو

وہے نگر کے راجا درگ پال نے راجا چندر دیو کے ساتھ یدھ کر کے اس کی سینا کے
سہسروں یودھا مار ڈالے، گاؤں جلا دیے اور سویم چندر دیو کو پکڑ کر بنجرے میں قید کر دیا۔
رات کو چار پائی پر پڑا ہوا درگ پال یہ وچار کر رہا تھا کہ چندر دیو کا کس پرکار ددھ
کروں کہ اکسمات ایک بوڑھا دکھائی دے۔

بوڑھا — تم چندر دیو کے ودھ کرنے کا وچار کر رہے ہو؟
درگ پال — ہاں، بات تو یہی ہے، پرتو ابھی تک میں نے کچھ نہ بچے نہیں کیا۔
بوڑھا — پرتو تم تو سویم چندر دیو ہو۔
درگ پال — جھوٹ، میں چندر دیو!

بوڑھا — تم اور چندر دیو ایک ہو۔ چندر دیو کو جو تم اپنے سے بھن مانتے ہو، یہ کیول
تمھاری بھول ہے۔

درگ پال — آپ کہتے کیا ہیں! میں یہاں کوئل بچھونے پر پڑا ہوں۔ واس داسی
میری سیوا میں لگے ہیں۔ آج کی بھاتی کل میں اپنے متروں کے سنگ پر پتی بھوجن کروں گا۔
چندر دیو کشتی کی طرح بنجرے میں بند ہے۔ کل وہ کتوں سے پھڑوا دیا جائے گا۔
بوڑھا — اس کی آتما کا تو ناش نہیں کر سکتے۔

درگ پال — واہ، واہ! چودہ ہزار یودھا مار کر ڈھیر کیسے لگا دیا؟ میں جیتا ہوں، وہ مر
گئے، کیا اس سے یہ سدھ نہیں ہوتا کہ میں آتما کو نش کر سکتا ہوں؟
بوڑھا — یہ آپ کس طرح جانتے ہیں کہ وہ مر گئے؟

درگ پال — اس لیے کہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ اس پر ایک بات یہ ہے کہ انھیں
کشت ہوا اور مجھے راجہ ملا۔

بوڑھا — یہ بھی آپ کو بھرم ہوا ہے۔ آپ نے انھیں کشت نہیں دیا، ورنہ اپنے آپ

کو کشت دیا ہے۔

درگ پال — میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔

بوڑھا — آپ کو سمجھنے کی اہمیت ہے؟

درگ پال — ہاں سمجھنے کی اہمیت ہے۔

بوڑھا — اچھا، تو آؤ، اس تالاب پر چلیں۔

تالاب پر پہنچ کر بوڑھے نے کہا کہ دستر اتار کر اس تالاب میں اتر جاؤ۔ جوں ہی میں تمہارے سر پر پانی ڈالنے لگوں، تم تالاب میں غوطہ لگاتے۔ راجا درگ پال نے دیا ہی کیا۔ غوطہ لگاتے ہی اس نے دیکھا کہ میں راجا درگ پال نہیں، کوئی اور ہوں۔ پاس ایک سندھ استری لیٹی ہوئی ہے۔ یہی اس استری کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، پھر بھی اسے وہ اپنی رانی سمجھ رہا تھا۔

استری — پیارے پران جی، کل کی تھکان کے کارن آپ کو سوتے سوتے دیر ہو گئی ہے۔ میں نے آپ کو جگایا نہیں۔ اب آپ اٹھیے، دستر پہن کر دربار میں جائیے۔ راجے مہاراجے آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

راجا درگ پال اپنے کو چندر دیو سمجھ کر ترنت اٹھ کر دربار میں چلا گیا۔ وہاں راجے، مہاراجے چندر دیو کو دیکھ کر اتنی پرسن ہوئے اور پر نام کر کے بولے۔ مہاراج ہم کو درگ پال بڑا دکھ دے رہا ہے۔ یہ ایمان اب نہیں سہا جاتا۔ آسمان دیجیے کہ یہ دھ کی دوند بھی بجائی جائے۔

چندر دیو بولا — نہیں، پہلے دوت بھیج کر درگ پال کو سمجھانا اچھا ہے۔ دوت بھیج کر آپ شکار کھیلنے چل دیا اور وہاں جا کر جنگل سے دوت لٹھ مار لایا۔ پھر محل میں جا کر اس نے بھوجن کیا اور راتری کو رانی کے ساتھ وہاں کرتا رہا۔

اب اس پر کار سدیو وہ راج کاج کر کے مدد گیا کرنے جاتا، راتری کو محل میں آکر رانی کے ساتھ وہاں کرتا۔ مہینوں بیت گئے، اتنے میں اس کے دوت لوٹ آئے، پر ان کے تاک کان کئے ہوئے تھے۔ راجا درگ پال نے کہلایا تھا کہ دوتوں کی جو درستی ہوئی ہے، وہی چندر دیو کی بھی ہوگی۔ اگر اس نے سوتا چاندی کا کر نہ دیا۔

چندر دیو (دوستو میں درگ پال) نے منتریوں کو ابھار کر کے آسمان دیا کہ چتور گئی بیٹا

سجا کر پیدھ کی تیاری کرو۔ میں سویم سنگرام کروں گا۔ آٹھویں دن چندر دیو اور درگ پال میں گھور سنگرام ہوا، چندر دیو ارتھات درگ پال پکڑا گیا۔ اسے بھوک پیاس کا اتنا ڈکھ نہ تھا، جتنا کہ اہمان اور پر تشھیا کا۔ بنجرے میں بند رہ کر سدا اپنے متروں اور سمبندھیوں کو بندھے ہوئے دیکھ کر اس کا من بہت ڈکھی ہوتا۔ پیچھے بھی دھار کرتا تھا کہ شترو کو کس پر کار ماروں، یہاں تک کہ جب اپنی رانی کے ہاتھ پاؤں بندھے دیکھے اور یہ جانتا کہ درگ پال کے پاس لے جا رہے ہیں، تو وہ کرودھ سے جل اٹھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنجرہ توڑ کر باہر نکل جائے، پرنتو وہ بے سدھ ہو کر اندر ہی گر پڑا۔

اتنے میں ڈوٹھکوں نے آکر اس کی مٹکیں کس لیں اور اسے پھانسی پر لے چلے۔ چندر دیو رو رو کر کہنے لگا۔ مجھے مت مارو، مجھ پر دیا کرو۔ پرنتو کسی نے نہ سنا۔ پھانسی پر لٹکنے کو ہی تھا کہ اسے دھیان آیا۔ اوہو یہ تو میرا بھرم ہے، میں تو درگ پال ہوں۔ یہ تو سوہن ہے۔ وہ زور مار کر سر باہر نکالنا ہی چاہتا تھا کہ بھر سو گیا۔ اور دیکھا کہ میں تو پٹو بن گیا ہوں۔

اب وہ پٹو بن کر جنگل میں چرنے لگا، بچے اس کا دودھ پینے لگے۔ تب درگ پال نے سمجھا کہ میں ہرنی بن گیا۔ پرنتو اس اوستھا میں بڑا سنگھ مان رہا تھا۔ اتنے میں کسی شکاری نے بچے کو گولی ماری، بچہ گر پڑا اور بمیایک منش نے آکر اس کا سر کاٹ ڈالا۔

درگ پال نے مجھے سے چونک کر سر باہر نکال دیا اور دیکھا کہ بوڑھا پاس کھڑا ہے اور وہاں کچھ نہیں۔

درگ پال — اوہو! میں نے کتنے سال پرینت کشت بھوگا کہ میں کچھ درن نہیں کر سکتا۔

بوڑھا — ابھی تو آپ نے سر ڈبویا تھا، میرا تو لونا بھی خالی نہیں ہوا۔ آپ کہتے ہیں کہ چر کال تک آپ نے ڈکھ بھوگا۔ دھارو کہ چندر دیو اور جن یو دھاؤں اور پٹوؤں کو تم نے مارا ہے، وہ سب داستو میں تم ہی ہو۔ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ آتما کیول تم میں ہی ہے۔ پرنتو میں نے تمہارا چولا بدل کر یہ دکھا دیا ہے کہ دوسروں کو کشت دینے سے داستو میں تم اپنے کو ہی کشت دیتے ہو۔ آتما ایک ہے اور سرور ویا پک ہے۔ اسی کا ایک انش تم میں ہے۔ اس انش کو شدھ کرنا تمہارے بس میں ہے۔ سب کو اپنی آتما سمجھ کر ان کے ساتھ پریم کرنے سے تمہاری آتما شدھ ہو جائے گی۔ دوسروں کو ڈکھ دے کر بچ آتما کو پالن کرنے سے تمہاری آتما

بھرشٹ ہو جائے گی آتما اونیاشی ہے۔ جو مر گئے، وہ تمہیں دکھائی نہیں دیتے، پرنتو آتما نہیں مرتی۔ تم دوسروں کو مار کر اپنی آلو بڑھانا چاہتے ہو، یہ افسوس ہے۔ آتما چھوٹی بڑی نہیں ہو سکتی۔ یہ دلش کال سے پرے ہے۔ اس سے بھین جو کچھ دکھائی دیتا ہے، وہ سب بھرائی ماتر ہے۔

یہ کہہ کر بوڑھا انتر دھان ہو گیا۔

اگلے دن درگ پال نے چند روپو کو چھوڑ دیا اور پھر کوراجیہ سوئپ کر بن میں تپیا کرنے چلا گیا۔

اتنے کرن کا میل دور کر کے اب درگ پال سادھو دلش میں پرانی ماتر کو دلش دلش پھر کر یہ اپدیش کرتا ہے کہ دوسروں کا اپکار کرنا سویم اپنا اپکار کرتا ہے۔

تین پرشن

ایک سے ایک راجا نے وچار کیا کہ مجھے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ

۱۔ کسی کام کو شروع کرنے کا ٹھیک سے کون سا ہے؟

۲۔ کن لوگوں کی بات سنی چاہیے، کن کی نہیں؟

۳۔ سنسار کا سب سے اتم پدارتھ کیا ہے، جس سے میں جو چاہوں کر سکتا ہوں؟

اتر اس نے اپنی راجدھانی میں دو بڑی پڑا دی کہ جو کوئی پُروش ان تین باتوں کا اثر دے گا، اسے بہت انعام دیا جائے گا۔ اب بدھیمان پُروش آکر راجا کو ان پرشنوں کا اثر دینے لگے۔

پہلے پرشن کے اثر میں کسی نے کہا کہ منش کو کام کرنے کے واسطے پہلے دنوں، مہینوں اور درشوں کا سوچی پتر بنا لینا چاہیے۔ کسی نے کہا کہ کاریہ آرمھ کرنے کا ٹھیک سے نیت کرنا اُسمھو ہے۔ منش کو چاہیے کہ وقتاً سے نہ گنوائیں، جو کر تو یہ ہو سدا اسے کرتا رہے۔ کسی نے کہا کہ راجا کتنا بھی چتر اور سادو دھان کیوں نہ ہو، وہ اکیلا پرتیک کاریہ آرمھ کرنے کا ٹھیک سے نہیں جان سکتا۔ اسے بدھیمان لوگوں کی سبھا بنا کر ان سے سُنتی لینی چاہیے۔

اس پر دوسرے بولے کہ کچھ کاریہ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں ترنت کرنا پڑتا ہے۔ سبھا میں ان پر وچار کرنے کا اوکاش نہیں مل سکتا اور کاریہ کرنے سے پہلے اس کا پھل جاننا آدھیک ہے۔ یہ سب باتیں اوجھے پنڈت جانتے ہیں، اس کارن ان سے پوچھنا اُچھ ہے۔

اسی پر کار لوگوں نے دوسرے پرشن کے بھی انیک اثر دے۔ کسی نے کہا۔ راجا کے منتری اتی اتم ہونے چاہیے۔ کوئی بولا۔ پنڈت، کوئی بولا۔ وید، کسی نے کہا۔ سینا اتیادی۔ تیسرے پرشن کا اثر بھی ایسا ہی ملا، کوئی کہتا کہ پدارتھ و دیا سب سے اتم ہے، کوئی کہتا تھا کہ شاستر و دیا، تو کوئی پوجا پاٹھ بتلاتا تھا۔

راجا کو کوئی اثر ٹھیک معلوم نہ ہوا۔ پاس کے جنگل میں جگت دکھیات بدھیمان سادھو نو اس کرتا تھا۔ راجا نے وچارا کہ چلو اس سادھو سے ان پرشنوں کا اثر پوچھیں۔

سادھو کنیا چھوڑ کر کہیں باہر نہیں جاتا تھا اور کیول دین منٹس سے ملا کرتا تھا۔ اس کارن راجا سادھارن دستر پہن کر پیدل سادھو کی کنیا پر پہنچا۔ دیکھا کہ سادھو کنیا کے سامنے دھرتی کھود رہا ہے۔ راجا کو دیکھتے ہی راجا کو پرنام کیا اور پھر کھودنے لگا۔ وہ بہت دُجلا اور کمزور تھا اور پھاوڑا چلاتے ہوئے ہانپتا تھا۔

— راجا نے کہا — مہاراج! میں آپ سے تین باتیں پوچھنے آیا ہوں۔ پہلی یہ کہ میں ٹھیک کام کرنے کا ٹھیک سے کس پرکار جان سکتا ہوں۔ دوسری یہ کہ مجھے کن لوگوں سے سہااس کرنا اچھ ہے۔ تیسرا یہ کہ کون سا دُشے سب سے اُتم ہے۔ سادھو نے کوئی اتر نہیں دیا۔ اور دھرتی کھودتا رہا۔

راجا — مہاراج! آپ تمکے معلوم ہوتے ہیں۔ لایے پھاوڑا مجھے دیجیے اور آپ ذرا دُشرام کر لیجیے۔

سادھو نے راجا کو دھنیہ واو دیا اور پھاوڑا ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ زمین میں بیٹھ گیا۔

راجا کیاریوں کو کھوپ چکا تو رک گیا اور پھر اپنے تینوں پرشن دوہرائے۔ سادھو نے اتر دیا۔ ہاں اور پھاوڑا لینے کو ہاتھ بڑھا ~~دیکھو~~ راجا نے پھاوڑا نہ دیا اور کھودتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ سانجھ ہوگئی۔ تب راجا نے پھاوڑا زمین پر رکھ دیا اور بولا — مہاراج! میں تو آپ سے اپنے پرشنوں کا اتر لینے آیا تھا، یہی آپ کوئی اتر نہیں دے سکتے تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ سادھو — دیکھو، کوئی بھاگا آتا ہے۔

راجا نے منہ پھیر کر دیکھا ایک داڑھی والا منٹس جنگل کی اُور سے دوڑا آ رہا ہے۔ اس نے اپنے پیٹ کو ہاتھ سے دبا رکھا تھا اور ہاتھوں کے بیچ سے رو دھر بہہ رہا تھا۔ راجا کے پاس پہنچ کر وہ بے سدھ ہو کر دھرتی پر گر پڑا۔ راجا اور سادھو نے گرتا اٹھا کر دیکھا تو اس کے پیٹ میں بڑا بھاری گھاؤ پایا۔ راجا نے گھاؤ کو پانی سے دھو کر اپنا رومال اس پر باندھ دیا۔ رو دھک بند ہو گیا۔ کچھ کال اُپرانت منٹس کو سدھ آئی۔ پانی مانگا، راجا نے ترنت جل لا کر منٹس کو پلایا۔ اتنے میں سور یہ اُست ہو گیا۔ راجا سادھو کی سہایتا سے منٹس کو کو اٹھا کر کنیا میں لے گیا اور وہاں چار پائی پر لٹا دیا۔ گھائل آدمی کو نیند آگئی۔ راجا بھی تھک جانے کے کارن ترنت سو گیا۔ بھور ہونے پر اٹھا تو گھائل نے کہا کہ راجن آپ مجھے چما کیجیے۔

راجا - چھا کیسی، میں تو تمہیں جانتا بھی نہیں !

منش - آپ مجھ کو نہیں جانتے، پرتو میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے میرے بھائی کا دھن ہر لیا تھا، اس کارن میں نے پرتکلیا کی تھی کہ آپ سے بدلہ لوں گا۔ میں جانتا تھا کہ آپ سادھو سے مل کر سندھیا سے اکیلے گھر کو لوٹیں گے۔ اس کارن جنگل میں چھپ رہا تھا۔ آپ کے سپاہیوں نے مجھے وہاں دیکھ کر پہچان لیا اور مجھے گولی ماری۔ میں بھاگ کر یہاں آیا، یہی آپ میرے گھاؤ نہ بند کرتے تو میں اوشیہ مرجاتا۔ آپ نے مجھ پر بڑی ذیاء کی۔ میں آپ کو مارتا چاہتا تھا پرتو آپ نے میری جان بچائی۔ اب بھوشیہ میں آپ کا داس بن کر سیوا کروں گا۔ آپ چھا کریں۔

راجا بڑا پرسن ہوا کہ ایسا گھانک شتر و سنج میں ہی جڑ بن گیا۔ اس نے اپنے وید کو اس کی دوا کرنے کو بلا بھیجا اور اپنے نوکر، اس کی سیوا کرنے کے لیے بلائے۔ اس سے وداع ہو کر راجا نے سادھو سے کہا - مہاراج ! آپ نے میرے پرشوں کا کوئی اثر نہیں دیا۔ اچھا پرتام، آگنیا دیجیے۔

سادھو - آپ کے پرشوں کا اثر تو مل چکا۔

راجا - میں نے نہیں سمجھا۔

سادھو - دیکھو، یہی تم کل مجھ پر ترس کھا کر دھرتی نہ کھودتے اور شکھر ہی لوٹ جاتے تو یہ منش راہ میں تمہیں کشت دیتا، اور تم پچھتاتے کہ میں سادھو کے پاس کیوں نہ ٹھہر گیا اس لیے ووت ہوا کہ اُچھ سے وہ تھا، جب تم دھرتی کھود رہے تھے اور اُچھ منش میں تھا اور میرا بھلا کرنا، تمہارا پر م کرتویہ تھا۔ اس کے پیچھے جب وہ منش آیا تو اُچھ سے وہ تھا، جب تم اس کے گھاؤ کو بند کر رہے تھے، اور وہ اُچھ منش تھا اور اس کے گھاؤ کو بند کرنا تمہارا کرتویہ تھا۔ سارانش یہ کہ سد یو ورتمان کال ہی اُچھ کال ہے، کیوں کہ ورتمان کال پر ہی ہمارا اُچھ ادھکار ہے، جو منش مل جائے وہی اُچھ منش ہے ! کون جانتا ہے کہ ہل میں کیا ہو جائے اور کوئی ملے اتھوا نہ ملے۔ سر و تم کرتویہ پروپکار ہے، کیونکہ اُپکار کے ہی لیے منش اس مرتیو لوک میں شریہ دھارن کرتا ہے۔

مہاتما شیخ سعدی

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
148	پرہیز	1-
	جیون چتر	
150	جنم	2-
152	کھچھا	3-
155	دلش بھرم	4-
160	سعدی کا شیراز میں پُراگمن	5-
162	چتر	6-
166	رچنائیں اور ان کا مہتو	7-
169	گلستاں	8-
185	بوستاں	9-
195	سعدی کی لوکوکتیاں	10-
202	غزلیں	11-
209	قصیدے	12-
213	آمود پر مود	13-

پر تپے

شیخ سعدی کی گستاخانہ مہاتماؤں میں ہے۔ جن کے دھاروں کا پر بھاء کیول ایران ہی پر نہیں بلکہ سمت سنسار پر پڑا ہے۔ وہ کوئی تھے لیکن ایسے کوئی جو کسی اُچے ادیب کو پورا کرنے کے لیے جنم لیتے ہیں۔ انھوں نے کیول کاویہ پریموں کے لیے منور نجاتھ اچنی کاویہ کھتی کا اپوگ نہیں کیا، ان کا ادیب اپنے بھائیوں کی نئی و چار تھا دیوہار کا سغودھن کرنا تھا۔ انھوں نے اپنی سپورن کاویہ کھتی اسی ادیب کی بھینٹ کر دی۔ یدی سنسار کے کسی کوئی کے وشے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایٹور کا سندیشہ وہ اپنے بندھوؤں کو ستانے کے لیے آیا تھا تو وہ کوئی شیخ سعدی ہے۔ ایک دودان پرش کا کھنن ہے کہ کوئی کا کام مانو چتر کا انکن یا بھاو کا درشانا نہیں ہے۔ اس کا کام ان سچائیوں کو پرکٹ کرنا ہے۔ جن کا اس نے اپنے جیون میں انوبھو کیا ہے۔ اس درشتی سے دیکھیے تو سعدی کا استھان بہت اونچا ہے۔ مانو سو بھاء کا جتنا انوبھو ان کو تھا۔ سنسار کو جتنا اور جس طرح انھوں نے دیکھا اتنا کدچت کسی انیہ کوئی نے نہ دیکھا ہوگا۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا اپنا انوبھو ہے۔ اس سے پر قہوی کا جو بھاگ سمیہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ سد یو سعدی کے پیروں تلے رہتا تھا۔ وہ بہودھا بھرمین کرتے رہتے تھے اور جو انومی تھا کھچھا پرد باتیں دیکھتے تھے۔ انھیں اپنے وچار کوش میں سگرہہ کرتے جاتے تھے۔ یہی کارن ہے کہ شیخ سعدی کی گستاخانہ بوستاں کا آج جتنا آدر ہے، اتنا تلسی کرت رامائن کے سوا کدچت کسی انیہ گرنتھ کا نہ ہوگا۔ جس نے کچھ تھوڑی سی بھی فارسی پڑھی ہے وہ سعدی سے ادیبہ پرچت ہے۔ ان کی دونوں پستکیں پر تیک پستکالیہ یا پر تیک دوحالیہ تھا پر تیک دوحیا پریمی کے آدر کی ساگری رہی ہے۔ سعدی کیول پد رچنا ہی نہ کرتے تھے وہ گرنتھ رچنا میں بھی ادیوچہ تھے۔ گستاخانہ جتنا آدر ہے اتنا بوستاں کا نہیں ہے۔ سعدی نے سویم گستاخانہ پر اپنا گورو پرکٹ کیا ہے۔ بوستاں کی فکر کی پستکیں فارسی میں دوحان ہے۔ لیکن گستاخانہ کی سامتا کرنے والی پستک نہیں ہے۔ ایک بڑے بڑے لیکھکوں نے اس ڈھنگ کی

پسک لکھنے کا پریقن کیا۔ کفو سہل نہ ہوئے۔ اس کی بھاشا اتنی مدھر، لیکن ٹیلی اتنی ہر دیہ گراہی اور واکیہ رچنا ایسی انومٹی ہے کہ نیتی دشے پر ایسے گرنفہ بہت کم ہوں گے۔ لہسپ کی نیتی کھائیں بہت پرسدھ ہیں۔ اسی پرکار پنج تہتر اور ہتو پدیش کی کھانوں کا بھی بہت پرچار ہے۔ پر ان پستکوں میں کھانا پر ایہ لمبی اور پشو کھٹی آدی کے سمبندھ میں ہے۔ سہدی کے پاس پنج انہوت کھانوں کا اتنا بابلیہ ہے کہ اور وہ ایسے موقع سے انہیں کام میں لاتے ہیں۔ انہیں کلپت کھانوں کے گڑھنے کی آدھیکتا ہی نہیں تھی۔ درتمان سے میں انگریزی کے پرسدھ گرنفہ کار ڈاکٹر اسما ایس ہلکی، کابیٹ، مارڈن آدی نے چتر سدھار اور نیتی پر اچھی اچھی پستکیں لکھی ہیں، کفو وچار کر کے دیکھنے پر ان کی پستکوں میں بوڑھے شیخ سہدی کی لکھ ٹیلی صاف جھلکتی ہے۔ وعدی نے اس پسک کا نام بہت ہی اچت رکھا ہے۔ یہ ایسی منورم دانکا ہے کہ آج چھ شتابدیاں بیت جانے پر بھی ویسی ہی ہری بھری ٹوہپیت اور اور سنجیت بنی ہوئی ہے۔ سنار میں ایسی کداچت ہی کوئی آتہ بھاشا ہوگی، جس میں ان کا انوداد نہ ہوا ہو۔ اتو ایسے مہان لیکھک سے ہندی پریسیوں کا پرتیجے کرانا آدھیک ہے۔

جیون چتر پر قلم ادھیاے جنم

شیخ مصلح الدین (اوپ نام سہدی) کا جنم سن ۱۱۷۲ عیسوی میں شیراز نگر کے پاس ایک گاؤں میں ہوا تھا۔ ان کے پتا کا نام عبداللہ اور دادا کا نام شرف الدین تھا۔ ”شیخ“ اس گھرانے کی ستان سوچک پدوی تھی۔ کیونکہ ان کی درتی دھارک ہلکھا دیکھا دینے کی تھی لیکن ان کا خاندان سید تھا۔ جس پر کارانیہ مہان پر دوشوں کے جنم کے سبندھ میں انیک الوکک گھٹنائیں پرسدھ ہیں۔ اسی پر کار سہدی کی جنم کے دشنے میں بھی لوگوں نے کپنائیں کی ہیں لیکن ان کے اٹلیکھ کی ضرورت نہیں۔ سہدی کا جیون تھا مشکرت کے ایک کوپوں کے جیون کی بھانتی ہی اندھکار میں ہے۔ ان کے جیونی کے سبندھ میں ہمیں انومان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یدہی ان کا جیون ورنانت فارسی گرنقوں میں بہت دستار کے ساتھ ہے۔ تھانی اسی میں انومان کی ماترا اتنی ادھک ہے کہ گولی سے بھی، جس نے سہدی کا چتر انگریزی میں لکھا ہے۔ دودھ اور پانی کا فیصلہ نہ کرسکا۔ کوپوں کا جیون چتر ہم پرایہ اس لیے پڑھتے ہیں کہ ہم کوئی کے منو بھادوں سے پرچیت ہو جائیں اور اس کی رچتاؤں کو بھلی بھانتی سمجھنے میں سہایتا ملے۔ نہیں تو ہم کو ان جیون چتروں سے اور کوئی ویشل ہلکھا نہیں ملتی۔ کٹھو سہدی کا چتر آدی سے انت تک ہلکھا پورن ہے۔ اس سے ہم کو دھیریہ، ساہس اور کھٹنائیوں میں ستیہ پتہ پر ڈلے رہنے کی ہلکھا ملتی ہے۔

شیراز اس سے فارس کا پرسدھ استخان ہے اور اس زمانے میں تو وہ سارے ایشیا کی وڈیا، گمن اور کوشل کی کھان تھا۔ مصر، عراق، جش، چین، خراسان، آدی دیش ویشاتروں کے مٹی لوگ وہاں آشریے پاتے تھے۔ گیان و گیان درشن دھرم شاستر آدی کے بڑے بڑے

ودیا لے کھلے ہوئے تھے۔ ایک نمٹت راجیہ میں سادھارن سماج کی جیسی ابھی دشا ہونی چاہیے
 ویسی ہی وہاں تھی۔ اسی سے سہی کی بالیہ اوستا ہی سے ودوانوں کے ست سنگ کا سوا سوا
 پراپت ہوا۔ سہی کے پتا عبداللہ کا 'سہ بن زنگی' (اس سے ایران کا بادشاہ) کے دربار میں
 بڑا مان تھا۔ مگر میں بھی یہ پریوار اپنی ودیا اور دھارک جیون کے کارن بڑی ستان کی درشتی
 سے دیکھا جاتا تھا۔ سہی بچپن ہی سے اپنے پتا کے ساتھ مہاتماؤں اور گنیوں سے ملنے جایا
 کرتے تھے۔ اس کا پرہاڑ ان کے انوکرن شیل سوہماؤ پر اوشیہ ہی پڑا ہوگا۔ جب سہی پہلی
 بار سہ بن زنگی کے دربار میں گئے تو بادشاہ نے انھیں ویش اسید پورن درشتی سے دیکھ کر
 پوچھا "میاں لڑکے تمہاری عمر کیا ہے؟" سہی نے اتھت نمرتا سے اتر دیا "حضور کے گورو
 شیل راجیہ کال سے پورے بارہ سال چھوٹا ہوں!" اپنا دستا میں اس چتورائی اور بدھی کی
 پرکھتا پر بادشاہ ملکہ ہو گیا۔ عبداللہ سے کہا "بالک بڑا ہونہار ہے اس کے پالن پوٹن تھا
 گھگھا کا آٹم پر بندہ کرنا۔ سہی بڑے حاضر جواب تھے۔ موقع کی بات انھیں خوب سوچتی
 تھی۔ یہ اس کا پہلا اداہرن ہے۔

شیخ سہی کے پتا دھارک درتی کے منش تھے۔ اتہ انھوں نے اپنے پتر کی گھگھا
 میں بھی دھرم کا سواشیش اوشیہ کیا ہوگا۔ اس دھارک گھگھا کا پرہماؤ سہی پر جیون پرچن رہا۔
 ان کے من کا جھکاؤ بھی اس اور تھا اور بچپن ہی سے روزہ نماز آدی کے پابند رہے۔ سہی
 کے لکھنے سے پرکٹ ہوتا ہے کہ ان کے پتا کا دیہانت ان کے بالیہ کال میں ہی ہو گیا تھا۔
 سمجھو تھا کہ ایسی ذرا دستا میں ایک یووکوں کی بھائی سہی بھی دروسنوں میں پڑ جاتے لیکن
 ان کے پتا کی دھارک گھگھا نے ان کی رکھا کی۔

یدھی شیراز میں اس سے ودوانوں کی کمی نہ تھی اور بڑے بڑے ودیالیہ استھاپت
 تھے، کتو وہاں کے بادشاہ سہ بن زنگی کو لڑائی کرنے کی ایسی دھن تھی کہ وہ بہودھا اپنی سینا
 لے کر عراق پر آکر من کرنے چلا جایا کرتا تھا اور راج کاج کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا
 تھا۔ اس کے پیچھے دیش میں گھور ایدرو پچے رہتے تھے اور بلوان شتر و دیش میں مار کات چا
 دیتے تھے۔ ایسی کئی درگھٹنائیں دیکھ کر سہی کا جی شیراز سے اچٹ گیا۔ ایسی ایدرو کی دشا
 میں پڑھائی کیا ہوتی۔ اس لیے سہی نے یوا دستا میں ہی شیراز سے بغداد کو پرستان کیا۔

دوسرا ادھیاءے

شکچھا

اس سے شیراز سے بغداد کی یاترا بہت کٹھن تھی۔ قافلے چلا کرتے تھے۔ سہدی بھی ایک قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ گھر پر جو مال اسباب تھا، سب متروں اور غریبوں کو بھیٹ کر دیا۔ کیول ایک ”قرآن“ جوان کے آدی گرو نے دیا تھا۔ اپنے پاس رکھ لیا۔ اس سے دوت ہوتا ہے کہ وہ کیسے تیگی اور سامی پرش تھے۔ مارگ میں بیمار پڑ جانے کے کارن قافلے والوں کا ساتھ چھوٹ گیا لیکن وہ اکیلے ہی چل کھرے ہوئے۔ جس گاؤں میں ٹھہرے تھے وہاں کے لوگوں نے سمجھایا کہ آگے کا مارگ بہت دکٹ ہے۔ کتو سہدی کے پاس کیا رکھا تھا کہ چوروں سے ڈرتے۔ تھوڑی ہی دور مگئے تھے کہ ڈاکوؤں سے سامنا ہو گیا۔ سہدی نے ان سے ونے پوروک کہا کہ میں ایک غریب و دیار تھی ہوں، دو یو پارجن کے لیے بغداد جارہا ہوں۔ میرے پاس اس شریر کے کپڑے اور قرآن کے سوائے کچھ نہیں ہے، یدی جی چاہے تو ان دستوؤں کو لے جاؤ لیکن کرپا کر کے ان کا ذرا بیوگ نہ کرنا۔ کسی غریب و دیار تھی کو دے دینا۔ سہدی کے اس کٹھن کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکو بچت ہو گئے اور سد یو کے لیے اس کو مارگ کو چھوڑنے کا سٹکپ کر لیا۔ ان میں سے دو آدی سہدی کی رکھا کے لیے ساتھ چل دیے۔ سد یو بار میں کتنا پر بھاڑ ہے یہ اس گھٹنا سے بھلی بھانٹی پر ملا ت ہو جاتا ہے۔ لیکن المٹور کو یہ سو بکار تھا کہ اس یاترا میں سہدی کو المٹور یہ نیائے اور ڈنڈ کا الوھو ہو جائے۔ ان کے دولوں ساتھیوں میں سے ایک کو سانپ نے کاٹ کھایا اور دوسرا ایک پٹل سے گر کر مر گیا۔ دولوں نے بوے کٹھ سے ایندیاں رگڑ رگڑ کر جان دیں۔ ان کے جیون کے اس دُش پریتام نے سہدی کے ہر دے پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے نچے کر لیا کہ کبھی کسی کو کٹھ نہ دوں گا، ہمیشہ دوسروں

کے ساتھ دیا کا ویو ہار کروں گا۔

بغداد اس سے ترک سامراجیہ کی راجدھانی تھا۔ مسلمانوں نے ہمرا سے یونان تک و بچے پراپت کر لی تھی اور سپہرہن ایشیا ہی میں نہیں یورپ میں بھی ان کا سا دھبہ شمالی اور کوئی راجیہ نہ تھا۔ راجا وکرما دیتیہ کے سے میں اجمین کی اور مور یہ دیش کے راجیہ کال میں پاٹلی پوتر کی جو اچھی تھی وہی اس سے بغداد کی تھی۔ بغداد کے بادشاہ خلیفہ کہلاتے تھے۔ رونق اور آبادی میں یہ شہر شیراز سے کہیں بڑھا چڑھا تھا۔ یہاں کے کئی خلیفہ بڑے ودیا پریمی تھے۔ انھوں نے سیکڑوں ودیالیہ استھاپت کیے تھے۔ دور دور سے دودان لوگ مٹھن پاٹھن کے نعمت آیا کرتے تھے۔ یہ کہنے میں آتی یکتی نہ ہوگی کہ بغداد کا سا اہت مگر اس سے سنار میں نہیں تھا۔ برے بڑے عالم، فاضل، مولوی، ملا، وگیان ویتا اور دارشکون میں جن کی رچنا میں آج بھی گورو کی ورثی سے دیکھی جاتی ہیں۔ بغداد ہی کے ودیالیہ میں ہکھما پائی۔ ویشیشہ، مدرسہ نظامیہ، ورتمان آکسفورڈ یا برلن کی یونیورسٹیوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔ سات آٹھ، سہتر چھاتر اس میں ہکھما پاتے تھے۔ اس کے ادھیانکوں اور ادھمٹھا تاؤں میں ایسے ایسے لوگ ہو گئے ہیں۔ جن کے نام پر مسلمانوں کو آج بھی گرو ہے۔ اس مدرسے کی بنیاد ایک ایسی ودھیہ پریمی نے ڈالی جس کے ہکھما پریم کے سامنے شاید کاریگی بھی بچت ہو جائیں۔ اس کا نام نظام الملک طوسی تھا۔ جلال الدین سلجوقی کے سے میں وہ راجیہ کا پردھان منتری تھا۔ اس نے بغداد کے اتیریکٹ ہمرا، نیشاپور، اصفہان آدی مگروں میں بھی ودیالیہ استھاپت کیے تھے۔ راجیہ کوش کے اتیریکٹ اپنے بچ کے اسکھیر روپیہ ہکھما توتی میں ویسے کیا کرتا تھا۔ نظامیہ مدرسے کی کھیاتی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ سدی نے اسی مدرسے میں پردیش کیا۔ یہ نچت نہیں ہے کہ وہ کتنے دنوں بغداد میں رہے۔ لیکن ان کے لیکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں فقہ (دھرم ساشر) حدیث آدی کے اثرکت انھوں نے وگیان، گوت، کھگول، بھوگول، اتھاس آدی ویشیوں کا اچھی طرح آدھین کیا ور ”علامہ“ کی سند پراپت کی۔ اتنے گہن ویشیوں کے پنڈت ہونے کے لیے سدی کو دس ورش سے کم نہ لگے ہوں گے۔

کال کی مٹی وچتر ہے۔ جس سے سدی نے بغداد سے پرستھان کیا۔ اس سے اس مگر پر لکھی اور سرسوتی دونوں ہی کی کرپا تھی۔ لیکن لگ بھگ میں ورش بعد انھوں نے اسی سرمدہ شمالی مگر کو ہلاکو خان کے ہاتھوں نشت بھرشت ہوتے دیکھا اور اتم خلیفہ، جس کے دربار

میں بڑے بڑے راجا رئیسوں کی بھی مشکل سے پہنچ ہوتی تھی۔ بڑے اہمان اور کروڑتا سے مارا گیا۔

سہری کے ہردے پر اس گھور ویلو کا ایسا پربھاد پڑا کہ انھوں نے اپنے لیکھوں میں بارمبار نعتی رکھا، پر جا پالن، تمنا نیاے پرتا کا اپدیش دیا ہے۔ ان کا وچار تھا اور اس کے -تھارت ہونے میں کوئی سند یہ نہیں کہ نیاے پرے پر جا و تسل راجا کو کوئی شتر و پراجت نہیں کر سکتا۔ جب ان گنوں میں کوئی انش کم ہو جاتا ہے تبھی سے بڑے دن دیکھنے پڑتے ہیں۔ سہری نے دیوں پر دیا، دیکھوں سے سہا نبھوتی، دلش بھائیوں سے پریم آدی مٹوں کا بڑا مہتو درشایا ہے۔ کوئی آٹھریہ نہیں کہ ان کے اپدیشوں میں جو جموتا دیکھ پڑتی ہے وہ انھیں ہردے و چارک درشیوں سے اُتھن ہوئی ہے۔

تیسرا ادھیائے

دیش بھرم

مسلمان یاتریوں میں انن بلوط (پرکمیات یاتری ایوم مہتو پورن گرتھ ”سفرنامہ“ کا لیکھک) سب سے سرخٹھ سمجھا جاتا ہے۔ سدی کے وشے میں دودانوں نے استھر کیا ہے کہ ان کی یاترائیں ’بلوط‘ سے کچھ ہی کم تھیں۔ اس سے کے سہیہ سنار میں ایسا کوئی استھان نہیں تھا۔ جہاں سدی نے پداہن نہ کیا ہو۔ وہ سدو پیدل ستر کیا کرتے تھے۔ اس سے دوت ہو سکتا ہے کہ ان کا سواستھ کیسا اچھا رہا ہوگا اور وہ کتنے بڑے پریشری تھے۔ سادھارن دستروں کے سوا اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں رکھتے تھے۔ ہاں رکھا کے لیے کپھاڑا لے لیا کرتے تھے۔ آج کل کے یاتریوں کے بھائی پاکٹ میں نوٹ بک داب کر گائیڈ (پتہ درلک) کے ساتھ پرسدہ استھانوں کا دیکنا اور گھر بھیج کر یاترا درنانت چھوڑ کر اپنی دودتا درشانا سدی کا ادھیہ نہ تھا۔ وہ جہاں جاتے تھے۔ مہنوں رہتے تھے۔ جن سودائے کے رتی رواج، رہن کہن اور آچار ویو ہار کو دیکھتے تھے۔ دودانوں کا سنگ کرتے تھے۔ اور جو دچر باتیں دیکھتے تھے۔ انہیں اپنے اسرن کوش میں سگرہ کرتے جاتے تھے۔ ان کی گستاں اور بوستاں دونوں ہی پٹکلیں ان ہی انوبھودوں کا چل ہے۔ لیکن انھوں نے وچر جو بنتوؤں، کورے ہارنیک درشیوں اتھوا ادبست دستر ابھوشنوں کے گھوڑوں سے اپنی کتابیں نہیں بھریں۔ ان کی درشنی سدو ایسی باتوں پہ رہا کرتی تھی۔ جن کا سدا چار سجدی پریتام ہو سکتا ہو، جن سے منو دیگ اور درتہوں کا گیان ہو، جن سے مٹش کی بھلتا یا دربھتا کا پتا چل ہو، سدا چن، پارسہرک ویو ہار اور نیتی پالن ان کے اپدیشوں کے وشے تھے۔ وہ ایسی ہی گھٹناؤں پر دچار کرتے تھے جن سے ان اچھ ادیشوں کی پورتی ہو۔ یہ آدھک نہیں تھا کہ گھٹنا نہیں ادبست ہی ہوں نہیں، وہ سادھارن باتوں سے بھی ایسے سدا حانت نکال لیتے تھے، جو سادھارن ہمدی کی

پنچ سے باہر ہوتے تھے۔ نمن بکھت دو چار اُدھاروں سے یہ ان کی سوکھم درختا اسپٹ ہو جائے گی۔

☆

مجھے کیش نامی دوپ میں ایک سوداگر سے ملنے کا سینوگ ہوا۔ اس کے پاس سامان سے لدے ہوئے ایک سو پچاس اونٹ اور چالیس خدمت گار تھے۔ اس نے مجھے اپنا اتھلی بتایا۔ ساری رات اپنی رام کہانی سناتا رہا کہ میرا اتنا مال ترکستان میں پڑا ہے۔ اتنا ہندوستان میں۔ اتنی بھومی انک استھان پر ہے، اتنے مکان انک استھان پر ہیں، کبھی کہتا مجھے مصر جانے کا شوق ہے، لیکن وہاں کی جلوایو ہانی کارک ہے۔ جناب شیخ صاحب! میرا دو چار ایک اور یاترا کرنے کا ہے، اگر وہ پوری ہو جائے تو پھر ایک انت داس کرنے لگوں، میں نے پوچھا وہ کون سی یاترا ہے، تو آپ بولے پارس کا گندھک چین دیش میں لے جانا چاہتا ہوں، کیونکہ سنا ہے وہاں اس کے اچھے دام کھڑے ہوتے ہیں۔ چین کے پیالے روم لے جانا چاہتا ہوں۔ وہاں سے روم کا۔ ”دبیا“ (ایک پرکار کا بھومولہ ریشی کپڑا) لے کر ہندوستان میں اور ہندوستان کا فولاد ”طب“ میں اور طب کا آئینہ یمن میں اور یمن کی چادریں لے کر پارس لوٹ جاؤں گا۔ پھر چپکے سے ایک دکان کرلوں گا اور ستر چھوڑ دوں گا، آگے امشور مالک ہے۔ اس کی یہ ترشا دیکھ کر میں اکتا گیا اور بولا۔ ”آپ نے سنا ہوگا کہ ”غور“ کا ایک بہت بڑا سوداگر جب گھوڑے سے گر کر مرنے لگا تو اس نے ایک ٹھندی سانس لے کر کہا۔ ترشا وان منش کی ان دو آنکھوں کو سنتوش ہی بھر سکتا ہے یا قبر کی مٹی۔

کوئی تمکا ماندہ بھوک کا مارا ہنوی ایک دھنواں کے گہر جالکلا۔ وہاں اس سے آمود پرمود کی باتیں ہو رہی تھیں۔ کتو اس پھارے کو ان میں ذرا بھی حرا نہ آتا تھا۔ انت میں گرہ سوامی نے کہا، جناب، کچھ آپ بھی کہیے۔ مسافر نے جواب دیا۔ کیا کہوں میرا بھوک سے برا حال ہے۔ سوامی نے لوٹری سے کہا، کھانا لا۔ دسترخوان بچھا کر کھانا رکھا گیا۔ لیکن ابھی سبھی چیزیں تیار نہ تھیں۔ سوامی نے کہا۔ کرپا کر ذرا ٹھہر جائیے، ابھی کوفت تیار نہیں ہے۔ اس پر مسافر نے یہ شعر پڑھا۔

کوفت در ستر اے ماگو مباح

کوفت مانان تمی کوفت است

بھادرتھ — مجھے کونذ کی ضرورت نہیں ہے۔ بھوکے آدمی کو خالی روٹی ہی کونذ ہے۔

☆

ایک بار میں متروں اور بندھوؤں سے اکٹا کر فلسطین کے جنگل میں رہنے لگا۔ اس سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ ایک دن عیسائیوں نے مجھے قید کر لیا اور کھائی کھونے کے کام پر لگا دیا۔ کچھ دن بعد وہاں حلب دیش کا ایک دھنانیہ منسل آیا، وہ مجھے پہچانتا تھا۔ اسے مجھ پر دیا آئی۔ وہ دس دینار دے کر مجھے قید سے چھڑا کر اپنے گھر لے گیا اور کچھ دن بعد اپنی لڑکی سے میرا نکاح کرا دیا۔ وہ استری کرکشا تھی۔ آدھ ستکار تو دور ایک دن کرو دھت ہو کر بولی۔ کیوں صاحب! تم وہی ہونا جسے میرے پتانے دس دینار پر خریدا تھا۔ میں نے کہا۔ جی ہاں، میں وہی لائبھ کاری دستو ہوں، جسے آپ کے پتانے دس دینار پر خرید کر آپ کے ہاتھ سو دینار پر بیچ دیا۔ یہ وہی منسل ہوئی کہ ایک دھرماتما پڑش کسی بکری کو بھیڑیوں کے پنجوں سے چھڑا لایا لیکن رات کو اس بکری کو اس نے خود ہی مار ڈالا۔

☆

مجھے ایک بار کئی فقیر ساتھ سفر کرتے ہوئے ملے۔ میں اکیلا تھا۔ ان سے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لیتے چلیے۔ انھوں نے سوکار نہ کیا، میں نے کہا۔ یہ رکھائی سادھوؤں کو شوبھا نہیں دیتی۔ تب انھوں نے جواب دیا۔ ناراض ہونے کی بات نہیں، کچھ دن ہوئے ایک مسافر کو اسی طرح ساتھ لے لیا تھا۔ ایک دن ایک قلعے کے نیچے ہم لوگ ٹھہرے۔ اس مسافر نے آدھی رات کو ہمارا لونا اٹھایا کہ لگھو ھٹکا کرنے جاتا ہوں۔ لیکن خود غائب ہو گیا۔ یہاں تک بھی کشل تھی۔ لیکن اس نے قلعے میں جا کر خود جواہرات چرائے اور کھسک گیا۔ پرانے کال قلعے والوں نے ہمیں پکڑا۔ بہت کھوج کے پیچھے اس دُشٹ کا پتہ ملا، تب ہم لوگ قید سے مکت ہوئے۔ اس لیے ہم لوگوں نے پرن کر لیا ہے کہ انجان آدمی کو اپنے ساتھ نہ لیں گے۔

☆

دو خراسانی فقیر ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان میں ایک بڑھا دو دن کے بعد کھانا کھاتا تھا۔ دوسرا جوان دن میں تین بار بھوجن پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ سنیوگ سے دونوں کسی شہر میں جاسوی کے بھرم میں پھنس گئے۔ انھیں ایک کوفری میں بند کر کے دیوار چنوا دی گئی۔ دو پستہ بعد معلوم ہوا کہ دونوں زہاد تھے، اس لیے بادشاہ نے انھیں دی کہ دونوں کو چھوڑ

دیا جائے۔ کوٹھری کی دیوار توڑی گئی جوان مرا ملا اور بوڑھا جیوت۔ اس پر لوگ کھول کرنے لگے۔ اتنے میں ایک بدھیمان پرش وہاں سے اٹکلا۔ اس نے کہا۔ اس میں آٹھریہ کیا ہے۔ اس کے وپریت ہوتا تو آٹھریہ کی بات تھی۔

☆

ایک سال حاجیوں کے قافلے میں پھوٹ پڑ گئی۔ میں بھی ساتھ ہی یا ترا کر رہا تھا۔ ہم نے خوب لڑائی کی۔ ایک اونٹ وان نے ہماری یہ دشا دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہا کہ کھید کی بات ہے کہ شطرنج کے پیادے تو جب میدان پار کر لیتے تو وزیر بن جاتے ہیں، مگر حاجی پیادے جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، پہلے سے بھی خراب ہوتے جاتے ہیں، ان سے کہو، تم کیا جج کرو گے جو یوں ایک دوسرے کو کانٹے کھاتے ہو۔ حاجی تو تمہارے اونٹ ہیں، جو کانٹے کھاتے ہیں اور بوجھ بھی اٹھاتے ہیں۔

☆

روس میں ایک سادھو مہاتما کی پرفہناسن کرہم ان سے ملنے گئے۔ انھوں نے ہمارا ویش سواگت کیا۔ کفو کھانا نہ کھلایا۔ رات کو تو وہ اپنی مالا پھیرتے رہے اور ہمیں بھوک میں نیند نہیں آئی۔ صبح ہوئی تو انھوں نے کل کا سا آگت سواگت آرمہد کیا۔ اس پر ہمارے ایک مونہہ پٹ مڑنے لگا، مہاتمن، اتنے ہی کے لیے اس ستکار سے ادھک ضرورت بھوجن کی ہے۔ بھلا ایسی آپاٹنا سے کبھی اپکار ہو سکتا ہے جب کئی آدمی گھر میں بھوک کے مارے کروٹیں بدلتے رہیں۔

☆

ایک بار میں نے ایک منش کو تیندوے پر سوار دیکھا۔ مجھ سے کاہنے لگا۔ اس نے یہ دیکھ کر ہنسنے ہوئے کہا، سہری ڈرنا کیوں ہے، یہ کوئی آٹھریہ کی بات نہیں ہے۔ یدی منش البشور کی آگیا سے منہ نہ موڑے تو اس کی آگیا سے بھی کوئی منہ نہیں موڑ سکتا۔

☆

سہری نے بھارت کی بھی یا ترا کی تھی۔ کچھ دودانوں کا انومان ہے کہ وہ چار بار ہندوستان آئے۔ پرتو اس کا کوئی پرمان نہیں، ہاں ان کا ایک بار یہاں آنا زمہ انت ہے۔ وہ گجرات تک آئے اور شاید وہیں سے لوٹ گئے۔ سوماتھ کے دشنے میں انھوں نے ایک

گھٹنا لکھی ہے جو شاید سہری کی یا ترا ورتانت میں سب سے ادھک کتول جک ہے۔

جب میں سومتھ پہنچا تو دیکھا کہ سہسروں استری اور پردش مندر کے دوار پر کھڑے ہیں۔ ان میں کتنے ہی مرادیں مانگنے، دور دور سے آئے ہیں۔ مجھے ان کی مڑکتا پر کھید ہوا۔ ایک دن میں نے کئی آدمیوں کے سامنے مورتی پوجا کی نندا کی۔ اس پر مندر کے بہت سے پجاری جمع ہو گئے اور مجھے گھیر لیا۔ میں ڈرا کہیں یہ لوگ مجھے پیٹنے نہ لگیں۔ میں بولا۔ میں نے کوئی بات اشر دھا سے نہیں کہی۔ میں تو خود اس مورتی پر مومت ہوں، لیکن میں ابھی یہاں کے گپت رمسوں کو نہیں جانتا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ اس تھو کا پورن گیان پراپت کر کے اپاسک بنوں۔ پجاریوں کو میری یہ باتیں پسند آئیں۔ انھوں نے کہا۔ آج رات کو تو مندر میں رہ۔ تیرے سب بھرم مٹ جائیں گے۔ میں رات بھر وہاں رہا۔ پرات کال جب مگر داسی یہاں اکثر ت ہوئے تو اس مورتی نے اپنے ہاتھ اٹھائے جیسے کوئی پراتھنا کر رہا ہو! یہ دیکھتے ہی سب لوگ جے جے پکارنے لگے۔ جب لوگ چلے گئے تو پجاری نے ہنس کر مجھ سے کہا، کیوں اب تو کوئی ہڈکا نہیں رہی؟ میں کرم بھاؤ بنا کر رونے لگا اور لجا پرکٹ کی۔ پجاریوں کو مجھ پر دشواں ہو گیا۔ میں کچھ دنوں کے لیے ان میں مل گیا۔ جب مندر والوں کا مجھ پر دشواں جم گیا تو ایک رات کو اوسر پا کر میں نے مندر کا دوار بند کر دیا اور مورتی کے سنہان کے گٹ جا کر دھیان سے دیکھنے لگا۔ وہاں مجھے ایک پردہ دکھائی پڑا۔ جس کے پیچھے ایک پجاری بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ جب وہ اس ڈور کو کھینچتا ہے تو مورتی کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ اسی کو لوگ ذبک بات سمجھتے ہیں۔

یہ پجی سہری تمھیا وادی نہیں تھے۔ تھتاپی اس ورتانت میں کئی باتیں ایسی ہے جو ترک کی کسوٹی پر نہیں کسی جاسکتی۔ لیکن اتنا ماننے میں کوئی آپتی نہیں ہونی چاہیے کہ سہری گھبرات آئے اور سومتھ میں ٹھہرے تھے۔

چوتھا ادھیاء

سعدی کا شیراز میں پنر آگمن

تیس چالیس سال تک بھرمَن کرنے کے بعد سعدی کو جنم بھوی کا اسرن ہوا۔ جس سے وہ شیراز سے چلے تھے۔ وہاں اشنائی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ تو اس کو دشا اور کچھ ودیا لایھ کی لہٹھا سے پریت ہو کر سعدی نے دلش تیاگ کیا تھا لیکن اب شیراز کی وہ دشا نہ تھی۔ سعد بن زنگی کی مرتیو ہو چکی تھی اور اس کا بیٹا اتا بک ابوبکر راج گدی پر تھا۔ وہ نیائے پر یہ راجیہ کار یہ کشل راجا تھا۔ اس کے سھاسن نے دلش کی گیزی ہوئی اوستھا کو بہت کچھ سدھار دیا تھا۔ سعدی سنسار کو دیکھ چکے تھے۔ اوستھا وہ آکھیتی تھی جب معیہ کو اکانت واس کی اچھا ہونے لگتی ہے۔ سانسارک جھڑوں سے من ادا سین ہو جاتا ہے۔ اتیو الومان کہتا ہے کہ پنہنٹھ یا ستر درش کی اوستھا میں سعدی شیراز آئے۔ یہاں ساج اور راجا دونوں ہی نے ان کا اچت آور کیا۔ لیکن سعدی ادھک تر ایکانت واس میں ہی رہتے تھے۔ راج دربار میں بہت کم آتے جاتے۔ ساج سے بھی کنارے رہتے۔ اس کا کداچت ایک کارن یہ بھی تھا کہ اتا بک ابوبکر کو ملاؤں اور ودالوں سے کچھ چڑھتی۔ وہ انھیں پاکھنڈی اور اپدروی سمجھتا تھا۔ کتنے ہی سرو مانیہ ودوالوں کو اس نے دلش سے نکال دیا تھا۔ اس کے دپریت وہ مورکھ فقیروں کی بہت سیوا اور شکار کرتا۔ جتنا ہی ان پڑھ فقیر ہوتا اتنا ہی اس کا مان ادھک کرتا تھا۔ سعدی ودوان بھی تھے، ملا بھی تھے، یدی پر جا سے ملے جلتے تو ان کا گورو اوشیہ بڑھتا اور بادشاہ کو ان سے کلکا ہو جاتا۔ اس کے سوا یدی وہ راج دربار کے اپاسک بن جاتے تو ودوان لوگ ان پر کٹا کچھ کرتے۔ اس لیے سعدی نے دونوں سے منہ موڑنے میں ہی اپنا کلیان سمجھا اور تسکھ رہ کر دونوں کے کرپا پاتر بنے رہے۔ انھوں نے گلستاں اور بوستاں کی رچنا شیراز ہی میں کی۔ دونوں گرنٹھوں میں سعدی نے مورکھ سادھو اور فقیروں کی خوب خبر لی اور راجا، بادشاہوں کو بھی نیائے، دھرم اور دیا کا اپدیش دیا اور اندھ دشاں پر سیکڑوں جگہ دھارک چوٹیں کی ہیں۔ ان کا

تاتہریہ یہ ہی تھا کہ اتا تک ابو بکر چیت ہو جائے اور دونوں سے درودہ کرنا چھوڑ دے۔ سہری کو بادشاہ کی کی اچکھا یوراج سے ادھک سہہ تھا۔ اس کا نام فخر الدین تھا۔ وہ بغداد کے خلیفہ کے پاس کچھ تحفے بھیجتے لے کر ملے گیا تھا۔ لوٹی بار مارگ ہی میں اسے اپنے پتا کے مرنے کا ساچار ملا۔ یوراج بڑا پتر بھگت تھا۔ یہ خبر سنتے ہی شوک سے بیمار پڑ گیا۔ اور راستے میں ہی پر لوک سدھا گیا۔ ان دونوں مرتو سے سہری کو اتا شوک ہوا کہ وہ شیراز سے پھر نکل کھڑے ہوئے اور بہت دنوں تک دلش بھرن کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کال کے اپرانت وہ پھر شیراز آ گئے تھے کیونکہ ان کا دیہانت یہیں ہوا۔ ان کی قبر ابھی تک موجود ہے، لوگ اس کی پوجا درشن (زیارت) کرنے جایا کرتے ہیں لیکن ان کی ستانوں کا کچھ حال نہیں ملتا ہے۔ سمجھو سہری کی مرتو بارہ سو اٹھاسی کے لگ بھگ ہوئی۔ اس سے ان کی اوستا ایک سوسولہ ورش کی تھی۔ شاید ہی کسی ساہتیہ سیوی نے اتنی بری عمر پائی ہو۔

سہری کے پریمیوں میں علاء الدین نام کا ایک بڑا ادارہ دیکھتی تھا۔ جن دنوں یوراج فخر الدین کی مرتو کے پیچھے سہری بغداد آئے تو علاء الدین وہاں کے سلطان ابا قا خاں کا وزیر تھا۔ ایک دن مارگ میں سہری سے اس کی بھیٹ ہو گئی۔ اس نے بڑا آدرشکار کیا۔ اس سے انت تک وہ بڑی بھگتی سے سہری کی سبوا کرتا رہا اس کے دیے ہوئے دھن سے سہری اپنے میاہ کے لیے تھوڑا سا لے کر شیش دینوں کو دان دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ علاء الدین نے اپنے غلام کے ہاتھ سہری کے پاس پانچ سو دینار بیچے۔ غلام جانتا تھا کہ شیخ صاحب کبھی کسی چیز کو گنتے تو ہیں نہیں، اتیو اس نے دھورتا سے سے ایک سو پچاس دینار نکال لیے۔ سہری نے دھن داد میں ایک کو تیا لکھ کر بھیجی، ان میں تین سو پچاس دیناروں کا ہی ذکر تھا۔ علاء الدین بہت لبت ہوا۔ غلام کو دے دیا اور اپنے ایک مٹر کو جو شیراز میں ایک کسی اچھ پد پر نیوکت تھا۔ لکھ بھیجا کہ سہری کو دس ہزار دینار دے دو۔ لیکن اس پتر کے پہنچنے سے دو دن پہلے ہی ان کے یہ مٹر پر لوک سدھا چکے تھے، روچے کون دیتا؟ اس کے بعد علاء الدین نے اپنے ایک پر دم دشورت منش کے ہاتھ سہری کے پاس پچاس ہزار دینار بیچے۔ اس دھن سے سہری نے ایک دھرم شالہ بنوا دی۔ مرتے سے تک شیخ سہری اسی دھرم شالہ میں لواس کرتے رہے۔ اسی میں اب ان کی سادھی ہے۔

پانچواں ادھیائے

چتر

سعدی ان کویوں میں ہیں..... جن میں چتر کا پرٹی بمب ان کا کاویہ روپنی درپن میں اسپٹ دکھائی دیتا ہے۔ ان کے اپدیش ہر دیہ سے نکلتے تھے۔ یہی کارن ہے کہ ان میں اتنی پرہل شتی بھری ہوئی ہے۔ سینکڑوں انکیوں اپدیشوں کی بھانتی وہ دوسروں کو پرہاتھ سکھا کر آپ سوارتھ پر جان نہ دیتے تھے۔ دوسروں کو نیائے، دھرم اور کرتویہ پالن کی گھمما دے کر آپ ولاستا میں لپٹ نہ رہتے تھے۔ ان کی ورتی سوبھادہ ساتوک تھی۔ ان کا من کبھی واسناؤں سے وچلت نہیں ہوا۔ انیہ کویوں کی بھانتی انھوں نے کسی راج دربار کا آشریہ نہیں لیا۔ لوبھ کو کبھی اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ لیش اور امیشوریہ دونوں ہی ست کرم کے پھل ہیں۔ لیش دیوک ہے، امیشوریہ مانوشک۔ سعدی نے دیوک پھل پر سنتوش کیا۔ مانوشک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلا یا۔ دھن کی دیوی جو بلیدان چاہتی ہے۔ وہ دینے کی سار تھ سعدی میں نہیں تھی۔ وہ آتما کا الپ آتش بھی اسے بجھت نہیں کر سکتے تھے۔ یہی ان کی برہمیکتا کا اولب ہے۔ راجاؤں کو اپدیش دینا سانپ کے بل میں اٹلی ڈالنے کے سان ہے۔ یہاں ایک پاؤں اگر پھولوں پر رہتا ہے، تو دوسرا کانٹوں پر۔ ویش کر سعدی کے سے میں راج نیتی کا اپدیش اور بھی جو کھم کا کام تھا۔ ایران اور بغداد دونوں ہی دیش میں عربوں کا چن ہو رہا تھا۔ تاتاری بادشاہ پر جا کو پیدوں تلے کچلے ڈالتے تھے۔ لیکن سعدی نے اس کشن سے میں بھی اپنی فیک نہ جھوڑی۔ جب وہ شیراز سے دوسری بار بغداد گئے تو وہاں ہلاکو خاں مغل کا بیٹا اباقا خاں بادشاہ تھا۔ ہلاکو خاں کے گھور اتیاچار چنگیز اور تیمور کی پیشاچک کردتاؤں کو بھی لبت کرتے تھے۔ اباقا خاں یدھی ایسا اتیا چاری نہ تھا۔ تھاپی اس کے بھے سے پر جا تھر تھر کا پتی تھی۔ اس کے دو پردھان کرم چاری سعدی کے بھگت تھے۔ ایک دن سعدی بازار میں گھوم رہے تھے کہ بادشاہ کی سواری دھوم دھام سے ان کے سامنے سے نکلی۔ ان کے دونوں کرم چاری ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے سعدی کو دیکھا تو گھوڑے سے اتڑ پڑے اور ان کا بڑا ستکار کیا۔ بادشاہ کو اپنے وزیروں کی شردھا دیکھ کر بڑا کٹھول ہوا۔ اس نے پوچھا یہ کون آدمی ہے؟

وزیروں نے سہی کا نام اور ٹٹن بتایا۔ بادشاہ کے ہر دے میں بھی سہی کی پرکھا کرنے کا
 وچار پیدا ہوا، بولا۔ کچھ اپڈیش مجھے بھی دیکھیے۔ سمجھو اس نے سہی سے اپنی پرھنسا کرانی
 چاہی ہوگی۔ لیکن سہی نے نہجیتا سے یہ اڑھیہ پورن شعر پڑھے۔

ہمہ کہ پاس دھیت ٹکاہ می دارد
 حلال بعد خرابش کہ مژدہ چو پانیست
 ہگر نہ رایے خلقت زہر مارش باد
 کہ ہرچہ می خرد از جزیہ مسلمانیت

بھادارتھ۔ بادشاہ جو پرچا پالن کا دھیان رکھتا ہے۔ ایک چرواہے کے سان ہے۔ پرچا
 سے جو کر لیتا ہے وہ اس کی مزدوری ہے۔ یدی وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ حرام کا دھن کھاتا ہے۔



ابا قالاں یہ اپڈیش سن کر چکت ہو گیا۔ سہی کی نہجیتا نے اسے بھی سہی کا بھکت
 بنادیا۔ اس نے سہی کو بڑے ستان کے ساتھ ودا کیا۔

سہی میں آتم گورو کی ماترا بھی کم نہ تھی۔ وہ آن پر جان دینے والے فشیوں میں
 سے تھے۔ پچتا سے انھیں گھرتا تھی۔ ایک بار اسکندریا میں بڑا آکال پڑا۔ لوگ ادھر ادھر
 بھاگنے لگے۔ وہاں ایک بڑا سچتی شالی خوبہ تھا۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلاتا اور اہیامکتوں کی اچھی
 سیوا سان کرتا۔ سہی بھی وہیں تھے، لوگوں نے کہا۔ آپ بھی اسی خوجے کے مہمان بن
 جایے۔ اس پر سہی نے اثر دیا۔ شیر کبھی کتے کا جوتھا نہیں کھاتا، چاہے اپنی ماند میں بھوکوں
 بھلے ہی مر جائے۔

سہی کو دھرم دھونچن سے بڑی چڑتھی۔ وہ پرچا کو مورکھ اور سوارتھی ملاؤس کے
 پھندے پڑتے دیکھ کر جل جاتے تھے۔ انھوں نے کاشی متھرا، ورنداون یا پریامگ کے پاکھنڈی
 پنڈوں کی پوپ لیلائیں دیکھی ہوتیں تو اس وشے میں اکی لکھنی اور بھی تیور ہو جاتی۔
 چھتر دھاری، ہاتھی پر بیٹنے والے مہنت، پالکیوں میں چنور ڈالنے والے پھاری، گھنٹوں تلک
 مدر میں سے خرچ کرنے والے پنڈت اور راجا رئیسوں کے دربار میں کھلونا بننے والے
 مہاتمان کی سالوچنا کو کتنی روچک اور ہر دے گر رہی بتا دیتے؟ ایک بار لکھک نے دو بٹھا دھاری

سادھوؤں کو ریل گاڑی میں بیٹھے دیکھا۔ دونوں مہاتما ایک پورے کپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور کسی کو اندر نہ گھسنے دیتے تھے۔ ملے ہوئے کپارٹمنٹوں میں اتنی الجھڑی تھی کہ آدمیوں کو کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ ایک درودھ یاتری کھڑے کھڑے تھک کر دھڑلے سے سادھوؤں کے ڈبے میں جا بیٹھا۔ پھر کیا تھا۔ سادھوؤں کی یوگ قوتی نے پرچند روپ دھارن کیا، بڑھے کو ڈانٹ بتائی اور جوں ہی اسٹیشن آیا۔ اسٹیشن ماسٹر کے پاس جا کر فریاد کی کہ بابا، یہ بوڑھا یاتری سادھوؤں کو بیٹھنے نہیں دیتا۔ ماسٹر صاحب نے سادھوؤں کی ڈگری کر دی۔ مجسم اور جٹا کی یہ چٹکار قوتی دیکھ کر سارے یاتری رعب میں آگئے اور پھر کسی کو ان کی اس گاڑی کو اہتر کرنے کا سامں نہیں ہوا۔ اسی طرح ریلوایں میں لیکھک کی ملاقات ایک سنیا سی سے ہوئی وہ سویم اپنے گیروے والے پر لہجہ تھے۔ لیکھک نے کہا آپ کوئی ادم کیوں نہیں کرتے؟ بولے، ادم کرنے کی سادھو یہ نہیں اور کروں بھی تو کیا۔ محنت مزدوری ہوتی نہیں، وڈیا کچھ پڑھی نہیں، یہ جیون تو اسی بھاتی کئے گا۔ ہاں، ایٹور سے پراگھتا کرتا ہوں کہ دوسرے جنم میں مجھے ست بدھی دے اور اس پاکھنڈ میں نہ پھسادی، سادی نے ایسی ہزاروں گھنٹائیں دیکھی ہوں گی، اور کوئی آٹھر یہ نہیں کہ ان ہی باتوں سے ان کا دیا لو ہر دے بھی پاکھنڈیوں کے پتی ایسا کھور ہو گیا ہو۔

سادھو مسلمان ہرم شاستر کے پورن پنڈت تھے۔ لیکن درشن میں ان کی مٹی بہت کم تھی۔ ان کی نیتی کھچھا سورگ اور نرک، تھا جیسے پر ہی اولہبت ہے۔ (ایچوگ واد) تھا پر مارتھ واد کی ان کے یہاں کوئی چرچا نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ سردھارن میں نیتی کا اپدیش کرنے کے لیے ان کی آویٹھکتا ہی کیا تھی۔ وہ سدا چار جس کی نودورشن کے سدھانتوں پر ہوتی ہے۔ دھارک سدا چار سے کتنے ہی دشمنوں میں درودھ رکھتا ہے اور یدی اس کا پورا پورا پالن کیا جائے تو سمجھو کہ سماج میں گھور دلو سچ جائے۔

سادھو نے سنتوش پر برا زور دیا ہے۔ یہ ان کی سدا چار کھچھا کا ایک ماتر مول آدھار ہے۔ وہ سویم بڑے سنتوشی منش تھے۔ ایک بار ان کے جیروں میں جوتے نہیں تھے۔ راستہ چلنے میں کٹھ ہوتا تھا۔ آرتھک دشا بھی ایسی نہیں تھی کہ جوتا مول لیتے۔ چٹ بہت کھن ہور ہا تھا۔ اسی دکھتا میں کوفہ کی مسجد میں پہنچے تو ایک آدی کو مسجد کے دوار پر بیٹھے دیکھا۔ جس کے پاؤں ہی نہیں تھے۔ اس کی دشا دیکھ کر سادی کی آنکھیں کھل گئیں۔ مسجد میں چلے گئے اور

ایٹور کو دھنیہ واد دیا۔ اس نے انہیں پاؤں سے تو بچت نہیں کیا۔ ایسی کھجما اس بیسویں شتاہدی میں کچھ ہیکٹ ہی پر تیت ہوتی ہے۔ یہ سنتوش کا سے ہے۔ آج کل سنتوش اور اداہنتا میں کوئی اتتر نہیں سمجھا جاتا۔ سماج کی اتی سنتوش کی زنی بھی جاتی ہے۔ لیکن سہدی کی سنتوش کھجما سداہدیگ کی انکھجما نہیں کرتی۔ ان کا کھنن ہے کہ یدہمی ایٹور سمست سرشتی کی سہدی لیتا ہے۔ لیکن اپنی جیویکا کے لیے یتن کرنا منٹش کا پرم کرتو یہ ہے۔

یدہمی سہدی کے بھاشا لالیہ کا ہندی انواد میں درشانا بہت ہی کھنن ہے۔ تھاپی ان کی کھادوں اور واکوں سے ان کی مہلی کا بھلی بھانتی پر پیچے ملتا ہے۔ بہ سند یہ وہ سمست ساہتیہ سنار کے ایک سم ٹول رتن ہیں اور منٹش سماج کے ایک سچے پتہ پر درٹک۔ جب تک سرل بھاوڈوں کو سمجھنے والے، اور بھاشا لالیہ کا رسا سوادن کرنے والے پرانی سنار میں رہیں گے، تب تک سہدی کا سولیش جیوت رہے گا، اور لوگ ان کی پرکھا کا آدر کریں گے۔

چھٹا ادھیالے

رچنائیں اور ان کا مہتو

سہی کے رچت گرنٹوں کی ٹھکھیا پندرہ سے ادھک ہے۔ ان میں چار گرنٹہ کیول غزلوں کے ہیں۔ ایک دو گرنٹوں میں وہ قصیدے درج ہیں جو انھوں نے سے سے پر بادشاہوں یا وزیروں کی پرھسا میں لکھے تھے۔ ان میں ایک عربی بھاشا میں ہے۔ دو گرنٹہ بھگتی مارگ پر ہیں۔ ان کی سمت رچنا میں مولکتا اور اوج ودھان ہے، کتنے ہی بڑے بڑے کویوں نے انھیں غزلوں کا بادشاہ مانا ہے۔ لیکن سہی کی کھیاتی اور کیرتی و شیش کران کی گھستاں اور بوستاں پر زبھر ہے۔ سہی نے سداچار کا اپدیش کرنے کے لیے جنم لیا تھا اور ان کے قصیدوں اور غزلوں میں بھی یہی گمن پردھان ہے۔ انھوں نے قصیدوں میں بھات پنا نہیں کیا۔ جموٹی تعریفوں کے پل نہیں باندھے ہیں۔ غزلوں میں بھی ابھر اور وصال، زلف اور کر کے دکڑے نہیں روئے ہیں۔ کہیں بھی سداچار کو نہیں چھوڑا۔ گھستاں اور بوستاں کا کہنا ہی کیا ہے؟ ان کی تو رچنا ہی اپدیش کی تھتی ہوئی تھی۔ ان دونوں گرنٹوں کو فارسی سلوید کا سورہ اور چندر کہیں تو آٹھیتی نہ ہوگی۔ اپدیش کا وشے بہت ششک سمجھا جاتا ہے اور اپدیشک سدا سے اپنی کڑوی اور نیرس باتوں کے لیے بدنام رہتے آئے ہیں۔ نصیحت کسی کو اچھی نہیں لگتی۔ اس لیے دودانوں نے اس کڑوی ادھدی کو بھاتی بھاتی کے ٹیٹے شربتوں کے ساتھ پلانے کی چھھا کی ہے۔ کوئی چیل کوئے کی کہانیاں گڑھتا ہے، کوئی کلپت کھائیں ٹمک مرچ لگا کر بھانتا ہے۔ لیکن سہی نے اس دُستکار یہ کو ایسی دلکھن کھلنا اور بدھمتنا سے پورا کیا ہے کہ ان کا اپدیش کاویہ سے بھی ادھک سرس اور سلوید ہو گیا ہے۔ ایسا پٹر اپدیشک کداچت ہی کسی دوسرے دلش میں اتھن ہوا ہو۔

سہی کا سر و تم گن وہ واکیہ پنھا ہے۔ جو سوا بھاوک ہوتی ہے۔ اور اُدھیوگ سے پراپت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس بات کو لیتے ہیں اسے ایسے اُنکڑشت اور بھاو پورن شہدوں میں ورن کرتے ہیں، جوانیہ کسی کے دھیان میں نہیں آ سکتی۔ ان میں کٹا کچھ کرنے کی شقت کے ساتھ ایسی مار ملکا ہوتی ہے کہ پڑھنے والے مکدھ ہو جاتے ہیں۔ ادھارن کی بھاتی اس بات کو کہ پیٹ پالی ہے، اس کے کارن منش کو بڑی کھٹانیاں جھیلی پڑتی ہیں، وہ اس پر کار ورن

کرتے ہیں۔

اگر زور حکم نہ ہو، چھ مرغ در
دام نہ آتا، بلکہ صیاد خود
دام نہ نہاد

بھاؤ - یدی پیٹ کی چٹا نہ ہوتی تو کوئی چڑیا جال میں نہ بھنستی، بلکہ کوئی بھیلیاں
جال ہی نہ بچھاتا۔

اسی طرح اس بات کو کہ نیا یاد دیش بھی رشوت سے دس میں ہو جاتے ہیں، وہ یوں
بیان کرتے ہیں۔

ہا کسرا دغاں بہ ترشی کند گردود
مگر قاضیاں رابہ شیرینی

بھاؤ - انیہ منش کے دانت کھٹائی سے کھٹل ہو جاتے ہیں۔ لیکن نیائے کاریوں کے
مٹائی سے۔

ان کو یہ لکھتا تھا کہ بیک مانگنا جو ایک منہ کرم ہے۔ اس کا اپرادہ کیول فقیروں پر
ہی نہیں بلکہ امیروں پر بھی ہے، اس کو وہ اس طرح لکھتے ہیں۔

اگر شمارا انصاف بود و مارا قناعت
رسم سوال از جہان برخاست

بھاؤ - یدی تم میں نیائے ہوتا اور ہم میں ستوش تو سنسار میں مانگنے کی پر قناعتی اٹھ جاتی۔

ان کے پردھان گرنتھ گستاں اور بوستاں کا دوسرا گن ان کی سرتا ہے۔ یدی ہی ان

میں ایک واکہ بھی نیرس نہیں ہے، کتنو بھاشا ایسی سرل اور مدھر ہے کہ اس پر آٹھر یہ ہوتا

ہے۔ سادھارن لکھک جب سبکی بھاشا لکھنے کی چھٹھا کرتا ہے۔ تو اس میں کرتھا آجاتی

ہے۔ لیکن سدی نے سادگی اور سجاوٹ کا ایسا مشرن کر دیا ہے کہ آج تک کسی ایسے لکھک کو

اس ٹیلی کے اٹورن کرنے کا سامس نہ ہوا، اور جنھوں نے سامس کیا، انھیں منہ کی کھائی

پڑی۔ جس سے گستاں کی رچتا ہوئی اس سے فارسی بھاشا اپنی بالیا دستا میں تھی۔ پدہ کا تو

پرچار ہو گیا تھا۔ لیکن گدہ کا پرچار کیول بات چیت ہاٹ بازار میں تھا۔ اس لیے سدی کو اپنا

مارگ آپ بنانا تھا وہ فارسی گدہ کے جنم داتا تھے۔ یہ ان کی ادبیت پر سمجھا ہے کہ آج چھ سو

درش کے پرانت بھی ان کی بھاشا سروتم کبھی جاتی ہے۔ ان کے پیچھے کتنی ہی پتلیں گدھ میں لکسی گئیں، لیکن ان کی بھاشا پرانی ہونے کا کٹک لگ گیا۔ گلستاں جس کی رچنا آدی میں ہوئی تھی آج بھی فارسی بھاشا کا شرٹکار کبھی جاتی ہے۔ اس کی بھاشا پر سے کا کچھ بھی پر بھاء نہیں پڑا۔

ساتھیہ سنسار اور کوی درگ میں ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک ہی وشے پر گدھ اور پدھ کے دو گرتھوں میں گد رچنا ادھک سریشٹھ ہو کٹھو سہدی نے بھی کر دکھایا ہے گلستاں اور بوستاں دونوں میں ننتی کا وشے لیا گیا ہے۔ لیکن جو آدر پر چار گلستاں کا ہے وہ بوستاں کا نہیں۔ بوستاں کے جوڑ کی کئی کتابیں فارسی بھاشا میں درتھان ہیں۔ مشوی (بھگتی کے وشے میں مولانا جلا الدین کا مہا کاویہ) سکندر نامہ (سکندر بادشاہ کے چتر پر نکھای کا کاویہ) اور شہنامہ (فردوسی کا اپورن کاویہ ایران دیش کے بادشاہوں کے وشے میں فارسی کا مہابھارت) یہ تینوں گرتھ آج کوئی کے ہیں اور ان میں یہ بھی شبد یوجنا، کاویہ سوندریہ انکار اور ورنشکتی بوستاں سے ادھک ہے تھاپی اس کی سرلتا، اور اس کی گپت چٹکیاں اور یکتیاں ان میں نہیں ہیں لیکن گلستاں کے جوڑ کا کوئی گرتھ فارسی بھاشا میں ہے ہی نہیں۔ اس کا وشے نیا نہیں اس کے بعد سے ننتی پر فارسی میں سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس میں جو کچھ چکار ہے وہ سہدی کے بھاشا لالیجیہ اور واکیہ پاٹری کا ہے۔ اس میں بہت سی کھائیں سویم لکھک نے انوبھو کی ہیں۔ اس لیے ان میں ایسی جموتا اور پر بھاء اُتپادکتا کا سنچار ہو گیا ہے جو کیول انوبھو سے ہی ہو سکتا ہے سہدی پہلے ایک بہت سادھارن کھتا چھیڑتے ہیں لیکن انت میں ایک ایسی چٹیلی اور مرمر بھیدی بات کہہ دیتے ہیں کہ جس نے ساری کھتا انکرت ہو جاتی ہے۔ یورپ کے سالوچکوں نے سہدی کی تلتنا، ہورلس (یونان کا سروشریشٹھ کوی) سے کی ہے۔ انگریز وودان نے انھیں ایشیا کے فیکسٹر کی پدوی دی ہے۔ اس سے ووت ہوتا ہے کہ یورپ میں سہدی کا کتنا آدر ہے۔ گلستاں کے لینن، فرنج، جرسن، ڈچ، انگریزی، ترکی آدی بھاشاؤں میں ایک نہیں کئی انواد ہیں۔ بھارتیہ بھاشاؤں میں اردو، گجراتی، بنگلہ میں اس کا انواد ہو چکا ہے۔ ہندی بھاشا میں بھی مہاشے مہر چند داس کا کیا ہوا گلستاں کا گدیہ پدیہ نے انواد ۱۸۸۸ء میں پرکاشت ہو چکا ہے۔ سنسار میں ایسے تھوڑے ہی گرتھ ہیں جن کا اتا آدر ہوا ہو۔

ساتواں ادھیائے

گلستاں

ہم یہاں گلستاں کی کچھ کھائیں دیتے ہیں جن سے پانکھوں کو بھی سہری کے لیکن
کوشل کا پر پیچہ دے سکیں۔

گلستاں میں آٹھ پرکرن ہیں۔ پرتیک پرکرن میں نئی اور سداچار کے یمن یمن
سندھانوں کا وزن کیا گیا ہے۔ پرتم پرکرن میں بادشاہوں کا آچار، دیوہار اور راج نئی کے
اپدیش دئے گئے ہیں۔

سہری نے راجاؤں کے لیے نمن لکھت باتیں بہت آدھیک اور دھیان یوگیہ بتلائی
ہیں۔

۱۔ پرچا پر کبھی سویم اتیاچار نہ کرے نہ اپنے کرم چاریوں کو کرنے دے۔

۲۔ کسی بات کا اجماع نہ کرے۔ اور سنار کے دیکھو کونشور سمجھتا رہے۔

۳۔ پرچا کے دھن کو اپنے بھوک ولاں میں نہ اڑا کر ان ہی کے آرام میں خرچ
کرے۔

گلستاں کی کھائیں

میں دمشق میں ایک اولیاء کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ عرب دلش کا اتیا چاری بادشاہ وہاں پوجا کرنے آیا۔ نماز پڑھنے کے پشچات وہ مجھ سے بولا کہ میں آج کل بلوان شترو کے ہاتھوں تک آگیا ہوں۔ آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ میں نے کہا کہ شترو کے پنچے سے پنچے کے لیے سب سے اچھا اپائے یہ ہے کہ اپنی دین پر جا پر دیا کیجیے۔

ایک اتیا چاری بادشاہ نے کسی سادھو سے پوچھا کہ میرے لیے کون سی اپاسا اتم ہے۔ اتر ملا کہ تمہارے لیے دوپہر تک سونا سب اپاساؤں سے اتم ہے۔ جس میں اتنی دیر تم کسی کو ستا نہ سکو۔

ایک دن خلیفہ ہارون رشید کا ایک شہزادہ کروہ سے بھرا ہوا اپنے پتا کے پاس آکر بولا، مجھے اک سہاسی کے لڑکے نے گالی دی ہے۔ بادشاہ نے منتریوں سے پوچھا کیا ہونا چاہیے۔ کسی نے کہا اسے قید کر دیجیے۔ کوئی بولا جان سے مروا ڈالیے۔ اس پر بادشاہ نے شہزادے سے کہا، بیٹا، اچھا تو یہ ہے کہ اسے چھما کر دو۔ یہی اسنے اوار نہیں ہو سکتے ہو تو اسے بھی گالی دے لو۔

☆

ایک سادھو سنسار سے ورکت ہو کر بن میں رہنے لگا۔ ایک دن راجا کی سواری ادھر سے نکل۔ سادھو نے کچھ دھیان نہ دیا۔ تب منتری نے اس سے جا کر کہا، سادھو جی، راجا جی تمہارے سامنے سے نکلے اور تم نے ان کا کچھ ستان نہ کیا۔ سادھو نے کہا، بھگون، راجا سے کہیے کہ نمسکار پر نام کی آشا اس سے رکھے جو ان سے کچھ چاہتا ہو۔ دوسرے راجا پر جا کے لیے ہے نہ کہ راجا کی بندگی کے لیے۔

ایک بار نیائے شیل نوشیرواں جگل میں ہکار کھیلنے گیا۔ وہاں بھوجن بنانے کے لیے

ٹھک کی ضرورت ہوئی۔ نوکر کو بھیجا کہ پاس والے گاؤں سے جا کر ٹھک لے آؤ۔ لیکن بتا دام دیے مت لانا نہیں تو گاؤں ہی اجڑ جائے گا۔ نوکر نے کہا، ٹھک سامٹ لے لینے سے گاؤں کیسے اجڑ جائے گا۔ نوشیرواں نے اتر دیا۔ اگر راجا پر جا کے باغ سے ایک سیب کھالے تو نوکر لوگ اس ورکھ کی جڑ تک کھود کھاتے ہیں۔

☆

ایک بادشاہ بیمار تھا۔ اس کے جیون کی کوئی آشا نہ تھی۔ ویدیوں نے جواب دے دیا تھا۔ ان دنوں ایک سوار نے آکر اسے کسی قلعے کے چیتے کا ٹکھ سنوا دینا۔ بادشاہ نے لمبی سانس لے کر کہا، یہ خبر میرے لیے نہیں، میرے اترادھکاریوں کے لیے سکھ دانک ہو سکتی ہے۔

☆

ایک بادشاہ کسی اسامیہ روگ سے پھڑت تھا۔ محکموں نے بہت کچھ یجن کیا، پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انت میں انھوں نے بادشاہ کو منٹ کا گردہ سیون کرانے کا چار کیا۔ وہ منٹ کس روپ رنگ کا ہو اس کی وی دھچنا بھی کردی۔ بہت کھوجے میں ایک زمیندار کے پتر میں یہ سب گن پائے گئے۔ اس کے ماتا پتا روپے لے کر لڑکے کو دودھ کرانے پر راضی ہو گئے۔ قاضی صاحب نے بھی وہ ویو ستھا دے دی کہ بادشاہ کی پران رکھا کے لیے بچا نیائے ورو دھ نہیں ہے۔ انت میں جب جلا دے مارنے کھڑا ہوا تو لڑکا آکاش کی اور دیکھ کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے دست ہو کر ہنسی کا کارن پوچھا۔ لڑکے نے کہا میں اپنے بھائی کی وچرتا پر ہنستا ہوں۔ ماتا پتا کے پریم، قاضی کا نیائے، اور بادشاہ کے پر جا پالن سب نے میری رکھا سے ہاتھ کھینچ لیے اب کیول ایٹور ہی میرا سہا یک ہے۔ بادشاہ کے ہر دے میں دیا اتین ہوئی، بالک کو گود میں لے لیا اور بہت سا دھن دے کر ودا کیا۔

☆

کسی بادشاہ کے پاس ایک پروکاری منتری تھا۔ دیو یوگ سے کسی بات پر بادشاہ نے ناراض ہو کر اسے جیل خانے بھیج دیا۔ پر جیل میں بھی اس کے کتنے ہی متر تھے جو پہلے کی بھاتی ہی اس کا مان ستان کرتے رہے۔ ادھر ایک دوسرے رئیس کو اس گھٹنا کی خبر ملی تو اس نے منتری کے نام گیت ریتی سے پتر لکھا کہ جب وہاں پر آپ کا اتار ہو رہا ہے تو کیوں یہ کٹھ جمیل رہے ہیں۔ یہی آپ یہاں چلے آئیں تو آپ کا یتو چت ستان کیا جائے گا اور

ہم لوگ اسے اپنا دھنیہ بھاگ سمجھیں گے۔ منتری نے بہت سنجیدگی سے اتر لکھ بیجا۔ اتنے میں کسی نے بادشاہ سے جا کر کہا، دیکھیے منتری جی اتنے پر بھی اپنی ٹکلتا سے باز نہیں آتے، انیہ دیشوں کے رئیسوں سے لکھا پڑی کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے گت چر کے پڑے جانے کا حکم دیا۔ پتر دیکھا گیا تو لکھا تھا، اس آدر کے لیے میں آپ کا بہت انوگرہیت ہوں، لیکن جس ریاست کا درشوں تک نمک کھا چکا ہوں اس سے تھوڑی سی تاڑنا کے کارن دکھ نہیں ہو سکتا۔ آپ مجھے جھما کریں۔ بادشاہ یہ پتر دیکھ کر بہت پریشان ہوا اور منتری کو کاراگار سے نکال کر پھر پرانے پد پر ٹکلت کر دیا اور اپنی زردیتا پر بہت لجت ہوا۔

ایک پہلوان اپنے ایک شعیہ سے ویش پر پتی رکھتا تھا۔ اس نے اسے ایک پیچ کے سوائے اپنے اور سب پیچوں کا ابھیاں کرادیا۔ اس شعیہ کا آپہکار ہو گیا۔ اس نے بادشاہ سے جا کر کہا 'میرے گردی اب کیول نام کے گرد ہیں۔ غل یدھ میں وہ میرا سامنا نہیں کر سکتے۔ بادشاہ نے یوک کا یہ گھمنڈ توڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایک دھل کرانے کا حکم دیا جس میں گور اور شعیہ اپنا اپنا پراکرم دکھائیں۔ سہتروں مثل ایلر ہوئے۔ کشتی ہونے لگی۔ شعیہ نے گردی کے سب پیچ کاٹ دیے پر اتم پیچ کی کاٹ نا جانتا تھا، پراست ہو گیا۔ بادشاہ نے گرد کو انعام دیا اور یوک کو بہت دھکارا کہ اسی بل بوتے پر تو اتنی ڈیک مارتا تھا۔ شعیہ نے کہا، دین بندھوں، گردی نے یہ پیچ مجھ سے چھپا رکھا تھا۔ گردی نے کہا، ہاں اسی دن کے لیے چھپایا تھا کیوں کہ چتر منشیوں کی کہاوت ہے کہ متر کو اتنا سبل نہ بنا دینا چاہیے کہ وہ شتر و ہو کر ہانی پہنچا سکے۔



دوسرا پرکرن:

سہری نے پاکھنڈی سادھوں، مولویوں اور فقیروں کو ٹھمکا دی ہے، جنہیں اس پراجین کال میں بھی اس کی کچھ کم اڑھیکا نہ تھی، سہری کو پنڈتوں، مولوی، ملاؤں کے ساتھ رہنے کے بہت اصرار ملے تھے۔ اتیو وہ ان کے رنگ ڈھنگ کو بھلی بھائی جانتے تھے۔ ان اپدیشوں میں بار بار سمجھایا ہے کہ مولویوں کو سنتوش رکھنا چاہیے۔ انہیں راجا رئیسوں کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں۔ گوروے ہانے کی آڑ میں سوار تھ سدھی کو وہ اتھیت گھرتا کی درشتی سے دیکھتے تھے۔ ان کے کھننا نو سار کسی بنے ہوئے سادھو سے بھوک ولاں میں پھنسا ہوا مثل اچھا ہے، کیوں

کہ وہ کسی کو دھوکا تو دیتا نہیں چاہتا۔

☆

مجھے یاد ہے کہ ایک بار جب میں بالیا دستا میں ساری رات قرآن پڑھتا رہا تو کئی آدمی میرے پاس ٹرائے لے رہے تھے۔ میں نے اپنے پوجیہ پتا سے کہا، ان سونے والوں کو دیکھیے، نماز پڑھنا تو دور رہا کوئی سر بھی نہیں اٹھاتا۔ پتا جی نے اثر دیا بیٹا، تو بھی سو جاتا تو اچھا تھا کیونکہ اس چمد راولیشن سے توجہ جاتا۔

☆

کسی دلش میں ایک محکمہ نے بہت سادھن جمع کر رکھا تھا۔ وہاں کے بادشاہ نے اسے بلا کر کہا، سنا ہے تمہارے پاس بڑی سہتی ہے۔ مجھے آج کل دھن کی بڑی آویکنا ہے۔ یدی اس میں سے کچھ دے دو تو کوش میں روپے آتے ہی میں چکا دوں گا۔ فقیر نے کہا جہاں پناہ، مجھ جیسے بھکاری کا دھن آپ کے کام کا نہیں ہے کیونکہ میں نے مانگ مانگ کر کوڑی کوڑی بنوری ہے۔ بادشاہ نے کہا، اس کی کچھ چتا نہیں، میں یہ روپے کافروں، ادھر میوں کو ہی دوں گا۔ جیسا دھن ہے دیا ہی اپوگ ہوگا۔

☆

ایک دردہ پرش نے ایک یوتی کنیا سے وواہ کیا۔ جس کمرے میں اس کے ساتھ رہتا اسے پھولوں سے خوب سجاتا۔ اس کے ساتھ ایکانت میں بیٹھا ہوا اس کی سندرتا کا آند اٹھایا کرتا۔ رات بھر جاگ جاگ کر منوہر کہایاں کہا کرتا کہ کداچت اس کے ہردے میں کچھ پریم اتہن ہو جائے۔ ایک دن اس سے بولا، تیرا نصیب اچھا تھا کہ تیرا وواہ میرے جیسے بوڑھے سے ہوا جس نے زمانہ دیکھا ہے، سکھ دکھ کا بہت انوبھو کر چکا ہے۔ جو متر دھرم کا پالن کرنا جانتا ہے، جو مردو بھاشی، پرسن چٹ اور شیلوان ہے۔ تو کسی اسمانی شوک کے پالے پڑی ہوئی، جو رات دن سیر پانے کیا کرتا، اپنے ہی بناؤ سنگار میں بھولا رہتا، بحیہ نئے پریم کی کھوج میں رہتا، تو تجھ سے روتے بھی نہ بنتا۔ شوک لوگ سندر اور رسک ہوتے ہیں۔ کنو پرتی پالن کرنا نہیں جانتے۔ بوڑھے نے سمجھا کہ اس بھاشن نے کامنی کو موہت کر لیا، لیکن اکسمات یوتی نے ایک گہری سانس لی اور بولی آپ نے بہت ہی اچھی باتیں کہیں، لیکن ان

میں سے ایک بھی اتنی نہیں چچتی جتنا میری دائی کا یہ واکہ کہ یوتی کو تیر کا گھاؤ اتنا دکھائی نہیں ہوتا جتنا دردہ منش کا سہواس۔

☆

میں دیار بکر میں ایک دردہ دھوان منش کا اتھمی تھا۔ اس کا ایک روپوان پتر تھا۔ ایک دن اس نے کہا، اس لڑکے کے سوا میرے اور کوئی سٹان نہیں ہوئی۔ یہاں سے پاس ہی ایک پوتر ورکھ ہے، لوگ وہاں جا کر مٹیں مانتے ہیں۔ کتنے دنوں تک رات رات بھر میں نے اس ورکھ کے نیچے المشور سے دہنی کی، تب مجھے یہ پتر پراپت ہوا۔ ادھر لڑکا دھیرے دھیرے مڑوں سے کہہ رہا تھا یدی مجھے اوسرکھ کا پڑہوتا تو جا کر المشور سے پتا کی مرتبہ کے لیے ونے کرتا۔

☆

میرے مڑوں میں ایک یوک بڑا پرسیدہ چت، ہنس کھ اور ریسک تھا۔ شوک اس کے ہردے میں گھسنے بھی نہ پاتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد جب بھینٹ ہوئی تو دیکھا کہ اس کے گھر میں استری اور بچے ہیں۔ ساتھ ہی نہ وہ پہلے کی سی منور جھکتا ہے نا اتساہ۔ پوچھا، کیا حال ہے؟ بولا، جب بچوں کا باپ ہو گیا تو بچوں کا کھلاڑی پن کہاں سے لاؤں؟ اوستا کول ہی سب باتیں شو بھادی ہیں۔

☆

کسی بادشاہ نے ایک المشور بھکت سے پوچھا کہ کبھی آپ مجھے بھی یاد کرتے ہوں گے۔ بھکت نے کہا، ہاں، جب المشور کو بھول جاتا ہوں تو آپ یاد آ جاتے ہیں

☆

ایک بادشاہ نے کسی وحشی کے امیر پر نیچے کیا کہ یدی یہ وحشی مل جائے تو اتنا دھن سادھوستوں کو دان کر دوں گا۔ جب اس کی کامنا پوری ہو گئی تو اس نے اپنے نوکر کو روپیوں کی ایک تھیلی سادھوؤں کو بانٹنے کے لیے دی۔ وہ نوکر چڑھا۔ سندھیا کو وہ تھیلی جیوں کی تھوں دربار میں واپس لایا، بولا دین بندھو، میں نے بہت کھوج کی کٹھن ان روپیوں کا لینے والا کوئی

نہ ملا۔ بادشاہ نے کہا، تم بھی وچتر آدمی ہو، اسی شہر میں چار سو سے ادھک سادھو ہوں گے۔
لوکر نے دے کی، بھگون، جو ست ہیں وہ تو اس درویہ کو چھوٹے نہیں اور جو مایا سکت ہیں
انہیں میں نے دیا نہیں۔

☆

کسی مہاتما سے پوچھا گیا کہ دان گرہن کرنا آپ اچت سمجھتے ہیں یا الوچت۔ انہوں
نے اثر دیا۔ کسی سکار یہ کی پورتی ہو تب تو اچت ہے۔ اور کیل سگرہہ اور بیو پار کے نشتی
اتھت الوچت ہے۔

☆

ایک سادھو کسی راجا کا اتھھی ہوا تھا۔ جب بھوجن کا سہ آیا تو اس نے بہت الپ
بھوجن کیا۔ لیکن جب نماز کا وقت آیا تو اس نے خوب لمبی نماز پڑھی۔ جس میں راجا کے من
میں شردھا اتھن ہو۔ وہاں سے دوا ہو کر گھر پر آئے تو بھوک کے مارے برا حال تھا۔ آتے
ہی بھوجن مانگا۔ پتر نے کہا، پتا جی کیا راجا نے بھوجن نہیں دیا۔ بولے۔ بھوجن تو دیا کتو
میں نے سویم جان بوجھ کر کچھ نہیں کھایا جس میں بادشاہ کو میرے یوگ سادھنا پر پورا وشواس
ہو جائے۔ بیٹے نے کہا، تو بھوجن کر کے نماز بھی پھر سے پڑھئے۔ جس طرح وہاں کا بھوجن
آپ کا پیٹ نہیں بھر سکا، ویسے ہی وہاں کی نماز بھی سدھ نہیں ہوئی۔
تیسرا پر کرن:

سنش کی سہا وزن کی مئی ہے۔ سہی کی ننتی کھما میں هتوش کا پد بہت اونچا
ہے۔ اور -تھاتھ بھی مئی ہے۔ سنش سدا چار کا مول منتر ہے۔ سنش روپی لوکا پر بیٹھ کر
ہم اس بھاؤ ساگر کو نزو گھن پار کر سکتے ہیں۔

☆

مصر دیش میں ایک دھنون منش کے دو پتر تھے۔ ایک نے دھیا پڑھی، دوسرے
نے دھن پٹھے کیا۔ ایک پنڈت ہوا اور دوسرا مصر کا پردھان منتری کو شاد کچھ۔ اس نے اپنے

ودوان بھراتا سے کہا، دیکھو میں راج پد پر پہنچا اور تم جیوں کے تپوں رہ گئے۔ اس نے اتر دیا۔ المشور نے مجھ پر ویش کرپا کی ہے، کیونکہ مجھ کو دھیا دی جو دیو درلھ پدارتھ ہے اور تم کو مصر کی اس گلدی کا منتری بتایا جو فرعون (مصر کا ایک اہممانی بادشاہ جسے موسیٰ نبی نے نیل ندی میں ڈوبا دیا) کی تھی۔

☆

ایران کے بادشاہ بہمن کے سبندھ میں کہا جاتا ہے کہ اس نے عرب کے ایک حکیم سے پوچھا کہ عید کتنا بھوجن کرنا چاہیے۔ حکیم نے اتر دیا، ۲۹ تولے۔ بادشاہ بولا، بھلا اتنے سے کیا ہوگا۔ اثر ملا اتنے سے تم زندہ رہ سکتے ہو۔ اس کے اپرانت جو کچھ کھاتے ہو وہ بوجھ ہے جو تم ویرتھ اپنے اوپر لاتے ہو۔

☆

ایک منٹ پر کسی بپے کے کچھ روپیہ چڑھ گئے تھے۔ وہ اس سے پرتی دن مانگا کرتا اور کڑی کڑی باتیں کہتا رہتا۔ بے چارہ سن سن کر دکھی ہوتا تھا، سہنے کے سوائے کوئی دوسرا اپائے نہ تھا۔ ایک چٹرنے یہ کوک دیکھ کر کہا۔ بھھاؤں کا ٹالنا اتنا کٹھن نہیں ہے جتنا جیوں کا۔ قصائیوں کے قاضے سہنے کی آکھیا ماس کی بھلا شا میں مرجانا کہیں اچھا ہے۔

☆

ایک فقیر کو کوئی کام آہڑا۔ لوگوں نے کہا اٹک پرش بڑا دیا لو ہے۔ یدی اس سے جا کر اپنی آدھیکتا کہو تو وہ تمہیں کدابی نراش نہ کرے گا۔ فقیر پوچھتے پوچھتے اس پرش کے گھر پہنچا۔ دیکھا تو وہ روٹی صورت بنائے، کردھ میں بھرا بیٹھا ہے۔ اٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں بھائی کیا ہوا؟ بولے صورت ہی دیکھ کر من بھر گیا۔ یدی مانگنا ہی پڑے تو کسی پرسیدہ چٹ آدی سے مانگو۔ منوس آدی سے نہ مانگنا ہی اچھا ہے۔

☆

لوگوں نے حاتم طائی (ادارتا میں عرب کا ہریش چند) سے پوچھا، کیا تم نے سنسار میں اپنے سے ادھک یگیہ منٹ دیکھا یا سنا ہے؟ بولا۔ ہاں ایک دن میں نے لوگوں کی بڑی

بھاری دھوت کی۔ سنیوگ سے اس دن کسی کاریہ دس مجھے جنگل کی طرف جانا پڑا۔ ایک لکڑہارے کو دیکھا بوجھ لیے آرہا ہے۔ اس سے پوچھا بھائی حاتم کے مہمان کیوں نہیں بن جاتے ہو؟ آج دیش بھر کے آدمی اس کے آتھی ہیرا۔ جو اپنی محنت کی روٹی کھاتا ہے وہ حاتم کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلائے۔

☆

ایک بار یوا دھتا میں نے اپنی ماما سے کچھ کشور باتیں کہہ دی۔ ماما دھکی ہو کر ایک کونے میں جا بیٹھی اور رو کر کہنے لگی بچپن بھول گیا، اس لیے اب منہ سے ایسی باتیں نکلتی ہیں۔

☆

ایک بوڑھے سے لوگوں نے پوچھا وواہ کیوں نہیں کرتے؟ وہ بولا وودھا استریوں سے میں وواہ نہیں کرنا چاہتا۔ لوگوں نے کہا، تو کسی عورتی سے کر لو۔ جب میں بوڑھا ہو کر بوڑھی استریوں سے بھاگتا ہوں تو وہ یوتی ہو کر بوڑھے منش کو کیسے چاہے گی؟

☆

چوتھا پرکرن:

بہت چھوٹا ہے اور اس میں ست بھاشی ہونے کا جو اپدیش کیا گیا ہے اس کی سبھی باتوں سے آج کل کے ٹھگھت سمیت نہ ہوں گے۔ جن کا ستہ حانت ہی ہے کہ اپنی رائی بھر بدھی کو پروت بنا کر دکھایا جائے۔ آج کل ونے ایو گیتا کی کھونک سمجھتی جاتی ہے اور وہی منش چلتے پرزے اور کاریہ کھل سبھے جاتے ہیں جو اپنی بدھی اور چرتا کی مہاگان کرنے میں کبھی نہیں چوکتے۔ کسی یوروپی جن نے یہ لکھنے میں سکوچ نہیں کیا کہ چپ رہنے سے مورکھتا پرکھتی ہوتی ہے۔ لیکن اس میں کسی کوشدکا نہیں ہو سکتی کہ ست بھاش ہونا بھی ساج کی اتھی کے لیے ایوگی ہے۔ ایسے اور بھی آجاتے ہیں جب ہم کو اپنی واپاٹا پر پچھتانا پڑتا ہے۔ اس دسے میں سحدی نے کئی مرپورن اپدیش دیے ہیں۔ جن پر چلنے سے ہم کو ویش لا بھ ہو سکتا ہے۔

☆

ایک چتر یوک کا نیم تھا کہ بدھمانوں کی سجا میں بیٹھتا تو مون دھارن کر لیتا۔ لوگوں نے اس سے کہا تم بھی کبھی کبھی کسی دسے پر بولو کرو۔ اس نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ مجھ سے ایسی باتیں پوچھ بیٹھیں جو مجھے آتی ہی نہ ہوں اور مجھے بھت ہونا پڑے۔

☆

ایک دودان نے کہا کہ یری سنار میں کوئی ایسا ہے جو اپنی مورکھتا کو سویکار کرتا ہو تو وہی منش ہے جو کسی آدمی کی بات سناہت ہونے سے پہلے ہی بول اٹھتا ہے۔

☆

حسن نام کے ایک منتری پر بادشاہ محمود غزنی کا بڑا دشواش تھا۔ ایک دن اس سے انیہ کرچاریوں نے پوچھا کہ آج بادشاہ نے اک دشنے کے سمبندھ میں تم سے کیا کہا؟ حسن نے کہا، جو تم سے کہا، وہی ہم سے بھی کہا۔ بولے، جو باتیں تم سے ہوتی ہیں وہ ہم سے نہیں کرتے۔ اثر دیا، جب بادشاہ مجھ پر دشواش کر کے کوئی بھید کی باتیں کرتے ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔

☆

کسی مسجد میں ادینک مولوی ایسی بری طرح نماز پڑھتا کہ سننے والوں کو گھرنا ہوتی۔ مسجد کا سوامی دیا لوتھا۔ وہ مولوی کا دل دکھاتا نہیں چاہتا تھا۔ مولوی سے کہا کہ اس مسجد کے کئی پرانے ملا ہیں جنہیں میں پانچ روپے ماسک دیتا ہوں حصیں دس روپے دوں گا، لیکن کسی دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھ آیا کرو! مولوی نے اسے سویکار کر لیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ پھر سوامی کے پاس آیا اور بولا، آپ نے تو مجھے دس روپے دے کر یہاں سے نکالا اب جہاں ہوں وہاں کے لوگ مجھے مسجد سے جانے کے لیے بیس روپے دے رہے ہیں۔ سوامی خوب ہنسا اور بولا، پچاس دینار لیے بنا پنڈ مت چھوڑنا۔

☆

پانچواں اور چھٹواں پر کرن:

جیون کی ہی مکھیہ استادوں سے سمبندھ رکھتے ہیں۔ ایک میں یواستھا، دوسرے میں وردھاوتھا کا ورشن ہے۔ یواستھا میں ہماری منور تیاں کیسی ہوتی ہیں، ہمارے کرتویہ کیا ہوتے ہیں، ہم داستاؤں میں کس پر کار پت ہو جاتے ہیں، بڑھاپے میں ہمیں کیا کیا الوبھو

ہوتے ہیں، من میں کیا ابھلا شائیں رہتی ہیں۔ ہمارا کیا کرتویہ ہونا چاہیے۔ ان سب دشمنوں کا سدھی نے اس طرح ورن کیا ہے مانوں وہ بھی سداچار کے انگ ہیں۔ اس میں کتنی ہی کھائیں ایسی ہیں جن سے مورچن کے سوا کوئی نتیجہ نکلا، ورن کچھ کھائیں ایسی بھی ہیں جن کو گستاں جیسے گرنفہ میں استھان نہ ملنا چاہیے تھا۔ دشمن کر یاو استھا کا ورن کرتے ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے مانو سدھی کو جوانی نشہ چڑھ گیا تھا۔



ساتواں پرکرن:

ہلکھا سے سبندھ رکھتا ہے۔ سدھی نے ہلکھوں کے دوش اور گن شعیہ اور گرد کے پارپرک دیو ہار اور ہلکھا کے پھل اور وپھل کا ورن کیا ہے۔ ان کا سدھانت تھا کہ ہلکھا چاہے کتنی ہی اتم ہو مانو سو بھاؤ کو نہیں بدل سکتی اور ہلکھک چاہے کتنا ہی ودوان اور پتر کیوں نہ ہو کھورتا کے بنا اپنے کاریہ میں سعل نہیں ہو سکتا۔ یدی پی آج کل وہ سمانت زبیرانت نہیں مانے جاتے۔ تنھالی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کچھ بھی مہو نہیں ہے۔ کوئی ہلکھا پدھتی ایسی نہیں نکلتی ہے جو ڈنڈ کا نشیدہ کرتی ہو۔ ہاں کوئی شاریک ڈنڈ کے پیش میں ہے کوئی مانک۔



ایک ودوان کسی بادشاہ کے لڑکے کو پڑھاتا تھا وہ اسے بہت مارتا اور ڈانتا تھا۔ راج پتر نے ایک دن اپنے پتا سے جا کر ادھیاپک کی شکایت کی۔ بادشاہ کو بھی کرودھ آیا۔ ادھیاپک کو ہلا کر پوجھا آپ میرے لڑکے کو اتنا کیوں مارتے ہیں؟ اتنی زردیا آپ انیہ لڑکوں کے ساتھ نہیں کرتے؟ ادھیاپک نے اتر دیا۔ مہاراج راج پتر میں زرتا اور سدا چار کی دشمنی ادھیپکا ہے کیوں کہ بادشاہ لوگ جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ پرتیک منٹ کی زبان پر رہتا ہے پر جسے بچپن سے پھرتا کی ہلکھا کھورتا پورک نہیں ملتی اس میں بڑے ہونے پر کوئی اچھا گن نہیں آسکتا۔ ہری لکڑی کو چاہے جتنی جھکالو لیکن سوکھ جانے پر وہ نہیں مڑ سکتی۔ میں نے افریقہ دیش میں ایک مولوی کو دیکھا۔ یہ اتھتھ کروپ کھور اور کٹو بھاشی تھا۔ لڑکوں کو پڑھاتا کم اور مارتا زیادہ لوگوں نے اسے نکال کر ایک دھارک نرم اور سہن شیل مولوی رکھا۔

یہ حضرت لڑکوں سے بہت پریم سے بولتے اور کبھی ان کی طرف کڑی آنکھ سے بھی نہ دیکھتے۔ لڑکے ان کا یہ سوبھاؤ دیکھ کر ڈھیٹہ ہو گئے۔ آپس میں لڑائی دنگا چاتے اور لکھنے کی تختیاں لڑایا کرتے۔ جب میں دوسری بار پھر وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ تو وہی پہلے والا مولوی بالکوں کو پڑھا رہا ہے پوچھنے پر دوت ہوا کہ دوسرے مولوی کی نمزتا سے اکتا جانے پر لوگ پہلے مولوی کو مناکر لائے تھے۔



ایک بار میں بلخ سے کچھ یاتریوں کے ساتھ آرہا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک بہت بلوان نویک تھا جو ڈینگ مارنا چلا آتا تھا کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا۔ بدان ہم کو کئی ڈاکوؤں نے گھیر لیا میں نے پہلوان سے کہا، اب کیوں کڑے ہو، کچھ اپنا پراکرم دکھاؤ۔ لیکن لٹیروں کو دیکھتے ہی اس منش کے ہوش اڑ گئے۔ تمھ پھیکا پڑ گیا تیر کمان چھوٹ کر ہاتھ سے گر گیا اور ہاتھ تھر تھر کا پنے لگے۔ جب اس کی یہ دشا دیکھی تو اپنا اسباب وہیں چھوڑ کر ہم لوگ بھاگ کڑے ہوئے کسی طرح پران بچے۔ جسے یدھ کا الو بھو ہو وہی سامنے اڑ سکتا ہے۔ اس کے لیے تل سے ادھک سامں کی ضرورت ہے۔



آٹھواں پرکرن:

سحدی نے سداچار اور سدو یوہار کے نیم لکھے ہیں کٹھاؤں کا آشرے نہ لے کر کھلے کھلے اپدیش کیے ہیں۔ اس لیے سان ریتی سے یہ پرکرن ویشیش روچک نہ ہو سکتا تھا، کتھو اس کی کو سحدی نے رچتا سوندریہ سے پورا کیا ہے۔ چھوٹے واکیوں میں سوتروں کے بھاتی اتھ بھرا ہوا ہے۔ مانو یہ پرکرن سحدی کے اپدیشوں کا نمبڑ ہے یہ وہ اپون ہے جس میں راج نیتی سداچار، منو گیان، ساج نیتی، سجا چاتری آدی رنگ رنگی پرش لہلہا رہے ہیں۔ ان پھولوں میں چھپے ہوئے کانٹے بھی ہیں جن میں وہ ادبست گن ہے کہ وہ وہیں چھپے ہیں جہاں چھپنے چاہیے۔

☆

یدی کوئی نرمل شتر و تمھارے ساتھ مترتا کرے تو تم اس سے ادھک چیت رہتا
چاہیے۔ جب متر کی سچائی ہی کا بھروسہ نہیں تو شترؤں کی خوشامد کا کیا دشواں۔

☆

یدی کھیں دو دشمنوں کے چ میں کوئی بات کہنی ہو تو اس بھانتی کہو کہ اگر وہ پھر متر
ہو جائیں تو تمہیں لطف نہ ہونا پڑے۔

☆

جو مثل اپنے متر کے شترؤں سے مترتا کرتا ہے وہ اپنے متر کا شتر ہے۔

☆

جب تک دمن سے کام لکے۔ تب تک جان کو جو حکم میں نہ ڈالو۔ جب کوئی اپائے
نہ رہے تو میان سے نکوار کھینچو۔

☆

شترؤں کی صلاح کے درودھ کام کرنا ہی بدھیماںی ہے اگر وہ قصیں حیر کے سان
سیدھی راہ دکھادے تو بھی اسے چھوڑ دو اور اٹنی (اس کے درودھ) راہ جاؤ۔

☆

نہ تو اتنے کشور ہو کہ لوگ تم سے ڈرنے لگیں اور نہ اتنے کول کہ لوگ سر چڑھیں۔

☆

دو منٹس راجیہ اور دھرم کے شترو ہیں، نزدیکی راجا اور مورکھ سا دھو۔

☆

راجا کو اُچت ہے کہ اپنے شتروؤں پر اتنا کرودھ نہ کرے کہ جس سے متروں کے من میں بھی کلکا ہو جائے۔

☆

جب شترو کی کوئی چال کام نہیں کرتی تب وہ مترتا پیدا کرتا ہے، مترتا کی آڑ میں وہ ان سب کاموں کو کر سکتا ہے جو دشمن رو کر نہ کر سکتا۔

☆

سانپ کے سر کو اپنے ہیری کے ہاتھ سے پکڑو یا تو سانپ ہی مرے گا یا دشمن ہی سے گلا جھوٹے گا۔

☆

جب تک حصیں پورن دشواس نہ ہو کہ تمھاری بات پسند آوے گی تب تک بادشاہ کے سامنے کسی کی ندامت کرو، لیکن حصیں سویم ہانی اٹھانی پڑے گی۔

☆

جو دیکھتی کسی گھمنڈی آدمی کا اپدیش کرتا ہے، وہ خود نصیحت کا محتاج ہے۔

☆

جو منٹس سامر قھوان ہو کر بھی بھلائی نہیں کرتا اسے سامر قھ جین ہونے پر دکھ بھوگنا پڑے گا۔ اتیا چاری کا دہد میں کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔

☆

کسی کے چہرے ہوئے عیب مت کھولو، اس سے تمہارا بھی دھواں اٹھ جائے گا۔
ودیا پڑھ کر اس کا افسوس نہ کرنا زمین جوت کرچ نہ ڈالنے کے سامان ہیں۔

☆

جس کی بھانڈوں میں بل نہیں ہے، یدِی وہ لوہے کی کھائی والے سے بچالے تو یہ
اس کی مودھتا ہے۔

☆

ذرجن لوگ بھوں کو اسی طرح نہیں دیکھ سکتے جس طرح بازاری کتے شکاری کتوں کو
دیکھ کر دور سے غراتے ہیں، لیکن پاس جانے کی ہمت نہیں کرتے۔

☆

ٹگن بین گوانوں سے ڈولیش کرتے ہیں۔

☆

بدھیمان لوگ پہلا بھوجن بچ جانے پر پھر کھاتے ہیں، یوگی لوگ اتنا کھاتے ہیں
جتنے سے جیوت رہے، جوان لوگ پیٹ بھر کھاتے ہیں، بوڑھے جب تک پسینہ نہ آجائے
کھاتے ہی رہتے ہیں، کفو قلندر اتنا کھا جاتے ہیں کہ سانس کی بھی جگہ نہیں رہتی۔

☆

اگر پتھر ہاتھ میں ہو اور سانپ نیچے تو اس سے سوچ دچا نہیں کرنا چاہیے۔

☆

جس متر کو تم نے بہت دنوں میں پایا ہے اس سے متر تا بھانے کا عین کرو۔

☆

دو یک اندریوں کے اوصین ہے جیسے کوئی سیدھا منش کی چنچل استری کے اوصین ہو۔

☆

بدی، بنا بل کے چھل اور کپٹ ہے، بل بنا بدی کے مورکھتا ور کرورتا ہے۔

☆

جو ویکتی لوگوں کو پرھنسا پاتر بننے کی بھتا سے واسناؤں کا تیگ کرتا ہے وہ حلال کو
چھوڑ کر حرام کی اور جھکتا ہے۔

☆

وہ بات اسمھو ہیں، ایک تو اپنے انش سے ادھک کھانا، دوسرے مرتیو سے پہلے مرنا۔

آٹھواں ادھیائے

بوستاں

فارسی سلہیہ کی پانچویں پستکوں میں گستاں کے بعد بوستاں کا ہی پرچار ہے۔ یہ کہنے میں کچھ آئیکٹ نہ ہوگی کہ کاویہ گرنٹوں میں بوستاں کا وہی آدر ہے جو گدھ میں گستاں کا ہے۔ نظامی کا سکندر نامہ، فردوسی کا شاہ نامہ، مولانا روم کی مثنوی اور دیوان حافظ یہ چاروں گرنٹہ بوستاں کے ہی سان گئے جاتے ہیں۔ نظامی اور فردوسی دیر رس میں اودھیہ ہیں۔ مولانا روم کی مثنوی بھگتی سبندھی گرنٹوں میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اور حافظ پریم رس کے راجا ہیں۔ ان چاروں کاویوں کا آدر کسی نہ کسی انش میں ان کے وشے پر زبھر ہے۔ لیکن بوستاں ایک نئی گرنٹہ ہے اور نئی کے گرنٹہ بہودھا جتنا کو پرے نہیں ہوا کرتے۔ اتیہ بوستاں کا جو آدر اور پرچار ہے وہ سرو تھا اس کی سرتاں اور وچار وگرشتاں پر زبھر ہے۔ مولانا روم نے جیون کے گوڑھ تھو کا وزن کیا ہے۔ اور دھارک وچار سے منش میں اس کا بڑا مان ہے۔ بھاشا کی مدھرتا در پریم کے بھاڈ میں حافظ سحدی سے بہت بڑے ہوئے ہیں۔ ان کی سی مرم اسپرشی کویتا فارسی میں اور کسی نے نہیں کی۔ ان کی غزلوں کے کتنے ہی شعر جیون کی سادھارن باتوں پر ایسے کھنٹے ہیں مانو اسی اور کے لیے لکھے گئے ہوں۔ دھنیہ ہے۔ شیراز کی وہ پوتر بھوی جس نے سحدی اور حافظ جیسے دو ایسے امولیہ رتن اتہن کیے۔ بھاشا اور بھاڈ کی سرتاں میں سحدی سرو سریشٹھ مانے جاتے ہیں۔ فردوسی اور نظامی بہودھا الوکک باتوں کا وزن کرتے ہیں۔ پر سحدی نے کہیں الوکک گھنٹاؤں کا سہارا نہیں لیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی آئیکٹیاں بھی اسوا بھاوک نہیں ہوتیں۔ انھوں نے سے الو سار سبھی رسوں کا وزن کیا ہے۔ لیکن کرونا رس ان میں سرو پردھان ہے۔ دیا کے وزن میں ان کی لکھنی بہت ہی کرون ہوگئی ہے۔ سحدی نماز اور روزے کے پابند تو تھے ہی کثو سیوا دھرم کو اس سے بھی سریشٹھ سمجھتے تھے۔ انھوں

نے بار بار سیوا پر زور دیا ہے۔ ان کا دوسرا پرے و شے راج نئی ہے۔ بادشاہوں کے نیائے دھرم دین پالن اور جھما کا اپدیش کرنے میں وہ کبھی نہیں جھکتے۔ ان کو راج نئی پر لاپٹی (راج بھکتی) ایسا رنگ نہیں چڑھا تھا کہ وہ کھری کھری باتوں کو کہنے سے چوک جائیں ان کے راج نئی دھیک و چاروں کی سوتنڑا پر آج بھی آٹھریے ہوتا ہے۔ اس بیسویں شتاہدی میں بھی ہمارے یہاں بیگار کی پرتھا قائم ہے۔ لیکن آج سے کئی سو ورش پہلے اپنے مرنتوں میں سہدی نے کئی جگہ اس کا ورودھ کیا ہے۔

ہوستاں میں دس ادھیائے ہیں۔ ان کی و شے سوچی دیکھنے سے ودت ہوتا ہے کہ سہدی کی نئی کھجما کتنی دبترن ہے۔

نیائے اور راج نئی	پر تھم ادھیائے
دیا	دو چے ادھیائے
پریم	تر چے ادھیائے
ونے	چڑتھ ادھیائے
دھیریہ	پچم ادھیائے
سنٹوش	سٹھٹھ ادھیائے
کھجما	سٹھم ادھیائے
کرتکچا	اٹھم ادھیائے
پر اچٹ	نوم ادھیائے
ایٹور پراتھنا	دٹھم ادھیائے

نئی مرنتوں کی آدھیکتا یوں تو جنم بھر رہتی ہے۔ لیکن پڑھنے کا سب سے ٹھیک سے بالیا دھتا ہے۔ اس سے ان کے مانو چتر کا آرمھ ہوتا ہے اسی لیے پانھیہ پٹکوں میں ہوستاں کا اتنا پچار ہے۔ سنار کی کئی پرسدھ بھاشاؤں میں اس کے الواد ہو چکے ہیں۔ سرو سادھارن میں اس کے جتنے شعر لو کو کئی کے روپ میں پرجلت ہیں اتنے گلستاں کے نہیں۔ اداہرن کی بھاتی کچھ کھائیں دے کر ہی سنٹوش کریں گے۔

بوستان کی کھائیں

سیریا دیش کا ایک بادشاہ جس کا نام ”صالح“ تھا کبھی کبھی اپنے غلام کے ساتھ ہمیں بدل کر بازاروں میں لٹکا کرتا تھا۔ ایک بار اسے ایک مسجد میں دو فقیر ملے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ اگر یہ بادشاہ لوگ جو بھوک و لاس میں جیون ویتیت کرتے ہیں سورگ میں آویں گے تو میں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔ سورگ میں ہمارا ادھکار ہے۔ کیونکہ ہم اس لوگ میں دکھ بھوک رہے ہیں۔ اگر صالح وہاں باغ کی دیوار کے پاس بھی آیا تو جوتے سے اس کا بھیجا نکال لوں گا۔ صالح یہ باتیں سن کر وہاں سے چلا گیا۔ پراتہ کال اس نے دونوں فقیروں کو بلایا اور یتوجت آدر ستکار کر کے اُچھ آسن پر بٹھایا۔ انھیں بہت سا دھن دیا۔ تب ان میں سے ایک فقیر نے کہا، اے بادشاہ تو ہماری کس بات سے ایسا پرسن ہوا؟ بادشاہ ہر ش سے گد گد ہو کر بولا۔ میں وہ منٹش نہیں ہوں کہ انیشوریہ کے ابسمان میں دزیلوں کو بھول جاؤں۔ تم میری اور سے اپنا ہر دیہ صاف کر لو اور سورگ میں مجھے ٹھوکر مارنے کا وچار مت کرو۔ میں نے آج تمہارا ستکار کیا ہے تم کل میرے سامنے سورگ کا دروازہ نہ بند کرنا۔



ایران دیش کا بادشاہ دارا یک دن شکار کھیلنے گیا اور اپنے ساتھیوں سے چھوٹ گیا۔ کہیں کھڑا ادھر ادھر تک رہا تھا کہ ایک چرواہا دوڑتا ہوا سامنے آیا۔ بادشاہ نے اس سے کہ یہ کوئی شتر نہ ہو۔ ترنت دھنٹش چڑھایا۔ چرواہے نے چلا کر کہا۔ ہے مہاراج میں آپ کا ہیری نہیں ہوں۔ مجھے مارنے کا وچار مت کیجیے۔ میں آپ کے گھوڑوں کو اسی چراگاہ میں چمانے لایا کرتا ہوں۔ جب بادشاہ کو دھیرج ہوا۔ بولا۔ تو بڑا بھاگیوان تھا کہ آج مرتے مرتے بچ گیا۔ چرواہا ہنس کر بولا۔ مہاراج! یہ بڑے کھید کی بات ہے کہ راجا اپنے متروں اور شتروں کو نہ پہچان سکے۔ میں ہزاروں بار آپ کے سامنے گیا ہوں۔ آپ نے گھوڑے کے

سمندر میں مجھ سے ہاتھ کی ہیں۔ آج آپ مجھے ایسا بھول گئے۔ میں تو اپنے گھوڑوں کو لاکھوں گھوڑوں میں پہچان سکتا ہوں۔ آپ کو آدمیوں کی پہچان ہونی چاہیے۔

☆

بادشاہ ”عمر“ کے پاس ایک ایسی بہو مولیٰ انگوشی تھی کہ بڑے بڑے جوہری اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔ اس کا نگیز رات کو تارے کی طرح چمکتا تھا۔ سنیوگ سے ایک بار دلش میں اکال پڑا، بادشاہ نے انگوشی بچ دی۔ اس نے ایک پتہ تک اپنی بھوکی پر جا کا اُور پالن کیا۔ بیچنے سے پہلے بادشاہ کے شہ چٹکوں نے اسے بہت سمجھایا کہ ایسی اُتوڑہ انگوشی مت چھو، پھر نہ ملے گی۔ عمر نہ مانا۔ بولا۔ جس راجا کی پر جا دکھ میں ہو، اسے یہ انگوشی شو بھانہیں دیتی۔ رتن جڑت آہوشنوں کو ایسی دشا میں پہنتا کب اچت کہا جاسکتا ہے کہ جب میری پر جا دانے دانے کو ترستی ہو۔

☆

دش میں ایک بار ایسی اناورشی ہوئی کہ بڑی بڑی ندیاں اور نالے سوکھ گئے، پانی کا کہیں نام نہ رہا۔ کہیں تھا تو اناقصوں کی آنکھوں میں۔ یدی کسی گھر سے دھواں اٹھتا تھا تو وہ چولے کا نہیں کسی دھواں دین کی آہ کا دھواں تھا۔ اس سے میں نے اپنے ایک دھنواں متر کو دیکھا۔ جو اُدا سین سوکھ کر کاٹا ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔ بھائی تمہاری یہ کیا دشا ہو رہی ہے۔ تمہارے گھر میں کس بات کی کمی ہے؟ یہ سنتے ہی اس کے بھرکل ہو گئے۔ بولا۔ میری یہ دشا اپنے دکھ سے نہیں، بلکہ دوسروں کے دکھ سے ہوئی ہے۔ اناقصوں کو چمدھا سے بلکتے دیکھ کر میرا ہر دے پھٹا جاتا ہے۔ وہ منش پشو سے بھی بچ ہے، جو اپنے دلش واسیوں کے دکھ سے دھمت نہ ہو۔

☆

ایک دشت سپاہی کسی کونہ میں گر پڑا۔ ساری رات پڑا روتا چلاتا رہا۔ کوئی سہا یک نہ ہوا۔ ایک آدمی نے اُلٹے یہ زردیا کی کہ اس کے سر پر ایک پھر مار کر بولا۔ ذرا جن، تو نے کبھی کسی کے ساتھ نیکی کی ہے جو آج دوسروں سے سہایت کی آشا رکھتا ہے۔

جب ہزاروں ہردے تیرے انپائے سے تڑپ رہے ہیں، تو تیری سدھی کون لے گا؟ کانٹے
بوکر پھول کی آشا مت رکھ۔



ایک اتیاچاری راجا دیہاتیوں کے گدھے بیگار میں پکڑ لیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ شکار
کھیلنے گیا اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے آدمیوں سے بہت آگے نکل گیا۔ یہاں
تک کہ سندھیا ہو گئی۔ ادھر ادھر اپنے ساتھیوں کو دیکھنے لگا لیکن کوئی دیکھ نہ پڑا۔ وڈش ہو کر
گھٹ کے ایک گاؤں میں رات کانٹے کی ٹھانی۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک دیہاتی اپنے
موٹے تازے گدھے کو ڈنڈوں سے مار مار کر اس کے ڈھڑے اڑا رہا ہے۔ راجا کو اس کی
یہ کمورتا بری معلوم ہوئی بولا۔ ارے بھائی کیا تو اس دین پٹو کا ماری ڈالے گا؟ تیری نزدیقا
پر کاٹھا کو بچھ گئی۔ یدی ایٹور نے تجھے بل دیا ہے تو اس کا ایسا ڈر پیوگ مت کر۔ دیہاتی
نے بگڑ کر کہا۔ تم سے کیا مطلب ہے؟ میں جانے کیا سمجھ کر اسے مارتا ہوں۔ راجا نے کہا۔
اچھا بہت بک بک مت کرا تیر بدمی بھرٹ ہو گئی ہے۔ شراب تو نہیں پی لی۔ دیہاتی نے
گمبیر بھاڑ سے کہا۔ میں نے نہ شراب پی ہے نہ پاگل ہوں۔ میں اسے کیول اسی لیے مارتا
ہوں جس سے یہ اس دلش کے اتیاچاری راجا کے کسی کام کا نہ رہے۔ لنگڑا اور بیمار ہو کر
میرے دوار پر پڑا رہے۔ یہ مجھے سو بکار ہے لیکن راجا کو بیگار میں دینا سو بکار نہیں۔ راجا یہ اتر
سن کر چپ رہ گیا۔ رات تارے گن گن کر کاٹی۔ پرائے کال اس کے آدمی کھوجتے ہوئے،
یہاں آپہنچے جب کھائی کر ٹھٹھ ہوا تو راجا کو اس گنوار کی یاد آئی۔ اسے پکڑا منگایا اور گنوار
کھینچ کر اس کا سر کانٹے پر تیار ہوا۔ دیہاتی جیون سے زراش ہو گیا اور زبھے ہو کر بولا۔ ہے
راجن تیرے اتیاچار سے سارے دلش میں ہائے ہائے مچی ہوئی ہے۔ کچھ میں ہی نہیں، بلکہ
تیری سمست پر جا تیرے اتیاچار سے گھبرا اٹھی ہے۔ یدی تجھے میری بات کڑی لگتی ہے تو
نپائے کر کہ پھر ایسی باتیں سننے میں نہ آدے۔ اس کا اُپائے میرا سر کاٹا نہیں، بلکہ اتیاچار کو
چھوڑ دینا ہے۔ راجا کے ہردے میں گیان اُتھن ہو گیا۔ دیہاتی کو چھما کر دیا اور اس دن سے
پر جا پر اتیاچار کرتا چھوڑ دیا۔



سنا ہے کہ ایک فقیر نے کسی بادشاہ سے اس کے اتنا چاروں کی جدا کی۔ بادشاہ کو یہ بات بری لگی اور اسے قید کر دیا۔ فقیر کے ایک متر نے اس سے کہا۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا، بادشاہوں سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔ فقیر بولا۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب سچ ہے۔ اس قید کا کیا ڈر، دو چار دن کی بات ہے۔ بادشاہ کے کان میں یہ بات پہنچی۔ فقیر کو کہلا بھیجا، اس بھول میں مت رہنا کہ دو چار دن میں چھٹی مل جائے گی۔ تم اسی قید میں مرو گے۔ فقیر بولا جاکر بادشاہ سے کہہ دو کہ مجھے دھکی نہ دیں۔ یہ زندگی دو چار دن سے زیادہ نہیں رہے گی۔ میرے لیے ڈکھ شکھ دونوں سان ہیں۔ تو اونچے آسن پر بیٹھا دے تو اس کی خوشی نہیں، سرکٹ ڈال تو اس کا رنج نہیں۔ مرنے پر ہم اور تم دونوں برابر ہو جائیں گے۔ دیاہن بادشاہ یہ سن کر اور بھی بگڑا اور حکم دیا کہ اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے۔ فقیر بولا۔ مجھے اس کا بھی بھے نہیں۔ خدا میرے من کا حال بنا کہے بھی جانتا ہے۔ تو اپنے کو رو کہ جس شبہ دن مرے گا دلش میں آئند آسو کی ترہیں اٹھنے لگیں گی۔



ایک کوئی کسی بچن کے پاس جاکر بولا۔ میں بڑی دہتی میں پڑا ہوں۔ ایک بچ آدمی کے مجھ پر کچھ روپے آتے ہیں۔ اس دن کے بوجھ سے میں دبا جاتا ہوں۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ وہ میرے دوار کا چکر نہ لگاتا ہو۔ اس کی بان سریکھی باتوں نے میرے ہر دے کو چھلنی بنا دیا ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا میں اس دن سے کمت ہو جاؤں گا۔ بچن پڑش نے یہ سن کر اسے ایک اشرفی دی۔ کوئی اتنی پرسن ہو کر چلا گیا۔ ایک دوسرا منٹس وہیں بیٹھا تھا۔ بولا۔ آپ جانتے ہیں۔ وہ کون ہے؟ وہ ایسا دھورت ہے کہ بڑے بڑے دھنوں کے بھی کان کاٹتا ہے۔ وہ اگر مر بھی جائے تو روتا نہ چاہیے۔ بچن نے اس سے کہا کہ چپ رہ! کسی کی نندا کیوں کرتا ہے۔ اگر اس پر داستو میں دن ہے تب تو اس کا گلا جھوٹ گیا لیکن یہی اس نے مجھ سے دھورت کی ہے تب بھی مجھے بچھٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ روپے نہ پاتا تو وہ میری نندا کرنے لگتا۔

☆

میں نے سنا ہے کہ حجاز کے راستے پر ایک آدمی پگ پگ پر نماز پڑھتا جاتا تھا۔ وہ اس سدا مارگ میں اتنا لین ہو رہا تھا کہ جڑوں سے کانٹے بھی نہیں نکالتا تھا۔ عدان اسے ابھمان ہوا کہ ایسی کٹھن تپیا دوسرا کون کر سکتا ہے؟ جب آکاش دانی ہوئی کہ بھلے آدمی تو اپنی تپیا کا ابھمان نہ کر۔ کسی منش پر دیا کرنا پگ پگ نماز پڑھنے سے اٹھ ہے۔

☆

ایک دین منش کسی دینی آدمی کے پاس گیا اور کچھ مانگا۔ دینی منش نے دینے کے نام لوکر سے دھلتے دلوکر باہر نکلوا دیا۔ کچھ کال اپرانت سے پلٹا۔ دینی کا دھن ٹھٹھ ہو گیا، سارا کاروبار بگڑ گیا۔ کھانے تک کا ٹھکانا نہ رہا۔ اس کا لوکر ایک ایسے بجن کے ہاتھ پڑا جسے کسی دین کو دیکھ کر وہی پرستیا ہوتی تھی جو دردرا کو دھن سے ہوتی ہے۔ انیہ لوکر چاکر چھوڑ بھاگے۔ اس دُروستھا میں بہت دن بیت گئے۔ ایک دن رات دھرماتما کے دوار پر کسی سادھو نے آکر بھوجن مانگا۔ اس نے لوکر سے کہا۔ بھوجن دے دو! لوکر جب بھوجن دے کر لوٹا تو اس کے نیروں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سوامی نے پوچھا۔ کیوں روتا ہے۔ بولا۔ اس سادھو کو دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوا۔ کسی سے اس کا سیوک تھا۔ اس کے پاس دھن، دھرتی سب تھا۔ آج اس کی یہ دشا ہے کہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ سوامی سن کر ہنسا اور بولا۔ بیٹا سنسار کا بھی رومیہ ہے۔ میں بھی دینی منش ہوں۔ جسے اس نے تجھ سے دھلتے دے کر باہر نکلوا دیا تھا۔

☆

یاد نہیں آتا کہ مجھ سے کس نے یہ کھانا کھی تھی کہ کسی سے یمن میں ایک بڑا دانی راجا تھا۔ وہ دھن کو ترن وت سمجھتا تھا، جیسے میٹھ سے جل کی ورشا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے ہاتھ سے دھن کی ورشا ہوتی تھی۔ حاتم کا نام بھی کوئی اس کے سامنے لیتا تو چڑ جاتا۔ کہا کرتا کہ اس کے پاس نہ راجہ ہے، نہ خزانہ اس کی اور میری کیا برابری؟ ایک بار اس نے کسی آئند اتو میں بہت سے منشیوں کو نمترن دیا۔ بات چیت میں پرسنگ وش حاتم کی بھی چمچا

آگئی اور دوچار منٹس اس کی پڑھنا کرنے لگے۔ راجا کے ہردے میں جوالا سی دہک اٹھی۔
 ترنت ایک آدمی کو آسمینا دی کہ حاتم کا سرکاٹ لاؤ۔ وہ آدمی حاتم کی کھوج میں لگلا۔ کئی دن
 کے بعد اس کو راستے میں ایک یووک سے بھیٹ ہوئی۔ وہ اتنی غمی اور شلون تھا۔ گھاسک کو
 اپنے گھر لے گیا، بڑی اذارت سے اس کا آدرستان کیا۔ جب پراتہ کال گھاسک نے ودا مانگی
 تو یووک نے اسیج و نیت ہماؤ سے کہا کہ آپ ہی کا گھر ہے، اتنی جلدی کیوں کرتے ہیں۔
 گھاسک نے آخر دیا کہ میرا جی تو بہت چاہتا ہے کہ ٹھہروں لیکن ایک کٹھن کاریہ کرنا ہے۔ اس
 میں ولہب ہو جائے گا۔ حاتم نے کہا، کوئی ہانی نہ ہو تو مجھ سے بھی بتلاؤ کون سا کام ہے، میں
 بھی تمہاری سہایت کروں۔ منٹس نے کہا۔ یمن کے بادشاہ نے مجھے حاتم کا ودھ کرنے کے
 لیے بھیجا ہے۔ معلوم نہیں ان میں کیوں درودھ ہے، تو حاتم کو جانتا ہو تو اس کا پتا بتا دے۔
 یووک زہیکتا سے بولا۔ حاتم میں ہی ہوں۔ نکوار نکال اور ٹکھر اپنا کام پورا کر۔ ایسا نہ ہو کہ
 ولہب کرنے سے تو کاریہ سدھ نہ کر سکے۔ میرے پران تیرے کام آویں تو اس سے بڑھ کر
 مجھے کیا آئندہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی گھاسک کے ہاتھ سے نکوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ وہ حاتم
 کے پیروں پر گر پڑا اور بڑی دیکھا سے بولا۔ حاتم تو داستو میں دان ویر ہے۔ تیری جیسی
 پڑھنا سنتا تھا۔ اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، اگر تجھ پر ایک ٹکڑی
 بھی پھینکوں۔ میں تیرا داس ہوں اور سد یو رہوں گا۔ یہ کہہ وہ یمن لوٹ آیا۔ بادشاہ کا منورجھ
 پورا نہ ہوا تو اس نے اس منٹس کا بہت ترسکار کیا اور بولا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو حاتم سے ڈر کر
 بھاگ آیا۔ اتھوا تجھے اس کا پتہ نہ ملا۔ اس منٹس نے آخر دیا۔ راجن! حاتم سے میری بھیٹ
 ہوئی لیکن میں اس کا شیل اور آتھسہ پن دیکھ کر دشی بھوت ہو گیا۔ اس کے پشچات اس نے
 سارا ورتانت کہہ سنایا، بادشاہ سن کر چکت ہو گیا اور سویم حاتم کی پڑھنا کرتے ہوئے بولا۔
 داستو میں وہ دانٹوں کا راجا ہے، اس کی جیسی کیرتی ہے، دیسے ہی اس میں ٹٹن ہیں۔



ہانید کے دشنے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آتھتی پالن میں بہت اڈار تھا۔ ایک بار اس
 کے یہاں ایک بوڑھا آدمی آیا، جو بھوک پیاس سے بہت دکھی معلوم ہوتا تھا۔ ہانید نے
 ترنت ان کے سامنے بھوجن مگھوایا۔ درودھ منٹس بھوجن پر ٹوٹ پڑا۔ اس کی زبان سے ’ہم

اللہ شہد نہ نکلا۔ ہانڈیہ کو لٹھے ہو گیا کہ وہ کافر ہے اسے اپنے گھر سے نکلوا دیا۔ اسی سے آکاشانی ہوئی کہ ہانڈیہ میں نے اس کافر کا سو ورش تک پالن کیا اور تم سے ایک دن بھی نہ کرتے بن پڑا۔



کسی بھگت نے پنپنے میں ایک سادھو کو نرک میں اور ایک راجا کو سورگ میں دیکھ کر اپنے گرد سے پوچھا۔ کہ یہ الٹی بات کیوں کر ہوئی۔ گرد جی بولے، اس راجا کو سادھوؤں اور بچوں کے ست سنگ سے رو جی تھی اس لیے اس نے مرنے کے پیچھے ورگ میں ان ہی کے سنگ واس پایا۔ اور اس سادھو کو راجاؤں اور امیروں کی سنگت کا شوق تھا سو وہی واسا اس کو نرک میں ان کی مصاحبت کے لیے کھینچ لائی۔



قارون بادشاہ کو حضرت موسیٰ نے اپدیش کیا کہ بھلائی ویسی ہی گت ریتی سے کر جیسے مالک نے تیرے ساتھ کی ہیں۔ ادارتا وہی ہے جس میں نہورے کا میل نہ ہو تھی اس کا پھل ملتا ہے۔ سچے اپکار کے بیڑ کی ڈالیاں آکاش کے پرے پہنچتی ہیں۔



کسی نے پنپنے میں پرلے کی لیلیا دیکھی کہ ایک بھاری جمنڈ لکڑیوں کا بیسے اور کشت سے چلا رہا ہے۔ پر ان میں سے ایک آدمی موتی کی مالا پہنے شیش چھاؤں میں بیٹھا ہے۔ اس نے پوچھا۔ حیرا کس کارن ایسا آدر ہوا ہے۔ جواب دیا۔ میں نے اپنے دوار پر انگور کی ٹٹی لگائی تھی، جس کی چھاؤں میں ایک بار ایک ایک نہاتا نے دھرام کیا تھا۔



ایک ہریمان اپنے لڑکوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا وڈیا سیکھو، سنسار کے دھن دھام پر بھروسہ نہ رکھو، تمہارا ادھکار تمہارے دیش کے باہر کام نہیں دے سکتا اور دھن کے چلے

جانے کا سدا ڈر رہتا ہے۔ چاہے اسے ایکبارگی چھو لے جائے یا دھیرے دھیرے خرچ ہو جائے پرتو وڈیا دھن کا الٹ سروت ہے اور یدی کوئی ودوان نردھن ہو جائے تو بھی دھن نہ ہوگا کیونکہ ان کے پاس وڈیا روپی دروہ موجود ہے۔ ایک سے دشمن نگر میں قدر ہوا۔ سب لوگ بھاگ گئے۔ جب کسانوں کے بدھمان لڑکے بادشاہ کے منتری ہوئے اور پرانے منتریوں کے مورکھ لڑکے گلی گلی بھیک مانگنے لگے۔ اگر پتا کا دھن چاہے ہو تو پتا کے گن سیکو۔ کیونکہ دھن تو چار دن میں چلا جاسکتا ہے۔

☆

کسی نے حضرت امام مرشد بن غزالی سے پوچھا کہ آپ میں یہ ایسی بھاری یوگیتا کہاں سے آئی۔ جواب دیا۔ اس طرح کہ جو باتیں میں نہیں جانتا تھا اسے دوسروں سے پوچھ کر سیکھنے میں میں نے لاج نہ کی۔ یدی روگ سے چھٹنا چاہے ہو تو کسی گئی وید کو ناڈی دکھاؤ، جو بات نہ جانتے ہو، اس کے پوچھنے میں لاج یا آلس نہ کرو کیونکہ اس سچ کج سے یوگیتا کی سیدی سڑک پر پہنچ جاؤ گے۔

☆

ایک بادشاہ نے مرتے سے آگیا دی کہ میرے مرنے کے سویرے پہلا آدمی جو نگر میں بھاگ میں گھسے وہ بادشاہ بنایا جائے۔ دیوگتی سے سویرے ایک بھکٹ کا پھاٹک میں گھسا۔ اسے لوگوں نے لا کر راج گدی پر بٹھایا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی یوگیتا اور نربلتا سے کتنے ہی راج منتری اور صوبے سوتنر ہو بیٹھے اور اس کے بادشاہوں نے چڑھائی کر کے بہت سا حصہ اس کے راجیہ کا جھین لیا۔ پھارا بھکٹ راجا ان اتپالوں سے اداس اور دکھی تھا کہ اس کا پہلا ساتھ، جو باہر گیا ہوا تھا لوٹ کر آیا اور اپنے پرانے متر کو اس کا اچرج بھاگ بھگنے پر بدھائی دی۔ بادشاہ بولا۔ بھائی میرے ابھائیہ پر روؤ کیونکہ بھیک مانگنے کے کال میں مجھے کیول روٹی کی چتا تھی۔ اب دلش بھر کی جھنجھٹ اور سمہال کا بوجھ میرے سر پر ہے اور چوکنے کی دشا میں اسہ دکھ۔ سنار کے جبال میں جو پھنسا سو مر مٹا، یہاں کا سکھ بھی نہٹ دکھ روپ ہے، اب میری آنکھوں کے سامنے صاف درساتا ہے کہ سنتوش کے برابر دوسرا دھن سنار میں نہیں ہے۔

نواں ادھیائے

سعدی کی لوکوکتیاں

کسی لیلک کی سروریتا اس بات سے بھی دیکھی جاتی ہے کہ اس کے واکہ اور پد، کہاوتوں کے روپ میں کہاں تک پرچلت ہیں۔ مانو چتر پارپرک دیوہار آدی کے سمبندھ میں جب لیلک کی لیکھنی سے کوئی ایسا سارگر بہت واکہ نکل جاتا ہے جو سرودیا پک ہو تو وہ لوگوں کی زبان پر چڑھ جاتا ہے۔ گوہای تلخی داس جی کی کتنی ہی چوپائیاں کہاوتوں کے روپ میں پرچلت ہیں۔ انگریزی میں فلکپنر کے واکوں سے سارا سلوہ بھرا پڑا ہے۔ فارسی میں بھٹانے یہ گوروشع سدی کو پردان کیا ہے۔ اس چھتر میں وہ فارسی کے سمت کو یوں سے بڑے چڑھے ہیں۔ یہاں اداہرن کے لیے کچھ واکہ دیئے جاتے ہیں۔

اگر منزل خری از دست خوش خونے

بہ از شیرینی از دست ترش روے

کوئی رحیم کے اس دوہے میں یہی بھاد اس طرح درشایا گیا ہے۔

امی پیادت مان بن رحیم ہمیں نہ سہائے

پریم سہت مریو بھلو، جو دشے دہنی بلائے

آنکہ فنی ترند محتاج ترند

(جو ادھک دھتا ڈھید ہے وہی ادھک محتاج ہے)

ہر عیب کہ سلاطین بہ پسند ”ہنر است“

(بیدی راجا کسی عیب کو بھی پسند کرے وہ ہنر ہو جاتا ہے۔)

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

(سندرتا ہا سنگار ہی کے من کو موہتی ہے)

سو بھاؤک سوندریہ جو سو ہے سب انگ ماہیں
 تو کر ترم آ بھرن کی آؤھکتا نا ہی
 پر توے نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بدست
 (جس کی اصل خراب ہے اس پر بھوں کے ستنگ کا کچھ اثر نہیں ہوتا)
 دشمن ناتواں حقیر و بے چارہ نہ برد
 (شتر و کوکبی ڈر بل نہ سمجھتا چاہیے)

درباغ لالہ روید و در شور بوم خس
 (لالہ بھل باغ میں آتا ہے۔ خس جو گھاس ہے اُسر میں)
 عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
 (بھیزے کا بچہ بھیڑیا ہی ہوتا ہے)

تو مگری بہ دل است، نہ بہ مال،
 بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال
 (دینی ہونا دین پر نہیں بلکہ ہردے پر زبھر ہے۔ بڑی تن احتیاط پر نہیں بلکہ بدھی پر
 زبھر ہے۔)

سکھن ہون تے ہوت نہیں، کوڈں پلہ میوان
 من چاکو دھنوان ہے، سوئی دینی مہان
 حودرا چہ کنم کہ از خود مرغ درست
 (ایریشا لومش سو نیم ہی ایرشا آگنی میں جلا کرتا ہے اسے اور ستانا دیرتھ ہے)
 قدر عاقبت آگس دانہ کہ بہ مصیبت گرفتار آید
 (دکھ بھوگنے سے سکھ کے سولہ کا گیان ہوتا ہے)

دیتی بھوگ بھوگ گرد جن لوگنی بہو بار
 سمجھی کے گن جان ہی دے ہی بھلے پرکار
 چوں عضوے بہ درد آورد روزگار
 در عضو ہارا نہ ماند قرار
 (جب شریر کے کسی انگ میں پڑا ہوتی ہے تو سارا شریر ویاکل ہو جاتا ہے۔)

ہر کجا جٹے بود شیریں
 مردم و مرغ و مور گرد ایند
 دل مدحور جل سوہرا جہاں جلاشے ہوئے
 پشوپشی اروٹاری زجات تہاں سب کوئے
 آں را کہ حساب پاکست از محاسبہ چہ باک
 (جس کا لیکھا صاف ہے، اسے حساب سمجھانے والے کا کیا ڈر)
 دوست آں باشد گیرد دسج دوست
 در پریشاں حالی و در ماندگی
 (متروہی ہے جو دہتی میں کام آوے)

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
 زند جامہ ناپاک گاجراں برسگ
 (تو برائیوں سے پوتر (دور) رہے تو تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دھوبی کیول میلے
 کپڑے کو پتھر پر پھلتا ہے)

چوں از قوسے یکے بیدائشی کرد
 نہ کہرا منزلت ماند نہ مہرا
 (کسی جاتی کے ایک آدمی سے برائی ہو جاتی ہے تو ساری کی ساری جاتی بدنام ہو
 جاتی ہے۔ نہ چھوٹے کی عزت رہتی ہے نہ بڑے کی)

پائے در زنجیر پیش دوستاں
 بہ کہ بایگاناں بوستاں
 (متروں کیساتھ بندی گرہ بھی سوگ ہے پر دوسروں کے ساتھ اپون ترک سان ہے)
 نیک ہاشی و بدت گوید خلق
 بہ کہ بد ہاشی و نیکت گویند
 (ست مارگ پر چلتے ہوئے اگر لوگ برا کہیں تو یہ اس سے اچھا ہے کہ کو مارگ پر
 چلتے ہوئے لوگ تمھاری پر ہنسا کرے)

باطل است انچہ مدی گوید

(دیکھی کی بات مٹھا بھی جاتی ہے)

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گر نوشت است چند بر دیوار
(منش کو چاہیے کہ بیدی دیوار پر بھی اپدیش لکھا ہوا ملے تو اسے گرہن کرے)
ہرہ اگر شتاب کند ہرہ تو نیست
(تیرا ساتھی جلدی کرتا ہے تو وہ تیرا ساتھی نہیں ہے)

حق کہ ہاتھوبت ووزخ برابر است
رفتن باپائے مردی ہم سایا در بہشت
(پڑوسی کی سفارش سے سوگ میں جانا ترک میں جانے کے تلیہ ہے)
رزق ہر چند بے گماں برسد
شرط عقل است جتن از درہا
(یدہی بھوکوں کوئی نہیں مرتا انشور سب کی سدھی لیتا ہے تھاپی بدھی مان آدمی کا
دھرم ہے کہ اس کے لیے پرچن کرے)

بدوزد طمع دیدہ ہوش مند
(ترشا چڑ کو بھی اندھا بنا دیتی ہے)
گردن بے طمع بلند بود
(بسر یہ منش کا سر سدا اونچا رہتا ہے)
کوئی با بداں کردن چنا نیست
کہ بد کردن برائے نیک مردا
(درجنوں کے ساتھ بھلائی کرنا سب جنوں کے ساتھ برائی کرنے کے سامن ہے)
یکے نقصان مایا دیکر شوہما تنے ہم سایا
(گانڈھ سے دھن جائے لوگ بنے)
خطائے برزرگاں گرفتن خطاست
(بدوں کا دوش دکھانا دوش ہے)

عربیتی اگر بہ ملے شود
چوں بیاد ہنوز خرباشد
(کواکبھی ہنس نہیں ہو سکتا)

جور استاد بہ زہر پدر
(گرو کی تاڑنا پتا کے پیار سے اچھی ہے)

کریمہ را بدست اندر درم نیست
خدا بندہ نیام ترا کرم نیست
(دانتوں کے پاس دمن نہیں ہوتا اور دمنی دانی نہیں ہوتے)
پراگندہ روزو پراگندہ دل
(درتی بین منش کا چپت استہر نہیں رہتا)

پیش دیوار انچہ گوئی ہوش دار
تانہ باشد در پس دیوار گوش
(دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں اس کا دھیان رکھ)
کہ بحث نفس نہ گردد ہا سالہا معلوم
(سو بھاد کی پتا برسوں میں بھی نہیں معلوم ہوتی)

مکھ آلت کہ خود بیوید نہ کہ عطار بگوید
(کستوری کی پہچان اس کی سوندھ سے ہوتی ہے گاندھی کے کہنے سے نہیں)
کہ بسیار خور است بسیار خوار
(بہت کھانے والے آدمی کا کبھی آدر نہیں ہوتا)

کہن جامہ خویش آراستن
بہ از جامہ عاریت خواستن
(اپنے پرانے کپڑے مگنی کے کپڑوں سے اچھے ہیں)

چوں سائل از تو بازاری طلب کند چیزے
بدہ بگر نہ ستم گر بزور بتاند
(دونوں کو دیں ورنہ چھین کر لے لیں گے)

شخص تلخ ناخواہی دہلش شیریں کن
 (اگر کسی کی کڑوی بات نہیں سنتا چاہیں تو اس کا منہ میٹھا کر)
 مورچہ گاں راجوں بود اتفاق
 شیر زیاں را بدادر پست
 (اگر چھوٹیاں ایکا کر لیں تو شیر کی کھال کھینچ سکتی ہیں)
 ہنر بکارنا آید چوں عجب بد شاہ
 (بھائیہ بین منش کے گمن بھی کام نہیں آتے)

ہر کہ سخن نہ سجد از جواب بدخندہ
 (جو آدمی قول کر بات نہیں کرتا ہے اسے کھنور باتیں سننی پڑتی ہیں)
 انک انک بہم شود بسیار
 (ایک ایک دانامل کر ڈھیر ہو جاتا ہے)

یہ بھی سہری نے جو اپدیش دیے ہیں وہ انیہ لیکھکوں کے یہاں بھی پائے جاتے
 ہیں، لیکن فارسی میں سہری کی سی کہیاتی کسی نے نہیں پائی تھی۔ اس سے دوت ہوتا ہے کہ
 لوک پریتا بہت کچھ بھاشا سوندریہ پر اولمبت ہوتی ہے۔ یہاں ہم نے سہری کے کچھ واکیہ
 دیے ہیں لیکن یہ سمجھنا بھول ہوگی کہ کیول بھی پرسدہ ہیں۔ ساری گستاں ایسے ہی مارک
 واکوں سے پری پورن ہے۔ سنسار میں ایسا ایک بھی گرتھ نہیں ہے جس میں ایسے واکوں کا
 اتنا ادھکیہ ہو جو کھاوت بن سکتے ہوں۔

گوسوامی تلسی داس پر یہ دوشاروپن کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کئی بھرموتپادک چوپائیاں
 لکھ کر سماج کو بڑی ہانی پہنچائی ہے کچھ لوگ سہری پر بھی یہی دوش لگاتے ہیں اور یہ واکیہ
 اپنے کچھ کی ہٹنی میں پیش کرتے ہیں۔

اگر شہ روز را گوید ہمت این
 بہ باید گفتہ ای کہ ماہ و برویں

(اگر بادشاہ دن کو رات کہے تو کہتا چاہیے کہ ہاں، حضور، دیکھیے چاند نکلا ہوا ہے)
 اس پر یہ آکشیپ کیا جاتا ہے کہ سہری نے بادشاہوں کی جھوٹی خوشامد کرنے کا
 پرامرش دیا ہے، لیکن جس زہیچتا اور سوتنژتا سے انھوں نے بادشاہوں کو گیان اپدیش کیا ہے

اس پر دھار کرتے ہوئے سہری پر آشپ کرنا ہاگل نیائے عتک نہیں معلوم ہوتا۔ اس کا
 انہماک کیل یہ ہے کہ خوشامدی لوگ ایسا کرتے ہیں۔

اسی طرح لوگ اس واکہ پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔

دروغ مصلحت آموز بہ

از راستی فتنہ انگیز

(وہ جھوٹ جس سے کسی کی جان بچے اس سچ سے اُٹم ہے، جس سے کسی کی جان

جائے)

کہا جاتا ہے کہ استہ سرد تھا انکھمہ ہے اور سہری کا یہ واکہ جھوٹ کے لیے راست
 سکھول دیتا ہے۔ لیکن وواد کے لیے اس واکہ کی انکھما چاہے کی جائے اور آدرش کے پاسک
 چاہیں اسے بندہ سمجھیں پر کوئی سہروئے منش اس کی لیکھا نہ کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی
 سہری نے آگے چل کر ایک اور واکہ لکھا ہے، جس سے دوت ہوتا ہے کہ وہ سوارتھ کے لیے
 کسی بھی حالت میں جھوٹ بولنا اُچت نہیں سمجھتے تھے۔

گریت سخن گوئی بدر بند بہ معانی

بہ زآں کہ دروغت دہ از بند رہائی

(یدی سچ بولنے سے تم قید ہو جاؤ تو یہ اس جھوٹ سے اچھا ہے، جو قید سے مکت

کر دے)

اس سے جان پڑتا ہے کہ پہلا واکہ کیل دوسروں کی دہتی کے پیش میں ہے، اپنے

لیے نہیں۔

دسواں ادھیاءے

غزلیں

غزل فارسی کویتا کا پردھان انگ ہے۔ کوئی کوی جب تک کہ وہ غزل کہنے میں مہن نہ ہو کوی ساج میں آدر کا استھان نہیں پاتا۔ یوں تو غزل سنگار کا وشے ہے، کفوں کو یوں نے اس کے دوارا سبھی رسوں کا وزن کیا ہے، جس میں بھگتی، پیراگی، سنسار کی اسارتا آدی وشے بڑے مہتو کے ہیں۔ غزلوں کے سگریہ کو فارسی میں دیوان کہتے ہیں۔ سحر کی سپورن غزلوں کے چار دیوان ہیں۔ جن کے نام لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ان چاروں دیوانوں میں کوئی تو یوا کال میں، کوئی پروڑ حادستا میں لکھا گیا ہے۔ کفو ان میں کہیں بھاؤ کا وہ اثر نہیں پایا جاتا جو بہودھا بھن بھن استھا کی کویتاؤں میں ملا کرتا ہے۔ ان کی سبھی غزلیں سرلتا اور واکہ پھٹا میں سسٹپہ ہیں اور یہ کوی کی رچنا فطرتی کا بہت بڑا پرمان ہے۔

یہی شیخ سحر کی پور وکالین کوی مکن بھی غزلیں کہتے تھے۔ کفو اس سے قصیدے اور مشنوی کی پردھانتا تھی۔ غزلوں میں سادھان بھاؤ پرکٹ کیے جاتے تھے اور سنگار کو چھوڑ کر دوسرے رسوں کا اس میں پرایہ آہاؤ تھا۔ سحر نے غزلوں میں ایسے ٹوڑہ رمسیوں اور مر م اپرشی بھاؤوں کو ویکٹ کیا ہے کہ لوگ قصیدے تھا مشنویاں کو چھوڑ کر غزلوں پر ٹوٹ پڑے اور غزل فارسی کویتا کا پردھان انگ بن گئی۔ اسی سے سالوچکوں نے سحر کو غزل میں پردھان مانا ہے۔ سحر کے پہلے دو کو یوں نے قصیدے کہنے میں دیش پر بھاؤ دکھائی ہے۔ انورتی اور خاقانی۔ یہ دونوں کوی اس وشے میں اودتیہ ہیں، لیکن ان کی غزلوں میں وہ مارمکتا نہیں پائی جاتی جو سحر نے اپنی غزلوں میں کوٹ کوٹ کر بھردی۔ بات یہ ہے کہ غزل کہنے کے لیے ہردے میں نانا پرکار کے بھاؤوں کا ہونا اتیا ویک ہے، کیول اتنا ہی نہیں، ان بھاؤوں کو کچھ ایسے انوشے ڈھنگ سے وزن کرنا چاہیے کہ ان سے سننے والا ترنت گلدہ ہو جائے۔

الورتی کا ایک شعر ہے:

ہا باسن جفا کند لیکن
بہ جفا چچ از دنیا زارم

بھادراچھ۔ وہ (پریتیم) میرے اوپر سدھو ظلم کیا کرتا ہے، کٹھو میں ان کی ذرا بھی شکایت نہیں کرتی۔

بھاد کے سندر ہونے میں سندھیہ نہیں، کیونکہ دکھڑا عاشقوں کی پرانی بات ہے۔ کٹھو کوئی نے اسے اسپتھ روپ سے درشن کر کے اس کی مٹی خراب کر دی۔ دیکھیے اسی بھاد کو سدھو صاحب کس ڈھنگ سے درشاتے ہیں:

قادور بر ہرچہ می خواہی بہ جز آزار من
جاں کی گر ششیر بر فرقم زنی آزار نیست

بھادراچھ: تو سب کچھ کر سکتا ہے کٹھو مجھ پر ظلم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یدی تو میرے سر پر نکوار مارے تو اس سے مجھے کٹھ نہیں ہوتا۔

یہ اسرن رکھنا چاہیے کہ فزل پر دھلتہ سنگار کا وشے ہے۔ اس لیے کوئی گن جب اس کے دوارا بھگتی دیہاگہ وندا آدی کا وزن کرتے ہیں تو ان کو رسکتا کی ہی آڑ لینی پڑتی ہے۔ اتہو شراب کی مستی سے المشور پریم، شراب سے گیان، آتم درشن، شراب پلانے والے ساتی سے گرو، گیانی، مشوق (پرہما) سے المشور کا بودھ کراتے ہیں۔ اسی پرکار وہ بلبل سے پریمی اس کے بغیرے سے ڈکھ سے سنسار اور مالی سے وحشی کا آشے پرکٹ کرتے ہیں۔ یہ پرانی اتنی سرو پر سدھ ہوگئی کہ کسی کو کوئی کے آسٹرک بھادوں کو جاننے میں سندھیہ نہیں ہو سکتا۔ بھگتی کے لیے ہردے کی سوچتا تھا زمتا کا ہونا آدھیک ہے۔ کٹھ کے ساتھ بھگتی کا میل نہیں ہو سکتا، اس لیے کوئی گن بھگتے ہانے کی جدا کرنے سے کبھی نہیں جھٹکتے۔ مسجد کے مابہ کی ہیکچھا جو سنسار کو دکھانے کے لیے یہ سواگ رچے ہوئے ہیں۔ ہے وہ داناس میں پھنسا ہوا منٹ کہیں سمہوئے ہے، جس کے ہردے میں کٹھ نہیں۔ وودتا اور دھرم تھا کتویہ پرلینا آدی گمنوں سے منٹ میں بہودھا اسمان کا اڈبھو کرتے ہیں، اگیان، مورکھتا تھا بھرھنا کہیں آتم ہے جو مانو ہردے میں دلے دیشتا تھا زمتا اچن کرتی ہے۔

اس لیے کوئی گن سادھویش، وودتا، دھامک، دوک آدی کی خوب دل کھل کر ہنسی

اڑاتے ہیں اور بھرھٹا، مورکھا، رکتا کو خوب سراہتے ہیں۔ وہ چو سندھاری مہاتماؤں کو
 تارتے ہیں اور شرایہوں تھا سنگاریوں کے آگے پیش جھکاتے ہیں وہ گیانوں کو مورکھ اور
 مورکھوں کو گیانی کہتے ہیں۔ شیخ سہری کے پہلے بھی یہ ہنالی مسکرت ہو چکی تھی پر سہری نے
 اس کے پرہماؤ اور چکار کو قبول کر دیا اور یہ ہنالی کچھ ایسی سرد پریے سدھ ہوئی کہ بعد
 والے کو یوں نے تو ان ہی دھیوں کو غزل کا مورکھہ انگ بنادیا، اور حافظ نے سہری کو بھی
 پیچھے کر دیا۔

اب ہم سہری کی غزلوں کے کچھ شعر احرار کرتے ہیں جن کو دیکھ کر ریسک ورنہ
 سویم یہ زرنے کر سکیں گے کہ ان غزلوں میں کتنا لالچہ اور رس بھرا ہوا ہے۔

آے کہ کتنی چھ شکل چوں فراقی یار نیست

گر اسد وصل باشد آں چنا دشوار نیست

بھادارتھ۔ یدھی پریم کا دیوگ بہت کٹ جگ ہے، تنہائی ملاپ کی آشا ہو تو اس کا
 سہنا کچھ کٹھن نہیں ہے۔

ہر کو بہ ہا عرش سونائے گل بودست

نہ کہ چہ را بلبل دیوانہ ہمیں باشد

بھادارتھ۔ جس منش نے سارا جیون کسی پھل کے پریم میں دھیت کیا ہے وہی جانتا
 ہے کہ بلبل کیوں دیوانہ ہوتا ہے۔

دل و جانم بہ تو مشغول و نگاہ بٹ چپ و راست

تا تا ماند رقیباں کہ تو مشغور منی

بھادارتھ۔ میں تو حیر اور تجھے ہوں پر آنکھیں داہنے ہانگیں پھیرتا رہتا ہوں جس
 میں پرئی دودھیوں کو یہ گیات نہ ہو سکے کہ تو میرا پریم ہے۔

اس شعر میں کتنا لالچہ ہے۔ اسے ریسک جن سویم انو بھو کر سکتے ہیں۔

دگما چوں بہ دوعاذنظر از دل بہ روند

تو چنا در دل من رفت کہ جو در نی

بھادارتھ۔ سادھارتھ جب کوئی نظروں سے دور ہو جاتا ہے تو اس کی یاد بھی مٹ جاتی
 ہے، کٹھن تو نے میرے ہر دے میں اس پرکار پرولیس کیا ہے۔ جیسے پران شریر میں۔

کتنی منورم آگتی ہے!

شریہ طع تر از درد فراق تباہ

تا کنت لذت وصل تو فراموش مرا

بھادارتھ۔ تجھ سے پریم آئین کے آئند کو بھلانے کے لیے تیرے دیوگ سے بھی

داڑن دکھ چاہیے۔

ایسے کو یوں نے دیوگ دکھ وزن میں خوب آنسو بہائے ہیں۔ پرسہدی پریم لاپ کے
سرن میں برہ کے دکھ کو بھول جاتا ہے دیوگ دسرتی کا کتنا اچھا آپائے، کیسی اکسیر دوا ملتی ہے۔

براندلی بہ عاشق گردش کئی قفس را

مرض ذوق اندوش پردایہ در نہ باشد

بھادارتھ۔ پریم مکن بلبل کے بنجرے کو یدی تو توڑ ڈالے تو بھی اپنے ہر دیا نوراک

کے کارن اسے دروازے کی سدھی بھی نہ رہے گی۔ کتنا پیارا لاجباب شعر ہے! بلبل پریم
نوراک میں ایسی تھے ہو رہی تھی کہ یدی کوئی اس کے بنجرے کو توڑ ڈالے تو بھی وہ اس سے
نہ لٹے۔ ایسے کو یوں کے عاشق کھڑے پھاڑتے ہیں، جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

برہ کلپنا میں آٹھوں پہر آنسو کی دھارا بہایا کرتے ہیں، موقع پاتے ہیں قید خانے سے بھاگ
کھڑے ہوتے ہیں، زنجیروں کو توڑ ڈالتے ہیں، دیواروں کو پھاند جاتے ہیں۔ یدی اتنا
سامس نہ ہوا تو بہار اور گل جن کی یاد میں ترپتے رہتے ہیں۔ پرسہدی پریم میں اتنے مکن
ہیں کہ انہیں کسی بات کی چٹائی نہیں۔ پریم کا کتنا اونچا آدرش ہے، اس کے گہرے رسیہ کو
کتنے مکدہ کاری آئندے شہدوں میں وزن کیا ہے۔

بود ہمیشہ پیش ازین رسم تو بے گنہ کشتی

ازچہ مرانی کشتی من چہ گناہ کردہ ام

بھادارتھ۔ اس کے پہلے تو بے گناہوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ

مجھے قتل نہیں کرتا۔

جوں نہ دارد ہر کہ چنانہ نیش نیست

نگہ بیش است آن کہ بوستانیش نیست

بھادارتھ۔ وہ پران شونیہ ہے جس کا کوئی چران المیہ نہیں، وہ بھائیہ ہیں جس کا کوئی

بھاگیہ نہیں۔

اس شعر میں بھگتی رس کا کتنا گنیمیر سواد بھرا ہوا ہے۔

چناں بہ مویٰ تو آشتہ ام بیوئے مست

کہ میستم خبر از ہرچہ در دو عالم است

بھادارتھ۔ میں تیرے کیٹوں میں ایسا الجھا اور ان کی سونگھمی میں ایسا مست ہوں

کہ مجھے لوک پر لوک کی کچھ سدھی ہی نہیں۔

غلام بہت آئم کہ پانہند یہ کیست

باچاہب متعلق شد از ہزار بردست

بھادارتھ۔ میں کیول اسی کا سیوک ہوں جو کیول ایک کا انوراگی ہے جو ایک کا ہوکر

ہزاروں سے کمت ہو جاتا ہے۔

لٹہیں من بہ تو و دیگران بہ تو مشغول

معاشران زے و عارفان ز ساقی مست

بھادارتھ۔ میری آنکھیں تیری اور ہیں۔ تجھ سے ایسے لوگ ہاتھ کر رہے ہیں۔

بھوگیوں کے لیے شراب چاہیے۔ گیانی شراب پلانے والوں کو دیکھ کر ہی مست ہو جاتا ہے۔

بڑے معرکے کا شعر ہے۔ پریمیا نوراگ میں ایک نازک پہلو کو اتھت بھادارتھ پورن

روپ سے درن کیا ہے۔ بھکٹوں کو ایسا چھن ہی سب سے بڑا پدارتھ ہے، اس کے درشن

کرنے کی انہیں اہملا شائیں۔ شراب پی کر مست ہوئے تو کیا بات ہوئی، مزا تو جب ہے

کہ ساقی (شراب پلانے والے) کے درشن ہی سے آتما ترپت ہو جائے۔

دل کہ عاشق و صابر بود مگر سکست

ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است

بھادارتھ۔ جس ہردے میں پریم کے ساتھ دھیر یہ بھی ہے وہ پاپر ہے۔ پریم اور

حرم میں سوکوں کا اتھر ہے۔

چہ تربیت ششوم یا مصلحت یانم

مرا کہ چشم بہ ساقی و گوش بر چکست

بھادارتھ۔ میں کسی کا اپدیش کیا سنوں اور کیا اچٹ انوچٹ کا دھار کروں، میری تو

ساتی کی اور کان چنگ کی اور لگے ہوئے ہیں۔ آٹے اچھٹ ہے۔
 غلق می گوید کہ جاہ و فضل در فرض اکست
 گمباش ایں ہاں، کہ رغان فھینا ام
 بہادارتھ۔ اگر ہران کے بدلے میں بھی شراب ملے تو سستی ہے، لے لے کیوں کہ
 شراب خانہ کی مٹی بھی امرت سے انم ہے۔

روئے است ماہ پیکر موئے است مشک بوئے
 ہر لالہ کہ می دد از خاک و سہیلے
 بہادارتھ۔ مٹی سے جو لالے (ایک پرکار کا پھل) یا سنبل (ایک پرکار کی گھاس)
 نکالتے ہیں۔ داستو میں پرنیک کسی کا چند رکھ یا سونگدھ سے بھرے ہوئے کیش ہے۔
 سنبل کی کیش سے اہادی جاتی ہے۔ ویدانت کا سارا ایک شعر میں نکال کر رکھ دیا ہے۔
 غزلوں کا سانچ پر کیا پر بہاد پڑا اس کے دشنے میں کچھ کہنا آپ ٹیک نہ ہوگا۔ سنگار
 رس کی کویتا ولاستا کو انجھت کرتی ہے۔ یہ ایک سرمدہ بات ہے اور جب سنگار کے ساتھ کویتا
 میں دھیا، دھرم آچار، غم اور سدھانت کا اہمان بھی کیا جائے تو اس کی دکارک فہتی اور بھی
 بڑھ جاتی ہے۔ اس میں سند یہ نہیں کہ سدی اور انیہ کو یوں نے کبیر صاحب کی بھانٹی
 ڈھونگ، ڈھکوسلا اور نمائش کا انداز کرنے ہی کے مست یہ رچنا فہلی گرہن کی ہے اور آچار،
 نچتی تھا گیان کے بڑے بڑے جل اور مرم اسپرشی دشنے روپک دوارا درشائے ہیں پر جتنا
 ان غزلوں کے آجے کو اپنے ادرچت اور من کی درتیوں کے الوسار ہی سمجھتی ہے۔ کرتن میں
 جو سورگیہ آند ایک بھکت کو ہوگا وہ ولاساندھیه منش کو کدانی نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے چتر اور
 سو بہاد کی در بلتا کے کارن اوپری آجے ہی کا آند اٹھاتا ہے۔ مرم تک اس کی سخل بدھی پہنچ
 ہی نہیں سکتی۔ یہ فہلی کچھ ایسی مرو پر پے ہو گئی ہے کہ اب فارسی یا اردو کو یوں کو اس کا تیاگ
 یا سھودھن کرنے کا ساس ہی نہیں ہو سکتا۔ شروتاؤں کو ان غزلوں میں کچھ آند ہی نہ آئے گا
 جو اس فہلی کے الوکول نہ ہوں۔ اس دشنے میں سدی کے اردو جیون کار مولانا الطاف حسین
 حالی نے بڑی اپھکت باتیں لکھی ہیں، جنہیں پڑھ کر پانھک سدھ جان جائیں گے کہ اردو ہی
 کے کوئی اور لیکھک اس دشنے میں کیا متقی رکھتے ہیں۔

ان غزلوں کے دشنے میں پرایہ لوگ پرچت ہیں۔ یہ سرودا بدھی اور گیان، مان اور

مریادا و حرم او سدھانت، دھن اور ادھکار کی لیکھا کرتی ہے۔ تھا درودتا اور ایمان او دھیا اور
 اکیان کو سرور۔ عشرہ بتلاتی ہے۔ سنار پر لات مارنا ہدی سے کبھی کام نہ لینا سنتوش اور ورتی
 کے نشے میں اپنے اپنے جیون کو نعل اور مشکو کا چن کرنا سنار کو اسار اور انجیہ سمجھتے رہتا کسی
 دستو کے خو جاننے کی چھٹا نہ کرنا سو پہ بندھ تھا مرتویا تا کو اوگن سمجھتا، جو کچھ ہاتھ لگے اسے
 ترنت دیرتھ کھودیاں اور اسی پرکار کی اور کتنی ہی باتیں ان سے پرکٹ ہوتی ہیں۔ ورت ہی
 ہے کہ یہ سٹے بے گروں اور نو یوکوں کو سو بھادہ رچکر پرتیت ہوتا ہے۔ یدھی یہ سدھ کرنا
 کٹھن ہے کہ ہمارا درتھن بیک چن انھیں غزلوں کا پرنام ہے، لیکن اس میں سند یہ نہیں کہ
 سنگار اور دیراگیہ کی کویتا نے اس دشا کو پشت کرنے میں ویش بھاگ لیا ہے۔

گیارہواں ادھیائے

قصیدے

قصیدہ فارسی کویتا کے اس انگ کو کہتے ہیں۔ جس میں کوئی کسی مہان پدش یا کسی ویش دستو کی پڑھنا کرتا ہے۔ جس پرکار بھوشن، متی رام، کیجو آدی کوئی جن اپنے سکالین مہچوں یا پد ادھکاریوں کی پڑھنا کر کے نام، دمن تھالیش پراپت کرتے تھے۔ اسی پرکار مسلمان بادشاہوں کے دربار میں بھی اس ویش کام کے لیے کیوں کوستان کا استھان ملتا تھا۔ ان کا کام بھی تھا کہ کئی بے امروں پر اپنے بادشاہ کا ٹنگان کریں۔ اس کے لیے کوہوں کو بڑی بڑی جاگیریں ملتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک شعر کا پرتو شک ایک ایک لاکھ دینار (جو مکیس روپے کے برابر ہوتا ہے) تک جا پہنچتا تھا۔ شیواجی نے بھوشن کا جیسا شکار کیا تھا، یہی یہ اتھوکت نہ ہو تو ایرانی کوہوں کے سبندھ میں بھی ان کے لوٹک شکار کی کھائیں مچی ماننے میں کوئی بادشاہ نہ ہونی چاہیے۔ یہ پڑھا ایسی ادھک ہوگئی تھی کہ کسی بادشاہ کا دربار کوہوں سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اس کے اثرکت ہزاروں کوہی بھرمین کر کے بادشاہوں کو قصیدے سناتے پھرتے تھے۔ دودالوں کی ایک بڑی سکھیا اسی جموئی سراہتا پر اپنی آتما کا بلدان کیا کرتی تھی اور قصیدوں کی رچنا ٹیلی ایسی وکرت ہوگئی تھی کہ خدا کی پناہ۔ شاعر لوگ پڑھنا میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا تے تھے۔ پڑھنا کیا، وہ ایک پرکار کی اپڑھنا ہو جاتی تھی۔ کسی کے دان درت کا بھان کرتے تو سمندر کے موتی اور سنار کے سمست سمجھ سہدا اس کے لیے تھوڑی ہو جاتی تھی۔ اس کی دیرتا کو بھاننے تو سور یہ اور چدر اس کے ٹھوڑوں کی ٹاپ بن جاتے تھے۔ جو کوئی بتتا ہی لہا اور بے سر بھر کی باتوں سے بھرا ہوا قصیدہ کہے اس کا اتنا ہی ستان ہوتا تھا۔ ان قصیدوں میں اٹھتی ہی نہیں بڑا پاڑتیہ بھرا جاتا تھا۔ دیدانت درشن تھا شاستروں کے بڑے بڑے گھن دشیوں کا ان میں سلویش ہوتا تھا۔ ان کا ایک ایک شہد انکاروں سے دھوشت کیا جاتا تھا۔ آج ان قصیدوں کو پڑھیے تو رچنے والے

کی وڈیا بدھی تھا کا دیہ چھار کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ شیخ سعدی کے پرورد اس پر تھا کا بڑا زور تھا۔ انورثی، خاقانی آدی کو سر اس سعدی کے پہلے ہی اپنے قصیدے لکھ چکے تھے۔ جنہیں دیکھ کر آج ہم چکت ہو جاتے ہیں۔ پر سعدی نے اس پر چلت پڑدیتی کو گرہن نہ کیا۔ ان کا نرمی، نسیم، نوکت جیون اس کام کے لیے نہ بنا تھا۔ انہیں سو بھادہ اس بھاٹ پن سے گھبرا ہوتی تھی اور سرورجہ کو یوں کو سنسارک لایہ کے لیے اپنی یوگیتا کا اس بھانتی درایوگ کرتے دیکھ کر ہار دکھ ہوتا تھا۔ ایک استخان پر انہوں نے لکھا ہے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اسے سعدی تو کیوں کشت اٹھاتا ہے اور کیوں اپنی کوتاہی سے لایہ نہیں اٹھاتا؟ یدی تو قصیدے کہے تو نہال ہو جائے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی رئیس یا امیر کے دوار پر اپنا سوارتھ لے کر بھگنوں کی بھانتی جاؤں۔ یدی کوئی ایک جو بھرٹن کے بدلے مجھ کو سو کوش پردان کر دے تو وہ چاہے کتنا ہی پرہنسیہ ہو پر میں گھربت ہو جاؤں گا۔

لیکن منش پر اپنے سے کا پرہماڈ پڑنا سوا بھاوک ہے۔ اتیو سعدی نے بھی قصیدے کہے ہیں، لیکن انہیں دھن سستی کی لالسا تھی ہی نہیں کہ وہ جموئی تعریفوں کے بل باندھتے۔ اپنے قصیدوں کو انہوں نے پرایہ مہیدھروں تھا ادھار یوں کو نیاے، دیا، نمرتا آدی کے سد اپدیش کا سادھن ماتر بتایا ہے۔ ان مہاتماؤں کو سامانیہ ریتی سے اپدیش نہ دے سکتے تھے۔ اس لیے قصیدوں کے دوار اس کر تو یہ کا پر تپادن کیا ہے۔ جب کسی کی پرہنسا بھی کی ہے تو سرل اور سوا بھاوک ریتی سے ان میں انکاروں اور اوکتیوں کی بھرمار نہیں۔ اور نہ وہ کیول سوارتھ سدھی کے ابھرا یہ سے لکھے گئے ہیں، بلکہ ان میں ہی سہر دیتا اور آسمیتا جھلکتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ایسے لوگوں کی پرہنسا کی ہے جو پرہنسا کے پاتر تھے۔ ان کے سرل قصیدوں کو دیکھ کر بہت لوگ اتمان کرتے ہیں کہ سعدی ان کے رچنے میں کشل نہ تھے۔ پرواستو میں ایسا نہیں ہے۔ وہ سرل سو بھاڈ منش تھے ایک سادھاران سی بات کو کھما پھرا کر شبدوں کے دیرتھ آڈمبر کے ساتھ ورثن کرنے کی انہیں عادت نہ تھی۔ اور یدی ہی ان کے قصیدوں میں اوج اور گردو نہیں ہیں پر مادھریہ اور سررتا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اتنا ہی نہیں ان کو پڑھ کر ہر دیہ پر ایک پوتر بھاڈ پڑتا ہے۔ یہاں ہم سعدی کے دو قصیدوں کے کچھ شعروں کا بھاوادتھ دیتے ہیں، جس سے ان کی رچنا شیلی کا پرمان مل جائے گا۔

پارس کے بادشاہ اتابک ابوبکر کی شان میں۔
اس ملک میں بڑے بڑے بادشاہوں نے راجہ کیا لیکن جیون کا انت ہو جانے پر
ٹھوکر یں کمانے لگے۔

تجے ایشوریہ آسمنا کا پالن کرنا چاہیے۔ دیکھو اور سمجھی کی ضرورت نہیں، دھول کے
سدرش گر جنے کی کیا آویختا ہے۔ جب بھیتر بالکل خالی ہے۔ کرتویہ پالنا سکھ۔ یہی سورگ
مارگ کی سامگری ہے، اس دن اودیز (برتن جس میں آگر جلاتے ہیں) اور منبر سائے (وہ
برتن جس میں منبر بٹھتے ہیں) کچھ کام نہ آئیں گے۔

جو منٹ پر جا کو دکھ دے وہ دیش کا دروہی ہے۔ اس کے مارے جانے کا حکم دے۔
پورب تک، چشم تک اپنا راجہ بڑھا، پر رن بھوی میں مت جا یہ اس پر کار ہو سکتا ہے
کہ دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے اور ان کی میل دھو۔ میں بھٹ بھاشی کو یوں کی بھاتی یہ نہ
کہوں گا کہ تو کستوری کی ورشا کرنے والا نیگہ ہے۔

جتنی آہو لکھی ہوئی ہے وہ گھٹ بڑھ نہیں سکتی تو یہ کہنے سے کیا فائدہ کہ تو قیامت
تک زندہ اور سلامت رہے۔

۲

فقیروں کا کام بادشاہوں کی بڑائی کرنا نہیں ہے، جو میں کہوں کہ تو سمندر کے سان
اکادہ اور نیگہ کے سان دان شیل ہے۔

میں یہ نہ کہوں گا کہ دیا میں تو اولیاء سے بڑھا ہوا ہے، نہ یہ کہ نپائے میں تو
بادشاہوں کا بیٹا ہے۔

اور یری یہ سب گن تجھ میں ہیں، تو تجھے اپدیش کرنا اور بھی آتم ہے کیونکہ سچے پریم
اور شردھا کے پرکٹ کرنے کا یہی مارگ ہے۔

خدا نے یوسف کو اس لیے سنانٹ نہیں کیا کہ وہ روپ وان تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ
ست کری تھا۔

سینا، دھن، ذخوریہ، ایک بھی شکیرتی کے سوائے تیرے کام نہ آئیں گے۔
تیرے ادمچیر کے استمر رہنے کا بس ایک ہی ستر ہے، کہ کسی بل کا ہاتھ کسی زبل پر
نہ اٹھنے پائے۔

میں یہ آشیرداد نہ دوں گا کہ تو ستر درشوں تک جیوت رہے کیونکہ میں جانتا ہوں
کہ تو اسے اتھوکتی سمجھے گا۔

تجے بکیرتی اور لیش لاجھ کرنے میں ادھک سامرتھ ہو کہ نیائے کا پالن کرے اور
انیائے کی تارنا کرے۔

بارہوں ادھیالے

آمود۔ پرمود

سہی کی گیات کے سب سے آتم بھاگ میں جوتیں پڑھوں سے ادھک نہ ہوگا، آمود پرمود کی کوتائیں ملتی ہیں، جن میں کچھ سز دہی کے پد سے اتنی گر گئی ہیں کہ انہیں اہلیل کہا جاسکتا ہے۔ ہم نے اس پنک کے پہلے سکرن میں پڑھنے کا سی پر یہ لکھا تھا کہ یہ کوتائیں سہی کی کلاپی نہیں ہو سکتی، لیکن اس دسے میں ویش چھان بین کرنے پر یہ گیات ہوا کہ داستو میں سہی ہی ان کے کرتا ہیں اور یہ سہی کے پڑھما روپی چدر پر ایسا دھتہ ہے جو کسی طرح نہیں مٹ سکتا۔ جب ادھار کرتے ہیں کہ شیخ سہی کتے نئی وان، کتے سدا چاری کتے سدگئی، مہان پرش تھے تو اہلیل کوتاؤں کو دیکھ کر بڑا کھید ہوتا ہے۔ اس بھاگ میں سہی نے اپنی ٹیکیا اور گامسیر یہ کوتاگ کر خوب گندی باتیں لکھیں ہیں۔ اس میں تو کوئی سند یہ نہیں کہ سہی دودھیل پرش تھے اور دودھیلما سو بھاڈ کا دوشن نہیں بلکہ گن ہے۔ ویش کر کے بھج پدیش میں دہاں اس کی بڑی آدھیلکا ہوتی ہے، جہاں اپدیش کا دشچار اور دھٹا کی آلوچنا کرنی پڑتی ہے۔ یہ گن بہودھا اپدیش کو زہمی کر بتا دیا کرتا ہے، پر دہی بات جب ادھیالے سے آگے بڑھ جاتی ہے تو اہلیل ہو جاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ شیخ سہی نے یہ رچنا دودھار تھ کی یا کسی اور کارن سے۔ یہ بات ان کی پنکھوں سے اسچٹ دوت ہو جاتی ہے جو انھوں نے اس بھاگ کے آدی میں چھما پارتھنا کے بھاڈ سے لکھی ہے۔

”ایک بادشاہ نے مجھے ہادیہ کیا کہ میں کچھ اہلیل باتیں لکھوں۔ جب میں نے انکار کیا تو اس نے مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اس لیے دوش ہو کر مجھے یہ کوتائیں لکھنی پڑیں اور میں اس کے لیے پرماتما سے چھما مانگتا ہوں۔“

اس سے یہ پورغیہ سدھ ہو جاتا ہے کہ سہی نے یہ کوتائیں دوش ہو کر رکھیں اور وہ ان کے لیے بھج ہیں۔ وہ شویم اسے الوچت سمجھتے ہیں۔ یہ ہمیں اس سے سہی کی زمنا پر

کھارا گھات ہوتا ہے پر اس سے کی رُہمی تھا سمیتا کو دیکھتے ہوئے بھی بہت ہے کہ سہری نے اس رچنا پر کھید تو پرکٹ کیا۔ اس سے کوئی گن بادشاہوں کے آمود پر مود کے نعت پر ایہ گندی کویتا نہیں لکھا کرتے تھے۔ یہ پر تھا ایسی پر چلت ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے دودالوں اور پنڈتوں کو بھی ان کے لکھنے میں لیس ماز سکوج نہ ہوتا تھا۔ وہ گن ان رچناؤں کا آند اٹھاتے تھے۔ رسک گن ان کی سراہنا کرتے تھے۔ ایسی دشا میں سہری نے بھی یدی ان کویتاؤں کی رچنا کو بہت آتھی جبک نہ سمجھا ہو تو آٹھریہ کی بات نہیں۔ انھوں لجا تھا کھید پرکٹ کیا، اسی پر سنوش کرنا چاہیے۔ ان کویتاؤں میں وہ پر پھلتا اور آند پر دانی دودھیلنا نہیں ہے، جو ان کا ایک پردھان گن ہے۔ اس سے دوت ہوتا ہے کہ شیخ نے ادشیہ ان کی رچنا دراگر بہ سے کی ہے، اپنی رُہمی سے نہیں۔

پتا کے پتر پُتری کے نام

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1-	سنار پتک ہے	219
2-	شروع کا اتہاس کیسے لکھا گیا	222
3-	زمین کیسے بنی؟	225
4-	جاندار چیزیں کیسے پیدا ہوئیں	282
5-	جانور کب پیدا ہوئے	232
6-	آدمی کب پیدا ہوا	235
7-	شروع کے آدمی	238
8-	طرح طرح کی قومیں کیوں کر بنیں	242
9-	آدمیوں کی قومیں اور زبانیں	245
10-	زبانوں کا آپس میں رشتہ	248
11-	سمجھتا کیا ہے؟	250
12-	جاتوں کا بننا	252
13-	مذہب کی شروعات اور کام کا بڑا را	254
14-	کھیتی سے پیدا ہوئی تہذیبیں	257

259	خاندان کا سرغنہ کیسے بنا	-15
261	سرغنہ کا اختیار کیسے بڑھا	-16
263	سرغنہ راجا ہو گیا	-17
265	شروع کا رہن سہن	-18
267	پرانی دنیا میں بڑے بڑے شہر	-19
269	مصر اور رکریت	-20
272	چین اور ہندستان	-21
274	سمندری سفر اور بیوپار	-22
277	بھاشا، لکھاؤ اور گفتی	-23
279	آدمیوں کے الگ الگ درجے	-24
281	راجا مندر اور پجاری	-25
284	پیچھے کی طرح ایک نظر	-26
286	فونسل اور پرانے کھنڈر	-27
288	آریوں کا ہندستان میں آنا	-28
290	ہندستان میں آریہ کیسے تھے	-29
292	رامائن اور مہابھارت	-30

سنسار پستک ہے

جب تم میرے ساتھ رہتی ہو تو اکثر مجھ سے بہت سی باتیں پوچھا کرتی ہو اور میں ان کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن اب جب تم مسوری میں ہو اور میں لاہ آباد میں۔ ہم دونوں اس طرح بات چیت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ کبھی کبھی تمہیں اس دنیا کی اور ان چھوٹے بڑے دلیلوں کی، جو اس دنیا میں ہیں، چھوٹی چھوٹی کھائیں کھاکروں۔ تم نے ہندستان اور انگلینڈ کا کچھ حال اتہاس میں پڑھا ہے۔ لیکن انگلینڈ کیول ایک چھوٹا سا ٹاپو ہے اور ہندستان، جو ایک بہت بڑا دیش ہے، پھر ہندستان دنیا کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اگر تمہیں اس دنیا کا کچھ حال جاننے کا شوق ہے، تو تمہیں ان سب دلیلوں کا، اور ان سب جاتیوں کا، جو اس میں بسی ہوئی ہیں، دھیان رکھنا پڑے گا۔ کیول اس ایک چھوٹے سے دیش کا نہیں، جس میں تم پیدا ہوئی ہو۔

مجھے معلوم ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے خطوں میں بہت تھوڑی سی باتیں ہی بتلا سکتا ہوں۔ لیکن مجھے آشا ہے کہ ان تھوڑی سی باتوں کو تم شوق سے پڑھو گی تو سمجھو گی کہ دنیا ایک ہے اور دوسرے لوگ جو اس میں آباد ہیں، ہمارے بھائی بہن ہیں۔ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تم دنیا اور دنیا والوں کا حال تم موٹی موٹی کتابوں میں پڑھو گی۔ اس میں تمہیں جتنا آئندے کا، اتنا کسی کہانی یا اپنیاس میں بھی نہ ملا ہوگا۔

یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ یہ دھرتی لاکھوں، کروڑوں ورشووں پرانی ہے، اور بہت دنوں تک اس میں کوئی آدمی نہ تھا۔ آدمیوں کے پہلے صرف جانور تھے، اور جانوروں سے پہلے ایک ایسا سے تھا جب اس دھرتی پر کوئی جاندار چیز نہ تھی۔ آج جب یہ دنیا ہر طرح کے جانوروں اور آدمیوں سے بھری ہوئی ہے، اس زمانے کا خیال کرنا بھی مشکل ہے جب یہاں کچھ نہ تھا۔ لیکن دگیان جاننے والے دوالوں نے، جنہوں نے اس دے کو خوب سوچا اور

پڑھا ہے، لکھا ہے کہ ایک سے ایسا تھا، جب یہ دھرتی بے حد گرم تھی اور اس پر کوئی جاندار چیز نہیں رہ سکتی تھی۔ اور اگر ہم ان کی کتابیں پڑھیں اور پہاڑوں اور جانوروں کی پرانی ہڈیوں کو غور سے دیکھیں تو ہمیں خود معلوم ہوگا کہ ایسا سے ضرور رہا ہوگا۔

تم اتھاس کی کتابوں میں ہی پڑھ سکتی ہو۔ لیکن پرانے زمانے میں تو آدمی پیدا ہی نہ ہوا تھا، کتابیں کون لکھتا؟ تب ہمیں اس زمانے کی باتیں کیسے معلوم ہوں؟ یہ تو ہمیں سکتا کہ ہم بیٹھے بیٹھے ہر ایک بات سوچ نکالیں۔ یہ بڑے مزے کی بات ہوتی، ہم جو چیز چاہتے سوچ لیتے، اور سند پر یوں کی کہانیاں گڑھ لیتے۔ لیکن جو کہانی کسی بات کو دیکھے بنا ہی گڑھ لی جائے وہ ٹھیک کیسے ہو سکتی ہے؟ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس پرانے زمانے کی لکھی ہوئی کتابیں نہ ہونے پر بھی کچھ ایسی چیزیں ہیں، جن سے ہمیں اتنی ہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جتنی کسی کتاب سے ہوتی ہیں۔ یہ پہاڑ، سندھ، ستارے، ندیاں، جنگل، جانوروں کی پرانی ہڈیوں اور اسی طرح کی اور بھی کتنی ہی چیزیں ہیں، جن سے ہمیں دنیا کا پرانا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر حال جاننے کا اصلی طریقہ یہ نہیں کہ ہم کچل دوسروں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھ لیں، بلکہ خود سنسار روپی پتک کو پڑھیں۔ مجھے آشا ہے کہ پتھروں اور پہاڑوں کو پڑھ کر تم تھوڑے ہی دنوں میں ان کا حال جانتا سیکھ جاؤ گی۔ سوچتے تھے مزے کی بات ہے، ایک چھوٹا سا روزا جسے تم سڑک پر یا پہاڑ کے نیچے پڑا ہوا دیکھتی ہو، شاید سنسار کی پتک کا چھوٹا سا پرشٹ ہو، شاید اس سے تمہیں کوئی نئی بات معلوم ہو جائے شرط یہی ہے کہ تمہیں اسے پڑھنا آتا ہو۔ کوئی زبان، اردو، ہندی یا انگریزی، سیکھنے کے لیے تمہیں اس کے انگریز سیکھنے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمہیں پہلے پڑھنے پر کرتی کے انگریز پڑھنے پڑیں گے، تبھی تم اس کی کہانی اس کی پتھروں اور چٹانوں کی کتابوں سے پڑھ سکو گی، شاید اب بھی تم اسے تھوڑا تھوڑا پڑھنا جانتی ہو، جب تم کوئی چھوٹا سا گول چکیلا روزا دیکھتی ہو تو کیا وہ تمہیں کچھ نہیں بتلاتا؟ وہ کیسے گول چکنا اور چکیلا ہو گیا اور اس کے کھر دے کنارے اور کونے کیا ہوئے؟ اگر تم کسی بڑی چٹان کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو اور ہر ایک ٹکڑا کھر دے اور ٹوکیلا ہوگا۔ وہ گول پختے روڑے کی طرح بالکل نہیں ہوتا۔ پھر یہ روزا کیسے اتنا گول چکنا اور چکیلا ہو گیا؟ اگر تمہاری آنکھیں دیکھیں اور تمہارے کان سنیں تو تم اسی کے منہ سے اس کی کہانی سن سکتی ہو۔ وہ تم سے کہے گا کہ ایک سے شاید جسے بہت دن گزرے ہوں وہ بھی ایک چٹان کا ٹکڑا تھا۔ ٹھیک اسی

کھڑے کی طرح اس میں کنارے اور کونے تھے، جسے تم بڑی چٹان سے توڑتی ہو۔ شاید وہ کسی پہاڑ کے دامن میں پڑا رہا، تب پانی آیا اور اسے بہا کر چھوٹی گھاٹی تک لے گیا۔ وہاں سے ایک پہاڑی نالے نے اسے دھکیل کر ایک چھوٹے دریا میں پہنچا دیا۔ اس چھوٹے دریا سے وہ بڑے دریا میں پہنچا اس جگہ وہ دریا کے پینڈے میں لڑھکتا رہا۔ اس کے کنارے گھس گئے اور وہ چمکتا اور چمکدار ہو گیا۔ اس طرح وہ نکلر بنا جو تمہارے سامنے ہے کسی وجہ سے دریا اسے چھوڑ گیا اور تم اسے پا گئیں۔ اگر دریا اسے لے جاتا تو وہ چھوٹا ہوتے ہوتے انت میں بالو کا ایک ذرہ ہو جاتا اور سمندر کے کنارے اپنے بھائیوں سے جاملتا، جہاں ایک سمندر بالو کا کنارہ بن جاتا، جس پر چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے اور بالو کے گھروندے بناتے۔

اگر ایک چھوٹا سا روڑا تمہیں اتنی باتیں بتا سکتا ہے، اور پہاڑوں اور دوسری چیزوں سے، جو ہمارے چاروں طرف ہیں، ہمیں اور کتنی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

شروع کا اہتہاس کیسے لکھا گیا

اپنے پہلے پتر میں میں نے قصیں بتایا تھا کہ ہمیں سنسار کی کتاب سے ہی دنیا کے شروع کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں چٹان، پہاڑ، گھاٹیاں، ندیاں، سمندر، جوالا، کھسی اور ہر ایک چیز جو ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں، شامل ہے۔ یہ کتاب ہمیشہ ہمارے سامنے کھلی رہتی ہے لیکن بہت ہی تھوڑے آدمی اس پر دھیان دیتے ہیں، یا اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اسے پڑھنا اور سمجھنا سیکھ لیں تو ہمیں اس میں کتنی ہی منوہر کہانیاں مل سکتی ہیں۔ اس کے پتر کے پتروں میں ہم جو کہانیاں پڑھیں گے وہ پریوں کی کہانیوں سے کہیں سندر ہوگی۔

اس طرح ہمیں سنسار کی اس پینک سے ہمیں اس پرانے زمانے کا حال معلوم ہو جائے گا جب کہ ہماری دنیا میں کوئی آدمی یا جانور نہ تھا۔ جیوں جیوں ہم پڑھتے جائیں گے ہمیں معلوم ہوگا کہ پہلے جانور کیسے آئے اور ان کی تعداد کیسے بڑھتی گئی۔ اس کے بعد آدمی آئے، مگر وہ ان آدمیوں کی طرح نہ تھے، جنہیں ہم آج دیکھتے ہیں۔ وہ جنگلی تھے اور جانوروں میں اور ان میں کم فرق تھا۔ دیرے دیرے انہیں تجربہ ہوا اور ان میں سوچنے کی طاقت آئی۔ اسی طاقت نے انہیں جانوروں سے الگ کر دیا۔ یہ اصلی طاقت تھی جس نے انہیں بڑے سے بڑے اور بھیا تک سے بھیا تک جانوروں سے زیادہ بلوان بنادیا۔ تم دیکھتی ہو کہ ایک بڑے سے ہاتھی پر ایک چھوٹا سا آدمی بیٹھ کر جو چاہے کر لیتا ہے۔ ہاتھی بڑے ڈیل ڈیل کا جانور ہے اور اس مہوت سے کہیں زیادہ بلوان ہے، جو اس کی گردن پر سوار ہے۔ لیکن مہوت میں سوچنے کی طاقت ہے اور اسی کی بدولت وہ مالک ہے اور ہاتھی اس کا نوکر۔ جیوں جیوں آدمی کے سوچنے کی طاقت بڑھتی گئی، اس کی سوچ بھی بڑھتی گئی۔ اس نے بہت سی باتیں سوچ نکالیں۔ آگ جلانا، زمین جوت کر کھانے کی چیزیں پیدا کرنا، کپڑا بنانا

اور پہننا، اور رہنے کے لیے گھر بنانا، یہ سبھی باتیں اسے معلوم ہو گئیں۔ بہت سے آدمی مل کر ایک ساتھ رہتے تھے اور اس طرح پہلے شہر بنے۔ شہر بننے سے پہلے لوگ جگہ جگہ گھومتے پھرتے تھے اور شاید کسی طرح کے خیموں میں رہتے ہوں گے۔ جب تک انھیں زمین سے کھانے کی چیزیں پیدا کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ نہ اس کے پاس چاول تھے نہ گیہوں جس سے روٹیاں بنتی ہیں۔ نہ تو ترکاریاں تھیں نہ دوسری چیزیں جو ہم آج کھاتے ہیں۔ شاید کچھ پھل اور جھ انھیں کھانے کو مل جاتے ہوں گے مگر زیادہ تر وہ جانوروں کو مار کر ان کا ماس کھاتے تھے۔

جیوں جیوں شہر بننے لگے لوگ طرح طرح کی سندر کلاںیں سیکھنے لگے۔ انھوں نے لکھنا بھی سیکھا۔ لیکن بہت دنوں تک لکھنے کا کاغذ نہ تھا، اور لوگ بھوج پتر یا ٹاڑ کے چوں پر لکھتے تھے۔ آج بھی کئی پستکالیوں میں تحصیل سوچی کتابیں ملیں گی جو اسی پرانے زمانے میں بھوج پتر پر لکھی گئی تھیں۔ تب کاغذ بنا اور لکھنے میں آسانی ہو گئی۔ لیکن چھاپے خانے نہ تھے اور آج کل کی بھاتی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں نہ چھپ سکتی تھیں۔ کوئی کتاب جب لکھ لی جاتی تھی تو بڑی محنت کے ساتھ ہاتھ سے اس کی نقل کی جاتی تھی۔ ایسی دشا میں کتابیں بہت نہ تھیں۔ تم کسی کتاب بیچنے والے کی دکان پر جا کر چٹ پٹ کتاب نہ خرید سکتیں تھیں۔ تحصیل کسی سے اس کی نقل کرانی پڑتی اور اس میں بہت سے لگتا۔ لیکن ان دنوں لوگوں کے اکھر بہت سندر ہوتے تھے اور آج بھی پستکالیوں میں ایسی کتابیں موجود ہیں جو ہاتھ سے بہت سندر اکھروں میں لکھی گئی تھیں۔ ہندستان میں خاص کر سنسکرت، فارسی اور اردو کی کتابیں ملتی ہیں۔ اکثر نقل کرنے والے پڑھوں کے کناروں پر سندر تیل بولے بنادیا کرتے تھے۔

شہروں کے بعد دھیرے دھیرے دیہاتوں اور جاتیوں کی بنیاد پڑی۔ جو لوگ ایک ملک میں پاس پاس رہتے تھے ان کا ایک دوسرے سے میل جول ہو جانا سوا محاذ تھا۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم دوسرے ملک والوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور بیوقوفی میں ان سے لڑنے لگے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی، اور آج بھی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ لڑنے اور ایک دوسرے کی جان لینے سے بڑھ کر بیوقوفی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا۔

جس زمانے میں شہر اور ملک بنے اس کی کہانی جاننے کے لئے پرانی کتابیں کبھی کبھی

مل جاتی ہیں۔ لیکن ایسی کتابیں بہت نہیں ہیں۔ ہاں دوسری چیزوں سے ہمیں مدد مل سکتی ہے۔ پرانے زمانے کے راجے ہمارے اپنا حال اپنے زمانے کے پتھروں اور کھمبوں پر لکھوا دیا کرتے تھے۔ کتابیں بہت دن تک نہیں چل سکتیں۔ ان کا کاغذ بگڑ جاتا ہے اور اسے کیڑے کھا جاتے ہیں۔ لیکن پتھر بہت دن چلتا ہے۔ شاید قصبے یاد ہوگا کہ تم نے الہ آباد کے قلعے میں اشوک کی بڑی لاٹ دیکھی ہے۔ کوئی سو سال ہوئے اشوک ہندستان کا ایک بڑا راجا تھا۔ اس نے اس کھمبے پر ایک آدیش کھدوا دیا ہے۔ اگر تم لکھنؤ کے عجائب گھر میں جاؤ، تو قصبے بہت سے پتھر کے ٹکڑے ملیں گے جن پر انکھر کھدے ہوئے ہیں۔

سنسار کے دیشوں کا حال پڑھنے لگو گی تو قصبے ان بڑے بڑے کاموں کا حال معلوم ہوگا جو چین اور مصر والوں نے کیے تھے۔ اس سے یورپ کے دیشوں میں جنگلی جاتیوں بستی تھی۔ قصبے ہندستان کے اس شاندار زمانے کا حال معلوم ہوگا جب رامائن اور مہابھارت لکھے گئے اور ہندستان بلوان اور دھنوان دیش تھا۔ آج ہمارا ملک بہت غریب ہے اور ایک ودیش جاتی ہمارے اوپر راجہ کر رہی ہے۔ ہم اپنے ہی ملک میں آزاد نہیں ہیں اور جو کچھ کرنا چاہیں نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں تھا اور اگر ہم پوری کوشش کریں تو شاید ہمارا دیش پھر آزاد ہو جائے، جس سے ہم غریبوں کی دشادہ کاریوں اور ہندستان میں رہتا اتنا ہی آرام دہ ہو جائے، جتنا کہ آج یورپ کے کچھ دیشوں میں ہے۔

میں اپنے اگلے خط میں سنسار کی منوہر کہانیاں شروع سے لکھنا آرمہد کروں گا۔

زمین کیسے بنی

تم جانتی ہو کہ زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے اور چاند زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ شاید تمہیں یہ بھی یاد ہے کہ ایسے اور بھی کئی گولے ہیں، جو زمین کی طرح سورج کا چکر لگاتے ہیں۔ یہ سب ہماری زمین کو ملا کر، سورج کے گرہ کہلاتے ہیں۔ چاند زمین کا آپ گرہ کہلاتا ہے، اس لیے کہ وہ زمین کے ہی آس پاس رہتا ہے۔ دوسرے گرہوں کے بھی اپنے اپنے آپ گرہ ہیں۔ سورج اس کے گرہ اور گرہوں کے آپ گرہ مل کر مانوں ایک سکمی پر یار بن جاتا ہے۔ اس پر یار کو سورج گت کہتے ہیں۔ سورج کا اڑھ ہے، سورج سب گرہوں اور آپ گرہوں کا بابا ہے۔ اسی لیے اس پر یار کو سورج گت کہتے ہیں۔

رات کو تم آسمان میں ہزاروں ستاروں کو دیکھتی ہو۔ ان میں سے تھوڑے ہی سے گرہ ہیں اور باقی ستارے ہیں۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ تارے اور گرہوں میں کیا فرق ہے؟ گرہ ہماری زمین کی طرح ستاروں سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں لیکن آسمان میں وہ بڑے نظر آتے ہیں، کیونکہ زمین سے ان کا فاصلہ کم ہے۔ ٹھیک ایسا ہی سمجھو جیسے چاند جو بالکل بچے کی طرح ہے۔ ہمارے نزدیک ہونے کی وجہ سے اتنا بڑا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ستاروں اور گرہوں کے پچانے کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ وہ جگمگاتے ہیں یا نہیں۔ ستارے جگمگاتے ہیں، گرہ نہیں جگمگاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سورج کی روشنی سے چمکتے ہیں۔ چاند اور گرہوں میں جو چمک ہم دیکھتے ہیں وہ دھوپ کی ہے۔ اصلی ستارے بالکل سورج کی طرح ہیں وہ بہت گرم اور جلتے ہوئے گولے ہیں جو آپ ہی آپ چمکتے ہیں۔ دراصل سورج خود ایک ستارا ہے۔ ہمیں یہ بڑا آگ کا گولا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ زمین سے اس کی دوری اور ستاروں سے کم ہے۔

اس سے اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ ہماری زمین بھی سورج کے پر یار میں سورج گت میں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زمین بہت بڑی ہے اور ہمارے جیسے چھوٹی سی چیز کو دیکھتے ہوئے وہ ہے بھی بہت بڑی۔ اگر کسی تیز گاڑی یا جہاز پر بیٹھو تو اس کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک جانے میں ہمتوں اور مہینے لگ جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں چاہے یہ کتنی ہی بڑی دکھائی دے

اصل میں یہ دھول کے ایک کنٹر کی طرح ہوا میں لٹکی ہوئی ہے۔ سورج زمین سے کروڑوں میل دور ہے اور دوسرے ستارے اس سے بھی زیادہ دور ہیں۔

جیوتی یا وہ لوگ جو کہ ستاروں کے بارے میں بہت سی باتیں جانتے ہیں، ہمیں بتلاتے ہیں کہ بہت دن پہلے ہماری زمین اور سارے گرہ سورج ہی میں ملے ہوئے تھے۔ آج کل کی طرح اس سے بھی سورج جلتی ہوئی دھات کا نہایت گرم گولا تھا۔ کسی وجہ سے سورج کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس سے ٹوٹ کر ہوا میں نکل پڑے۔ لیکن وہ اپنے پتا سورج سے بالکل الگ نہ ہو سکے، وہ اس طرح سورج کے گرد چکر لگانے لگے، جیسے ان کو کسی نے ری سے باندھ کر رکھا ہو۔ یہ وہ چکر لگتی جس کی میں نے ری سے مثال دی ہے ایک ایسی طاقت ہے جو چھوٹی چیزوں کو بڑی چیزوں کی طرف کھینچتی ہے۔ یہ وہی طاقت ہے، جو وزن دار چیزوں کو زمین پر گرا دیتی ہے۔ ہمارے پاس زمین ہی سب سے ہماری چیز ہے اسی سے وہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

اس طرح ہماری زمین بھی سورج سے نکل بھاگی تھی۔ اس زمانے میں یہ بہت گرم رہی ہوگی۔ اس کے چاروں طرف کی ہوا بھی بہت گرم رہی ہوگی لیکن سورج سے بہت ہی چھوٹی ہونے کے کارن وہ جلدی ٹھنڈی ہونے لگی۔ سورج کی گرمی بھی دن دن کم ہوتی جا رہی ہے، لیکن اسے بالکل ٹھنڈا ہو جانے میں لاکھوں برس لگیں گے۔ زمین کے ٹھنڈے ہونے میں بہت تھوڑے دن لگے۔ جب یہ گرم تھی تب اس پر کوئی جاندار چیز جیسے آدمی، جانور، پودھا یا بیڑ نہ رہ سکتے تھے۔ سب چیزیں جل جاتیں۔

جیسے سورج کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر زمین ہو گیا اسی طرح زمین کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر نکل بھاگا اور چاند ہو گیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ چاند کے ٹکڑے سے جو گڈھا ہو گیا وہ امریکہ اور جاپان کے سچ ٹکڑے والا سا گرہ ہے۔ مگر زمین کو ٹھنڈے ہونے میں بھی بہت دن لگ گئے۔ دیرے دیرے زمین کی اوپری تہہ تو زیادہ ٹھنڈی ہو گئی لیکن اس کا بھیتری حصہ گرم بنا رہا۔ اب بھی اگر تم کسی کو پلے کی کھان میں گھسو تو جیوں جیوں تم نیچے اترو گی، گرمی بڑھتی جائے گی۔ شاید اگر تم زیادہ دور نیچے چلی جاؤ تو تمہیں زمین اٹکارے کی طرح ملے گی۔ چاند بھی ٹھنڈا ہونے لگا۔ وہ زمین سے بھی زیادہ چھوٹا تھا، اس لئے اس کے ٹھنڈے ہونے میں زمین سے بھی کم دن لگے! تمہیں اس کی ٹھنڈک کتنی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اسے ٹھنڈا چاند

بھی کہتے ہو۔ شاید وہ برف کے پہاڑوں اور برف سے ڈھکے ہوئے میدانوں سے بھرا
ہوا ہو۔

جب زمین ٹھنڈی ہوگئی تو ہوا میں جنتی بھاپ تھی وہ جم کر پانی بن گئی اور شاید مینہ
بن کر برس پڑی۔ اس زمانے میں بہت ہی زیادہ پانی برسا ہوگا۔ یہ سب پانی زمین کے
بڑے بڑے گڑھوں میں بھر گیا اور اس طرح بڑے بڑے سمندر اور ساگر بن گئے۔

جیوں جیوں زمین ٹھنڈی ہوتی گئی اور سمندر بھی ٹھنڈے ہوتے گئے تھیں تھیں
دونوں جاندار چیزوں کے رہنے لائق ہوتے گئے۔

دوسرے خط میں میں قسمیں جاندار چیزوں کے پیدا ہونے کا حال لکھوں گا۔

جاندار چیزیں کیسے پیدا ہوتیں

پچھلے خط میں میں قسمیں بتلا چکا ہوں کہ بہت دنوں تک زمین اتنی گرم تھی کہ کوئی جاندار چیز اس پر رہ ہی نہ سکتی تھی۔ تم پوچھو گی کہ زمین پر جاندار چیزوں کا کب آنا شروع ہوا اور پہلے کون کون سی چیزیں آئیں۔ یہ بڑے مزے کا سوال ہے، پر اس کا جواب دینا بھی آسان نہیں ہے۔ پہلے یہ دیکھو کہ جان ہے کیا چیز۔ شاید تم کہو گی کہ آدمی اور جانور جاندار ہیں۔ لیکن درختوں، جھاڑیوں اور پھولوں اور ترکاریوں کو کیا کہو گی؟ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب بھی جاندار ہیں وہ پیدا ہوتے ہیں، پانی پیتے ہیں، ہوا میں سانس لیتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ درخت اور جانور میں خاص فرق یہ ہے کہ جانور چلتا پھرتا ہے اور درخت ہل نہیں سکتے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں نے لندن کے 'کیوگارڈن' میں قسمیں کچھ پودے دکھائے تھے۔ وہ پودے جنہیں آرکڈ اور پچر کہتے ہیں، سچ عجیب کھیاں کھاتے ہیں۔ اور اسی طرح کچھ جانور بھی ایسے ہی ہیں، جو سمندر کے نیچے رہتے ہیں اور جل پھر نہیں سکتے۔ سچ ایسا جانور ہے، کبھی کبھی تو کسی چیز کو دیکھ کر یہ بتانا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ پودھا ہے یا جانور۔ جب تم ہنسی شاستر (ہیڈروں اور پودوں کی ودھا) یا جیو شاستر (جس میں جیو جنٹوں کا حال لکھا ہوتا ہے) پڑھو گی تو تم ان عجیب چیزوں کو دیکھو گی جو نہ جانور ہیں نہ پودے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پتھروں اور چٹانوں میں بھی ایک قسم کی جان ہے اور انہیں ایک طرح کا درد ہوتا ہے، مگر ہم کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ شاید قسمیں ان مہاشے کی یاد ہو گی جو ہم سے جینوا میں ملنے آئے تھے ان کا نام ہے سر جلدیش بوس۔ انھوں نے پرکھنا کر کے ثابت کیا ہے کہ پودوں میں بہت کچھ جان ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پتھروں میں بھی کچھ جان ہوتی ہے۔

اس سے قسمیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ کسی چیز کو جاندار یا بے جان کہنا کتنا مشکل ہے۔ لیکن اس وقت ہم پتھروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف جانوروں اور پودوں پر ہی دھیار کرتے ہیں۔ آج سنسار میں ہزاروں جاندار چیزیں ہیں۔ وہ سبھی قسم کی ہیں۔ مرد ہیں یا عورتیں ہیں

اور ان میں کچھ لوگ ہوشیار ہیں اور کچھ لوگ بیوقوف ہیں۔ جانور بھی بہت طرح کے ہیں اور ان میں بھی ہاتھی بندر یا چوٹی کی طرح سمجھدار جانور ہیں اور بہت سے جانور بالکل بے سمجھ بھی ہیں۔ مچھلیاں اور سمندر کی بہت سی چیزیں جانداروں میں اور بھی نیچے درجے کی ہیں ان سے بھی نیچا درجہ اسلحہ اور مرہنے کی شکل کی مچھلیوں کا ہے جو آدھا پودھا اور جانور ہیں۔

اب ہم کو اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ یہ بھن بھن پرکار کے جانور ایک ساتھ اور ایک وقت پیدا ہوئے یا ایک ایک کر کے دھیرے دھیرے ہمیں یہ کیسے معلوم ہوا۔ اس پرانے زمانے کی کبھی ہوئی تو کوئی کتاب ہے نہیں۔ لیکن کیا سنار کی پستک سے ہمارا کام چل سکتا ہے؟ ہاں چل سکتا ہے۔ ہاں پرانی چٹانوں میں جانوروں کی ہڈیاں ملتی ہیں، انیس اگر برزی میں فوسل یا پتھرائی ہوئی ہڈی کہتے ہیں۔ ان ہڈیوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس چٹان کے بننے میں بہت پہلے وہ جانور ضرور رہا ہوگا جس کی ہڈیاں ملی ہیں۔ تم نے اس طرح کی بہت سی چھوٹی اور بڑی ہڈیاں لندن کے سادھ کیسنگٹن کے عجائب گھر میں دیکھی تھیں۔

جب کوئی جانور مر جاتا ہے تو اس کا نرم اور مائس والا بھاگ تو فوراً سڑ جاتا ہے، لیکن اس کی ہڈیاں بہت دنوں تک بنی رہتی ہیں۔ یہی ہڈیاں ہمیں اس پرانے زمانے کا حال بتاتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی جانور بنا ہڈی کا ہی ہو جیسے مرہنے کی شکل والی مچھلیاں ہوتی ہیں تو اس کے مرجانے پر کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

جب اس چٹان کو غور سے دیکھتے ہیں اور بہت سی پرانی ہڈیوں کو جمع کر لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بھن بھن سے میں بھن بھن پرکار کے جانور رہتے تھے۔ سب کے سب ایک بارگی کہیں سے کود کر نہیں آ گئے۔ سب سے پہلے چھلکے دار جانور پیدا ہوئے جیسے گھوٹکھے۔ سمندر کے کنارے تم جو سمندر گھوٹکھے بڑرتی ہو وہ ان جانوروں کے چھلکے ہیں جو مر چکے ہیں۔ اس کے بعد زیادہ اونچے درجے کے جانور پیدا ہوئے جن میں سانپ اور ہاتھی جیسے بڑے جانور ہیں۔ اور وہ چٹیاں اور جانور بھی جو آج تک موجود ہیں سب کے پیچھے آدمیوں کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کے پیدا ہونے میں بھی ایک کرم تھا۔ پہلے نیچے درجے کے جانور آئے، پھر زیادہ اونچے درجے کے جانور پیدا ہوئے اور جوں جوں دن گزرتے گئے وہ اور بھی ہاریک ہوتے گئے اور آخر میں سب سے اونچے

درجے کا جانور یعنی آدمی پیدا ہوا۔ سیدھے سادے سچ اور گھونٹے میں کیسے اتنی تہذیبیاں پیدا ہوئیں اور کیسے وہ اتنے اونچے درجے پر پہنچ گئے، یہ بڑی مزے دار کہانی ہے اور کسی دن میں اس کا حال بتاؤں گا۔ اس وقت ہم صرف انہی جانوروں کا ذکر کر رہے ہیں جو پہلے پیدا ہوئے۔

زمین کے ٹھنڈے ہو جانے کے بعد شاید پہلی جاندار چیز وہ نرم مرے کی سی چیز تھی جس پر نہ کوئی خول تھا نہ کوئی ہڈی تھی وہ سمندر میں رہتی تھی۔ ہمارے پاس ان کی ہڈیاں نہیں ہیں کیوں کہ ان کی ہڈیاں تھی ہی نہیں، اس لیے ہمیں کچھ نہ کچھ اٹکل سے کام لینا پڑتا ہے۔ آج بھی سمندر میں بہت سی مرے کی سی چیزیں ہیں وہ گول ہوتی ہیں لیکن ان کی صورت برابر بدلتی رہتی ہے کیونکہ نہ ان میں کوئی ہڈی ہے نہ خول۔ ان کی صورت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے۔

تم دیکھتی ہو کہ سچ میں ایک داغ ہے۔ اسے سچ کہتے ہیں اور وہ ایک طرح سے ان کا دل ہے۔ یہ جانور یا جو چاہو کہو عجیب طریقے سے کٹ کر ایک کے دو ہو جاتے ہیں۔ پہلے وہ ایک جگہ سے پٹے ہونے لگتے ہیں اور اسی طرح پٹے ہوتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ٹوٹ کر مرے کی سی چیزیں بن جاتے ہیں اور دونوں ہی شکل اصلی تو عمرے کی سی ہوتی ہے۔ سچ یا دل کے بھی دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور دونوں تو عمروں کے حصے میں اس کا ایک ایک ٹکڑا آ جاتا ہے۔ اس طرح یہ جانور ٹوٹے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اسی طرح کی کوئی چیز سب سے پہلے ہمارے سنسار میں آئی ہوگی۔ جاندار چیزوں کا کتنا سیدھا سادھا اور سمجھ روپ تھا! ساری دنیا میں اس سے اچھی یا اونچے درجے کی چیز اس وقت نہ تھی۔ اصلی جانور پیدا نہ ہوئے اور آدمی کے پیدا ہونے میں لاکھوں برس کی دیر تھی۔

ان تو عمروں کے بعد سمندر کی گھاس اور گھونٹے، کیکڑے اور کیڑے پیدا ہوئے تب مچھلیاں آئیں۔ ان کے بارے میں ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ان پر کڑے خول اور ہڈیاں تھیں۔ اور اسے وہ ہمارے لیے چھوڑ گئی ہیں تاکہ ہم ان کے مرنے کے بہت دنوں کے بعد ان پر غور کر سکیں۔ یہ گھونٹے سمندر کے کنارے بہت دنوں تک پڑے رہ گئے۔ ان پر بالو اور تازی مٹی جمتی گئی۔ اور یہ بہت حفاظت سے پڑے رہے۔ نیچے کی مٹی اوپر کی بالو اور مٹی کے بوجھ اور دباؤ سے کڑی ہو گئی یہاں تک کہ وہ پتھر جیسی ہو گئی اس طرح سمندر

کے نیچے چٹان بن گئی۔ کسی بھوچال کے آجانے سے یا اور کسی سبب سے یہ چٹانیں سمندر کے نیچے سے نکل آئیں اور سوکھی زمین بن گئیں تب اس سوکھی چٹان کو ندیاں اور میہ بہا کر لے گئیں اور جو ہڈیاں ان میں لاکھوں برسوں سے چھپی تھیں باہر نکل آئیں۔ اس طرح ہمیں یہ ہڈیاں یا گھونٹھے مل گئے۔ جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہماری زمین آدمی کے پیدا ہونے سے پہلی کیسی تھی۔

دوسری چٹھی میں ہم اس بات پر دچار کریں گے کہ یہ نیچے درجے کے جانور کیسے بڑھتے بڑھتے آج کل کی صورت کے ہو گئے۔

جانور کب پیدا ہوئے

ہم بتا چکے ہیں کہ شروع میں چھوٹے چھوٹے سمندری جانور اور پانی میں ہونے والے پودے دنیا کی جاندار چیزوں میں تھے۔ وہ صرف پانی ہی میں رہ سکتے تھے اور اگر کسی وجہ سے باہر نکل آتے اور انھیں پانی نہ ملتا تو ضرور مر جاتے ہوں گے جیسے آج بھی مچھلیاں سوکھے میں آجانے سے مر جاتی ہیں۔ لیکن اس زمانے میں آج کل سے کہیں زیادہ سمندر اور دلدل رہے ہوں گے۔ وہ مچھلیاں اور دوسرے جانور جن کی کھال ذرا چھڑی تھی، سوکی زمین پر دوسروں سے کچھ زیادہ دیر تک جی سکتے ہوں گے۔ کیونکہ انھیں سوکنے میں دیر لگتی تھی اس لیے نرم مچھلیاں اور اسی کی طرح کے دوسرے جانور دیرے دیرے کم ہوتے گئے کیونکہ سوکی زمین پر زندہ رہنا ان کے لیے مشکل تھا اور جن کی کھال زیادہ سخت تھی وہ بڑھتے گئے۔ سوچو کتنی عجیب بات ہے! اس کا یہ مطلب ہے کہ جانور دیرے دیرے اپنے کو آس پاس کی چیزوں کے انوکول بنا لیتے ہیں۔ تم نے لندن کے عجائب گھر میں دیکھا تھا کہ جازوں میں اور ٹھنڈے دیشوں میں جہاں کثرت سے برف گرتی ہے، چڑیاں اور جانور برف کی طرح سفید ہو جاتے ہیں۔ گرم دیشوں میں جہاں ہریالی اور درخت بہت ہوتے ہیں وہ ہرے یا کسی دوسرے چمکدار رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے کو اسی طرح کا بنا لیتے ہیں، جیسے ان کے آس پاس کی چیزیں ہوں ان کا رنگ اس لیے بدل جاتا ہے کہ وہ اپنے کو دشمنوں سے بچا سکیں، کیونکہ اگر ان کا رنگ آس پاس کی چیزوں سے مل جائے تو وہ آسانی سے دکھائی نہ دیں گے۔ سرد ملکوں میں ان کی کھال پر بال نکل آتے ہیں جس سے وہ گرم رہ سکیں۔ اس لیے چیتے کا رنگ پیلا اور دھاری دار ہوتا ہے۔ اس دھوپ کی طرح جو درختوں سے ہو کر جنگل میں آتی ہے۔ وہ گنے جنگل میں مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔

اس عجیب بات کا جاننا بہت ضروری ہے۔ جانور اپنے رنگ ڈھنگ کو آس پاس کی چیزوں سے ملا لیتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ جانور اپنے کو بدلنے کی کوشش کرتے ہوں، لیکن جو اپنے کو بدل کر اپنے آس پاس کی چیزوں سے ملا لیتے ہیں ان کو زندہ رہنا زیادہ آسان ہو

جاتا ہے۔ ان کی تعداد بڑھنے لگتی ہے دوسروں کی نہیں بڑھتی۔ اس سے بہت سی باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دھیرے دھیرے نیچے درجے کے جانور اونچے درجوں میں پہنچتے ہیں اور ممکن ہے کہ لاکھوں برسوں کے بعد آدمی ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ تہدیلیاں جو ہمارے چاروں طرف ہوتی رہتی ہیں دیکھ نہیں سکتے کیونکہ وہ بہت دھیرے دھیرے ہوتی ہیں اور ہماری زندگی کم ہوتی ہے، لیکن پرکرتی اپنا کام کرتی رہتی ہے اور چیزوں کو بدلتی اور سدھارتی رہتی ہے وہ نہ تو کبھی رکتی ہے نہ آرام کرتی ہے۔

تھیں یاد ہے کہ دنیا دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہو رہی تھی اور اس کا پانی سوکھتا جاتا تھا۔ جب وہ زیادہ ٹھنڈی ہو گئی تو جل واپو بدل گئی اور اس کے ساتھ ہی بہت سی باتیں بدل گئیں جیوں جیوں دنیا بدلتی گئی جانور بھی بدلتے گئے اور نئے نئے قسم کے جانور پیدا ہوتے گئے۔ پہلے نیچے درجے کے دریائی جانور پیدا ہوئے پھر زیادہ اونچے درجے کے۔ اس کے بعد جب سوکھی زمین زیادہ ہو گئی تو ایسے جانور پیدا ہوئے جو پانی اور زمین دونوں ہی پر رہ سکتے ہیں جیسے، مگر یا مینڈک۔ اس کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے جو صرف زمین پر رہ سکتے ہیں۔ اور تب ہوا میں اڑنے والی چیزیں آئیں۔

میں نے مینڈک کا ذکر کیا ہے اس عجیب جانور کی زندگی سے بڑی مزے کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ صاف سمجھ میں آ جاتا ہے کہ دریائی جانور بدلتے بدلتے کیوں کر زمین کے جانور بن جاتے ہیں۔ مینڈک پہلے مچھلی ہوتا ہے لیکن بعد میں وہ خشکی کا جانور ہو جاتا ہے اور دوسرے خشکی کے جانوروں کی طرح پیپڑوں سے سانس لیتا ہے اس پرانے زمانے میں جب خشکی کے جانور پیدا ہوئے، بڑے بڑے جنگل تھے۔ زمین ساری کی ساری جھاڑوں سے ہوئی۔ اس پر گھنے جنگل ہوں۔ آگے چل کر یہ چٹان اور مٹی کے بوجھ سے ایسے دب گئے کہ وہ دھیرے دھیرے کوئلہ بن گئے۔ تھیں معلوم ہے کہ کوئلہ گہری کھانوں سے نکلتا ہے۔ یہ کھانیں اصل میں پرانے زمانے کے جنگل ہیں۔

شروع شروع میں زمین کے جانوروں میں بڑے بڑے سانپ، چھپکلیاں اور گھڑیاں تھیں۔ ان میں سے بعض سوٹ لے لے تھے۔ سوٹ لے لے سانپ یا چھپکلی کا ذرا دھیان تو کرو۔ تھیں یاد ہوگا کہ تم نے ان جانوروں کی ہڈیاں لندن کے عجائب گھر میں دیکھی تھیں۔ اس کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے جو کچھ کچھ حال کے جانوروں سے ملتے ہیں۔ یہ

اپنے بچوں کو دودھ پلاتے تھے۔ پہلے وہ بھی آج کل کے جانوروں سے بہت بڑے ہوتے تھے۔ جو جانور آدمی سے بہت ملتا جلتا ہے وہ بندر یا بن مانس ہے۔ اس سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ آدمی بن مانس کی نسل ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جیسے اور جانوروں نے اپنے کو اس پاس کی چیزوں کے انوکول بنالیا اور ترقی کرتے گئے اسی طرح آدمی بھی پہلے ایک اونچے قسم کا بن مانس تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہ ترقی کرتا گیا یا یوں کہو کہ پرکرتی اسے سدھارتی گئی۔ پر آج اس کے گھمنڈ کا ٹھکانا نہیں۔ یہ خیال کرتا ہے کہ اور جانوروں سے اس کا مقابلہ ہی کیا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بندروں اور بن مانسوں کے بھائی بند ہیں اور آج شاید ہم میں سے بیشتروں کا سوبھاو بندروں جیسا ہے۔

آدمی کب پیدا ہوا

میں نے قصیں بچپن کے خط میں بتلایا تھا کہ پہلے دنیا میں بہت نیچے درجے کے جانور پیدا ہوئے اور دھیرے دھیرے ترقی کرتے ہوئے لاکھوں برس میں اس صورت میں آئے جو ہمیں آج دیکھتے ہیں۔ ہمیں ایک بڑی دلچسپ بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جاندار ہمیشہ اپنے کو اس پاس کی چیزوں سے ملانے کی کوشش کرتے گئے۔ ان کوششوں سے ان میں نئی نئی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں اور وہ زیادہ اونچے درجے کے جانور ہوتے گئے۔ ہمیں یہ تبدیلی اور ترقی کئی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شروع شروع کے جانوروں میں ہڈیاں نہ تھیں، لیکن ہڈیوں کے بغیر وہ بہت دنوں تک جیتے نہ رہ سکتے تھے اس لیے ان میں وہ ہڈیاں پیدا ہو گئیں۔ سب سے پہلے ریڑھ کی ہڈی پیدا ہوئی۔ اس طرح دو قسم کے جانور ہو گئے۔ ہڈی والے اور بغیر ہڈی والے۔ جن آدمیوں اور جانوروں کو تم دیکھتی ہو وہ سب ہڈی والے ہیں۔

ایک اور مثال لو۔ نیچے درجے کے جانوروں میں مچھلیاں اڑے دے کر انھیں چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ ایک ساتھ ہزاروں اڑے دیتی ہیں۔ لیکن ان کی بالکل پرواہ نہیں کرتیں۔ ماں بچوں کی بالکل خبر نہیں لیتی۔ وہ اڑوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور ان کے پاس کبھی نہیں آتیں۔ ان اڑوں کی حفاظت تو کوئی کرتا نہیں اس لیے زیادہ تر مر جاتے ہیں بہت تھوڑے سے اڑوں سے مچھلیاں نکلتی ہیں۔ کتنی جانیں برباد ہو جاتی ہیں! لیکن اونچے درجے کے جانوروں کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ان کے اڑے یا بچے کم ہوتے ہیں لیکن وہ ان کی خوب حفاظت کرتے ہیں۔ مرنے بھی اڑے دیتی ہے۔ لیکن وہ ان پر بیٹھتی ہے اور انھیں سیتی ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو وہ کئی دن تک انھیں چکاتی ہے جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں، تب ماں ان کی فکر چھوڑ دیتی ہے۔

ان جانوروں میں اور ان جانوروں جو بچے کو دودھ پلاتے ہیں بڑا فرق ہے۔ یہ جانور اڑے نہیں دیتے۔ ماں اڑے کو اپنے اندر لیے رہتی ہے اور پورے طور پر بنے ہوئے بچے جنتی ہے۔ جیسے کتے، بلی یا خرگوش۔ اس کے بعد ماں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، لیکن

ان جانوروں میں بھی بہت سے بچے برباد ہو جاتے ہیں۔ خرگوش کے کئی کئی مہینوں کے بعد بہت سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر مر جاتے ہیں۔ لیکن اونچے درجے کے جانور ایک ہی بچہ دیتے ہیں اور بچے کو اچھی طرح پالتے پوتے ہیں جیسے ہاتھی۔

اب تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جانور جیوں جیوں ترقی کرتے ہیں وہ اڑے نہیں دیتے بلکہ اپنی پوری صورت کے بنے ہوئے بچے جنتے ہیں جو صرف کچھ چھوٹے ہیں۔ اونچے درجے کے جانور عام طور پر ایک وقت میں ایک ہی بچے کو جنم دیتے ہیں۔ قصص یہ بھی معلوم ہو گا کہ اونچے جانوروں کو اپنے بچوں سے تھوڑا بہت پریم ہوتا ہے۔ آدمی سب سے اونچے درجے کا جانور ہے۔ اس لیے ماں اور باپ اپنے بچوں کو بہت پیار کرتے ہیں ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ضرور نیچے درجے کے جانوروں سے پیدا ہوا ہوگا۔ شاید شروع کے آدمی آج کل کے آدمیوں کی طرح تھے ہی نہیں۔ وہ آدمے بن مانس اور آدمے آدمی رہے ہوں گے اور بندروں کی طرح رہتے ہوں گے۔ قصص یاد ہے کہ جرمنی کے ہائیڈل برگ میں تم ہم لوگوں کے ساتھ ایک پروفیسر سے ملنے گئی تھیں؟ انھوں نے ایک عجیب خانہ دکھایا تھا جس میں پرانی ہڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ خاص کر ایک پرانی کھوپڑی جسے وہ صندوق میں رکھے ہوئے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شروع شروع کے آدمی کی کھوپڑی ہوگی۔ ہم اب اسے ہائیڈل برگ کا آدمی کہتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ کھوپڑی ہائیڈل برگ کے پاس گڑی ہوئی ملی تھی۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ اس زمانے میں نہ تو ہائیڈل برگ کا پتہ تھا نہ کسی دوسرے شہر کا۔

اس پرانے زمانے میں جب کہ آدمی ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے، بڑی سخت سردی پڑتی تھی۔ اسی لیے اسے برف کا زمانہ کہتے ہیں۔ برف کے بڑے بڑے پہاڑ جیسے آج کل اٹری ڈھرو کے پاس ہے، انگلینڈ اور جرمنی تک پہنچے چلے جاتے تھے۔ آدمیوں کا رہنا بہت مشکل ہوتا ہوگا اور انھیں بڑی تکلیف سے دن کاٹنے پڑتے ہوں گے، وہ وہیں رہ سکتے ہوں گے۔ جہاں برف کے پہاڑ نہ ہوں۔ ویکیا تک لوگوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں بھومدھیاہ ساگر نہ تھا بلکہ وہاں ایک یا دو جھیلیں تھیں۔ لال ساگر بھی نہ تھا۔ یہ سب زمین تھی۔ شاید ہندوستان کا بڑا حصہ ٹاپو تھا۔ اور ہمارے صوبے پنجاب کا کچھ حصہ سمندر تھا۔ خیال کرو

کہ سارا دکھنی ہندستان اور مدھیہ ہندستان ایک بہت بڑا دوپہ ہے اور ہماریہ اور اس کے سچ سمندر لہریں مار رہا ہے۔ جب شاید تھیں جہاز میں بیٹھ کر مسوری جانا پڑتا۔

شروع شروع میں جب آدمی پیدا ہوا تو اس کے چاروں طرف بڑے بڑے جانور رہے ہوں گے اور اسے ان سے برابر کھانا لگا رہتا ہوگا۔ آج آدمی دنیا کا مالک ہے اور جانوروں سے جو کام چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔ بعضوں کو وہ پال لیتا ہے جیسے گھوڑا، گائے، ہاتھی، کتا، بلی وغیرہ۔ بعضوں کو وہ کھاتا ہے۔ اور بعضوں کا وہ دل بہلانے کے لیے شکار کرتا ہے جیسے شیر اور چیتا، لیکن اس زمانے میں وہ مالک نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے جانور اسی کا شکار کرتے تھے اور وہ ان سے جان بچاتا پھرتا تھا۔ مگر دیرے دیرے اس نے ترقی کی اور دن بہ دن زیادہ طاقت ور ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ سب جانوروں سے مضبوط ہو گیا۔ یہ بات اس میں کیسے پیدا ہوئی؟ بدن کی طاقت سے نہیں کیونکہ ہاتھی اس سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ بدھی اور دماغ کی طاقت سے اس میں یہ بات پیدا ہوئی۔

آدمی کی عقل کیسے دیرے دیرے بڑھتی گئی اس کا شروع سے آج تک پتا ہم لگا سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بدھی ہی آدمیوں کو اور جانوروں سے الگ کر دیتی ہے۔ بتا سمجھ کے آدمی اور جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پہلی چیز، جس کا آدمی نے پتا لگایا وہ شاید آگ تھی۔ آج کل ہم دیا سلائی سے آگ جلاتے ہیں۔ لیکن دیا سلائیاں تو ابھی حال میں بنی ہیں۔ پہلے زمانے میں آگ بنانے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ چمک چمک پتھروں کو رگڑتے تھے یہاں تک کہ چمکری نکل آتی تھی اور اس چمکاری سے سوکھی گھاس یا کسی دھری سوکھی چیز میں آگ لگ جاتی تھی، جنگلیوں میں کبھی کبھی پتھروں کی رگڑ یا کسی دھری سوکھی چیز کی رگڑ سے آپ ہی آگ لگ جاتی ہے۔ جانوروں میں اتنی عقل کہاں تھی کہ اس سے کوئی مطلب کی بات سوچے۔ لیکن آدمی زیادہ ہوشیار تھا اس نے آگ کے فائدے دیکھے۔ یہ جانوں میں اسے گرم رکھتی تھی اور بڑے بڑے جانوروں کو جو اس کے دشمن تھے، بھگا دیتی تھی۔ اس لیے جب کبھی آگ لگ جاتی تھی تو مرد اور عورت اس میں سوکھی چٹاں پھینک پھینک کر اسے جلائے رکھنے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ دیرے دیرے انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ چمک پتھروں کو رگڑ کر خود آگ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بڑے موٹے کی بات تھی، کیونکہ اس نے انہیں دھریے جانوروں سے طاقتور بنادیا۔ آدمی کو دنیا کا مالک بننے کا راستہ مل گیا۔

شروع کے آدمی

میں نے اپنے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ آدمی اور جانور میں صرف عقل کا فرق ہے۔ عقل نے آدمی کو ان بڑے بڑے جانوروں سے زیادہ چالاک اور مضبوط بنادیا جو معمولی طور پر اسے نٹ کر ڈالتے۔ جیوں جیوں آدمی کی عقل بڑھتی گئی وہ زیادہ بلوان ہوتا گیا۔ شروع میں آدمی کے پاس جانوروں سے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہ تھے۔ وہ ان پر صرف پتھر پھینک سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے پتھر کی کلباڑیاں اور بھالے اور بہت سی دوسری چیزیں بھی بنائی جن میں پتھر کی سوئی بھی تھی۔

دھیرے دھیرے برف کا زمانہ ختم ہو گیا جس کا میں نے اپنے پچھلے خط میں ذکر کیا ہے۔ برف کے پہاڑ مدھیہ ایشیا اور یورپ سے غائب ہو گئے۔ جیوں جیوں گرمی بڑھتی گئی آدمی پھیلنے لگے۔

اس زمانے میں نہ تو مکان تھے اور نہ کوئی دوسری عمارت تھی۔ لوگ گھماؤں میں رہتے تھے۔ کبھی کرنا کسی کو نہ آتا تھا۔ لوگ جنگلی پھل کھاتے تھے یا جانوروں کا شکار کر کے مانس کھا کر رہتے تھے۔ روٹی اور بھات انھیں کہاں میسر ہوتا کیوں کہ انھیں کبھی کرنی آتی ہی نہ تھی۔ وہ پکانا بھی نہ جانتے تھے، ہاں شاید مانس کو آگ میں گرم کر لیتے ہوں۔ ان کے پاس پکانے کے برتن، جیسے کڑھائی اور پتیلی بھی نہ تھی۔

ایک بات بڑی عجیب ہے۔ ان جنگلی آدمیوں کو تصویر کھینچنا آتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ان کے پاس کاغذ، قلم، منسل یا برش نہ تھے۔ ان کے پاس صرف پتھر کی سوئیاں اور نوکدار اوزار تھے۔ انھی سے وہ گھماؤں کی دیواروں پر جانوروں کی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ ان کے بعض بعض خاکے خامے اچھے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ یک رخی تصویر کھینچنا آسان ہے اور بچے اسی طرح کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں۔ گھماؤں میں اندھیرا ہوتا تھا اس لیے ممکن ہے کہ وہ چراغ جلاتے ہوں گے۔

جن آدمیوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، وہ پاشاں یا پتھر دیگ کے آدمی کہلاتے ہیں۔ اس زمانے کو پتھر کا یگ اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے سبھی اوزار پتھر کے بناتے تھے۔

دھاتوں کو کام میں لینا وہ نہ جانتے تھے۔ آج کل ہماری چیزیں اکثر دھاتوں سے بنتی ہیں، خاص کر لوہے سے۔ لیکن اس زمانے میں کسی کو لوہے یا کانے کا پتہ نہ تھا اس لیے پتھر کام میں لایا جاتا تھا، حالانکہ اس سے کوئی کام کرنا بہت مشکل تھا۔

پاشانویگ کے ختم ہونے کے پہلے ہی دنیا کی آب و ہوا بدل گئی اور اس میں گرمی آگئی۔ برف کے پہاڑ اب آہری ساگر تک ہی رہتے تھے اور مدھیہ ایشیا اور یورپ میں بڑے بڑے جنگل پیدا ہو گئے۔ انھیں جنگلوں میں آدمیوں کی ایک نئی قوم رہنے لگی۔ یہ لوگ بہت سی باتوں میں پتھر کے آدمیوں سے زیادہ ہوشیار تھے لیکن وہ بھی پتھر کے ہی اوزار بناتے تھے، یہ لوگ بھی پتھر ہی کے ٹیک کے تھے، مگر وہ پچھلا پتھر کا ٹیک تھا اس لیے وہ نئے پتھر کے ٹیک کے آدمی کہلاتے تھے۔

نور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے پتھر کے ٹیک کے آدمیوں نے بڑی ترقی کر لی تھی۔ آدمی کی عقل اور جانوروں کے مقابلے میں اسے حمی سے بڑھائے لئے جاری ہے۔ انھیں نئے پاشانویگ کے آدمیوں نے ایک بہت بڑی چیز نکالی۔ یہ کھیتی کرنے کا طریقہ تھا۔ انھوں نے کھیتوں کو جوت کر کھانے کی چیزیں پیدا کرنی شروع کیں۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی اب انھیں آسانی سے کھانا مل جاتا تھا، اس کی ضرورت نہ تھی کہ وہ رات دن جانوروں کا شکار کرتے رہے اب انھیں سوچنے اور آرام کرنے کی زیادہ فرصت ملنے لگی اور انھیں جتنی ہی زیادہ فرصت ملتی تھی نئی چیزیں اور طریقے نکالنے میں وہ اتنی ہی زیادہ ترقی کرتے تھے۔ انھوں نے مٹی کے برتن بنانے شروع کیے اور ان کی مدد سے کھانا بنانے لگے۔ پتھر کے اوزار بھی زیادہ اچھے بننے لگے اور ان پر پالش بھی ہونے لگی۔ انھوں نے گائے، کتا، بھیڑ، بکری وغیرہ جانوروں کو پالنا سیکھ لیا اور وہ کپڑا بھی بننے لگے۔

وہ چھوٹے چھوٹے گھروں یا جمونپڑی میں رہتے تھے۔ یہ جمونپڑے اکثر جمیلوں کے چم میں بنائے جاتے تھے، کیونکہ جنگلی جانور یا دوسرے آدمی وہاں ان پر آسانی سے حملہ نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ جمیل کے رہنے والے کہلاتے تھے۔

قصص اچھا ہوتا ہوگا کہ ان آدمیوں کے بارے میں ہمیں اتنی باتیں کیسے معلوم ہو گئیں۔ انھوں نے کوئی کتاب تو لکھی نہیں لیکن میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ان آدمیوں کا حال جس کتاب میں ہمیں ملتا ہے وہ سنسار کی کتاب ہے۔ اسے پڑھنا آسان

نہیں۔ اس لیے برے ایمپاس کی ضرورت ہے۔ بہت سے آدمیوں نے اس کتاب کے پڑھنے میں اپنی ساری عمر ختم کر دی۔ انھوں نے بہت سی ہڈیاں اور پرانے زمانے کی بہت سی نشانیاں جمع کر دی ہیں۔ یہ چیزیں بڑے بڑے عجائب گھروں میں جمع ہیں اور وہاں ہم عمدہ چمکتی ہوئی کلباڑیاں اور برتن پتھر کے تیر اور سونیاں بہت سی دوسری چیزیں دیکھ سکتے ہیں جو پچھلے پتھر یک کے آدمی بناتے تھے۔ تم نے خود ان میں بہت سی چیزیں دیکھی ہیں لیکن شاید تمہیں یاد نہ ہو، اگر تم پھر انہیں دیکھو تو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکو گی۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جینوا کے عجائب گھر میں جمیل کے مکان کا ایک بہت اچھا نمونہ رکھا ہوا تھا۔ جمیل میں لکڑی کے ڈٹے گاڑ دیے گئے تھے۔ اور ان کے اوپر لکڑی کے تختے باندھ کر ان پر جمونہ پڑیاں بنائی گئی تھیں۔ اس گھر اور زمین کے چھ میں ایک چھوٹا سا پیل بنادیا گیا تھا۔ یہ پچھلے پتھر کے یک والے آدمی جانوروں کی کھالیں پہنتے تھے اور کبھی کبھی سن کے موٹے کپڑے بھی پہنتے تھے۔ سن ایک پودا ہے۔ جس کے ریشوں سے کپڑا بنتا ہے۔ آج کل سن سے ہمیں کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن اس زمانے کے سن کے کپڑے بہت ہی بھدے رہے ہوں گے۔

یہ لوگ اسی طرح ترقی کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ انھوں نے تانبے اور کانے کے اوزار بنانے شروع کیے۔ تمہیں معلوم ہے کہ کانہ تانبے اور رانگے کے میل سے بنتا ہے۔ اور ان دلوں سے زیادہ سخت بنتا ہے۔ وہ سونے کا استعمال کرنا بھی جانتے تھے اور اس کے زیور بنا کر اتراتے تھے۔

ہمیں یہ ٹھیک تو معلوم نہیں کہ ان لوگوں کو ہوئے کتنے دن گزرے لیکن انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہزار سال سے کم نہ ہوئے ہوں گے۔ ابھی تک تو ہم لاکھوں برسوں کی باتیں کر رہے تھے، لیکن دھیرے دھیرے ہم آج کل کے زمانے کے قریب آتے جاتے ہیں۔ نئے پاشا نیک کے آدمیوں میں اور یکا یک کوئی تبدیلی نہیں آگئی۔ پھر بھی ہم ان کے سے نہیں ہیں۔ جو کچھ تبدیلیاں ہوئیں بہت دھیرے دھیرے ہوئیں اور یہی پر کرتی کا نیم ہے۔ طرح طرح کی قومیں پیدا ہوئیں اور ہر ایک قوم کے رہن سہن کا ڈھنگ الگ تھا۔ دنیا کے الگ الگ حصوں کی آب و ہوا میں بہت فرق تھا اور آدمی کو اپنا رہن سہن اسی کے مطابق بنانا پڑتا تھا۔ اس طرح لوگوں میں تبدیلیاں ہوتی جاتی تھیں۔ لیکن اس بات کا ذکر ہم آگے چل

کر کر رہے۔

آج میں تم سے ایک بات کا ذکر اور کروں گا۔ جب نیا بھر کا ٹیک ختم ہو رہا تھا تو آدمی پر ایک بڑی آفت آئی۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس زمانے میں مدھیہ ساگر تھا ہی نہیں۔ وہاں چند جمیلیں تھیں اور انہیں میں لوگ آباد تھے۔ یکا یک یورپ اور افریقہ کے سچ زیر اثر کے پاس زمین بہہ گئی اور اٹلانٹک سمندر کا پانی اس نیچے کھڑے میں بھر گیا۔ اس باڑہ میں بہت سے آدمی اور عورتیں جو وہاں رہتے تھے ڈوب گئے ہوں گے۔ بھاگ کر جاتے کہاں؟ سینکڑوں میل تک پانی کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ اٹلانٹک ساگر کا پانی برابر بھرتا گیا۔ اور اتنا بھرا کہ بھو مدھیہ ساگر بن گیا۔

تم نے شاید پڑھا ہوگا، کم سے کم سنا تو ہے ہی، کہ کسی زمانے میں بڑی ہماری باڑہ آئی تھی۔ بائبل میں اس کا ذکر ہے اور بعض منسکرت کی کتابوں میں بھی اس کی چچا آئی ہے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ مدھیہ ساگر کا بھرتا ہی وہ باڑہ ہوگی۔ یہ اتنی بڑی آفت تھی کہ اس سے بہت تھوڑے آدمی بچے ہوں گے۔ اور انہوں نے اپنے بچوں سے یہ حال کہا ہوگا۔ اسی طرح یہ کہانی ہم تک پہنچی۔

طرح طرح کی قومیں کیوں کر بنیں

اپنے پچھلے خط میں میں نے نئے پتھر گیم کے آدمیوں کا ذکر کیا تھا جو خاص کر جمیلوں کے چھ میں مکانوں میں رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بہت سی باتوں میں بڑی ترقی کر لی تھی۔ انھوں نے کھیتی کرنے کا طریقہ نکالا۔ وہ کھانا پکانا جانتے تھے، یہ بھی جانتے تھے کہ جانوروں کو پال کر کیسے کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ باتیں کئی ہزار ورش پرانی ہیں اور ہمیں ان کا حال بہت کم معلوم ہے لیکن شاید آج دنیا میں آدمیوں کی جتنی قومیں ہیں ان میں سے اکثر انہیں نئے پتھر گیم کے آدمیوں کی سنتاں ہیں۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ آج کل دنیا میں گورے، کالے، پیلے، سمورے سبھی رنگوں کے آدمی ہیں۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ آدمیوں کی قوموں کو انہیں چار حصوں میں بانٹ دینا آسان نہیں ہے۔ قوموں میں ایسا میل جول ہو گیا ہے کہ ان میں سے بہتوں کے بارے میں یہ بتلانا کہ وہ کس قوم میں سے ہیں، بہت مشکل ہے۔ وگیا بلکہ لوگ آدمیوں کے سروں کو ناپ کر کبھی کبھی ان کی قوم کا پتا لگا لیتے ہیں، اور بھی ایسے کئی طریقے ہیں جن سے اس بات کا پتہ چل سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ طرح طرح کی قومیں کیسے پیدا ہوئیں؟ اگر سب کے سب ایک ہی قوم کے ہیں تو ان میں آج اتنا فرق کیوں ہے؟ جرمن اور حبشی میں کتنا فرق ہے! ایک گورا ہے اور دوسرا بالکل کالا۔ جرمن کے بال ہلکے رنگ کے اور لمبے ہوتے ہیں مگر حبشی کے بال کالے، جھونے اور کھینکھرا لے ہوتے ہیں۔ چینی کو دیکھو تو وہ ان دونوں سے الگ ہیں۔ تو یہ بتلانا بہت مشکل ہے کہ یہ فرق کیوں کر پیدا ہو گیا، ہاں اس کے کچھ کارن ہمیں معلوم ہیں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتلا چکا ہوں کہ جوں جوں جانوروں کا رنگ ڈھنگ آس پاس کی چیزوں کے مطابق ہوتا گیا۔ ان میں دھیرے دھیرے تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں۔ ہو سکتا ہے کہ جرمن اور حبشی الگ الگ قوموں سے پیدا ہوئے ہوں لیکن کسی نہ کسی زمانے میں ان کے پُر کے ایک ہی رہے ہوں گے۔ ان میں جو فرق پیدا ہوا اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں اپنا رہن سہن اپنے پاس پڑوس کی چیزوں کے مطابق بنانا پڑا یا یہ کہ بعض جانوروں کی طرح کچھ جاتیوں نے اوروں سے زیادہ آسانی کے ساتھ اپنا رہن سہن بدل دیا ہو۔

میں تم کو اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ جو آدمی اتر کے ٹھنڈے اور بریلے ملکوں میں رہتا ہے۔ اس میں سردی برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں بھی اکیسوا جاتی والے اتر کے بریلے میدانوں میں رہتے ہیں اور وہاں کی بھیاں سردی برداشت کرتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے جیسے گرم ملک میں آئیں تو شاید جیتے ہی نہ رہ سکیں اور چونکہ وہ دنیا کے اور حصوں سے الگ ہیں اور انہیں بڑی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں دنیا کی اتنی باتیں نہیں معلوم ہوئیں جتنی اور حصوں کے رہنے والے جانتے ہیں۔ جو لوگ افریقہ یا دثوت ریکھا کے پاس رہتے ہیں، جہاں بڑی سخت گرمی پڑتی ہے، اس گرمی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اسی تیز دھوپ کی سبب سے ان کا رنگ کالا ہو جاتا ہے۔ یہ تو تم نے دیکھا ہی ہے کہ اگر تم سمندر کے کنارے یا کہیں اور دیر تک دھوپ میں بیٹھو تو تمہارا چہرہ سالوا ہو جاتا ہے۔ اگر چند ہفتوں تک دھوپ کھانے سے آدمی کچھ کالا پڑ جاتا ہے تو وہ آدمی کتنا کالا ہوگا جسے ہمیشہ دھوپ ہی میں رہنا پڑتا ہے۔ تو پھر جو لوگ سینکڑوں ورشوں تک گرم ملکوں میں رہیں اور وہاں رہتے ان کی کئی بیڑھیاں گزر جائیں ان کے کالے ہو جانے میں کیا تعجب ہے۔ تم نے ہندستانی کسانوں کو دوپہری کی دھوپ میں کھیتوں میں کام کرتے دیکھا ہے وہ غریب کی وجہ سے نہ زیادہ کپڑے پہن سکتے ہیں، نہ پہنتے ہی ہیں۔ ان کی ساری دیہہ دھوپ میں کھلی رہتی ہے اور اسی طرح ان کی پوری عمر گزر جاتی ہے۔ پھر وہ کیوں نہ کالے ہو جائیں۔

اس سے تمہیں یہ معلوم ہوا کہ آدمی کا رنگ اس آب و ہوا کی وجہ سے بدل جاتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ رنگ سے آدمی کی لیاقت، بھلنسی یا خوبصورتی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر گورا آدمی کسی گرم ملک میں بہت دنوں تک رہے اور دھوپ سے بچنے کے لئے ٹفیوں کی آڑ میں یا پنکھوں کے نیچے نہ چمپا بیٹھا رہے تو وہ ضرور سالوا ہو جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم لوگ کشمیری ہیں اور سو سال پہلے ہمارے پرکھے کشمیر میں رہتے تھے۔ کشمیر میں سبھی آدمی یہاں تک کے کسان اور مزدور بھی، گورے ہوتے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ کشمیر کی آب و ہوا سرد ہے لیکن وہی کشمیری جب ہندستان کے دوسرے حصوں میں آتے ہیں جہاں زیادہ گرمی پڑتی ہے، کئی پشتوں کے بعد سالو لے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بہت سے کشمیری بھائی خوب گورے ہیں اور بہت سے بالکل سالو لے بھی ہیں۔ کشمیری جتنے زیادہ دنوں تک ہندستان

کے اس حصے میں رہے گا اس کا رنگ اتنا ہی سائولہ ہوگا۔

اب تم سمجھ گئیں کہ آب و ہوا کی ہی وجہ سے آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ گرم ملک میں رہیں لیکن مالدار ہونے کی وجہ سے انہیں دھوپ میں کام نہ کرنا ہے وہ بڑے بڑے مکالوں میں رہیں اور اپنے آپ کو بچائیں۔ امیر خاندان اس طرح کئی طرحیوں تک اپنے رنگ کو آب و ہوا کے اثر سے بچائے رکھ سکتا ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے کام نہ کرنا اور دوسروں کی کمائی کھانا ایسی بات نہیں جس پر ہم غرور کر سکیں۔ تم نے دیکھا کہ ہندستان میں کشمیر اور پنجاب کے آدمی عام طور پر گدے ہوتے ہیں لیکن جیوں جیوں ہم دشمن جائیں وہ کالے ہو جاتے ہیں۔ مدراس اور لٹکا میں یہ بالکل کالے ہوتے ہیں تم ضرور ہی سمجھ جاؤ گی کہ اس کا سبب آب و ہوا ہے۔ کیونکہ دشمن کی طرف ہم جتنا ہی بڑھیں، دشواری دیکھا کے پاس پہنچتے جاتے ہیں اور گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے اور یہی ایک خاص وجہ ہے کہ ہندستانوں کے رنگ میں اتنا فرق ہے۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ یہ فرق کچھ اس وجہ سے بھی ہے کہ شروع میں جو قومیں ہندستان میں آکر بسی تھیں ان میں آپس میں فرق تھا۔ پرانے زمانے میں ہندستان میں بہت سی قومیں آئیں اور حالانکہ بہت دنوں تک انہوں نے الگ رہنے کی کوشش کی لیکن وہ آخر میں بنا ملے نہ رہ سکیں۔ آج کسی ہندستانی کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ پوری طرح سے کسی ایک اصلی قوم کا ہے۔

آدمیوں کی قومیں اور زبانیں

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے کس حصہ میں پہلے پہل آدمی پیدا ہوئے۔ نہ ہمیں یہی معلوم ہے کہ شروع میں وہ کہاں آباد ہوئے۔ شاید آدمی ایک ہی وقت میں کچھ آگے پیچھے دنیا کے کئی حصوں میں پیدا ہوئے۔ ہاں! اس میں زیادہ سند یہ نہیں کہ جیوں جیوں برف کے زمانے کے بڑے بڑے برفیلے پہاڑ پگھلتے اور اتر کی اور بٹتے جاتے تھے، آدمی زیادہ گرم حصوں میں آتے جاتے تھے۔ برف کے پگھل جانے کے بعد بڑے بڑے میدان بن گئے ہوں گے۔ کچھ انہی میدانوں کی طرح جو آج کل سائبیریا میں ہیں۔ اس زمین پر گھاس اگ آئی اور آدمی اپنے چالوروں کو چرانے کے لیے ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہوں گے۔ جو لوگ کسی ایک جگہ تک کر نہیں رہتے بلکہ ہمیشہ گھومتے رہتے ہیں ”خانہ بدوش“ کہلاتے ہیں۔ آج بھی ہندستان اور بہت سے دوسرے ملکوں میں یہ خانہ بدوش یا بنجارے موجود ہیں۔

آدمی بڑی بڑی ندیوں کے پاس آباد ہوئے ہوں گے، کیونکہ ندیوں کے پاس کی زمین بہت امیلا اور کھیتی کے لیے بہت اچھی ہوتی ہے۔ پانی کی تو کوئی کمی تھی ہی نہیں اور زمین میں کھانے کی چیزیں آسانی سے پیدا ہو جاتی تھیں، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ ہندستان میں لوگ سندھ اور گنگا جیسی بڑی بڑی ندیوں کے پاس بے ہوں گے، میسو پوٹامیا میں دجلہ اور فرات کے پاس، مصر میں نیل ندی کے پاس اور اسی طرح چین میں بھی ہوا ہوگا۔

ہندستان کی سب سے پرانی قوم، جس کا حال ہمیں کچھ معلوم ہے، دراوڑ ہے۔ اس کے بعد، ہم جیسا آگے دیکھیں گے، آریہ آئے اور پورب میں منگول جاتی کے لوگ آئے۔ آج کل بھی دکنی ہندستان کے آدمیوں میں بہت سے دراوڑوں کی سنخانیں ہیں۔ یہ اتر کے آدمیوں سے زیادہ کالے ہیں، اس لیے کہ شاید دراوڑ لوگ ہندستان میں اور زیادہ دنوں سے رہ رہے ہیں۔ دراوڑ جاتی والوں نے بڑی ابھی کر لی تھی، اس کی الگ ایک زبان تھی اور وہ دوسری جاتی والوں سے بڑا دیا پار بھی کرتے تھے۔ لیکن ہم بہت تیزی سے بڑھے جارہے ہیں۔

اس زمانے میں چھٹی ایشیا اور یورپی یورپ میں ایک نئی جاتی پیدا ہو رہی تھی۔ یہ

آریہ کہلاتی تھی۔ سنسکرت میں آریہ شہدہ کا ارتھ ہے شریف آدمی یا اونچے کل کا آدمی۔ سنسکرت آریوں کی ایک زبان تھی اسی لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے کو بہت شریف اور خاندانی سمجھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی آج کل کے آدمیوں کی ہی طرح شفی باز تھے۔ انھیں معلوم ہے کہ انگریز اپنے کو دنیا میں سب سے بڑھ کر سمجھتا ہے، فرانسیسی کا بھی یہی خیال ہے کہ میں ہی سب سے بڑا ہوں، اسی طرح جرمن، امریکن اور دوسری جاتیں بھی اپنے یوتن کا راگ آلا پتی ہیں۔

یہ آریہ اثری ایشیا اور یورپ کے چڑا گاہوں میں گھومتے رہتے تھے۔ لیکن جب ان کی آبادی بڑھ گئی اور پانی اور چارے کی کمی ہو گئی تو ان سب کے لیے کھانا ملنا مشکل ہو گیا اس لیے وہ کھانے کی تلاش میں دنیا کے دوسرے حصوں میں جانے کے لیے مجبور ہوئے۔ ایک طرف تو وہ سارے یورپ میں پھیل گئے، دوسری طرف ہندستان، ایران، اور میسوپوٹامیا آچنچے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ، اثری ہندستان اور میسوپوٹامیا کی سبکی جاتیں اصل میں ایک ہی پرکھوں کی ستان ہیں، یعنی آریوں کی، حالانکہ آج کل اس میں بڑا فرق ہے۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ ادھر بہت زمانہ گزر گیا اور تب سے بڑی بڑی تبدیلیاں ہو گئیں اور قومیں آپس میں بہت کچھ مل گئیں اس طرح آج کی بہت سی جاتوں کے پرکھے آریہ ہی تھے۔

دوسری طرف بڑی جاتی منگول ہیں۔ یہ سارے پوربی ایشیا ارقمات چین، جاپان، منچ، سیام (اب تھائی لینڈ) اور برما میں پھیل گئیں۔ انھیں کبھی کبھی چلی جاتی بھی کہتے ہیں۔ ان کے گالوں کی ہڈیاں اونچی اور آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔

افریقہ اور کچھ دوسری جگہوں کے آدمی حبشی ہیں۔ وہ نہ آریہ ہیں، نہ منگول اور ان کا رنگ بہت کالا ہوتا ہے۔ عرب اور فلسطین کی جاتیں عربی اور یہودی، ایک دوسری ہی جاتی سے پیدا ہوئیں۔

یہ سبکی جاتیں ہزاروں سال کے دوران میں بہت سی چھوٹی جاتوں میں بٹ گئی ہیں اور کچھ مل جل گئی ہیں۔ مگر ہم ان کی طرف دھیان نہ دیں گے۔ محض بہمن جاتوں کے پچھاننے کا ایک اچھا اور دلچسپ طریقہ ان کی زبانوں کا پڑھنا ہے۔ شروع شروع میں ہر ایک جاتی کی ایک الگ زبان تھی، لیکن جیوں جیوں دن گزرتے گئے اس ایک زبان سے بہت سی

زبانیں نکلتی گئیں۔ لیکن یہ سب زبانیں ایک ہی ماں کی بیٹیاں ہیں۔ ہمیں ان زبانوں میں بہت سے شہدہ ایک سے ہی ملتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی گہرا ناتا ہے۔

جب آریہ ایشیا اور یورپ میں پھیل گئے تو ان کا آپس میں میل جول نہ رہا۔ اس زمانے میں نہ ذیل گاڑیاں تھیں، نہ تار و ڈاک، یہاں تک کہ لکھی ہوئی کتابیں تک نہ تھیں۔ اسی لیے آریوں کا ہر ایک حصہ ایک ہی زبان کو اپنے اپنے ڈھنگ سے بولتا تھا، اور کچھ دنوں کے بعد یہ اصلی زبان سے، یا آریہ دیوتوں کی دوسری بہنوں سے، بالکل الگ ہو گئیں۔ یہی سبب ہے کہ آج دنیا میں اتنی زبانیں موجود ہیں۔

لیکن اگر ہم ان زبانوں کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ گو وہ بہت سی ہیں لیکن اصلی زبانیں بہت کم ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ جہاں جہاں آریہ جاتی کے لوگ گئے، وہاں ان کی زبان آریہ خاندان کی ہی رہی ہے۔ سنسکرت، لیٹن، یونانی، انگریز، فرانسیسی، جرمن، اطالین اور بعض دوسری زبانیں سب بہنیں ہیں اور آریہ خاندان کی ہی ہیں۔ ہماری ہندوستانی زبانوں میں بھی جیسے ہندی، اردو، بنگلہ، مراٹھی اور گجراتی سب سنسکرت کی سٹھان ہیں اور آریہ پر یوار میں شامل ہیں۔

زبان کا دوسرا بڑا خاندان چینی ہے۔ چینی، بری، تبتی اور سیامی زبانیں اسی سے نکلی ہیں۔ تیسرا خاندان شیم زبان کا ہے۔ جس سے عربی اور عبرانی زبانیں نکلیں ہیں۔ کچھ زبانیں جیسے ترکی اور جاپانی ان میں سے کسی دیش میں نہیں ہیں۔ یہ چاروں دراوڑ خاندان کی ہیں اور بہت پرانی ہیں۔

زبانوں کا آپس میں رشتہ

ہم بتا چکے ہیں کہ آریہ بہت سے ملکوں میں پھیل گئے اور جو کچھ بھی ان کی زبان تھی اسے اپنے ساتھ لیتے گئے۔ لیکن طرح طرح کی آب و ہوا اور طرح طرح کی حالتوں نے آریوں کی بڑی بڑی جاتیوں میں بہت فرق پیدا کر دیا۔ ہر ایک جاتی اپنے ہی ڈھنگ پر بدلتی گئی اور اس کی عادات اور رسمیں بھی بدلتی گئیں۔ وہ دوسرے ملکوں میں دوسری جاتیوں سے نہ مل سکتے تھے کیونکہ اس زمانے میں سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ ایک گروہ دوسرے سے الگ ہوتا تھا۔ اگر ایک ملک کے آدمیوں کو کوئی نئی بات معلوم ہو جاتی تو وہ اسے دوسرے ملک والوں کو نہ بتا سکتے، اس طرح تبدیلیاں ہوتی گئیں اور کئی پشتوں کے بعد ایک آریہ جاتی کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے۔ شاید وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہم ایک ہی بڑے خاندان سے ہیں۔ ان کی ایک زبان سے بہت سی زبانیں پیدا ہو گئیں۔ جو آپس میں بہت کم ملتی جلتی تھیں۔

لیکن گو ان میں اتنا فرق معلوم ہوتا تھا، ان میں بہت سے شہد ایک ہی تھے اور کئی دوسری باتیں بھی ملتی جلتی تھیں۔ آج ہزاروں سال کے بعد بھی ہمیں طرح طرح کی ہاشاؤں میں ایک ہی شہد ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ ہاشائیں ایک ہی رہی ہوں گی۔ جس میں معلوم ہے کہ فرانسیسی اور انگریزی میں بہت سے ایک جیسے شہد ہیں۔ وہ بہت گھریلو اور معمولی شہد لے لو، 'قادر' اور 'مدد' ہندی اور سنسکرت میں 'پتا' اور 'ماتا' ہیں۔ لیٹن میں 'پیٹر' اور 'میٹر' ہیں۔ یونان میں 'پیٹر' اور 'میٹر' ہیں۔ جرمن میں 'فالیر' اور 'مٹر' فرانسیسی میں 'نچر' اور 'نمر' اور اسی طرح اور زبانوں میں بھی یہ شہد آپس میں کتنے ملتے جلتے ہیں۔ ہائی ہنوں کی طرح ان کی صورتیں کتنی سان ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے شہد ایک ہاشا سے دوسری ہاشا میں آگئے ہوں گے۔ ہندی نے بہت سے شہد انگریزی سے لیے ہیں اور انگریزی نے بھی کچھ شہد ہندی سے لیے ہیں۔ لیکن قادر اور مدد اس طرح کبھی نہ لیے گئے ہوں گے۔ یہ نئے شہد نہیں ہو سکتے۔ شروع شروع میں لوگوں نے ایک دوسرے سے بات کرنی سیکھی تو اس وقت ماں باپ تو تھے ہی ان کے لیے شہد بھی بن گئے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہد باہر سے نہیں آئے وہ ایک ہی پرکے یا ایک ہی خاندان سے نکلے ہوں

گے اور اس سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ جو قومیں آج دور دور کے ملکوں میں رہتی ہیں اور
 بحمن بحمن بھاشائیں بولتی ہیں وہ سب کسی زمانے میں ایک ہی بڑے خاندان کی رہی ہوں
 گی۔ تم نے دیکھ لیا نا کہ زبانوں کا سیکھنا کتنا دلچسپ ہے اور اس سے ہمیں کتنی باتیں معلوم
 ہوتی ہیں۔ اگر ہم تین چار زبانیں جان جائیں تو اور زبانوں کا سیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

تم نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے آدمی جو اب دور دور ملکوں میں ایک دوسرے سے
 الگ رہتے ہیں، کسی زمانے میں ایک قوم کے تھے۔ تب سے ہم میں بہت فرق ہو گیا ہے۔
 اور ہم اپنے پرانے رشتے بھول گئے ہیں۔ ہر ایک ملک کے آدمی خیال کرتے ہیں کہ ہم ہی
 سب سے اچھے اور عقل مند ہیں اور دوسری جاتیاں ہم سے گھٹیا ہیں۔ انگریز خیال کرتا ہے کہ
 وہ اور اس کا ملک سب سے اچھا ہے، فرانسیسی کو اپنے ملک اور اپنی فرانسیسی چیزوں پر گھمنڈ
 ہے۔ جرمن اور ایٹالین اپنے ملکوں کو سب سے اونچا سمجھتے ہیں۔ اور بہت سے ہندوستانیوں کا
 خیال ہے کہ ہندوستان بہت سی باتوں میں ساری دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ سب ڈیک
 ہے۔ ہر ایک آدمی اپنے کو اور اپنے ملک کو اچھا سمجھتا ہے لیکن دراصل کوئی ایسا آدمی نہیں ہے
 جس میں کچھ عیب اور کچھ ہنر نہ ہوں اسی طرح کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس میں کچھ باتیں
 اچھی اور کچھ بری نہ ہوں۔ ہمیں جہاں کوئی اچھی بات ملے اسے لے لینا چاہیے اور برائی
 جہاں کہیں ہو اسے دور کر دینا چاہیے ہمیں تو اپنا ملک ہندستان کی سب سے زیادہ فکر ہے۔
 ہمارے در بھاگیہ سے اس زندگی میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہمیں اس کا پتا لگتا ہے کہ ہم انہیں
 کیسے سکمی بنا سکتے ہیں۔ یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے رسم و رواج میں کیا خوبیاں ہیں۔ اور ان کو
 بچانے کی کوشش کرنا ہے، جو برائیاں ہیں انہیں دور کرنا ہے۔ اگر ہمیں دوسرے ملکوں میں کوئی
 اچھی بات ملے تو ہمیں اسے ضرور لے لینا چاہیے۔

ہم ہندستانی ہیں اور ہمیں ہندستان میں رہنا ہے۔ اور اس کی بھلائی کے لیے کام کرنا
 ہے، لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ دنیا کے اور حصوں میں رہنے والے ہمارے رشتے دار اور
 کٹھنی ہیں۔ کیا ہی اچھی بات ہوتی کہ دنیا کے سبھی آدمی سکمی اور خوش ہوتے۔ ہمیں کوشش
 کرنا چاہیے کہ ساری دنیا ایسی ہو جائے جہاں لوگ چین سے رہ سکیں۔

سمیٹا کیا ہے

میں قصیں آج پرانے زمانے کی سمیٹا کا کچھ حال بتاتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سمیٹا کا ارتھ کیا ہے۔ کوش میں تو اس کا ارتھ لکھا ہے اچھا کرتا، سدھارتا، جنگلی عادتوں کی جگہ اچھی عادتیں پیدا کرتا۔ اور اس کا دیوہار کسی سماج یا جاتی کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ آدمی کی جنگلی دشا کو، جب وہ بالکل جانوروں کا سا ہوتا ہے برہمنا کہتے ہیں۔ سمیٹا اس کی بالکل انٹی چیز ہے۔ ہم برہمنا سے جتنا دور جاتے ہیں اتنے ہی سمیہ ہوتے جاتے ہیں۔

لیکن ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ کوئی آدمی یا سماج جنگلی ہے یا سمیہ؟ یورپ کے بہت سے آدمی سمجھتے ہیں کہ ہمیں سمیہ ہیں اور ایشیا والے جنگلی ہیں۔ کیا اس کا یہ سبب ہے کہ یورپ والے ایشیا اور افریقہ والوں سے زیادہ کپڑے پہنتے ہیں؟ لیکن کپڑے تو آب و ہوا پر زبھر کرتے ہیں۔ ٹھنڈے ملک میں لوگ گرم ملک کے لوگوں والوں سے زیادہ کپڑے پہنتے ہیں تو کیا اس کا یہ سبب ہے کہ جس کے پاس بندوق ہے وہ ہتھیے آدمی سے زیادہ مضبوط ہے اور اس لیے زیادہ سمیہ ہے؟ چاہے وہ زیادہ سمیہ ہو یا نہ ہو۔ کمزور آدمی اس سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ سمیہ نہیں ہیں، کہیں مضبوط آدمی جھلا کر اسے گولی مار دے، تو وہ بیچارہ کیا کرے گا۔

قصیں معلوم ہے کہ کئی سال پہلے ایک بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ دنیا کے بہت سے ملک اس میں شریک تھے اور ہر ایک آدمی دوسری طرف کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو مار ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انگریز جرمنی والوں کے خون کے پیاسے تھے اور جرمن انگریزوں کے خون کے۔ اس لڑائی میں لاکھوں آدمی مارے گئے اور ہزاروں کے انگ بھگ ہو گئے۔ کوئی اندھا ہو گیا، کوئی ٹنگڑا ور لولا، تم نے فرانس اور دوسری جگہ بھی ایسے بہت سے لڑائی کے زخم دیکھے ہوں گے۔ پیرس کی شرمگ والی ریل گاڑی میں، جسے میٹرو کہتے ہیں، ان کے لیے خاص جگہیں ہیں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح اپنے بھائیوں کو مارنا سمیٹا اور سمجھداری کی بات ہے؟ دو آدمی گلیوں میں لڑنے لگتے ہیں تو، پولیس والے ان میں چھ بچاؤ کر دیتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں کتنے بے وقوف ہیں۔ تو جب، بڑے بڑے ملک آپس میں لڑنے

لکھیں اور ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو مارنے لگیں تو وہ کتنی بڑی بے وقوفی اور پاگل پن
 ہے۔ یہ ٹھیک ویسا ہی ہے کہ جیسے دو وحشی آپس میں لڑ رہے ہوں۔ اور اگر وحشی آدمی جنگلی
 کہے جاسکتے ہیں تو وہ مورکھ کس قدر جنگلی ہیں جو آپس میں اس طرح لڑ رہے ہیں؟
 اگر اس نگاہ سے تم اس معاملے کو دیکھو، تو تم فوراً کہو گی کہ انگینڈ، جرمنی، فرانس،
 اٹلی اور بہت سے دوسرے ملک جنہوں نے اتنی مار کاٹ کی ذرا بھی سمجھ نہیں ہیں اور تم
 جانتی ہو کہ ان ملکوں میں کتنی اچھی اچھی چیزیں ہیں اور وہاں کتنے اچھے اچھے آدمی رہتے ہیں۔
 اب تم کہو گی کہ سمیتا کا مطلب سمجھنا آسان نہیں ہے، اور یہ ٹھیک ہے۔ یہ بہت ہی
 مشکل معاملہ ہے۔ اچھی اچھی عمارتیں، اور اچھی اچھی تصویریں اور کتابیں اور طرح طرح کی
 دوسری اور خوبصورت چیزیں ضرور سمیتا کی پہچان ہیں مگر ایک بھلا آدمی جو سوائی نہیں ہے وہ
 سب کی بھلائی کے لیے دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ سمیتا کی اس سے بھی بڑی
 پہچان ہے۔ مل کر کام کرنا اکیلے کام کرنے سے اچھا ہے، اور سب کی بھلائی کے لیے ایک
 ساتھ مل کر کام کرنا سب سے اچھی بات ہے۔

جاتیوں کا بننا

میں پچھلے غلطوں میں قصصیں بتلایا کہ شروع میں جب آدمی پیدا ہوا تو وہ بہت کچھ جانوروں سے ملتا تھا۔ دھیرے دھیرے ہزار درشوں میں اس نے ترقی کی اور پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گیا۔ پہلے وہ اکیلے ہی جانوروں کا شکار کرتا ہوگا، جیسے جنگلی جانور آج بھی کرتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اور آدمیوں کے ساتھ ایک گروہ میں رہنا زیادہ عقل کی بات ہے اور اس میں جان جانے کا ڈر بھی کم ہے۔ ایک ساتھ رہ کر وہ زیادہ مضبوط ہو جاتے تھے اور جانوروں یا دوسرے آدمیوں کے حملوں کا زیادہ اچھی طرح مقابلہ کر سکتے تھے۔ جانور بھی تو اپنی رکشا کے لیے اکثر جھنڈوں میں ہی رہا کرتے ہیں۔ بھیڑ، بکریاں اور ہرن، یہاں تک کہ ہاتھی بھی جھنڈوں میں ہی رہتے ہیں۔ جب جھنڈا سوتا ہے، تو ان میں سے ایک جاگتا رہتا ہے اور ان کا پہرا دیتا ہے۔ تم نے بھیڑیوں کے جھنڈ کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ روس میں جاڑوں کے دنوں میں وہ جھنڈ باندھ کر چلا کرتے ہیں۔ اور جب انھیں بھوک لگا کرتی ہے، جاڑوں میں انھیں زیادہ بھوک لگتی بھی ہے تو آدمیوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ ایک بھیڑیا کبھی آدمی پر حملہ نہیں کرتا لیکن ایک جھنڈ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ کئی آدمیوں پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔ تب آدمیوں کو اپنی جان لے کر بھاگنا پڑتا ہے اور اگر اکثر بھیڑیوں اور برف والی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے آدمیوں میں دوڑ ہوتی ہے۔

اس طرح پرانے زمانے کے آدمیوں نے سمجھا میں جو پہلی ترقی کی وہ مل کر جھنڈوں میں رہتا تھا۔ اس طرح جاتیوں (فروق) کی بنیاد پڑی۔ وہ ساتھ ساتھ کام کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ہر ایک آدمی پہلے اپنی جاتی کا خیال کرتا تھا اور تب اپنا۔ اگر جاتی پر کوئی سنگ آتا تو ہر ایک آدمی جاتی کی طرف سے لڑتا تھا۔ اور اگر کوئی آدمی جاتی کے لیے لڑنے سے انکار کرتا تو باہر نکال دیا جاتا تھا۔

اب اگر بہت سے آدمی ایک ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہیں تو انھیں قاعدے کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔ اگر ہر ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق کام کرے تو وہ جاتی بہت دن نہ چلے گی۔ اس لیے کسی ایک کو ان کا سردار بننا پڑتا ہے۔ جانوروں کے جھنڈوں میں بھی تو سردار ہوتے ہیں۔ جاتیوں میں وہی آدمی سردار چنا جاتا ہے جو سب سے مضبوط ہوتا ہے۔

اس لیے کہ اس زمانے میں بہت لڑائیاں کرنا پڑتی تھیں۔

اگر ایک جاتی کے آدمی آپس میں لڑنے لگیں تو جاتی نفع ہو جائے گی۔ اس لیے سردار دیکھتا رہتا تھا کہ لوگ آپس میں نہ لڑنے پاویں۔ ہاں ایک جاتی دوسری جاتی سے لڑ سکتی تھی اور لڑتی تھی۔ یہ طریقہ اس پرانے طریقہ سے اچھا تھا جب ہر ایک آدمی اکیلا ہی لڑتا تھا۔ شروع شروع کی جاتیاں بڑے بڑے پریواروں کی طرح رہیں ہوں گی۔ اس کے سب آدمی ایک دوسرے کے رشتے دار ہوتے ہوں گے۔ جوں جوں یہ پریوار بڑھے، جاتیاں بھی بڑھیں۔

اس پرانے زمانے میں آدمی کا جیون بہت کٹھن رہا ہوگا، خاص کر جاتیاں بننے سے پہلے۔ نا ان کے پاس کوئی گھر تھا، نہ کپڑے تھے۔ ہاں، شاید جانوروں کی کھالیں پہننے کو مل جاتی ہوں اور اسے برابر لٹا پڑتا ہوگا۔ اپنے بھوجن کے لیے یا تو جانوروں کا شکار کرتا پڑتا تھا، یا جنگی پھل جمع کرنے پڑتے تھے۔ اسے اپنے چاروں طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے ہوں گے۔ پر کرتی بھی اسے دشمن معلوم ہوتی ہوگی، کیونکہ اولے اور برف اور بھونچال وہی تو لاتی تھی۔ پھارے کی دشا سکتی دین تھی۔ زمین پر ریک رہا ہے، اور ہر ایک چیز سے ڈرتا ہے اس لیے کہ وہ کوئی بات سمجھ نہیں سکتا۔ اگر اولے گرتے تو وہ سمجھتا کہ کوئی دیوتا بادل میں بیٹھا ہوا اس پر نشانہ مار رہا ہے۔ وہ ڈر جاتا تھا اور اس بادل میں بیٹھے ہوئے آدمی کو خوش کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا جو اس پر اولے اور پانی اور برف گرا رہا تھا۔ لیکن اسے خوش کرے تو کیسے! نہ وہ بہت سمجھدار تھا، اور نہ ہوشیار تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ بادلوں کا دیوتا ہماری ہی طرح ہوگا۔ اور کھانے کی چیزیں پسند کرتا ہوگا۔ اس لیے وہ کچھ مانس رکھ دیا کرتا تھا، یا کسی جانور کی قربانی کر کے چھوڑ دیتا تھا کہ دیوتا آکر کھالے۔ وہ سوچتا تھا کہ اس اپائے سے اولایا پانی بند ہو جائے گا۔ ہمیں یہ پاگل پن معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم میہ یا اولے یا برف کے گرنے کا سبب جانتے ہیں۔ جانوروں کے مارنے سے اس کا کوئی سمجھ نہیں ہے۔ لیکن آج بھی ایسے آدمی موجود ہیں جو اتنے نا سمجھ ہیں کہ اب تک وہی کام کیے جاتے ہیں۔

مذہب کی شروعات اور کام کا بیڑا

پچھلے خط میں میں نے تمہیں بتلایا تھا کہ پرانے زمانے میں آدمی ہر ایک چیز سے ڈرتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ اس پر مصیبتیں لانے والے دیوتا ہیں جو کروڑھی ہیں اور ایڑیا کرتے ہیں۔ اسے یہ فرضی دیوتا جنگل، پہاڑ، ندی، بادل سبھی جگہ نظر آتے تھے۔ دیوتا کو وہ دیا لو اور نیک نہیں سمجھتا تھا، اس کے خیال میں وہ بہت ہی کروڑھی تھا اور بات بات پر جھلا اٹھتا تھا۔ اور چونکہ وہ اس کے غصے سے ڈرتے تھے اس لیے وہ اسے بیعت دے کر، خاص کر کھانا پہنچا کر، ہر طرح کی رشوت دینے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ جب کوئی بڑی آفت آجاتی تھی، جیسے بھونچال یا باڑھ، مہماری جس میں بہت سے آدمی مر جاتے تھے، تو وہ لوگ ڈر جاتے تھے اور سوچتے تھے کہ دیوتا ناراض ہیں۔ انہیں خوش کرنے کے لیے وہ انہیں مردوں عورتوں کا بلیدان کرتے، یہاں تک کہ اپنے ہی بچوں کو مار کر دیوتاؤں کو چڑھا دیتے۔ یہ بڑی بھیا تک بات معلوم ہوتی ہے لیکن ڈرا ہوا آدمی جو کچھ نہ کر بیٹھے تھوڑا ہے۔

اس طرح مذہب شروع ہوا ہوگا۔ اس لیے مذہب پہلے ڈر کے روپ میں آیا اور جو بات ڈر سے کی جائے بری ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مذہب ہمیں بہت سی اچھی اچھی باتیں سکھاتا ہے۔ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تم دنیا کے مذہبوں کا حال پڑھو گی۔ اور تمہیں معلوم ہوگا کہ مذہب کے نام پر کیا کیا بری اور اچھی باتیں کی گئیں ہیں۔ یہاں ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذہب کا خیال کیسے پیدا ہوا، اور کیوں کر بڑھا۔ لیکن چاہے وہ جس طرح بڑھا ہو ہم آج بھی لوگوں کو مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے لڑتے اور سر پھاڑتے دیکھتے ہیں۔ بہت سے آدمیوں کے لیے مذہب آج بھی ویسی ہی ڈراؤنی چیز ہے۔ وہ اپنا وقت فرضی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مندروں میں پوجا چڑھانے اور جانوروں کی قربانی کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں آدمی کو کتنی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسے روز کا کھانا تلاش کرنا پڑتا تھا۔ نہیں تو بھوکوں مر جاتا۔ ان دنوں کوئی آلسی آدمی زندہ نہ

وہ سکتا تھا کوئی ایسا بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک ہی دن بہت سا کھانا جمع کر لے اور بہت دنوں تک آرام سے گزارے۔

جب جاتاں (فرتے) بن گئیں، تو آدمی کو کچھ سودھا ہوگئی۔ ایک جاتی کے سب آدمی مل کر اس سے زیادہ کھانا جمع کر لیتے تھے۔ جتنا کہ وہ الگ الگ کر سکتے تھے۔ تم جانتی ہو کہ مل کر کام کرنا یا سہوگ، ایسے بہت سے کام کرنے میں مدد دیتا ہے جو ہم اکیلے نہیں کر سکتے۔ ایک یا دو آدمی ہماری بوجھ نہیں اٹھا سکتے، لیکن کئی آدمی مل کر آسانی سے اٹھا لے جاسکتے ہیں۔ دوسری بڑی ترقی جو اس زمانے میں ہوئی وہ کھیتی تھی۔ تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کھیتی کا کام پہلے کچھ چینیوں نے شروع کیا تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ چینیوں جی بوتس، بل چلاتیں یا کھیتی کا نہیں ہیں۔ مگر وہ کچھ اس طرح کی باتیں کرتی ہیں۔ اگر انہیں ایسی جھاڑی ملتی ہے جس سے وہ جگ کھاتی ہوں تو وہ بڑی ہوشیاری سے اس کے آس پاس کی گھاس نکال ڈالتی ہیں۔ اس سے وہ درخت زیادہ پھلتا پھولتا ہے اور بڑھتا ہے شاید کسی زمانے میں آدمیوں نے بھی یہی کیا ہوگا جو چینیوں کرتے ہیں۔ تب انہیں یہ سمجھ گیا تھا کہ کھیتی کیا چیز ہے اس کے جاننے میں انہیں ایک زمانہ گزر گیا ہوگا اور تب انہیں معلوم ہوا ہوگا کہ جگ کیسے بویا جاتا ہے۔

کھیتی شروع ہو جانے پر کھانا ملنا بہت آسان ہو گیا۔ آدمی کو کھانے کے لیے سارے دن شکار کرنا پڑتا تھا۔ اس کی زندگی پہلے سے زیادہ آرام سے گزرنے لگی۔ اسی زمانے میں ایک اور بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ کھیتوں سے پہلے ہر آدمی شکاری تھا اور شکار اس کا ایک کام تھا۔ عورتیں شاید بچوں کی دیکھ رکھ کر کرتی ہوں گی اور پھل بڑرتی ہوں گی۔ لیکن جب کھیتی شروع ہوگئی تو طرح طرح کے کام نکل آئے۔ کھیتوں میں بھی کام کرنا پڑتا تھا، شکار کرنا، گائے بیلوں کی دیکھ رکھ کرنا بھی ضروری تھا۔ عورتیں شاید گایوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور ان کو دہتی تھیں۔ کچھ آدمی ایک طرح کا کام کرنے لگے، کچھ دوسری طرح کا۔

آج تمہیں دنیا میں ہر ایک آدمی ایک خاص قسم کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی سڑکوں اور پلوں کو بنانے والا، انجینئر، کوئی بڑھتی، کوئی لوہار، کوئی گھروں کا بنانے والا، کوئی موچی کوئی درزی وغیرہ۔ ہر ایک آدمی کا اپنا الگ پیشہ ہے اور دوسرے پیشہ کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ اسے کام کا بائٹا کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی ایک ہی کام

کرے تو اسے بہت اچھی طرح کرے گا۔ بہت سے کام وہ اتنی اچھی طرح پورے نہیں کر سکتا، دنیا میں آج کل اسی طرح کام بننا ہوا ہے۔
جب کھیتی شروع ہوئی تو پرانی جاتیوں میں اسی طرح دیرے دیرے کام کا بننا شروع ہوا۔

کھیتی سے پیدا ہوئی تبدیلیاں

اپنے پچھلے خط میں میں نے کاموں کو الگ الگ کیے جانے کا کچھ حال بتلایا تھا۔ بالکل شروع میں جب آدمی صرف شکار پر بسر کرتا تھا۔ کام بے ہوئے نہ تھے۔ ہر ایک آدمی شکار کرتا تھا۔ اور مشکل سے کھانے بھر کو پاتا تھا۔ پہلے مردوں اور عورتوں کے بیچ میں کام بٹنا شروع ہوا ہوگا۔ مرد شکار کرتا ہوگا اور عورت گھر میں رہ کر بچوں اور پالتو جانوروں کی نگرانی کرتی ہوگی۔

جب آدمیوں نے کھیتی کرنا سیکھا تو بہت سی نئی نئی باتیں نکلیں۔ پہلی بات یہ ہوئی کہ کام کئی حصوں میں بٹ گیا۔ کچھ لوگ شکار کھیلتے اور کچھ کھیتی کرتے اور مل چلاتے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے آدمی نے نئے پٹے پکھے اور ان میں بکے ہو گئے۔

کھیتی کرنے کا دوسرا اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گاؤں اور قصبوں میں آباد ہونے لگے۔ کھیتی کے پہلے لوگ ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے اور شکار کرتے تھے۔ ان کے لیے ایک جگہ رہنا ضروری نہیں تھا۔ شکار ہر ایک جگہ مل جاتا تھا۔ اس کے سوا انھیں گایوں بکریں اور اپنے دوسرے جانوروں کی وجہ سے ادھر ادھر گھومنا پڑتا تھا۔ ان جانوروں کے چرانے کے لیے چراگاہ کی ضرورت تھی۔ ایک جگہ کچھ دنوں تک چرانے کے بعد زمین میں جانوروں کے لیے کافی گھاس نہ پیدا ہوتی تھی اور ساری جاتی کو دوسری جگہ جانا پڑتا تھا۔

جب لوگوں کو کھیتی کرنا آ گیا تو ان کا زمین کے پاس رہنا ضروری ہو گیا۔ زمین کو جوت بو کر وہ چھوڑ نہ سکتے تھے۔ انھیں سال بھر تک لگا کر کھیتی کا کام لگا ہی رہتا تھا اور اس طرح گاؤں اور شہر بن گئے۔

دوسری بڑی بات جو کھیتی سے پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ آدمی کی زندگی زیادہ آرام سے کٹنے لگی۔ کھیتی سے زمین میں کھانا پیدا کرنا سارے دن شکار کھیلنے سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ اس کے سوا زمین میں کھانا بھی اتنا پیدا ہوتا تھا جتنا وہ ایک دم کھا نہیں سکتے تھے اسے وہ حفاظت میں رکھتے تھے۔ ایک اور مزے کی بات سنو۔ جب آدمی پنٹ شکاری تھا تو وہ کچھ جمع

نہ کر سکتا تھا یا کر بھی سکتا تھا تو بہت کم، کسی طرح پیٹ بھر لیتا تھا۔ اس کے پاس بینک نہ تھے، جہاں وہ اپنے روپے و دوسری چیزیں رکھ سکتا۔ اسے تو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے روز شکار کھیلنا پڑتا تھا، کھیتی میں اسے ایک فصل میں ضرورت سے زیادہ مل جاتا تھا اس فالتو کھانے کو وہ جمع کر دیتا تھا۔ اس طرح لوگوں نے فالتو اناج جمع کرنا شروع کیا۔ لوگوں کے پاس فالتو کھانا اس لیے ہو جاتا تھا کہ وہ اس سے کچھ زیادہ محنت کرتے تھے جتنا صرف پیٹ بھرنے کے لیے ضروری تھا۔ تمھیں معلوم ہے کہ آج کل بینک کھلے ہوئے ہیں جہاں لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں اور چیک لکھ کر نکال سکتے ہیں۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ اگر تم غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ یہ فالتو روپیہ یعنی ایسا روپیہ جسے لوگوں کو ایک بارگی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے وہ بینک میں رکھتے ہیں۔ وہی لوگ مالدار ہیں جن کے پاس بہت سا فالتو روپیہ ہے، اور جن کے پاس کچھ نہیں ہے وہ غریب ہیں۔ اگر تمھیں معلوم ہوگا کہ فالتو روپیہ آتا کہاں سے ہے۔ اس کا سبب نہیں ہے کہ آدمی دوسرے سے زیادہ کام کرتا ہے۔ زیادہ کماتا ہے بلکہ آج کل جو آدمی بالکل کام نہیں کرتا اس کے پاس تو بچت ہوتی ہے اور جو پسینہ بہاتا ہے اسے خالی ہاتھ رہنا پڑتا ہے۔ کتنا برا انتظام ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اسی برے نظام کے سبب سے دنیا میں آج کل اتنے غریب آدمی ہیں۔ ابھی شاید تم یہ بات سمجھ نہ سکو اس لیے اس میں سر نہ کھپاؤ۔ تھوڑے دنوں میں تم اسے سمجھنے لگو گی۔

اس وقت تو تمھیں اتنا ہی جانا کافی ہے کہ کھیتی سے آدمی کو اس سے زیادہ کھانا ملنے لگا، جتنا وہ ایک دم کھا سکتا تھا یا جمع کر لیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں نہ روپے تھے نہ بینک۔ جن کے پاس بہت سی گائیں، بھیڑیں، اونٹ یا اناج ہوتا تھا وہی امیر کہلاتے تھے۔

خاندان کا سرغنہ کیسے بنا

مجھے بسے ہے کہ میرے خطا کچھ عجیبہ ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اب زندگی بھی تو عجیبہ ہو گئی ہے۔ پرانے زمانے میں لوگوں کی زندگی بہت سادی تھی۔ اب ہم اس زمانے پر آگئے ہیں جب زندگی عجیبہ ہوئی شروع ہوئی اگر ہم پرانی باتوں کو ذرا سادہ دھانی کے ساتھ جانچے اور ان تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جو آدمی کی زندگی اور سماج میں پیدا ہوتی گئی تو ہماری سمجھ میں بہت سی باتیں آجائیں گی۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہم ان باتوں کو کبھی نہ سمجھ سکیں گے، جو آج دنیا میں ہو رہی ہیں۔ ہماری حالت ان بچوں کی سی ہوگی جو کسی جنگل میں راستہ بھول جائیں۔ یہی سبب ہے کہ تمہیں ٹھیک جنگل کے کنارے پر لیے چلتا ہوں تاکہ ہم اس میں سے اپنا راستہ ڈھونڈ لکالیں۔

تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے مجھ سے مسوری میں پوچھا تھا کہ بادشاہ کیا ہیں اور وہ کیسے بادشاہ ہو گئے۔ اس لیے ہم اس پرانے زمانے پر ایک نظر ڈالیں گے جب راجا بننے شروع ہوئے۔ پہلے پائل وہ راجا نہ کہلاتے تھے۔ اگر ان کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ شروع کیسے ہوئے۔

میں جاتوں کے بننے کا حال تمہیں بتا چکا ہوں۔ جب کھیتی باڑی شروع اور لوگوں کے کام الگ الگ ہو گئے تو یہ ضروری ہو گیا کہ جاتی کا کوئی بڑا بوڑھا کام کو آپس میں بانٹ دے۔ اس کے پہلے بھی جاتوں میں ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی تھی جو انہیں دوسری جاتوں سے لڑنے کے لیے تیار کرے۔ اکثر جاتی کا سب سے بوڑھا آدمی سرغنہ ہوتا تھا۔ وہ جاتی کا بزرگ کہلاتا تھا۔ سب سے بوڑھا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ سب سے زیادہ تجربے کار اور ہوشیار ہے۔ یہ بزرگ جاتی کے اور آدمیوں کی ہی طرح ہوتا تھا۔ وہ دوسروں کے ساتھ کام کرتا تھا اور جتنی کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی تھیں وہ جاتی کی سب آدمیوں میں بانٹ دی جاتی تھیں۔ ہر ایک چیز جاتی کی ہوتی تھی۔ آج کل کی طرح ایسا نہ ہوتا تھا کہ ہر ایک آدمی کا اپنا مکان اور دوسری چیزیں ہوں اور آدمی جو کچھ کماتا تھا وہ آپس میں بانٹ لیا

جاتا تھا کیونکہ وہ سب جاتی کا سمجھا جاتا تھا۔ جاتی کا بزرگ یا سرغنہ اس صے، بخرے کا انتظام کرتا تھا۔

لیکن تبدیلیاں بہت آہستہ آہستہ ہونے لگیں۔ کھیتی کے آجانے سے نئے نئے کام نکل آئے، سرغنہ کا اپنا بہت سا وقت انتظام کرنے میں اور یہ دیکھنے میں کہ سب لوگ اپنا اپنا کام ٹھیک طور پر کرتے ہیں یا نہیں خرچ کرنا پڑتا تھا۔ دھیرے دھیرے سرغنہ نے جاتی کے معمولی آدمیوں کی طرح کام کرنا چھوڑ دیا۔ وہ جاتی کے اور آدمیوں سے بالکل الگ ہو گیا۔ اب کام کی مٹائی بالکل دوسرے ڈھنگ کی ہو گئی۔ سرغنہ تو انتظام کرتا تھا، اور آدمیوں کو کام کرنے کا حکم دیتا تھا، اور دوسرے لوگ کھیتوں میں کام کرتے تھے، شکار کرتے تھے۔ یا لڑائیوں میں جاتے تھے اور اپنے سرغنوں کے حکم مانتے تھے۔ اگر دو جاتیوں میں لڑائی ٹھن جاتی تو سرغنہ اور بھی طاقتور ہو جاتا کیونکہ لڑائی کے زمانے میں بغیر کسی اکوا کے اچھی طرح لڑنا ممکن نہ تھا۔ اس طرح سرغنہ کی طاقت بڑھ گئی۔

جب انتظام کرنے کا کام بہت بڑھ گیا تو سرغنہ کے لیے اکیلے سب کام مشکل ہو گیا۔ اس نے اپنی مدد کے لیے دوسرے آدمیوں کو لیا۔ انتظام کرنے والے بہت سے ہو گئے۔ ہاں، ان کا اکوا سرغنہ ہی تھا۔ اس طرح جاتی دو حصوں میں بٹ گئی۔ جو لوگ انتظام کرتے تھے ان کا معمولی مزدوروں پر دباؤ ہوتا تھا۔

اگلے خط میں میں دکھاؤں گا کہ سرغنہ کا ادھیکار کیوں کر بڑھا۔

سرغنہ کا اختیار کیسے بڑھا

مجھے امید ہے کہ پرانی جاتیوں اور ان کے بزرگوں کا حال تمہیں روکھانہ معلوم ہوتا ہوگا۔ میں نے تمہیں اپنے پچھلے خط میں بتلایا تھا کہ اس زمانے میں ایک چیز ساری جاتی کی ہوتی تھی کسی کی الگ نہیں۔ سرغنہ کے پاس بھی اپنی کوئی خاص چیز نہ ہوتی تھی۔ جاتی کے اور آدمیوں کی طرح اس کا بھی ایک ہی حصہ ہوتا تھا۔ لیکن وہ انتظام کرنے والا تھا اور اس کا یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ جاتی کے مال اور جائیداد کی دیکھ ریکھ کرتا رہے۔ جب اس کا ادھیکار بڑھا تو اسے یہ سوچھی کہ وہ مال اور اسباب جاتی کا خود مختار بھی ہے اس طرح کسی چیز کو اپنا سمجھنے کا خیال پیدا ہوا۔ آج ہر ایک چیز کو میرا کہتا اور سمجھتا معمولی بات ہے۔ لیکن میں جیسا تم سے پہلے کہہ چکا ہوں ان پرانی جاتیوں کے مرد اور عورت اس طرح خیال نہ کرتے تھے۔ تب ہر ایک چیز ساری جاتی کی ہوتی تھی۔ آخر یہ ہوا کہ سرغنہ اپنے ہی کو جاتی کا مختار سمجھنے لگا۔ اس لیے جاتی کا مال و اسباب اسی کا ہو گیا۔

جب سرغنہ مرجاتا تھا تو جاتی کے سب آدمی جمع ہو کر کوئی دوسرا سرغنہ چنتے تھے۔ لیکن عام طور پر سرغنہ کے خاندان کے لوگ انتظام کے کام کو دوسرے سے زیادہ سمجھتے تھے۔ سرغنہ کے ساتھ ہمیشہ رہنے اور اس کے کام میں مدد دینے کی وجہ سے وہ ان کاموں کو خوب سمجھ جاتے تھے۔ اس لیے جب کوئی بوڑھا سرغنہ مرجاتا ہے تو جاتی کے لوگ اسی خاندان کے کسی آدمی کو سرغنہ چن لیتے تھے اس طرح سے سرغنہ کا خاندان دوسرے سے الگ ہو گیا اور جاتی کے لوگ اسی خاندان سے اپنا سرغنہ چنتے لگے یہ تو ظاہر ہے کہ سرغنہ کو بڑے اختیار ہوتے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا یا بھائی اس کی جگہ سرغنہ بنے اور بھروسہ اس کی کوشش کرتا تھا۔ اس لیے وہ اپنے بھائی یا بیٹے کسی گئے رشتے دار کو کام سکھایا کرتا تھا جس سے وہ اس کی مدد پر بیٹھے۔ وہ جاتی کو لوگوں سے کبھی کبھی کہہ بھی دیا کرتا تھا کہ فلاں آدمی جسے میں نے

کام سکھادیا میرے بعد سرغنہ چتا جاوے۔ شروع میں شاید جاتی کے آدمیوں کو یہ تاکید اچھی نہ لگی ہو لیکن تھوڑے ہی دنوں میں انہیں اس کی عادت پڑ گئی اور وہ اس کا حکم ماننے لگے۔ نئے سرغنہ کا چتاؤ بند ہو گیا۔ بوڑھا سرغنہ طے کر دیتا تھا کہ کون اس کے بعد سرغنہ ہوگا اور وہی ہوتا تھا۔

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ سرغنہ کی جگہ موروثی ہو گئی یعنی اسی خاندان میں باپ کے بعد بیٹا یا کوئی اور رشتے دار سرغنہ ہونے لگا۔ سرغنہ کو اب پورا بھروسہ ہو گیا کہ جاتی کا مال اسباب دراصل میرا ہی ہے یہاں تک کہ اس کے مرجانے کے بعد بھی وہ اس کے خاندان میں ہی رہتا تھا۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ میرا تیرا کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ شروع میں کسی کے دل میں یہ بات نہ تھی۔ سب لوگ مل کر جاتی کے لیے کام کرتے تھے، اپنے لیے نہیں۔ اگر بہت سی کھانے کی چیزیں پیدا کرتے، تو جاتی کے ہر ایک آدمی کو اس کا حصہ مل جاتا تھا۔ جاتی میں امیر غریب کا فرق نہ تھا۔ سبھی لوگ جاتی کی جائداد میں برابر کے حصے دار تھے۔ لیکن جیوں ہی سرغنہ نے جاتی کی چیزوں کو ہڑپ کرنا شروع کیا اور انہیں اپنی کہنے لگا۔ لوگ امیر اور غریب ہونے لگے۔ اگلے خط میں اس کے بارے میں کچھ اور لکھوں گا۔

سرغنہ راجا ہو گیا

بوڑھے سرغنہ نے ہمارا بہت سا وقت لے لیا۔ لیکن ہم اس سے جلد ہی فرصت پا جائیں گے یا یوں کہو اس کا نام کچھ اور ہو جائے گا۔ میں نے قسمیں یہ بتلانے کا وعدہ کیا تھا کہ راجا کیسے ہوئے اور وہ کون تھے۔ اور راجاؤں کا حال سمجھنے کے لیے پرانے زمانے کے سرغنہ کا ذکر ضروری تھا۔ تم نے تاڑ لیا ہوگا کہ یہ سرغنہ بعد میں راجا مہاراجا بن بیٹھے۔ پہلے وہ اپنی جاتی کا آگوا ہوتے تھے۔ انگریزی میں اسے پیئر یارک کہتے ہیں۔ پیئر یارک لیٹن شہد پیئر سے نکلا ہے۔ جس کے معنی پتا کے ہیں۔ پیئر یارک بھی اس لیٹن شہد سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں پتر بھوی۔ فرانسیسی میں اسے پاتری کہتے ہیں۔ سنسکرت اور ہندی میں ہم اپنے ملک کو ماتر بھوی کہتے ہیں قسمیں کون پسند ہے؟ جب سرغنہ کی جگہ موروثی ہوگئی یا باپ کے بعد بیٹے کو ملنے لگی تو اس میں اور راجا میں کوئی فرق نہ رہا۔ وہی راجا بن بیٹھا اور راجا کے دماغ میں یہ بات سماگئی کہ ملک کی سب چیزیں میری ہی ہیں۔ اس نے اپنے کو سارا ملک سمجھ لیا۔ ایک مشہور فرانسیسی بادشاہ نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ میں ہی راجہ ہوں۔ راجا بھول گئے کہ لوگوں نے انہیں صرف اس لیے چنا ہے کہ وہ انتظام کرے اور ملک کی کھانے کی چیزیں اور دوسرے سامان آدمیوں میں بانٹ دے۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ وہ صرف اس لیے چنے جاتے تھے کہ وہ اس جاتی یا ملک میں سب سے ہوشیار اور تجربہ کار سمجھے جاتے تھے۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم مالک ہیں اور ملک کے سب آدمی ہمارے نوکر ہیں۔ اصل میں وہ ہی ملک کے نوکر تھے۔

آگے چل کر جب تم اتھاس پڑھوگے، تو قسمیں معلوم ہوگا کہ راجا اتنے احمقانہ ہو گئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ پرچا کو ان کے چناؤ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں ایٹور نے راجا بنایا ہے۔ اسے وہ ایٹور کا دیا ہوا حق کہنے لگے۔ بہت دنوں تک یہ بے انسانی کرتے رہے۔ اور خوب عیش کے ساتھ راجہ کے مزے اڑاتے رہے۔ اور ان کی پرچا بھوکوں مرتی رہی۔ لیکن آخر کار پرچا اسے برداشت نہ کر سکی اور بعض ملکوں میں انھوں نے راجاؤں کو مار بھگایا۔ تم آگے چل کر پڑھوگے کہ انگلینڈ کی پرچا اپنے راجا پرتھم چارلس کے خلاف اٹھ کھڑی

ہوئی تھی، اسے ہرا دیا اور مار ڈالا۔ اسی طرح فرانس کی پر جانے بھی ایک بڑے ہنگامے کے بعد یہ طے کیا کہ اب ہم کسی کو راجا نہ بنائیں گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ ہم فرانس کے کونسیئر زیری قید خانے کو دیکھنے گئے تھے۔ کیا تم ہمارے ساتھ تھیں۔ اس قید خانے میں فرانس کا راجا اور اس کی رانی میری انتہیت اور دوسرے لوگ رکھے گئے تھے۔ تم روس کی راجیہ کرائی کا حال بھی پڑھو گی۔ جب روس کی پر جانے کئی سال ہوئے اپنے راجا کو نکال باہر کیا جسے 'زار' کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجاؤں کے برے دن آگئے اور اب بہت سے ملکوں میں راجا ہیں ہی نہیں فرانس، جرمنی، روس، سوئزرلینڈ، امریکہ، چین اور بہت سے دوسرے ملکوں میں کوئی راجا نہیں ہے۔ وہاں پنچائی راج ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ پر جا سے پر اپنے حاکم اور اگوا جن لیتی ہے اور ان کی جگہ موروثی نہیں ہوتی۔

تمہیں معلوم ہے کہ انگلینڈ میں ابھی تک راجا ہے لیکن اسے کوئی ادھیکار نہیں ہیں وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ سب اختیار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ جس میں پر جا کے چنے ہوئے اگوا بیٹھتے ہیں۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے لندن میں پارلیمنٹ دیکھی تھی۔

ہندوستان میں ابھی تک بہت سے راجا، مہاراجا اور نواب ہیں۔ تم نے انہیں بڑھکیے کپڑے پہنے، قیمتی موٹر گاڑیوں میں گھومتے، اپنے اوپر بہت سا روپیہ خرچ کرتے دیکھا ہوگا۔ انہیں یہ روپیہ کہاں سے ملتا ہے؟ یہ رعایا پر ٹیکس لگا کر وصول کیا جاتا ہے۔ ٹیکس دیئے تو اس لیے جاتے ہیں کہ اس سے ملک کے سبھی آدمیوں کی مدد کی جائے، اسکول اور اسپتال، ہسپتال، اور عجائب گھر کھولے جائیں، اچھی سڑکیں بنائی جائیں اور پر جا کی بھلائی کے لیے اور بہت سے کام کیے جائیں۔ لیکن ہمارے راجا مہاراجا اسی فرانسیسی بادشاہ کی طرح اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں راجیہ ہیں اور پر جا کا روپیہ اپنے عیش میں اڑاتے ہیں، وہ تو اتنی شان سے رہتے ہیں ان کی پر جا جو پینہ بہا کر انہیں روپیہ دیتی ہے، بھوکوں مرتی ہے اور ان کے بچوں کے پڑھنے کے لیے مدرسے بھی نہیں ہوتے۔

شروع کا رہن سہن

سرفروں اور راجاؤں کی چرچا ہم کافی کرچکے۔ اب ہم اس زمانے کے رہن سہن اور آدمیوں کا کچھ حال لکھیں گے۔

ہمیں اس پرانے زمانے کے آدمیوں کا بہت زیادہ حال تو معلوم نہیں، پھر بھی پرانے پتھر کے چمک اور بڑے پتھر کے چمک کے آدمیوں سے کچھ زیادہ ہی معلوم ہے۔ آج بھی بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈر موجود ہیں۔ جنہیں بنے ہزاروں سال ہو گئے۔ ان پرانی عمارتوں، مندروں اور محلوں کو دیکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ پرانے آدمی کیسے تھے اور انہوں نے کیا کیا کام کیے اور پرانی عمارتوں کی سنگتراشی اور نقاشی سے خاص کر بڑی مدد ملتی ہے۔ ان پتھروں کے کاموں سے ہمیں کبھی کبھی اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ وہ لوگ کیسے کپڑے پہنتے تھے اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

ہم یہ تو ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ پہلے آدمی کہاں آباد ہوئے اور رہنے سہنے کے طریقے نکالے۔ بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ جہاں مہلائنگ ساگر ہے وہاں مہلائنگ نام کا ایک بہت بڑا ملک تھا۔ کہتے ہیں کہ اس ملک میں رہنے والوں کا رہن سہن بہت اونچے درجے کا تھا، لیکن کسی وجہ سے سارا ملک مہلائنگ ساگر میں سمٹ گیا اور اب اس کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے۔ اس لیے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن قصے کہانیوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں امریکہ میں اونچے درجے کی سہیتا پھیلی ہوئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ کولمبس کو امریکا کا پتہ لگانے والا کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کولمبس کے جانے سے پہلے امریکہ تھا ہی نہیں۔ اس کا خالی اتنا مطلب ہے کہ یورپ والوں کو کولمبس کے پہلے اس کا پتہ نہ تھا۔ کولمبس کے جانے کے بہت پہلے سے وہ ملک آباد اور سمجھیے تھا۔ مکینٹن میں، جو آئری امریکہ کے میکسیکو راجیہ میں ہے اور دکنی امریکہ کے ہندو راجیہ میں پرانی عمارتوں کے کھنڈر ہمیں ملتے ہیں۔ اس سے اس کا یقین

ہو جاتا ہے کہ بہت پرانے زمانے میں بھی پیرو اور مکین کے لوگوں میں سمیتا پھیلی ہوئی تھی لیکن ان کا اور زیادہ حال ہمیں اب تک نہیں معلوم ہو سکا۔ شاید کچھ دنوں کے بعد ہمیں ان کے بارے میں کچھ اور باتیں معلوم ہوں۔

یورپ اور ایشیا کو ملا کر یوریشیا کہتے ہیں۔ یوریشیا میں سب سے پہلے میسو پوٹامیا، مصر، کریم، ہندوستانی اور چین میں سمیتا پھیلی، مصر اب افریقہ میں ہے لیکن ہم اسے یوریشیا میں رکھ سکتے ہیں کیونکہ اس سے وہ بہت نزدیک ہے۔

پرانی جاتیاں جو ادھر ادھر گھومتی پھرتی تھیں، جب کہیں آباد ہونا چاہتی ہوں گی تو وہ کیسے جگہ پسند کرتی ہوں گی؟ وہ ایسی جگہ ہوتی ہوگی جہاں وہ آسانی سے کھانا پکائیں۔ ان کا کچھ کھانا کھیتی سے زمین میں پیدا ہوتا تھا اور کھیتی کے لیے پانی کا ہونا ضروری ہے۔ پانی نہ ملے تو کھیت سوکھ جاتے ہیں اور ان میں کچھ نہیں پیدا ہوتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ جب چوڑے میں ہندوستان میں کافی بارش نہیں ہوتی تو اناج بہت کم ہوتا ہے اور اکال پڑ جاتا ہے۔ غریب آدمی بھوکوں مرنے لگتے ہیں۔ پانی کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ پرانے زمانے کے آدمیوں کو ایسی ہی زمین چننی پڑی ہوگی جہاں پانی کی بہتات ہو۔ یہی ہوا بھی۔

میسو پوٹامیا میں وہ دجلہ اور فرات ان دو بڑی ندیوں کے بیچ آباد ہوئے۔ مصر میں نیل ندی کے کنارے۔ ہندوستان میں ان کے قریب قریب کبھی شہر سندھ، گنگا، جنا اتیادی بڑی بڑی ندیوں کے کنارے آباد ہوئے۔ پانی ان کے لیے اتنا ضروری تھا کہ وہ ان ندیوں کو دیوتا سمجھنے لگے جو انہیں کھانا اور آرام کی دوسری چیزیں دیتا تھا۔ مصر میں نیل کو 'پتا نیل' کہتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ ہندوستان میں گنگا کی پوجا ہونے لگی اور اب تک اسے پوتر سمجھا جاتا ہے۔ لوگ اسے گنگا مائی کہتے ہیں اور تم نے یاتریوں کو گنگا مائی کی بے کا شور مچاتے سنا ہوگا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ وہ کیوں ندیوں کی پوجا کرتے تھے۔ کیونکہ ندیوں سے ان کے سبھی کام نکلنے لگتے تھے۔ ان سے صرف پانی ہی نہ ملتا تھا۔ اچھی مٹی اور بالو بھی ملتی تھی جس سے ان کے کھیت ابھار ہو جاتے تھے۔ ندی ہی کے پانی اور مٹی سے تو اناج کے ڈھیر لگ جاتے تھے پھر وہ ندیوں کو کیوں نہ مانتا اور پتا کہتے۔ لیکن آدمیوں کی عادت ہے کہ اصلی سبب کو بھول جاتے ہیں وہ بنا سوچے کچھ لکیر پیٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ نیل اور گنگا کی بڑائی صرف اس لیے ہے کہ ان سے آدمیوں کو اناج اور پانی ملتا ہے۔

پرانی دنیا کے بڑے بڑے شہر

میں لکھ چکا ہوں کہ آدمیوں نے پہلے پہل بڑی بڑی ندیوں کے پاس اور اچھاڑ گھاٹیوں میں بستیاں بنائیں۔ جہاں انھیں کھانے کی چیزیں اور پانی بہتات سے مل سکتا تھا۔ ان کے بڑے بڑے شہر ندیوں کے کنارے پر تھے۔ تم نے ان میں بعض مشہور شہروں کا نام سنا ہوگا۔ میسوپوٹامیا میں بابل، نینوا اور اُس نام کے شہر تھے لیکن ان میں سے کسی شہر کا اب پتہ نہیں ہے۔ ہاں اگر بالو یا مٹی میں گہری کھدائی ہوتی ہے تو کبھی کبھی ان کے کھنڈر مل جاتے ہیں۔ ان ہزاروں برسوں میں وہ پوری طرح مٹی اور بالو سے ڈھک گئے اور ان کا کوئی نشان بھی نہیں ملا۔ بعض جگہوں میں ان ڈھکے ہوئے شہروں کے اوپر نئے شہر بس گئے۔ جو لوگ ان پرانے شہروں کی کھوج کر رہے تھے۔ انھیں گہری کھدائی کرنی پڑی ہے اور کبھی کبھی تلے اوپر کئی شہر ملے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ یہ شہر ایک ساتھ ہی تلے اوپر رہے ہوں۔ ایک شہر سینکڑوں برسوں تک آباد رہا ہوگا۔ لوگ وہاں پیدا ہوئے ہوں گے اور مرے ہوں گے اور کئی پشتوں تک یہی سلسلہ جاری رہا ہوگا۔ دیرے دیرے شہر کی آبادی گھٹنے لگی ہوگی اور وہ دیران ہو گیا ہوگا۔ آخر وہاں کوئی نہ رہ گیا ہوگا اور شہر ایک لمبے کا ڈھیر بن گیا ہوگا۔ تب اس پر بالو اور گرد جننے لگی ہوگی اور یہ شہر اس کے نیچے ڈھک گئے ہوں گے۔ کیونکہ کوئی آدمی صفائی کرنے والا نہ تھا۔ ایک مدت کے بعد سارا شہر اس کے بالو اور مٹی سے ڈھک گیا ہوگا اور لوگوں کو اس بات کی یاد بھی نہ رہی ہوگی کہ یہاں کوئی شہر تھا۔ سینکڑوں برس گزر گئے ہوں گے۔ تب نئے آدمیوں نے آکر نیا شہر بسایا ہوگا۔ یہ نیا شہر بھی کچھ دنوں کے بعد پرانا ہو گیا ہوگا۔ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہوگا اور وہ بھی دیران ہو گیا ہوگا۔ ایک زمانے کے بعد وہ بھی بالو اور دھول کے نیچے غائب ہو گیا ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ کبھی کبھی ہمیں کئی شہروں کے کھنڈر اوپر نیچے ملتے ہیں۔ یہ حالت خاص کر بلوائی جگہوں میں ہوتی ہوگی کیونکہ بالو ہر ایک جگہ پر جلدی جم جاتی ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ایک کے بعد دوسرے شہر بنیں، مردوں عورتوں اور بچوں کے ہتھکوسوں سے گھزار ہوں اور تب دیرے دیرے اجڑ جائیں اور جہاں یہ پرانے شہر تھے وہاں

نئے شہر بمیں اور نئے نئے آدمی آکر وہاں آباد ہوں، پھر ان کا بھی خاتمہ ہو جائے اور شہر کا کوئی نشان نہ رہے۔ میں تو ان شہروں کا حال دو چار دیکھوں میں لکھ رہا ہوں۔ لیکن سوچو کہ ان شہروں کے بننے اور بگڑنے اور ان کی جگہ نئے شہروں کے بننے میں کتنے یک بیت گئے ہوں گے۔ جب کوئی آدمی ستر یا اسی سال کا ہو جاتا ہے تو ہم اسے بڑھا کہتے ہیں۔ لیکن ان ہزاروں برسوں کے سامنے ستر یا اسی سال کیا ہیں؟ جب یہ شہر رہے ہوں گے تو ان میں کتنے چھوٹے چھوٹے بچے بوڑھے ہو کر مر گئے ہوں گے اور کئی بڑیاں گزر گئی ہوں گی اور اب بابل اور نینوا کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ ایک دوسرا بہت پرانا شہر دمشق تھا لیکن دمشق دیران نہیں ہوا وہ اب تک موجود ہے اور بڑا شہر ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دمشق دنیا کا سب سے پرانا شہر ہے۔ ہندستان میں بھی کئی بڑے بڑے شہر، ندیوں کے کنارے پر ہیں۔ سب سے پرانے شہروں میں ایک کا نام اندر پرستھ تھا جو کہیں دہلی کے آس پاس تھا، لیکن اندر پرستھ کا اب نشان بھی نہیں ہے۔ بتارس یا کاشی بھی بہت پرانا شہر ہے۔ شاید دنیا کے سب سے پرانے شہروں میں سے ہوں۔ لہٰذا آباد، کان پور اور پٹنہ اور بہت سے دوسرے شہر جو تھیں خود یاد ہوں گے۔ ندیوں ہی کے کنارے ہیں۔ لیکن یہ بہت پرانے نہیں ہیں۔ ہاں پریاگ یا الہ آباد اور پٹنہ جس کا نام پاٹلی پتر تھا۔ کچھ پرانے ہیں اس طرح چین میں بھی پرانے شہر ہیں۔

مصر اور رکر میٹ

پرانے زمانے میں شہروں اور گاؤں میں کس طرح کے لوگ رہتے تھے؟ ان کا کچھ حال ان کے بنائے ہوئے بڑے بڑے مکانوں اور عمارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ حال ان پتھر کی تختیوں کی لکھاوت سے بھی معلوم ہوتا ہے جو وہ چھوڑ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ بہت پرانی کتابیں بھی ہیں۔ جن سے اس پرانے زمانے کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔

مصر میں اب بھی بڑے بڑے مینار اور اسٹیلکس موجود ہیں۔ لکسر اور دوسری جگہوں میں بڑے مندروں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ تم نے انہیں دیکھا نہیں ہے لیکن جس وقت ہم سوئز نہر سے گزر رہے تھے، وہ بہت دور نہ تھے۔ لیکن تم نے ان کی تصویریں دیکھیں ہیں۔ شاید تمہارے پاس ان کی تصویروں کے پوسٹ کارڈ موجود ہوں۔ اسٹیلکس عورت کے سردالی شیر کی صورتی کو کہتے ہیں۔ اس کا ڈیل ڈول بہت بڑا ہے۔ کسی کو یہ نہیں معلوم کہ یہ صورتی کیوں بنائی گئی اور اس کا کیا مطلب ہے اور اس عورت کے چہرے پر ایک عجیب مرجھائی ہوئی مسکراہٹ ہے۔ اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیوں مسکرا رہی ہے۔ کسی آدمی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اسٹیلکس کی طرح ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اسے بالکل نہیں سمجھتے۔

مینار بھی بہت لمبے چوڑے ہیں۔ دراصل وہ مصر کے پرانے بادشاہوں کے مقبرے ہیں جنہیں فرعون کہتے تھے۔ قصص یاد ہے کہ تم نے لندن کے عجائب گھر میں مصر کی مومی دیکھی تھی؟ مومی کسی آدمی یا جانور کی لاش کو کہتے ہیں۔ جس میں کچھ ایسے تیل اور مسالے لگا دیے گئے ہوں کہ وہ سڑ نہ سکے۔ فرعونوں کی لاشوں کی مومی بنادی جاتی تھیں اور تب وہ بڑے بڑے میناروں میں رکھ دی جاتی تھیں۔ لاشوں کے پاس سونے اور چاندی کے گہنے اور سجاوٹ کی چیزیں اور کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ کیونکہ لوگ خیال کرتے تھے کہ شاید مرنے کے بعد انہیں ان چیزوں کی ضرورت ہو۔ دو تین سال ہوئے کچھ لوگوں نے ان میں سے ایک مینار کے اندر ایک فرعون کی لاش پائی جس کا نام توتن خامن تھا۔ اس کے پاس بہت سی خوبصورت اور قیمتی چیزیں رکھی ہوئی ملیں۔

اس زمانے میں مصر میں کھیتی کو سینچنے کے لیے اچھی اچھی نہریں اور جھیلیں بنائی جاتی

تھیں۔ میریڈ نام کی جمیل خاص طور پر مشہور تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے مصر کے رہنے والے کتنے ہوشیار تھے اور انھوں نے کتنی ترقی کی تھی۔ ان نہروں اور جمیلوں اور بڑے بڑے یتاروں کو اچھے اچھے انجینئروں نے ہی تو بنایا ہوگا۔

کیٹرٹیا یا کریت ایک چھوٹا سا ٹاپو ہے جو بحودہ صیہ ساگر میں ہے۔ سعید بندر سے واپس جاتے وقت ہم اس ٹاپو کے پاس سے ہو کر نکلے تھے۔ اس چھوٹے سے ٹاپو میں اس پرانے زمانے میں بہت اچھی سیٹا پانی جاتی تھی۔ پوسوز میں ایک بہت بڑا محل تھا اور اس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ اس محل میں غسل خانے تھے اور پانی کی تلیں بھی تھیں۔ جنہیں نادان لوگ نئے زمانے کی نکل ہوئی چیز سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت خوبصورت مٹی کے برتن، پتھر کی نقاشی، تصویریں اور دھاتوں اور ہاتھی دانت کے ہار یک کام بھی ہوتے تھے۔ اس چھوٹے سے ٹاپو میں لوگ شانتی سے رہتے تھے اور انھوں نے خوب ترقی کی تھی۔

تم نے میداس بادشاہ کا حال پڑھا ہوگا جس کی نسبت مشہور ہے کہ جس چیز کو چھو لیتا تھا وہ سونا ہو جاتی تھی۔ وہ کھانا نہ کھا سکتا تھا کیونکہ کھانا سونا ہو جاتا تھا اور سونا تو کھانے کی چیز نہیں ہے۔ اس کے لالچ کی اسے یہ سزا دی گئی تھی۔ یہ ہے تو ایک مزیدار کہانی، لیکن اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سونا اتنی اچھی اور لالچہ وایک چیز نہیں جتنی لوگ خیال کرتے ہیں۔ کریت کے سب راجا میداس کہلاتے تھے اور یہ کہانی انھیں میں سے کسی راجا کی ہوگی۔

کریت کی ایک اور کہنا ہے جو شاید تم نے سنی ہو۔ وہاں مینوٹار نام کا ایک دیو تھا، جو آدھا آدمی اور آدھا تیل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں آدمی اور لڑکیاں، اسے کھانے کو دی جاتی تھیں۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مذہب کا خیال شروع میں کسی انجانی چیز کے ڈر سے پیدا ہوا۔ لوگوں کو پر کرتی کا کچھ گیان نہ تھا۔ نہ ان باتوں کو سمجھتے تھے جو دنیا میں برابر ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ڈر کے مارے وہ بہت سی بیوقوفی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کا یہ بلیڈان کسی دیو کو نہ کیا جاتا ہو بلکہ وہ محض خیالی دیو ہو کیونکہ میں سمجھتا ہوں ایسا دیو کبھی ہوا ہی نہیں۔

اس پرانے زمانے میں سارے سنسار میں مردوں اور عورتوں کا فرضی دیوتاؤں کے لیے بلیڈان کیا جاتا تھا۔ یہی ان کی پوجا کا ڈھنگ تھا۔ مصر میں لڑکیاں تیل ندی میں ڈال دی جاتی تھیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس سے 'پتا تیل' خوش ہوں گے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب آدمیوں کا بلیدان نہیں کیا جاتا۔ ہاں شاید دنیا کے کسی
کوئے میں کبھی کبھی ہو جاتا ہو۔ لیکن اب بھی ایٹور کو خوش کرنے کے لیے جانوروں کا بلیدان
کیا جاتا ہے۔ کسی کی پوجا کرنے کا یہ کتنا انوکھا ڈھنگ ہے۔

چلیں اور ہندستان

ہم لکھ چکے ہیں کہ شروع میں میسو پوٹامیا، مصر اور بھوجہ ساگر کے چھوٹے سے ٹاپو کریٹ میں سمیتا شروع ہوئی اور پھیلی، اسی زمانے میں چین اور ہندستان میں بھی اونچے درجے کی سمیتا شروع ہوئی اپنے ڈھنگ سے پھیلی۔

دوسری جگہوں کی طرح چین میں بھی لوگ بڑی ندیوں کی گھاٹیوں میں آباد ہوئے۔ یہ اس جاتی کے لوگ تھے جنہیں منگول کہتے ہیں۔ وہ پتیل کے خوبصورت برتن بناتے تھے اور کچھ دنوں بعد لوہے کے برتن بھی بنانے لگے۔ انہوں نے نہریں اور اچھی اچھی عمارتیں بنائیں، اور لکھنے کا ایک ڈھنگ نکالا۔ یہ لکھاٹ ہندی، اردو، انگریزی سے بالکل نہیں ملتی۔ یہ ایک قسم کی تصویر دار لکھاٹ تھی۔ ہر ایک شہد اور کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے جملوں کی بھی تصویر ہوتی تھی۔ پرانے زمانے میں مصر، کریٹ اور بابل میں بھی تصویری لکھاٹ ہوتی تھی۔ اسے اب چتر لپی کہتے ہیں۔ تم نے یہ لکھاٹ عجائب گھر کی بعض کتابوں میں دیکھی ہوگی۔ مصر اور چین کے ملکوں میں لکھاٹ صرف بہت پرانی عمارتوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان ملکوں میں بھی اس لکھاٹ کا بہت دنوں سے رواج نہیں رہا۔ لیکن چین میں اب بھی ایک قسم کی تصویر دار لکھاٹ موجود ہے اور اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہیں۔ انگریزی یا ہندی کی طرح بائیں سے دائیں طرف یا اردو کی طرح دائیں سے بائیں طرف نہیں۔

ہندستان میں بہت سی پرانے زمانے کی عمارتوں کے کھنڈر شاید ابھی تک زمین میں نیچے دبے پڑے ہیں۔ جب تک انہیں کوئی کھود نہ نکالے تب تک ہمیں ان کا پتا نہیں چلتا۔ لیکن آخر میں بعض بہت پرانے کھنڈروں کی کھدائی ہو چکی ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ بہت پرانے زمانے میں جب آریہ لوگ ہندوستان میں آئے تو یہاں دراوڑ جاتی کے لوگ رہتے تھے۔ اور ان کی سمیتا بھی اونچے درجے کی تھی۔ وہ دوسرے ملک والوں کے ساتھ بھوپار کرتے تھے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی بہت سی چیزیں میسو پوٹامیا اور مصر میں بیجا کرتے تھے۔ سمندری راستے سے وہ خاص کر چاول اور مسالے اور ساکھو کی عمارتی لکڑیاں بھی بیجا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ میسو پوٹامیا کے ’از نای شہر کے بہت سے پرانے محل دکشی ہندستان سے

آئی ہوئی ساکھو کی کلڑی کے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سونا، موتی، ہاتھی دانت، مور اور بندر ہندستان سے چمچم کے ٹکڑوں کو بیچے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہندستان اور دوسرے ملکوں میں بہت ویپار ہوتا تھا۔ ویپار بھی بڑھتا ہے جب لوگ سمجھتے ہوئے ہیں۔

اس زمانے میں ہندستان اور چین میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا راجیہ تھے۔ ان میں سے کسی ملک میں بھی ایک راجیہ نہ تھا۔ ہر ایک چھوٹا شہر جس میں کچھ گاؤں اور کھیت ہوتے تھے، ایک الگ راجیہ ہوتا تھا۔ وہ شہری ریاستیں کہلاتی ہیں۔ اس پرانے زمانے میں ان سے بہت سی ریاستوں میں پہنچاتی راجیہ تھا۔ بادشاہ نہ تھے، راجیہ کا انتظام کرنے کے لیے چنے ہوئے آدمیوں کی ایک پہنچات ہوتی تھی۔ پھر بھی بعض ریاستوں میں راجا راجیہ تھا۔ گو کہ ان شہری ریاستوں کی سرکاریں الگ ہوتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرتی تھیں، کبھی کبھی ایک بڑی ریاست کئی چھوٹی ریاستوں کی اکٹھا بن جاتی تھی۔

چین میں کچھ ہی دنوں بعد ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جگہ ایک بہت بڑا راجیہ ہو گیا۔ اسی راجیہ کے زمانے میں چین کی بڑی دیوار بنائی گئی تھی۔ تم نے اس بڑی دیوار کا حال پڑھا ہے۔ وہ کتنی عجیب و غریب چیز ہے۔ وہ سمندر کے کنارے سے اونچے اونچے پہاڑوں تک بنائی گئی تھی، تاکہ منگول جاتی کے لوگ چین میں ٹھس کر نہ آسکیں۔ یہ دیوار چودہ سو میل لمبی، بیس سے تیس فیٹ تک اونچی اور پچیس فیٹ چوڑی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دور پر قلعے اور برج ہیں۔ اگر ایسی دیوار ہندستان میں بنے تو وہ آٹھ میں لاہور سے لے کر دکن میں مدراس تک چلی جائے گی۔ وہ دیوار اب بھی موجود ہے اور اگر تم چین جاؤ تو اسے دیکھ سکتی ہو۔

سمندری سفر اور بیوپار

انیسویں صدی کے زمانے کی ایک سیمہ جاتی تھی۔ اس کی نسل بھی وہی تھی جو یہودیوں اور عربوں کی ہے۔ وہ خاص کر ایشیا مائنر کی چھٹی کنارے پر رہتے تھے۔ جو آج کل کا ترکی ہے۔ ان کے خاص خاص شہر ایکرائز اور سڈون مدیہ سمندر کے کنارے پر تھے۔ وہ دیپار کے لیے بے سز کرنے میں مشہور تھے۔ وہ مدیہ سمندر سے ہوتے ہوئے سیدھے انگلینڈ تک چلے جاتے تھے۔ شاید وہ ہندوستان بھی آئے ہوں۔

اب ہمیں دو بڑی بڑی باتوں کی دلچسپ شروعات کا پتہ چلتا ہے۔ سمندری سفر اور دیپار۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں اچھے آگن بوٹ اور جہاز نہ تھے۔ سب سے پہلی ناؤ کسی درخت کے تنے کو کھوکھلا کر بنی ہوگی۔ ان کے چلنے کے لیے ڈھڑوں سے کام لیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی ہوا کے زور کے لیے ترپال لگا دیتے تھے۔ اس زمانے میں سمندر کے سفر بہت دلچسپ اور بھیاں رک رہے ہوں گے۔ عرب ساگر کو ایک چھوٹی سی کشتی پر، جو ڈاڈوں اور پالوں سے چلتی طے کرنے کا خیال تو کرو۔ ان میں چلنے پھرنے کے لیے بہت کم جگہ رہتی ہوگی اور ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی اسے تلے اوپر کر دیتا ہے۔ اکثر وہ ڈوب بھی جاتی تھی۔ کھلے سمندر میں ایک چھوٹی سی کشتی پر نکلنا بہادری ہی کا کام تھا۔ اس میں بڑے بڑے خطرے تھے اور ان میں جینے والے آدمیوں کو مہینوں تک زمین کے درشن نہ ہوتے تھے۔ اگر کھانا کم پڑ جاتا تھا تو انہیں بچ سمندر میں کوئی چیز نہ مل سکتی تھی۔ جب تک کہ وہ پھلی یا چڑیا کا شکار نہ کریں۔ سمندر خطرے اور جو حکم سے بھرا ہوا تھا۔ پرانے زمانے کے مسافروں کو جو خطرے پیش آتے تھے اس کا بہت کچھ حال کتابوں میں موجود ہے۔

لیکن اس جو حکم کے ہوتے ہوئے بھی لوگ سمندری سفر کرتے تھے۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس لیے سفر کرتے ہوں کہ انہیں بہادری کے کام پسند تھے، لیکن زیادہ تر لوگ سونے اور دولت کے لالچ میں سفر کرتے تھے۔ وہ دیپار کرنے جاتے تھے، مال خریدتے تھے اور بیچتے تھے، اور دھن کماتے تھے۔ دیپار کیا ہے؟ آج تم بڑی بڑی دوکانیں دیکھتی ہو اور ان

میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز خرید لینا کتنا سہل ہے۔ لیکن کیا تم نے دھیان دیا ہے کہ جو چیزیں تم خریدتی ہو وہ آتی کہاں سے ہیں؟ تم الہ آباد کی ایک دکان میں ایک شال خریدتی ہو۔ وہ کشمیر سے یہاں تک کا راستہ طے کرتا ہوا آیا ہوگا۔ اور اون کشمیر اور لدراخ کی پہاڑیوں میں بھیڑوں کی کھال پر پیدا ہوا ہوگا۔ دانت کا منجن جو تم خریدتی ہو شاید جہاز اور ریل گاڑیوں پر ہوتا ہوا امریکہ سے آیا ہو۔ اسی طرح چین، جاپان، بھارت، لندن کی بنی ہوئی چیزیں بھی مل سکتی ہیں۔ دلائی کپڑے کے ایک چھوٹے سے کھوٹے کو لے لو جو یہاں بازار میں بک رہا ہے۔ روٹی پہلے ہندستان میں پیدا ہوئی اور انگلینڈ بھیجی گئی۔ ایک بڑے کارخانے نے اسے خریدا، صاف کیا، اس کا سوت بنایا اور جب کپڑا تیار کیا۔ یہ کپڑا پھر ہندستان آیا اور بازار میں بکے لگا۔ بازار میں بکنے کے پہلے اسے لوٹا پھیری میں کتنے ہزار میلوں کا سفر کرنا پڑا۔ یہ نادانی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہندستان میں پیدا ہونے والی روٹی اتنی دور انگلینڈ بھیجی جائے، وہاں اس کا کپڑا بنے اور پھر ہندستان میں آوے۔ اس میں کتنا وقت اور روپیہ اور محنت برباد ہو جاتی ہے۔ اگر روٹی کا کپڑا ہندستان میں ہی بنے تو وہ ضرور زیادہ سستا اور اچھا ہوگا۔ تم جانتی ہو کہ ہم دلائی کپڑے نہیں خریدتے۔ ہم کھدر پہنتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے ملک میں پیدا ہونے والی چیز کو خریدنا عقل مندی کی بات ہے۔ ہم اس لیے بھی کھدر خریدتے اور پہنتے ہیں کہ اس سے ان غریب آدمیوں کی مدد ہوتی ہے جو اسے کاٹتے اور بننے میں۔

اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل دیبا پار کتنی پیچیدہ چیز ہے۔ بڑے بڑے جہاز ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے میں یہ بات نہ تھی۔ جب ہم پہلے پہل کسی ایک جگہ پر آباد ہوئے تو ہمیں دیبا پار کرنا بالکل نہ آتا تھا۔ آدمی کو اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے آپ بنانی پڑتی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت آدمی کو بہت چیزوں کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا تم سے پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس کے بعد جاتی میں کام بانٹا جانے لگا۔ لوگ طرح طرح کے کام کرنے لگے اور طرح طرح کی چیزیں بنانے لگے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہوگا کہ ایک جاتی کے پاس ایک چیز زیادہ ہوتی ہوگی۔ اور دوسری جاتی کے پاس دوسری چیز۔ اس لیے اپنی اپنی چیزوں کو بدل لینا ان کے لیے بالکل سیدھی بات تھی۔ مثال کے طور پر ایک جاتی ایک بورے چنے پر ایک گائے دیتی ہوگی۔ اس زمانے میں روپیہ

نہ تھا، چیزوں کا صرف بدلہ ہوتا تھا اس طرح بدلہ شروع ہوا۔ اس میں کبھی کبھی دقت پیدا ہوتی ہوگی۔ ایک بورے چنے یا اسی طرح کی دوسری چیز کے لیے ایک آدمی کو ایک گائے یا دو بھیڑیں لے جانی ہوتی ہوں گی لیکن پھر بھی دیار ترقی کرتا رہا۔

جب سونا اور چاندی نکلنے لگا تو لوگوں نے اسے کام میں لانا شروع کیا۔ انھیں لے جانا زیادہ آسان تھا۔ اور دیرے دیرے مال کے بدلے میں سونا چاندی کا مال لینے کا رواج نکل پڑا۔ جس آدمی کو پہلے پہل یہ بات سوجھی ہوگی وہ بہت ہوشیار ہوگا۔ سونے چاندی کو اس طرح کام میں لانے سے بیوپار کرنا بہت آسان ہو گیا۔ لیکن اس وقت بھی آج کل کی طرح سکے نہ تھے۔ سونا ترازو پر تول کر دوسرے آدمی کو دے دیا جاتا تھا۔ اس کے بہت دلوں کے بعد سکے کا رواج ہوا اور اس سے دیار اور بدلے میں اور بھی سوجھتا ہو گیا۔ تب تولنے کی ضرورت نہ رہی۔ کیونکہ کبھی آدمی سکے کی قیمت جانتے تھے۔ آج کل کبھی جگہ سکے کا رواج ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ نرا روپیہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔ یہ ہمیں اپنی ضرورت کی دوسری چیزوں کے لینے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے چیزوں کا بدلنا آسان ہو جاتا ہے۔ قصیں راجا میداس کا قصہ یاد ہوگا جن کے پاس سونا تو بہت تھا لیکن کھانے کو کچھ نہیں اس لیے روپیہ بیکار ہے۔ جب تک ہم اس سے ضرورت کی چیز نہ خرید لیں۔

مگر آج کل بھی قصیں دیہاتوں میں ایسے لوگ ملیں گے جو سچے چیزوں کا بدلہ کرتے ہیں اور دام نہیں دیتے۔ لیکن عام طور پر روپیہ کام میں لایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ سوجھتا ہے۔ بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ روپیہ خود ہی بہت اچھی چیز ہے اور وہ اسے خرچ کرنے کے بدلے بیڑتے اور گاڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ روپیہ کا رواج کیسے پڑا اور یہ دراصل کیا ہے۔

بھاشا، لکھاوٹ اور گنتی

ہم طرح طرح کی بھاشاؤں کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ اور دکھا چکے ہیں کہ ان کا آپس میں کیا ناتا ہے۔ آج ہم یہ دہار کریں گے کہ لوگوں نے بولنا کیونکر سیکھا۔

ہمیں معلوم ہے کہ جانوروں کی بھی کچھ بولیاں ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بندروں میں تھوڑی سی معمولی چیزوں کے لیے شبد یا بولیاں موجود ہیں۔ تم نے بعض جانوروں کی عجیب آوازیں بھی سنی ہوں گی۔ جو وہ ڈر جانے پر اور اپنے بھائی بندھو کو کسی خطرے کی خبر دینے کے لیے منہ سے نکالتے ہیں۔ شاید اسی طرح آدمیوں میں بھی بھاشا کی شروعات ہوئی۔ شروع میں بہت سیدھی سادی آوازیں رہی ہوں گی۔ جب وہ کسی چیز کو دیکھ کر ڈر جاتے ہوں گے اور دوسروں کو اس کی خبر دینا چاہتے ہوں گے تو وہ خاص طرح کی آواز نکالتے ہوں گے۔ شاید اس کے بعد بھی مزدوروں کی بولیاں شروع ہوئیں۔ جب بہت سے آدمیوں کو کوئی چیز کھینچنے یا کوئی ہماری بوجھ اٹھاتے دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ساتھ ہانک لگانے میں انہیں کچھ سہارا ملتا ہے۔ یہی بولیاں پہلے پہل آدمی کے منہ سے نکل رہی ہیں۔

دیرے دیرے اور شبد بننے لگے ہوں گے۔ جیسے پانی اور آگ، گھوڑا، بھالو۔ پہلے شاید صرف نام ہی تھے کر یا نہیں نہ تھیں۔ اگر کوئی آدمی یہ کہنا چاہتا ہوگا کہ میں نے بھالو کو دیکھا ہے۔ تو وہ ایک شبد ”بھالو“ کہتا ہوگا اور بچوں کی طرح بھالو کی طرف اشارہ کرتا ہوگا۔ اس وقت لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی ہوگی۔ دیرے دیرے بھاشا ترقی کرنے لگی۔ پہلے چھوٹے چھوٹے داکہ پیدا ہوئے، پھر بڑے بڑے۔ کسی زمانے میں بھی شاید سبھی جاتوں کی ایک ہی بھاشہ نہ تھی۔ لیکن کوئی زمانہ ایسا ضرور تھا جب بہت سی طرح طرح کی بھاشائیں نہ تھیں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تب تھوڑی سی بھاشائیں تھیں۔ مگر بعد کو ان میں سے ہی ہر ایک کی کئی شاخائیں پیدا ہو گئیں۔

سبھی شروع ہونے کے زمانے تک، جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں بھاشا نے بہت ترقی کر لی تھی۔ بہت سے گیت بن گئے تھے اور بھاڑ و گویے انہیں گاتے تھے۔ اس زمانے میں نہ لکھنے کا بہت رواج تھا اور نہ بہت کتابیں تھیں۔ اس لیے لوگوں کو اب سے کئی باتیں یاد

رکھی پڑتی تھیں۔ تک بندیوں اور چمنوں کو یاد رکھنا زیادہ سہل ہے۔ ان ملکوں میں جہاں پرانے زمانے میں سیتا جھلی ہوئی تھی، تک بندیوں اور لڑائی کے گیتوں کا بہت رواج تھا۔ بھائوں اور گویوں کو مرے ہوئے دیویوں کی بھادری کے گیت بہت اچھے لگتے تھے۔ اس زمانے میں آدمی کی زندگی کا خاص کام لڑنا تھا اس لیے ان کے گیت بھی لڑائیوں ہی کے ہیں۔ ہندستان ہی نہیں، دوسرے ملکوں میں بھی یہی رواج تھا۔

آدمیوں کے الگ الگ درجے

لڑکے، لڑکیوں اور سیالوں کو بھی اتیہاس اکثر ایک عجیب ڈھنگ سے پڑھایا جاتا ہے۔ انہیں راجاؤں اور دوسرے آدمیوں کے نام اور لڑائیوں کی تاریخیں یاد کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن دراصل اتیہاس لڑائیوں، کا یا تھوڑے سے راجاؤں یا سیناپتیوں کا نام نہیں ہے۔ اتیہاس کا کام یہ ہے کہ ہمیں کسی ملک کے آدمیوں کا حال بتلائے کہ وہ کس طرح رہتے تھے، کیا کرتے تھے اور کیا سوچتے تھے، کس بات سے انہیں خوشی ہوتی تھی، کس بات سے رنج ہوتا تھا، ان کے سامنے کیا کیا کھٹائیاں آئیں اور ان لوگوں نے کیسے ان پر قابو پایا۔ اگر ہم اتیہاس کو اس طریقے سے پڑھیں تو ہمیں اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوں گی۔ اگر اسی طرح کی کوئی کھٹائی یا آفت ہمارے سامنے آئے تو اتیہاس کے جاننے سے ہم اس پر درجے پا سکتے ہیں۔ پرانے زمانے کا حال پڑھنے سے ہمیں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ لوگوں کی حالت پہلے سے اچھی ہے یا خراب انھوں نے کچھ ترقی کی ہے یا نہیں۔

یہ سچ ہے کہ ہمیں پرانے زمانے کے مردوں اور عورتوں کے چہرے سے کچھ نہ کچھ سبق لینا چاہیے۔ لیکن ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ پرانے زمانے میں بھن بھن جاتی کے آدمیوں کا کیا حال تھا۔

میں قصص بہت سے خط لکھ چکا ہوں۔ یہ چوبیسواں خط ہے لیکن اب تک ہم نے بہت پرانے زمانے کی ہی چہرہ کی ہے، جس کے بارے میں ہمیں تھوڑی ہی سی باتیں معلوم ہیں۔ اسے ہم اتیہاس نہیں کہہ سکتے۔ اسے ہم اتیہاس کی شروعات، یا اتیہاس کا ادے کہہ سکتے ہیں۔ جلد ہی ہم بعد کے زمانے کا ذکر کریں گے۔ جس سے ہم زیادہ واقف ہیں اور جسے اتیہاس کا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس پرانی سمیتا کا ذکر چھوڑنے کے پہلے آؤ ہم اس پر پھر ایک نگاہ ڈالیں اور اسکا پتہ لگائیں کہ اس زمانے میں آدمیوں کی کون کون سی قسمیں تھیں۔

ہم یہ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ پرانی باتوں کے آدمیوں نے طرح طرح کے کام کرنے شروع کیے۔ کام یا پیشے کا بٹوارا ہو گیا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جاتی کے سرخ یا سرخنے نے اپنے پر یوار کو دوسروں سے الگ کر لیا اور کام کا انتظام کرنے لگا۔ اور اونچے درجے

میں آدمی بن بیٹھا، یا یوں سمجھ لو کہ اس کا پرچار اوروں سے اونچے میں آگیا۔ اس طرح آدمیوں کے دو درجے ہو گئے۔ ایک انتظام کرتا تھا اور حکم دیتا تھا، اور دوسرا اصلی کام کرتا تھا۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انتظام کرنے والے درجے کا اختیار زیادہ تھا اور اس کے زور سے انھوں نے وہ سب چیزیں لے لیں جن پر وہ ہاتھ بڑھا سکے۔ وہ زیادہ مالدار ہو گئے اور کام کرنے والوں کی کمائی کو دن دن زیادہ ہڑپنے لگیں۔

اس طرح جیوں جیوں کام کی بانٹ ہوتی گئی اور درجے پیدا ہوتے گئے۔ راجا اور اس کا پرچار تو تھا ہی، اس کے درباری بھی پیدا ہو گئے۔ وہ ملک کا انتظام کرتے تھے اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ وہ عام طور پر دوسرا کام نہ کرتے تھے۔

مندروں میں پچاریوں اور نوکروں کا ایک دوسرا درجہ تھا۔ اس زمانے میں ان لوگوں کا بہت رعب داب تھا اور ہم ان کا ذکر پھر کریں گے۔

تیسرا درجہ دیپاریوں کا تھا۔ یہ وہ سوداگر لوگ تھے جو ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں لے جاتے تھے، مال خریدتے تھے اور بیچتے تھے اور کانیں کھولتے تھے۔

چوتھا درجہ کاریگروں کا تھا، جو ہر ایک قسم کی چیزیں بناتے تھے، سوت کاتتے اور کپڑے بننے تھے، مٹی کے برتن بناتے تھے، پتیل کے برتن گڑھتے تھے، سونے اور ہاتھی دانت کی چیزیں بناتے تھے اور بہت سے اور کام کرتے تھے۔ یہ لوگ اکثر شہروں میں یا شہروں کے نزدیک رہتے تھے لیکن بہت سے دیہاتوں میں بے ہوئے تھے۔

سب سے نچلا درجہ ان کسانوں اور مزدوروں کا تھا جو کھیتوں میں یا شہروں میں کام کرتے تھے اس درجے میں سب سے زیادہ آدمی تھے اور سبھی درجوں کے لوگ انھیں پر دانت لگائے رہتے تھے اور ان سے کچھ نہ کچھ اینٹیتے رہتے تھے۔

راجا، مندر اور پجاری

ہم نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ آدمیوں کے پانچ درجے بن گئے۔ سب سے بڑی جماعت مزدور اور کسانوں کی تھی۔ کسان زمین جوتے تھے اور کھانے کی چیزیں پیدا کرتے تھے۔ اگر کسان یا اور لوگ زمین نہ جوتے اور کھیتی نہ ہوتی تو اناج پیدا ہی نہ ہوتا، یا ہوتا تو بہت کم۔ اس لیے کسانوں کا درجہ بہت ضروری تھا، وہ نہ ہوتے تو سب لوگ بھوکوں مر جاتے۔ مزدور بھی کھیتوں یا شہروں میں بہت فائدے کا کام کرتے تھے۔ لیکن ان اہماگوں کو اتنا ضروری کام کرنے اور ہر ایک آدمی کے کام آنے پر بھی مشکل سے گزارے بھر کو ملتا تھا۔ ان کی کمائی کا بڑا حصہ دوسروں کے ہاتھ پڑ جاتا تھا۔ خاص کر راجا اور اس کے درجے کے دوسرے آدمیوں اور امیروں کے ہاتھ ان کی ٹولی کے دوسرے لوگ جن میں درباری بھی شامل تھے انھیں بالکل چوس لیتے تھے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ راجا اور اس کے درباریوں کا بہت دباؤ تھا۔ شروع میں جب جاتاں بنیں، تو زمین کسی ایک آدمی کی نہ ہوتی تھی، جاتی بھری ہوتی تھی۔ لیکن جب راجا اور اس کی ٹولی کے آدمیوں کی طاقت بڑھ گئی تو وہ کہنے لگے کہ زمین ہماری ہے، وہ زمیندار ہو گئے اور پچارے کسان جو چھاتی پھاڑ کر کھیتی باڑی کرتے تھے، ایک طرح سے محض ان کے نوکر ہو گئے۔ پھل یہ ہوا کہ کسان کھیتی کر کے جو کچھ پیدا کرتے تھے وہ بٹ جاتا تھا اور بڑا حصہ زمیندار کے ہاتھ لگتا تھا۔

بعض مندروں کے قبضے میں بھی زمین تھی، اس لیے پجاری بھی زمیندار ہو گئے۔ مگر یہ مندر اور ان کے پجاری تھے کون۔ میں ایک خط میں لکھ چکا ہوں کہ شروع میں جنگلی آدمیوں کو ایٹھور اور مذہب کا خیال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ دنیا کی بہت سی باتیں سمجھ میں نہ آتی تھیں اور جس بات کو وہ سمجھ نہ سکتے تھے، اس سے ڈرتے تھے۔ انھوں نے ہر ایک چیز کو دیوتا یا دیوی بنا دیا، جیسے ندی، پہاڑ، سورج، بیڑ، جانور اور بعض ایسی چیزیں جنہیں وہ دیکھ تو نہ سکتے تھے پر کلپنا کرتے تھے۔ جیسے بھوت پریت۔ وہ ان دیوتاؤں سے ڈرتے تھے، اس لیے انھیں ہمیشہ یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ انھیں سزا دینا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے دیوتاؤں کو بھی اپنی ہی

طرح کردہ اور نزدیکی سمجھتے تھے اور ان کا حصہ خٹکا کرنے یا انہیں خوش کرنے کے لیے قربانیاں دیا کرتے۔

انہیں دیوتاؤں کے لیے مندر بننے لگے۔ مندر کے بھیر ایک منڈپ ہوتا تھا، جس میں دیوتا کی مورتی ہوتی تھی۔ وہ کسی ایسی چیز کی پوجا کیسے کرتے جسے وہ دیکھ ہی نہ سکیں یہ ذرا مشکل ہے۔ قصص معلوم ہے کہ چھوٹا بچہ انہیں چیزوں کا خیال کر سکتا ہے جنہیں وہ دیکھتا ہے۔ شروع زمانے کے لوگوں کی حالت کچھ بچوں کی سی تھی۔ چونکہ وہ مورتی کے بنا پوجا ہی نہ کر سکتے تھے، وہ اپنے مندروں میں مورتیاں رکھتے تھے۔ یہ کچھ عجیب بات ہے کہ یہ مورتیاں برابر ڈراوے، کروپ جانوروں کی ہوتی تھیں، یا کبھی کبھی آدمی اور جانوروں کی ملی ہوئی۔ مصر میں ایک زمانے میں بلی کی پوجا ہوتی تھی، اور مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دوسرے زمانے میں بندر کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ ایسی بھیاک مورتیوں کی پوجا کیوں کرتے تھے۔ اگر مورتی ہی پوجنا چاہتے تھے تو اسے خوبصورت کیوں نہ بناتے تھے؟ لیکن شاید ان کا خیال تھا کہ دیوتا ڈراوے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کی ایسی بھیاک مورتی بناتے تھے۔

اس زمانے میں شاید لوگوں کا یہ خیال نہ تھا کہ المیہ ایک ہے، یا وہ کوئی بڑی طاقت ہے جیسا لوگ آج سمجھتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے، کہ بہت سے دیوتا اور دیویاں ہیں۔ جن میں شاید کبھی کبھی لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ الگ الگ شہروں اور ملکوں کے دیوتا بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔

مندروں میں بہت سے بیماری اور بیماریاں ہوتی تھیں۔ بیماری لوگ عام طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور دوسرے آدمیوں سے زیادہ پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ اس لیے راجا لوگ ان سے صلاح لیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں کتابوں کو لکھنا یا نقل کرنا بیماریوں کا ہی کام تھا۔ انہیں کچھ ودھائیں آتی تھیں۔ اس لیے وہ پرانے زمانے کے رشی سمجھے جاتے تھے۔ وہ حکیم بھی ہوتے تھے اور اکثر محض یہ دکھانے کے لیے کہ وہ لوگ کتنے پختہ ہوئے ہیں وہ لوگوں کے سامنے جادو کے کرتب کیا کرتے تھے۔ لوگ سیدھے اور مورکھ تو تھے ہی وہ بیماریوں کو جادوگر سمجھتے تھے اور ان سے تفریق نہ کرتے تھے۔

بیماری لوگ ہر طرح سے آدمیوں کی زندگی کے کاموں میں طے جلتے رہتے تھے۔ وہی اس زمانے کے عقائد آدمیوں میں تھے اور ہر ایک آدمی مصیبت یا بیماری میں ان کے پاس

جاتا تھا۔ وہ آدمیوں کے لیے بڑے بڑے تہواروں کا انتظام کرتے تھے۔ اس زمانے میں پترے نہ تھے، خاص کہ غریب آدمیوں کے لیے۔ وہ تہواروں ہی سے دنوں کا حساب لگاتے تھے۔

پجاری لوگ پر جا کو ٹھکتے اور دھوکا دیتے تھے لیکن ان کے ساتھ کئی باتوں میں ان کی ہرد بھی کرتے اور انہیں آگے بھی بڑھاتے تھے۔

ممکن ہے کہ جب لوگ پہلے پہل شہروں میں بسنے لگے ہوں تو وہ ان پر راجہ کرنے والے راجہ نہ رہے ہوں، پجاری ہی رہے ہوں۔ بعد کو راجا آئے ہوں گے اور چونکہ وہ لوگ لڑنے میں زیادہ ہوشیار تھے، انہوں نے پجاریوں کو نکال دیا ہوگا۔ بعض جگہوں میں ایک ہی آدمی راجا اور پجاری دونوں ہی ہوتا تھے۔ جیسے مصر کے فرعون لوگ اپنی زندگی ہی میں آدمی دیوتا سمجھے جانے لگے تھے، اور مرنے کے بعد تو وہ پورے دیوتاؤں کی طرح پجئے گئے۔

پچھے کی طرف ایک نظر

تم میری چشمیں سے ادب گئی ہوں گی! ذرا دم لیتا چاہوتی ہوگی۔ خیر، کچھ عرصے تک میں تمہیں نئی بات نہ لکھوں گا۔ ہم نے تھوڑے سے خطوں میں ہزاروں لاکھوں برسوں کی دوڑ لگا ڈالی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہم دیکھ آئے ہیں، اس پر تم ذرا غور کرو۔ ہم اس زمانے سے چلے تھے، جب زمین سورج ہی کا ایک حصہ تھی، جب وہ اس سے الگ ہو کر دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہوگئی۔ اس کے بعد چاند نے اچھال ماری اور زمین سے کل بھاگا۔ مدتوں تک یہاں کوئی جانور نہ تھا۔ تب لاکھوں، کروڑوں، برسوں میں دھیرے دھیرے جانداروں کی پیدائش ہوئی۔ دس لاکھ برسوں کی مدت کتنی ہوتی ہے۔ اس کا تمہیں کچھ اندازہ ہوتا ہے؟ اتنی بڑی مدت کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ تم ابھی کل دس برس کی ہو اور کتنی بڑی ہوگئی ہو! خاصی کماری ہوگئی ہو۔ تمہارے لیے سو سال ہی بہت ہیں۔ پھر کہاں ہزار اور کہاں لاکھ، جس میں سو ہزار ہوتے ہیں۔ ہمارا چھوٹا سا سر اس کا ٹھیک اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہم اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں اور ذرا ذرا سی باتوں پر جھنجھلا اٹھتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن دنیا کے اس پرانے اتہاس میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی حقیقت ہی کیا؟ اتہاس کے ان پارگیوں کا حال پڑھنے اور ان پر دھار کرنے سے ہماری آنکھیں کھل جائیں گی اور ہم چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان نہ ہوئے۔

ذرا ان بے شمار گیوں کا خیال کرو۔ جب کسی جاندار کا نام تک نہ تھا۔ پھر اس لیے زمانے کی سوچو۔ جب صرف سمندر کے جنتو ہی تھے۔ دنیا میں کہیں آدمی کا پتہ نہیں ہے۔ جانور پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں سال بھٹکتے ادھر ادھر کو لیلیں کیا کرتے ہیں۔ کوئی آدمی نہیں ہے، جو ان کا شکار کر سکے اور انت میں آدمی جب پیدا بھی ہوتا ہے تو بالکل پختہ بھرکا، ننھا سا، سب جانوروں سے کمزور! دھیرے دھیرے ہزاروں برسوں میں وہ زیادہ مضبوط اور ہوشیار ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ دنیا کے جانوروں کا مالک ہو جاتا ہے اور دوسرے جانور اس کے تابعدار اور غلام ہو جاتے ہیں اور اسکے اشارے پر چلنے لگتے ہیں۔

تب سمیتا کے پھیلنے کا زمانہ آتا ہے۔ ہم اس کی شروعات دیکھ چکے ہیں۔ اب ہم یہ

دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ آگے چل کر اس کی کیا حالت ہوئی۔ اب ہمیں لاکھوں برسوں کا ذکر نہیں کرنا ہے۔ پچھلے غلطوں میں ہم تین چار ہزار سال پہلے کے زمانے تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن ادھر کے تین چار ہزار برسوں کا حال ہمیں ادھر کے لاکھوں برسوں سے زیادہ معلوم ہے۔ آدمی کے اتہاس کی ترقی دراصل انیس تین ہزار برسوں میں ہوئی ہے۔ جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تم اتہاس کے بارے میں بہت کچھ پڑھو گی۔ میں ان کے بارے میں کچھ تمہوڑا سا لکھوں گا۔ جس سے تمہیں کچھ خیال ہو جائے کہ اس چھوٹی سی دنیا میں آدمی پر کیا کیا گزری۔

’فونسل‘ اور پرانے کھنڈر

میں نے عرصہ سے قصیں کوئی خط نہیں لکھا۔ پچھلے دو خطوں میں ہم نے اس پرانے زمانے پر ایک نظر ڈالی تھی۔ جس کا ہم اپنے خطوں میں چرچہ کر رہے ہیں۔ میں نے قصیں پرانی پھیلیوں کی ہڈیوں کے چرپوٹ کاڑ بیجے تھے۔ جس سے قصیں خیال ہو جائے کہ یہ ’فونسل‘ کیسے ہوتے ہیں۔ مسوری میں جب تم سے میری ملاقات ہوئی تھی تو میں نے قصیں دوسرے قسم کے ’فونسل‘ کی تصویریں دکھائی تھی۔

پرانے ریگنے والے جانوروں کی ہڈیوں کو خاص طور پر یاد رکھنا سانپ، چھپکلی، مگر اور کچھوئے وغیرہ جو آج بھی موجود ہیں۔ ریگنے والے جانور ہیں۔ پرانے زمانے کے ریگنے والے جانور بھی اسی جاتی کے تھے۔ لیکن قد میں بہت بڑے تھے اور ان کی شکل میں فرق تھا۔ قصیں ان دیو کے سے جنتوں کی یاد ہوگی۔ جنہیں ہم نے سادھ کینکشن کے عجائب گھر میں دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک تیس یا چالیس فٹ لمبا تھا۔ ایک قسم کا مینڈک بھی تھا۔ جو آدمی سے بڑا تھا اور کچھوا بھی اتنا ہی بڑا تھا۔ اس زمانے میں بڑے بھاری بھاری چمکاڈر اڑا کرتے تھے اور ایک جانور جسے اگنوآنڈان کہتے ہیں۔ کھڑا ہونے پر وہ ایک چھوٹے سے بیڑ کے برابر ہوتا ہے۔

تم نے کمان سے نکلے ہوئے پودے بھی پتھر کی صورت میں دیکھے تھے۔ چٹانوں میں فرن، پتوں اور تاروں کے خوبصورت نشان تھے۔

ریگنے والے جانوروں کے پیدا ہونے کے بہت دن بعد وہ جانور پیدا ہوئے۔ جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ زیادہ تر جانور جنہیں ہم دیکھتے ہیں، اور ہم لوگ بھی، اسی جاتی میں ہیں۔ پرانے زمانے کے دودھ پلانے والے جانور ہمارے آج کل کے بعض جانوروں سے بہت ملتے تھے۔ ان کا قد اکثر بہت بڑا ہوتا تھا لیکن ریگنے والے جانوروں کے برابر نہیں۔ بڑے بڑے دانتوں والے ہاتھی اور بڑے ڈیل ڈول کے بھالو بھی ہوتے تھے۔

تم نے آدمی کی ہڈیاں بھی دیکھی تھیں۔ ان ہڈیوں کی کھوپڑیوں کو دیکھنے میں بھلا کیا
مرا آتا۔ اس سے زیادہ دلچسپ وہ چمک کے اوزار تھے۔ جنہیں شروع زمانے کے لوگ کام
میں لاتے تھے۔

میں نے تمہیں مصر کے مقبروں اور میوں کی تصویریں بھی دکھائی تھیں۔ تمہیں یاد ہوگا
کہ ان میں سے بعض بہت خوبصورت تھیں۔ لکڑی کے تابوتوں پر لوگوں کی بڑی بڑی کہانیاں
لکھی تھیں تمہیں کے مصری مقبروں کی دیواروں کی تصویریں بہت ہی خوبصورت تھیں۔

تم نے مصر کے تمہیں نامی شہر میں محلوں اور مندروں کے کھنڈروں کی تصویریں دیکھی
تھیں۔ کتنی بڑی بڑی عمارتیں اور کتنی بھاری بھاری کعبے تھے۔ تمہیں کے پاس ہی مین کی
بہت بڑی مورتی ہے۔ اوپری مصر میں کرناک کے پرانے مندروں اور عمارتوں کی تصویریں بھی
تھیں۔ ان کھنڈروں سے بھی تمہیں کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصر کے پرانے آدمی معماری کے
کام میں کتنے ہوشیار تھے۔ اگر انہیں انجینئرنگ کا اچھا گیان نہ ہوتا تو وہ یہ مندر اور محل کبھی
نہ بنا سکتے۔

ہم نے سرسری طور پرچے لکھی ہوئی باتوں پر ایک نظر ڈال لی۔ اس کے بعد کے خط
میں ہم اور آگے چلیں گے۔

آریوں کا ہندستان میں آنا

اب تک ہم نے بہت ہی پرانے زمانے کا حال لکھا ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ انسان نے کیسی ترقی کی اور کیا کیا کام کیے۔ اس پرانے زمانے کو اتھاس کا پہلا زمانہ کہتے ہیں کیونکہ اس زمانے کا ہمارے پاس کوئی سچا اتھاس نہیں ہے۔ ہمیں بہت کچھ اندازے سے کام لینا پڑتا ہے۔ اب ہم اتھاس کے شروع میں پہنچ گئے ہیں۔

پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اتھاس میں کون کون سی باتیں ہونگی۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ بہت پرانے زمانے میں مصر کی طرح ہندستان میں بھی سمیتا چھلی ہوئی تھی۔ روزگار ہوتا تھا اور یہاں کے جہاز ہندستانی چیزوں کو مصر، میسو پوٹامیا اور دوسرے دیشوں کو لے جاتے تھے۔ اس زمانے میں ہندستان میں رہنے والے دراوڑ کہلاتے تھے۔ یہ وہی لوگ ہیں، جن کی سنتان آج کل دکھنی ہندستان میں مدراس کے آس پاس رہتی ہے۔

ان دراوڑوں پر آریوں نے اثر سے حملہ کیا۔ اس زمانے میں مدھیہ ایشا میں بے شمار آریہ رہتے ہوں گے۔ مگر سب کا گزر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ دوسرے ملکوں میں پھیل گئے۔ بہت سے ایران چلے گئے اور بہت سے یونان تک اور اس سے بھی بہت جگہ تک نکل گئے۔ ہندستان میں بھی ان کے دل کے دل کشمیر کے پہاڑوں کو پار کر کے آئے۔ آریہ ایک مضبوط لڑنے والی جاتی تھی۔ اس نے دراوڑوں کو ہٹا دیا۔ آریوں کے ریلے پر ریلے اثر چٹھم سے ہندستان میں آئے ہوں گے۔ پہلے دراوڑوں نے انہیں روکا لیکن جب ان کی تعداد بڑھتی ہی گئی تو وہ دراوڑوں کے روکے نہ رک سکے۔ بہت دنوں تک آریہ لوگ اثر میں صرف افغانستان اور پنجاب میں رہے تب وہ اور آگے بڑھے اور اس حصے میں آئے جو اب سنیوکت پرانت کہلاتا ہے، جہاں ہم رہتے ہیں وہ اسی طرح بڑھتے بڑھتے مدھیہ بھارت کے دندھیا پہاڑ تک چلے گئے۔ اس زمانے میں ان پہاڑوں کو پار کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ وہاں گنے جنگلات تھے۔ اس لیے ایک مدت تک آریہ لوگ دندھیا پہاڑ کے آخر تک ہی رہے۔ بہتوں نے تو پہاڑیوں کو پار کر لیا اور دشمن میں چلے گئے۔ لیکن ان کے جھنڈ کے جھنڈ نہ جاسکے۔ اس لیے دشمن دراوڑوں کا ہی دیش بنارہا۔

آریوں کے ہندستان میں آنے کا حال بہت دلچسپ ہے۔ پرانی سنسکرت کتابوں میں قصص ان کا بہت سا حال لے گا۔ ان میں سے بعض کتابیں جیسے وید اسی زمانے میں لکھی گئی ہوں گی۔ رگ وید سب سے پرانا وید ہے اور اس سے قصص کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت آریہ لوگ ہندستان کے کس حصے میں آباد تھے۔ دوسرے ویدوں سے اور پرانوں اور دوسری سنسکرت کی پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ شاید ان پرانی کتابوں کے بارے میں تمہاری جانکاری بہت کم ہے۔ جب تم بڑی ہوگی تو قصص اور باتیں معلوم ہوں گی۔ لیکن اب بھی قصص بہت سی کھائیں معلوم ہیں جو پرانوں سے لی گئی ہیں۔ اس سے بہت دنوں بعد رامائن لکھی گئی اور اس کے بعد مہابھارت۔

ان کتابوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب آریہ لوگ صرف پنجاب اور افغانستان میں رہتے تھے، تو وہ اس حصے کو برصاوت کہتے تھے۔ افغانستان کو اس سے گندھار کہتے تھے۔ قصص مہابھارت میں گندھاری کا نام یاد ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ گندھار یا افغانستان کی رہنے والی تھی۔ افغانستان اب ہندستان سے الگ ہے لیکن اس زمانے میں دونوں ایک تھے۔

اب آریہ لوگ اور نیچے گنگا اور جمن کے میدانوں میں آئے، تو انھوں نے اتری ہندستان کے نام آریہ ورت رکھا۔

پرانے زمانے کی دوسری جاتیوں کی طرح وہ بھی ندیوں کے کنارے پر بے شہروں میں بھی آباد ہوئے۔ کاشی یا بنارس، پریاگ اور بہت سے دوسرے شہر ندیوں کے ہی کنارے ہیں۔

ہندستان کے آریہ کیسے تھے

آریوں کو ہندستان آئے ہوئے بہت زمانہ ہو گیا۔ سب کے سب ایک ساتھ تو آئے نہیں ہوں گے، ان کی فوجوں پر فوجیں، جاتی پر جاتی اور کنب پر کنب سیکڑوں برس تک آتے رہے ہوں گے۔ سوچو کہ وہ کس طرح لمبے قافلے میں سفر کرتے ہوئے، گزشتہ کی بھی چیزیں گاڑیوں اور جانوروں پر لادے ہوئے آئے ہوں گے۔ وہ آج کل کے یاتریوں کی طرح نہیں آئے تھے۔ وہ بھرلوٹ کر جانے کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ یہاں رہنے کے لیے یا لڑنے اور مرجانے کے لیے آئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر تو اتر بچم کی پہاڑیوں کو پار کر کے آئے، لیکن شاید کچھ لوگ سمندر سے ایران کی کھاڑی ہوتے ہوئے آئے اور اپنے چھوٹے چھوٹے جہازوں میں سندھ ندی تک چلے گئے۔

یہ آریہ کیسے تھے؟ ہمیں ان کے بارے میں ان کی لکھی ہوئی کتابوں سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ کتابیں جیسے وید، شاید دنیا کی سب سے پرانی کتابوں میں سے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں وہ لکھی نہیں گئی تھیں۔ انہیں لوگ زبانی یاد کر کے دوسروں کو سناتے تھے۔ وہ ایسی سندر سنسکرت میں لکھی ہوئی ہیں کہ ان کے گانے میں مزا آتا ہے، جس آدمی کا گلا اچھا ہو اور وہ سنسکرت بھی جانتا ہو، اس کے منہ سے وید یا پانچھ سننے میں اب بھی آند آتا ہے۔ ہندو ویدوں میں وہ سب گمان جمع کر دیا گیا ہے جو اس زمانے کے رشیوں اور منیوں نے حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں ریل گاڑیاں، تار اور سینما نہ تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس زمانے کے آدمی مورکھ تھے۔ کچھ لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ پرانے زمانے میں لوگ عقل مند ہوتے تھے، اتنے اب نہیں ہوتے۔ لیکن وہ چاہے زیادہ عقل مند رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ انہوں نے بڑے معرکے کی کتابیں لکھیں جو آج بھی بڑے آدر سے دیکھی جاتی ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے لوگ کتنے بڑے تھے۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وید پہلے لکھے نہ گئے تھے۔ لوگ انہیں یاد کر لیا کرتے

تھے۔ اور اس طرح وہ ایک پشت سے دوسری پشت تک پہنچے گئے۔ اس زمانے میں لوگوں کی یاد کرنے کی طاقت بھی بہت اچھی رہی ہوگی۔ ہم میں سے اب کتنے آدمی ایسے ہیں جو پوری کتابیں یاد کر سکتے ہیں؟

جس زمانے میں وید لکھے گئے۔ اسے وید کا زمانہ کہتے ہیں۔ پہلا وید رگ وید ہے۔ اس میں وہ بھجن اور گیت ہیں جو پرانے آریہ گایا کرتے تھے۔ وہ لوگ بہت خوش مزاج رہے ہوں گے۔ روکھے اور اداس نہیں بلکہ جوش اور حوصلہ سے بھرے ہوئے اپنی ترمیم میں تھے۔ وہ اچھے اچھے گیت بناتے تھے اور اپنے دیوتاؤں کے سامنے گاتے تھے۔

انہیں اپنی جاتی اور اپنے آپ پر بڑا غرور تھا۔ ”آریہ“ شبد کے معنی ہیں ”شریف آدمی“ ”اونچے درجے کا آدمی“ اور انہیں آزاد رہنا بہت پسند تھا۔ وہ آج کل کی ہندستانی سنان کی طرح نہ تھے جن میں ہمت کا نام نہیں اور نہ اپنی آزادی کھوجانے کا رنج ہے۔ پرانے زمانے کے آریہ موت کو غلامی یا بے عزتی سے اچھا سمجھتے تھے۔

وہ لڑائی کے فن میں بہت ہوشیار تھے اور کچھ کچھ دلیان بھی جانتے تھے مگر کھیتی باڑی کا گمان انہیں بہت اچھا تھا۔ کھیتی کی قدر کرنا ان کے لیے سوبھاوک بات تھی اور اس لیے جن چیزوں سے کھیتی کو فائدہ ہوتا تھا ان کی بھی وہ بہت قدر کرتے تھے۔ بڑی بڑی ندیوں سے انہیں پانی ملتا تھا۔ اسی لیے وہ انہیں پیار کرتے تھے اور انہیں اپنا دوست اور اپکاری سمجھتے تھے۔ گائے اور بیل سے بھی انہیں اپنی کھیتی کے روز مرہ کاموں میں بہت مدد ملتی تھی، کیونکہ گائے دودھ دیتی تھی۔ جسے وہ بہت شوق سے پیتے تھے۔ اس لیے وہ ان جانوروں کی بہت حفاظت کرتے تھے اور ان کی تعریف کے گیت گاتے تھے۔ اس کے بہت دنوں کے بعد لوگ یہ تو بھول گئے کہ گائے کی اتنی حفاظت کیوں کی جاتی تھی اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ بھلا سوچو تو اس پوجا سے کس کا کیا فائدہ تھا؟ آریوں کو اپنی جاتی کا بڑا گھمنڈ تھا اور اس لیے وہ ہندستان کی دوسری جاتیوں سے مل جل جانے سے ڈرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایسے قاعدے اور قانون بنائے کہ ملاوٹ نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے آریوں کی دوسری جاتیوں میں دواہ کرنا منع تھا۔ بہت دنوں کے بعد اسی نے آج کل کی جاتیاں پیدا کر دیں۔ اب تو یہ رواج بالکل ڈھونگ ہو گیا ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کے ساتھ کھانے یا انہیں چھونے سے بھی ڈرتے ہیں مگر یہ بڑی اچھی بات ہے کہ یہ رواج کم ہوتا جا رہا تھا۔

رامائن اور مہابھارت

کد کے زمانہ کے بعد کادیوں کا زمانہ آیا۔ اس کا اس لیے یہ نام پڑا کہ اس زمانے میں دو مہاکاویہ رامائن اور مہابھارت لکھے گئے، جس کا حال تم نے پڑھا ہے۔ مہاکاویہ ہند اس بڑی پتک کو کہتے ہیں، جس میں ویروں کی کھابیان کی گئی ہو۔

کادیوں کے زمانے میں آریہ لوگ آری ہندستان سے دندھیا پہاڑ تک پھیل گئے تھے۔ جیسا میں تم سے پہلے کہ چکا ہوں اس ملک کو آریہ ورت کہتے تھے۔ جس صوبہ کو آج ہم سنوکت پردیش کہتے ہیں۔ وہ اس زمانے میں مدھیہ پردیش کہلاتا تھا۔ جس کا مطلب ہے جج کا ملک۔ بنگال کو بنگ کہتے تھے۔

یہاں ایک بڑے مرے کی بات لکھتا ہوں۔ جسے جان کر تم خوش ہوگی۔ اگر تم ہندستان کے نقشہ پر گاہ ڈالو اور ہالیہ آڑ، دندھیا پر بت کے جج کے حصے کو دیکھو، جہاں آریہ ورت رہا ہوگا تو تمہیں وہ دوج کے چاند کے آکار کا معلوم ہوگا۔ اسی لیے آریہ ورت کو اندودیش کہتے تھے۔

آریوں کو دوج کے چاند سے بہت پریم تھا۔ وہ اس شکل کی فسمی چیزوں کو پوتر سمجھتے تھے۔ ان کے کئی شہر اسی شکل کے تھے جیسے بنارس۔ معلوم نہیں تم نے خیال کیا ہے یا نہیں کہ لہ آباد میں گنگا بھی دوج کے چاند کی سی ہو گئی ہے۔

یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ رامائن میں رام اور سیتا کی کھانا اور لٹکا کے راجا راوون کے ساتھ ان کی لڑائی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پہلے اس کھانا کو ہلمکی نے مسکرت میں لکھا تھا۔ بعد کو وہی کھانا بہت سی دوسری مہاشاؤں میں لکھی گئی۔ ان میں تلسی داس کا ہندی میں لکھا ہوا رام چتر مانس سب سے مشہور ہے۔

رامائن پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دکنی ہندستان کے بندروں نے رام چندر کی مدد کی تھی، اور ہنومان ان کا بہادر سردار تھا۔ ممکن ہے کہ رامائن کی کھانا آریوں اور دکن کے آدمیوں کی لڑائی کی کھانا ہو، جن کے راجا کا نام راوون رہا ہو، رامائن میں بہت سی سند

کھائیں ہیں۔ لیکن میں یہاں اکا دکا ذکر نہ کروں گا، تم کو خود ان کھاؤں کو پڑھنا چاہیے۔
 مہابھارت اس کے بہت دنوں بعد لکھا گیا۔ یہ رامائن سے بہت بڑا گرنتھ ہے۔ یہ
 آریوں اور دھمن کے دراوڑوں کی لڑائی کی کھا نہیں بلکہ آریوں کے آپس کی لڑائیوں کی کھا
 ہے۔ لیکن اس لڑائی کو چھوڑ دو تو بھی یہ بہت اونچے درجے کی کتاب ہے۔ جس کے گہرے
 وچاروں اور سندر کھاؤں کو پڑھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر ہم سب کو اس
 لیے اس سے پریم ہے کہ اس میں وہ اصولیہ گرنتھ رتن ہے۔ جسے بھگوت گیتا کہتے ہیں۔
 یہ کتابیں کئی ہزار برس پہلے لکھی گئیں تھیں۔ جن لوگوں نے ایسی کتابیں لکھیں۔ وہ
 ضرور بڑے آدمی تھے۔ اتنے دن گزر جانے پر بھی یہ پتھنیں اب تک زندہ ہیں۔ لڑکے انہیں
 پڑھتے ہیں اور سیانے ان سے اپدیش لیتے ہیں۔

سکھ داس

(جارج ایلیٹ کا سروشریشٹھ اپنیاس)

(سائیکس مارز کا ترجمہ)

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1-	بھومکا	298
2-	پہلا ادھیائے	303
3-	دوسرا ادھیائے	308
4-	تیسرا ادھیائے	311
5-	چوتھا ادھیائے	316
6-	پانچواں ادھیائے	321
7-	چھٹا ادھیائے	327
8-	ساتواں ادھیائے	332
9-	آٹھواں ادھیائے	338
10-	نواں ادھیائے	342
11-	دسواں ادھیائے	346

بھومکا

’سائیکس مارز‘ انگریزی کا مشہور اپنیاس ہے۔ وہ مانو ہر دیے کا ایک الوٹھا چتر ہے۔ لیلک نے بھاؤں کی مار بکنا کو ایسی اتم ریتی سے چرتا تھ کیا ہے کہ انگریزی بھاشا کے کتنے ہی دجگوں کے دچار میں یہ انگریزی کا سرؤتم اپنیاس ہے۔ اس کی بھاشا اتنی چٹیلی، اتنی مرم اسپرشی اور اتنی پرمھا پورن ہے کہ اس کا اتم الوواد کرنا کسی ہندی کے دھرندھر لیلک ہی کا کام ہے۔ ’سکھ داس‘ اس کا الوواد ہونے کا دجوا نہیں کرتا۔ یہ اس کا کیول روپانتر ماتر ہے، کیول انکار وچین چھایا ہے۔ اسے انگریزی کپڑوں کے بدلے دیسی کپڑے پہنا دیے گئے ہیں، بھاؤ، استھان، دلش، ریتی نیتی سب کچھ جاتیہ رنگ میں رنگ دیے گئے ہیں۔ کم سے کم اس کی چھٹا کی گئی ہے۔ اس دلش پریورتن میں ہمیں دلوش ہو کر بہت کچھ الٹ پھیر کرنا پڑا ہے۔ ایلینٹ کے اپنیاسوں میں انگریزی جیون کا بہت چوکھا رنگ ہوتا ہے۔ ہم کو یہ سب مٹانا پڑا۔ سکھ داس اس سائیکس مارز روپی دودھ کا مکھن چاہے نہ ہو، پر اس لکڑی کا ہیر اوشیہ ہے، اتھوا اسے اس تصویر کا رنگ رت خاکہ کجھے۔ ہم نے چھٹا کی ہے کہ پاتروں کے دوارا کوئی ایسے بھاؤ نہ پرکٹ کرائے جائیں، جو ہم بھارت واسیوں کو اپرچھٹ سے جان پڑیں۔ قصہ وہی رہے، پر سو بھاؤ کتا ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہم کہاں تک اس پرین میں مکمل ہوئے ہیں اس کا انومان کرنا پاشکوں پر چھوڑنا ہی اچھٹ ہے۔

’جارج ایلیٹ‘ کا اصلی نام ’میری ایٹن ایونس‘ تھا۔ اس نے استری ہوکر پُرش کا نام رکھا تھا، اس کا کارن یہ ہے کہ اس سے لکھکاؤں کو ساہتیہ ساج میں آدر کی درہٹی سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہی اس کے سے میں بھی کئی اپنیاس لکھکائیں درقمان حصیں جنہیں اپنا اصلی نام پرکٹ کرنے میں کوئی سکوج نہ ہوتا تھا اور آج کل تو سینکڑوں مہلائیں اپنیاس لکھتی ہیں پر تو بھی اس سے میں ’لیڈی ناولسٹوں‘ کی کچھ نہ کچھ ہیکھا اوشیہ ہوتی تھی۔ پر میری ایٹن ادھیک سے تک گپت نہ رہ سکیں۔ چارلس ڈکنس نے، جو اس سے کے سرورشر-مٹھ اپنیاس کار تھے، جارج ایلیٹ کی پہلی رچنا کو دیکھ کر اسپٹ کہہ دیا کہ اس کو لکھنے والی اوشیہ کوئی استری ہے۔

میری ایٹن کا جنم نومبر 1819 کو ہوا۔ اس کے پتا کا نام رابرٹ ایونس تھا جو بوہٹی اور راج کا دیوسائے کرتا تھا۔ وہ بہت ہی کاریہ کشل اور ستیہ وادی منش تھا۔ جارج ایلیٹ نے ’آڈم بیڈ‘ نام کے اپنیاس میں اپنے پتا کا بہت ہی واستوک اور آتم چتر انکت کیا ہے۔

میری این کی اوستھا کے 21 ورش اپنی جنم بھوی ہی میں وقیت ہوئے۔ یہیں اس کو گرامین جیون کا وہ الوہو پراپت ہوا جس کا اس نے اپنے اپنیاسوں میں بڑی مارک ریتی سے وزن کیا ہے۔ گرامین جیون کا اُلکھ ہی ایٹ کے اپنیاسوں کا پردھان گن ہے۔ یہاں اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ اس کے ہر دیے استھان پر انکت ہوتا گیا۔ کلپنا کے انکرشٹ رنگوں میں رنگ کر اس کی ہالیا وستھا کے دیہاتی منش امر ہوئے ہیں۔

میری ایٹن نے 16 برس کی اوستھا میں اسکول کی کھچھا پراپت کر لی اور وہ اپنے پتا کی گرونی بن گئی۔ اسکول میں وہ ایک سادھارن بالیکا تھی۔ پر جھا کا اس سے تک دکاس نہ ہوا تھا۔ ہاں، پتھکا لوکن سے اسے ویش زچی تھی اور اس کے سوبھاؤ میں دچار ہیلٹا اور دیالوتا کی ماترا ادھک تھی۔

میری سن جب 21 ورش کی ہوتی ہوئی تو دیرے دیرے دھارک دھیسوں سے اس کا پرچے ہونے لگا۔ اس سے میں یورپ کے سبھی پردیشوں میں عیسائی مت پر وڈجنوں کو ہنکائیں ہونے لگی تھیں اور سوتیز دھارک دھاروں کا پرابلیہ ہوتا جاتا تھا۔ میری سن پر دھار سوتیز کا جادو چل گیا۔ اس کی کئی سوا دھین متالہیوں سے مترتا ہوگئی اور ان کے ست سنگ کا اس پر اتا پر بھاڈ پڑا کہ انت کو اس نے بھی عیسائی دھرم کو تیاگ دیا اور گر جا گھر میں المیٹوندا کے جنت جانے سے وہ سکوچ کرنے لگی۔ اس کے بوڑھے اور پراچین دھرم کے بھکت پتا کو اس کے دھار پر یورتن سے اتھیت دکھ ہوا۔ ویش اس لیے کہ میری سن گر جا میں نہ جاتی تھی۔ نکٹ تھا کہ یہ دھارک مت بھید انھیں سدا کے لیے پرتھک کر دیتا، پرتروں کے سمجھانے بجھانے کا یہ اثر ہوا کہ میری سن نے اپنے پتا کو پرسن رکھنے کے لیے گر جا گھر جانا سویکار کیا۔ پر وہ اپنے سوتیز دھاروں کو نہ تیاگ سکی۔ اسی دھن میں اس نے جرمن بھاشا میں لکھے ہوئے ”میشی مسج“ کے ایک جیون چتر کا انگریزی بھاشا میں الواد کیا، جس میں اسوا بھاوک چھاروں کا خوب کھٹن کیا گیا تھا۔ ید ہی اس نے اپنے پراچین دھرم کو چھوڑ دیا تھا جس پر بھی وہ دراگرہ پورن ہنکاواد کا سرخص نہ کرتی تھی۔ وہ عیسائی دھرم کے سدمنوں کو سویکار کرتی تھی۔ اس کے گرتوں کو دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک کچے عیسائے نورانی کی رچتا نہیں ہے۔ وہ دھارک سرلتا اور دڑھتا کا ہردے سے آدر کرتی ہے اور عیسائی دھرم تھا جیون کے بہت ہی سہر دیتا پورن چر کھینچتی ہے۔ کداچت وہ اردھ ٹھکھت بھتا کے لیے عیسائی مت ہی کو آپ ٹھک بھکتی تھی۔ بھتا کو دھار سوا دھتا سے لا بھ کے بدلے الٹے ہانی ہونے کا بھے بھی تھا۔ اسے وہ ٹھکھت سوادے کے لیے انوکول بھکتی تھی۔ دودالوں میں سدھانت پریم جو کام کرتا ہے، وہی کام بھتا میں شر دھا کرتی ہے اور شر دھا سدھانتوں سے پریم نہیں کرتی۔ وہ ادھاروں میں بھکتی کرتی ہے۔

سن 1849 میں رابرٹ ایونیس صاحب کا دیہانت ہو گیا۔ میری سن نے پتا کی

مرتہ کے بیچات کچھ سے یک یورپ کے پردھان دیشوں میں بھرمین کیا۔ وہاں سے لوٹ کر وہ لندن کے ایک پرسدھ ماسک ہتر کی سہایک سہایکا کا کام کرنے لگی۔ یہاں اسے بڑے بڑے لکھکوں اور دودالوں سے سرگ کا اصر ملا۔ ہر برٹ اسپنسر سے اسی سے اس کا پر پیچے ہوا اور دونوں میں مترتا ہوگئی، جو جیون پر عنت رہی۔ انھیں دودان متروں میں ایک بجن جارج ہنری لوکس تھے۔ انھیں کی پرینا سے میری اسق نے ساہتیہ جھمیر میں پدارپن کیا۔ 1857 میں اس نے اپنی کئی گھوں کا ایک سگرہ پرکاشت کرایا۔ جس میں عیسائیوں کے دھارک جیون کے چتر کھینچے گئے تھے۔ اس پتک کا چارلس ڈکنس آدی اپنیاسکاروں نے ایسا ادارتا پورن سواگت کیا کہ اس سے انجھت ہوکر جارج ایلٹ نے 1857 میں اپنا پہلا اپنیاس ”آڈم بڈ“ پرکاشت کیا۔ ”ساکس مارز“ جو اس کا تیسرا اپنیاس ہے، 1861 میں پرکاشت ہوا۔ یہ اس کی سرورٹرٹ رچتا مانی جاتی ہے۔

یہ چاروں گرنتھ جارج ایلٹ کے سرورتم گرنتھ ہیں۔ ان ہی نے اس کی کھیاتی دیش دیشاتروں میں پھیلا دی۔ ان پتکوں میں اس نے اسی جیون کے ورشیر اور چتر دکھائے ہیں، جنھیں اس نے سویم اپنے بالیہ کال میں دیکھے تھے۔ اور اسی کارن یہ بہت ہی جمو اور مارک ہو گئے ہیں۔

اس کے بیچات اس نے پھراٹلی کی سیر کی اور وہاں سے لوٹ کر ایک اتھاسک اپنیاس لکھا جس کا نام ”ردمولا“ ہے۔ 1868 میں اس کا ”فیلکس ہولٹ“ نکلا جو کچھ سالوچکوں کے دچار میں روندرباؤ کے گھرے اور باہرے کا مولادھار ہے۔ 1876 میں اس کی اتم پتک ”ڈیٹیل ڈیروڈھا“ پرکاشت ہوئی۔ ان کچھلی رچتاؤں میں جارج ایلٹ کو وہ سھلنا نہیں ہوئی جو پورو رچتاؤں میں ہوئی تھی۔ اس میں اس نے اپنی دودکا، اپنے دارھنک سدھاتوں اور اپنے ہیک اپدیشوں کو چرتاتھ کیا ہے۔ چترروں کا ڈیلیشن ان کا اٹھان اور تھن اور ان کی منورتیوں کی میمانسا ان گرنتھوں کے پردھان مکن ہیں۔ پر ان میں وہ بجوتا اور

سواہاؤکنا نہیں آسکی ہے جو اس کی پورو رچتاؤں کے مٹو کا کارن ہے۔ اپنیاس وہی اُنم ہوتا ہے جو سواہاؤک اور روچیکر ہو۔ وڈوتا کے لیے یہاں بہت کم استمان ہوتا ہے۔ چہتروں کی ممانا اوشیہ اپنیاسوں میں ہونی چاہیے۔ کتو اتنی جمل اور سوکھم نہیں کہ پرتیک واقعہ اور وچار کی چمان بین کی جائے۔ اس سے کہانی کے پرواہ میں بادھا پڑتی ہے، اور پانھک اکتا کر پڑھنا چھوڑ دیتا ہے۔ جارج ایلٹ کے پچھلے گرتوں میں یہ دوش ہے۔ جس کے کارن وہ بہت کم پڑھے جاتے ہیں۔ وہ شطک اور زچیو دارفک، بیک اور ساجک سدھانتوں کے بوجھ سے لدے ہوئے ہیں۔ 1880 میں 61 ورش کی اوستا میں جارج ایلٹ کا دیہانت ہو گیا۔

پریم چند

پہلا ادھیاءے

ایک ایسا سے بھی گزرا ہے جب کہ بھارت کے گاؤں گاؤں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں استریاں چرخا کا تا کرتی تھیں۔ کیول سادھارن شریٹی کی استریاں ہی نہیں، ریشمی دستروں سے دھوشت استریاں بھی اس کام کے کرنے میں سکوچ نہ کرتی تھیں۔ کبھی کبھی دورستہ بستیوں میں سادھارن پرکار اور پیلے رنگ کے پھیری والے بھی دکھائی دیتے تھے، جو ہرشت پرشت گرامینوں کی آنکھیں لکھوتر معلوم ہوتے تھے۔ کرشکوں کے کتے انھیں اپرچھت معلوم ہوتے تھے۔ یہ لوگ یا تو جولاہے ہوتے تھے، یا باسلی۔ ان کی پنہ پر سوت یا باسٹے کی دستروں کی گھڑی ہوتی تھی، جس کے بوجھ سے وہ جھکے ہوئے چلتے تھے۔

گت شتابدی کے آرمھ میں سکھ داس نام کا جولاہا ایک پتھر کے مکان میں اپنا کام کیا کرتا تھا، جولاہور میں استھت تھا۔ اس کے کرگھے اور چرنے میں سے اس پرکار جھنسناتی ہوئی دھونی نکلتی تھی کہ گاؤں کے بالک اپنے روچک کھیلوں کو چھوڑ کر اس کے مکان کی کھڑکیوں میں سے یہ کوئک دیکھا کرتے تھے۔ وہ چرنے کے بھن بھن پرکار کے سؤر اور پھرکیوں کو دیکھ کر آٹھر یہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی جب سکھ داس ٹوٹے ہوئے دھاگوں کو جوڑنے یا اور کوئی دوش دور کرنے کے لیے اپنے استھان سے اٹھتا اور بالکوں کو کھڑکیوں میں سے جھانکتے ہوئے دیکھتا تو ان کو بھے دکھانے کے لیے ان کی اُور آنکھیں نکال کر دوڑتا تھا۔ بچارے بالک ڈر کے مارے چپت ہو جاتے تھے۔

گرام کے بالکوں نے اپنے پتا ماتا سے سنا تھا کہ سکھ داس چاہے تو مٹیا آدی کی اوشدھی کر سکتا ہے۔ وہ بھوت پریت آدی سے بھی پرچت بتلایا جاتا تھا۔ اس سے کے کرشکوں کے کچھ اسی پرکار کے وچار تھے اور ہونے بھی چاہیے تھے، کیونکہ وہ سنسار کی باتوں سے کورے تھے۔ ان کے سمپ دکھ اور کشت کا جھمتر آند اور سکھ کے جھمتر سے ادھک دسترن تھا۔ ان کے من اور وچار ان باتوں کی کلپنا بھی نہ کر سکتے تھے، جو اچھاؤں اور آشاؤں کا سروت ہیں۔

اس کے پرنیکول ان کے مشتعل ان دھاروں اور شروتیوں سے پرہیز تھے، جو بھی کاری ہوتے تھے۔

لاہور دیش کے اس بھاگ میں اسٹھ تھا، جہاں کی بھوی سرمی تھی اور سڑک سے ایک گھنٹے کے مارگ پر ہونے کے کارن وہاں دھرم اور بھگتی کی چرچا بھی رہتی تھی۔ سکھ داس اس گاؤں میں ۱۵ ورش پورو آکر بسا تھا۔ یدھی ناگرکوں کے سمپ اس منش میں کوئی ادبھت بات نہ تھی تنہا پی گرامینوں کے دھار سے وہ ایک ادبھت منش تھا۔ اس کے رہن بہن کا ڈھنگ آچھ نرالا سا تھا۔ نہ تو کسی کے گھر جاتا اور نہ کسی کو اپنے گھر بلاتا۔ وہ تمباکو یا مدرا آدی بھی نہ پیتا تھا۔ وہ کیول اپنے جیو کا سمبندھی کاریوں کے دس تو دوسروں کے پاس جاتا باقی سے اپنے ویوسائے اور دھرام میں دیتیہ کرتا تھا۔

سکھ داس مدیم ادبھتائی کا منش تھا۔ اس کا رنگ پیلا تھا، اس کے نتر ادبھت پرکار کے تھے، مانو کسی مردے کی آنکھیں ہوں۔ اس نے اپنی ماں سے جڑی بوٹیوں کا گیان پراپت کیا تھا اور تنز منتر بھی وہ جانتا تھا۔ جھاڑ پھونک کر روگیوں کو اچھا کر دیتا تھا۔ انھیں باتوں کے کارن وہ ادبھت پر کرتی رکھتے ہوئے بھی لوگوں کے اتیاچار سے سورکھت رہ سکتا تھا۔

پر ۱۵ ورش پہلے جب وہ مدھون نام کے گاؤں میں رہتا تھا، اس کا جیون ایسا ششک اور آند وین نہ تھا۔ وہاں اس کا آدر کیا جاتا تھا اور لوگ اسے دھارمک منش سمجھتے تھے۔ اسی گاؤں میں ایک بار کرتن کے سے وہ شوالے میں اچیت ہو گیا تھا۔ تب سے اس پر لوگوں کی شردھا اور بھی ہو گئی تھی۔ وہاں اس کے متروں میں گوپال نام کا ایک یووک تھا۔ سکھ داس بہودھا اس کے ساتھ آمود پرمود کیا کرتا تھا۔ وہ دونوں سند پو ایک ساتھ بھوجن کرتے تھے، گوپال بھی سچر تر سمجھا جاتا تھا اور راماین آدی پڑھ سکتا تھا، جس کے کارن وہ شوالے کے پجاری کو بھی تجھ سمجھتا تھا۔ دونوں متروں میں پرایہ کتی اور اس کے سادھن کے دشنے میں وارتا ہوا کرتی تھی۔ گوپال ہی کے ادھیوگ سے سکھ داس کا دواہ بھی نچھت ہو گیا تھا اور اس کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ انھیں دنوں گاؤں کے مندر کے مہنت رام داس بیمار ہو گئے۔ گاؤں کے لوگ ان کو پوجیہ سمجھتے تھے۔ اتیو باری باری سے ان کی سیوا شوشرشا کرنے لگے۔ ہینہ ہینہ سکھ داس کی باری آئی۔ ایک راتری جب کہ وہ اکیلے مہنت جی کے پاس تھا تو ان کا دیہانت ہو گیا۔ اس دن گوپال کی باری بھی تھی۔ پر وہ ایک گھنٹے کے لیے بھی نہ آیا۔ پراہ کال گاؤں

میں یہ ساچار پھیلا تو لوگ جمع ہو کر مہنت جی کی داہ کر یا کا پر بندھ کرنے لگے۔ وہاں سے لوٹنے پر سکھ داس گوپال کے پاس جانے ہی والا تھا کہ مندر کے پجاری جی اسے لیے ہوئے سوکیم آگئے اور بولے — آج کرتن کے سے اوشیہ آتا۔ سکھ داس نے اس کا کارن پوچھا، تو انھوں نے اثر میں کہا کہ کارن دہیں گیات ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ گوپال کے ساتھ چلے گئے۔

سکھ داس جب نینت سے پر مندر میں پہنچا، تو گاؤں کے کتنے ہی بچن جمع تھے۔ پجاری نے ایک چاقو نکال کر سکھ داس کو دکھایا اور پوچھا — 'یہ چاقو تم کہاں بھول گئے تھے؟' سکھ داس نے اثر دیا — 'یہ تو میرے جب میں تھا۔' پجاری — تو میرے پاس کیسے آگیا؟ سکھ داس — 'یہ میں نہیں بتا سکتا۔'

پجاری — 'تم اپنا دوش دیتھ چھپاتے ہو۔ یہ چاقو مہنت جی کے بستر کے نیچے ملا ہے، جہاں مندر کی آمدنی ایک تھیلی میں بھری ہوئی رکھی تھی۔ کسی نے وہ تھیلی وہاں سے اڑا دی اور اڑانے والا اس چاقو کے مالک کے سوا اور کون ہو سکتا ہے!'

سکھ داس کئی منٹ تک چپ کھڑا رہا۔ انت میں اس نے کہا — میں زردوش ہوں۔ مجھے نہ تو معلوم ہے کہ میرا چاقو وہاں کیسے پہنچ گیا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ روپے کس نے لیے۔ تم میری اور میرے گھر کی تلاشی لے لو۔ تمہیں وہاں کیول ۵۰ روپے رکھے ہوئے ملیں گے جو میں نے بچا کر رکھ چھوڑے ہیں۔ وہ وہاں چھ مہینے سے رکھے ہوئے ہیں اور یہ بات گوپال بھی جانتا ہے۔'

گوپال — یہ سن کر بھنبھانے لگا، جس کا آشیہ یہ تھا کہ میں کسی کے گھر کا حال کیا جانوں پر پجاری جی نے زور دے کر کہا — سلکھو! میرے پاس پورا پرمان ہے۔ روپیہ گت رات کو لوپ ہو گیا۔ رات کو تم ہی مہنت جی کے پاس تھے۔ گوپال وہاں اسوٹھ ہو جانے کے کارن نہیں گیا۔ اسے تم بھی سویکار کرتے ہو۔ اب تمہیں بتاؤ، کس پر سند یہ کیا جائے؟

سکھ داس — سمھو ہے، میں سو گیا ہوں، یا مجھے مر چھا آگئی ہوگی جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو۔ کداچت اسی سے کوئی چور آگیا ہوگا۔ میں زردوش ہوں، تم ابھی چل کر میرے گھر کی تلاشی لے لو، کیونکہ ابھی گھر سے میں کہیں گیا بھی نہیں!

ندان سکھ داس کے گھر کی تلاشی لی مئی اور گوپال نے مہنت جی کی خالی قیلی سکھ داس کے دروازے کے پیچھے لٹکی ہوئی پائی۔ اس نے کہا ”متر اپرا دھ سوپکار کر لو، جھوٹ بولنے سے کیا لایہ؟“

سکھ داس نے گوپال کی اور تجھ درشتی سے دیکھ کر کہا۔ ”تم مجھے نو درشوں سے جاننے ہو۔ تم نے کبھی مجھے جھوٹ بولتے ہوئے دیکھا ہے؟ میں جھوٹ سے گھرنا کرتا ہوں۔ ایثور مجھے اوشے نزدوش سدھ کریں گے۔

گوپال۔ مجھے کیا خبر کہ تم اپنے من میں کیا کیا گپت سنگھپ کرتے ہو اور اس میں پشاج کو استھان دیتے ہو۔

یہ بات سن کر سکھ داس کا چہرہ متمنا گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی کو تھا کہ کسی آنترک دکھ کے کارن رک گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ از گیا اور ہونٹ کاٹنے لگے۔ انت میں اس نے گوپال کی اذر دیکھ کر کہا۔ اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب میں مہنت جی کے پاس گیا تو میرے جیب میں چاقو نہیں تھا۔

گوپال میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اس چھل کپٹ سے اب کام نہ چلے گا۔ سکھ داس کو کئی آدمیوں نے چاروں اڈر سے گھیر لیا اور وہ بھن بھن پرشن پوچھنے لگے۔ پر اس نے کسی کو اثر نہ دیا۔ کیول یہی کہتا رہا کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایثور مجھے نزدوش سدھ کرے گا۔

قانون کا آشریہ لینا اس مندر کے عیم کے ورودھ تھا۔ اس اپرا دھ کا جو بڑے سے بڑا دنڈ دیا جاسکتا تھا، وہ یہ تھا کہ صرف ذات سے ہڈ پانی بند کر دیا جائے۔ اور یہی کیا گیا۔ کچھ لوگوں نے چور کا پتہ لگانے کے لیے چٹیاں ڈالیں اور سینگ وٹ اس میں بھی سکھ داس ہی کا نام نکلا۔ اب اس کے چور ہونے میں کوئی سند یہ نہ رہا۔ بیماری نے اسے برادری میں ملنے کا اب بھی ایک اڈسر دیا۔ اس شرط پر کہ روپیہ واپس دے دے اور بھر چوری نہ کرنے کا پرن کرے۔ پر سکھ داس نے اس کا بھی اثر نہ دیا۔

اس کے پشچات سکھ داس نراش ہو کر گھر چلا آیا اور اپنے من میں اس درگھٹا پر آکو چٹائیں کرنے لگا۔ میں نے بھلی بار ایک دھاگا کاٹنے کے لیے چاقو دیا تھا، تب سے بھر اسے میں نے جیب میں نہیں رکھا۔ وہ اوشیہ ہی گوپال کے پاس تھا۔ گوپال نے میرے ساتھ

وشواس گھات کیا۔ اس سنسار پر نئے کاری ایسور شاشن نہیں کرتا، بلکہ وہ انہائی ہے جو
 زردوشیوں کو دوشی سدھ کرتا ہے۔ وہ دن بھر اداس بیٹھا رہا۔ دوسرے دن اس چتا کو دور کرنے
 کے لیے اس نے کام کرنا شروع کیا، پر اس کا بجی بالکل نہ لگا۔ وہ ایک ماس تک اس گاؤں
 میں اڈر رہا۔ بالکل اسی طرح جیسے قیدی کاراواں کرے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے کسی
 استھان پر چلا گیا۔

دوسرا ادھیائے

مدھوبن سے نکل کر وہ جس گاؤں میں آیا، اس گاؤں کا نام لاپور تھا۔ یہی وہی اس سے کوئی پرچت نہ تھا، پر زمیندار کی دیالوتا سے اسے چھوٹا سا مکان مل گیا اور وہاں وہ اکانتو اسی بن کر جیون دیتیہ کرنے لگا۔ ادھیکتر وہ اپنا سے کرکھے پر لگاتا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے بھوجن بناتا، اپنا پانی آپ بھرتا اور اپنے کپڑے بھی آپ دھو لیتا۔ وہ لوگوں سے الگ رہنے لگا۔ بیتے ہوئے سے کو بھول کر بھی اسمرن نہ کرتا۔ بھوشہ میں بھی اسے کچھ آشنا نہ تھی۔ اس معھیادوشاروپن نے اسے دھرم اور سنسار دونوں سے وٹکھ کر دیا۔

وہ اپنے کام میں اتنیہ چڑ تھا۔ دھیرے دھیرے اس کے کپڑوں کی مانگ بڑھنے لگی۔ اس گاؤں میں سوبھاگی نام کی ایک ٹھکرانن رہتی تھی۔ اس نے سکھ داس سے ایک ادھمئی بنوائی اور اسے مجوری میں ایک مہر دی۔ پرتو اس کے لیے وہ اشرفی کس کام کی تھی، جبکہ اس کا ہردے اوٹو اس سے چڑت ہو رہا تھا۔

ایک دن جب کہ سکھ داس اپنے جوتوں کی مرنت کرانے کے لیے موچی کے یہاں گیا تو دیکھا کہ اس کی استری اس کے پاس بیٹھی ہوئی ہے! اس کی صورت سے جلودر روگ کے چہرہ پر کٹ ہوتے تھے۔ اس سے اسے اپنی ماما کا اسمرن آیا، جس کا دیہانت اسی روگ سے ہوا تھا۔ اتہہ اسے دکھنی پر دیا آگئی۔ اس نے ایک ادھمئی بنا کر اسے دی اور سنیوگ وٹس اسے لایہ ہوا۔ اس بیچاری کو دیدھوں اور ٹکیسوں کی ادھمئی سے کوئی لایہ نہ ہوا تھا۔ جب اسے سکھ داس کی ادھمئی سے لایہ ہوا تو لوگوں کو بڑا آٹھر یہ ہوا۔ دیدھوں کی ادھمئی سے سوتھ ہونا ایک سوبھاوک اور سادھارن بات تھی، پرتو ایک جولاہے کی ادھمئی سے سوتھ لایہ کرنا آٹھر یہ جک تھا۔ اس گاؤں میں یہ پہلا ہی اوسر تھا کہ ایک جولاہے کی ادھمئی سے اسادھیہ روگ جاتا رہا۔ تب سے سکھ داس کو لوگ ایک ادھب منٹ سمجھنے لگے۔

اس منٹنا سے سکھ داس چاروں اور پرسدھ ہو گیا۔ ماما ئیں آتیں، کوئی بچے کی کھانسی

کے نوار تاتھ ستر مانتیں۔ کوئی دودھ اترنے کا ٹونکا پوچھتی۔ کوئی منش مٹھیا کی اوشدھی مانگتا اور کوئی پٹھے کے درد کی۔ یدی وہ دوا دینے میں کچھ سکوچ کرتا تو اسے روپیہ کا لوبھ دیا جاتا۔ پر سکھ داس روپیہ کا داس نہ تھا اور کبھی بھی نہ ہوا تھا۔ پر جب روگیوں کی سکھیا دن و دن بڑھنے لگی تو سکھ داس کو ان لوگوں سے کشت ہونے لگا۔ انت میں اس نے ایک دن صاف کہہ دیا کہ میرے پاس کوئی روگی نہ آئے۔ مجھے نہ تو کوئی سدھی ہے اور نہ جادو ٹونے آتے ہیں۔ اس کا پھل یہ ہوا کہ سارے گاؤں کے لوگ سکھ داس سے اپرن ہو گئے۔ یدی کسی اُچ جاتی کے منش نے یہ بات کہی ہوتی تو وہ جھمیہ سمجھا جاتا، پر ایک جولاہے کو اتنا گھمنڈ ہو، یہ روگیوں کی سہن گشتی سے بھی باہر تھا۔ لوگ اس کی صورت سے بھی چڑھنے لگے۔

سکھ داس کو گاؤں والوں کی اس اچکھا سے لہجہ ستر بھی کھید نہ ہوا۔ وہ اپنے کام میں تھنے ہو گیا۔ پرتی دن ۱۶ گھنٹے پریشرم کرتا۔ روکھا اور سادھارن بھوجن کرتا۔ اسے روپے جمع کرنے کی چاٹ پڑ گئی۔ وہ ہر دم اس چٹنا میں رہتا کہ کسی طرح مہروں کی سکھیا بڑھ جائے۔ یدی اس ماس میں پانچ مہریں ہیں تو دوسرے میں بیس اور پھر تیس ہو جائیں۔ اسی کرم سے اس کی اچھا اترو تر بڑھتی جاتی تھی۔ کام کرتے کرتے بھی اسے اپنی سکتی کا دھیان آ جاتا تھا۔ کام سے چھٹی پاتے ہی وہ ہر راتری کو وہ برتن نکالتا جس میں اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں، اور انھیں نکال کر گنتا۔ اس کام میں اسے اہم آئند اور سنتوش ہوتا تھا۔ مانو وہ دروہ کا اپاسک تھا۔ گھنے کے بعد ان اشرفیوں کو ایک تھیلی میں بند کر کے ایک گڈھے میں رکھ دیتا تھا اور اوپر سے بالو پھیلا دیتا تھا۔ اسے چور اور ڈاکوؤں کا ڈر نہ تھا۔ کیونکہ اس سے کے لوگ ایماندار ہوتے تھے۔

پرتی ورش سکھ داس کا دھن بڑھتا گیا اور برتن اشرفیوں سے بھرتا گیا۔ اس کے جیون کے اب کیول دو اولمب تھے۔ ایک کپڑے بنا، دوسرا دھن سچھے۔ وہ کنھن پرشرم کرتا اور دھن سچھے کرنے میں اس پرکار لبت رہتا، مانو یہی اس کے جیون کی مہو کا نچھا ہے۔ اس نرتر پرشرم سے وہ دبلا ہو گیا۔ ۴۰ ورش ہی کی اوستھا میں اس کی کمر جھک گئی، رنگ پیلا پڑ گیا اور آنکھوں سے کم دکھنے لگا۔ اتیو گاؤں کے بالک اسے بوڑھا سکھ داس کہنے لگا۔

اس سانسارک ویریکھ کے ہونے پر بھی سکھ داس میں پریم کا چند شیش تھا جو اس گھٹنا سے ووت ہوتا ہے۔ جب سے وہ لال پور آیا تھا، تھمی سے اس کے پاس ایک جل کا

گھڑا تھا، جسے وہ بہت چاہتا تھا۔ سوئیم وہ کنوئیں سے جل لاتا اور پیچہ گھڑے کو اس کے ٹمبھ استھان پر رکھ دیتا۔ ایک دن جب وہ گھڑا بھر کر لوٹ رہا تھا، تو اس نے ٹھوکر کھائی، گھڑا گرا اور ایک پتھر سے لگ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سکھ داس کو بہت کھید ہوا۔ یدھی پھوٹے گھڑے سے کوئی کام نہ نکل سکتا تھا تنہا ہی وہ ٹکڑوں کو لے آیا اور اس نے اسے جوڑ کر نچھٹ استھان پر رکھ دیا۔ پھوٹے گھڑے کو دیکھنے سے اس کے چت کو شانتی ہوتی تھی۔

سکھ داس کے جیون کے پندرہ ورش اسی بھانجی لال پور میں بیٹے۔ دن بھر کام کرتا، رات کو بھی کام کرتا۔ کچا پکا بھوجن بنا کر کھاتا، تب اشرفیوں اور روپیوں کو گنتا۔ اس کے بعد شین کرتا۔ وہ صرف چاندی کے سکوں کو دیے کرتا تھا، اشرفیوں کو کبھی نہ بھناتا تھا۔ اشرفیوں کو گنتے سے اس کے بھڑوں سے دروئے پریم کی جیوتی نکلتی تھی۔ جب دھن ادھک بڑھ گیا تو اس نے اسے چڑے کی قھیلی میں رکھنا شروع کیا، پر اس کا دھنڈلوکن اور نرنگھن پور دوت جاری رہا۔ اسے دروہ سے اتنا پریم ہو گیا تھا کہ رات کو سوتے سے بھی وہ روپیوں اور اشرفیوں کا ہی سوچن دیکھتا۔ یدھی اس کے پاس بہت دھن جمع ہو گیا تھا، پر گاؤں والوں کو اس کی ذرا بھی خبر نہ تھی۔

تیرا ادھیائے

لاپور میں سب سے پرسدھ اور پریشکھ پرش ٹھاکر نریش نگہ تھے۔ وہ ایک وشال بھون میں رہتے تھے۔ یدھی ان کے پاس بھوی بہت تھوڑی تھی اور آسامی بھی ادھک نہ تھے۔ پر سے پڑنے پر وہ ان کے یہاں اس پرکار سے دوپائی بچانے جاتے، مانو وہ ان کے راجا ہیں۔ بھتا نے انھیں راجا کی پدوی پردان کر دی تھی۔ لاپور میں اس سے تک کبیر کے اپدیشوں کا پر بھاد نہیں پڑا تھا۔ وہاں کے نواسی آند سے جیون وقیعہ کرتے تھے۔

ٹھاکر نریش نگہ ایک تو سویم فضول خرچ آدمی تھے، دوسرے ان کی استری کا دہانت ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کے گھر میں بہت کچھ ٹھہر بندھ تھا۔ ان کے دولڑکے تھے۔ بڑا لڑکا مہیپ نگہ ایک پھرت یووک تھا، پر آلس میں پڑے رہنے کے کارن وہ گھر کے کاموں میں اپنے ہتا کی سہانچا نہ کرتا تھا۔ دوسرا پتر دلیپ نگہ شرابی اور آوارہ تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنے بڑے بھائی سے روپیا ادھار لے لیا کرتا، پر دینا نہ جانتا تھا۔ اور یدھی مہیپ نگہ کو کئی بار اس کا انوبھو ہو چکا تھا، پر وہ سرل سو بھاد ہونے کے کارن دلیپ نگہ کی باتوں میں آجاتا تھا۔

ایک دن سندھیا سے مہیپ نگہ نے دلیپ نگہ کو بلا کر ان روپیوں کا تقاضا کیا، جو اس نے ایک آسامی سے وصول کر کے دیے تھے۔ دلیپ اس وقت شراب کے نشے میں تھا، اکڑا ہوا آیا اور گزو سے بولا۔ ”آپ نے مجھے کیوں یاد کیا؟“

مہیپ۔ ”ہتاجی کو روپیوں کی لکھنی ویش ادھیکتا ہے۔ کریم کا لگان، جو میں نے تم کو دیا ہے۔ چٹ پٹ دے دو۔ نہیں تو میں ہتاجی سے صاف کہہ دوں گا کہ میں نے روپے تمھیں دیے ہیں۔ میں تمھارے بیچے ان کی اپرستا نہیں سہنا چاہتا۔“

دلیپ۔ ”روپیوں کا پر بندھ تو آپ زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔“

مہیپ۔ ”یدی میں پر بندھ کر سکتا تو تمھیں کٹ نہ دیتا۔ اور میں پر بندھ کر بھی ٹھکوں، تو بھی تمھیں روپے دینے چاہیے۔“

دلیپ۔ ”چاہیے تو پر آئے کہاں سے؟“

مہیپ — ”لینے کے سے تمہیں سوئیم اس پرشن کا اثر سوچ لینا چاہیے تھا۔
 دلیپ — ”اتنی ہی سمجھ ہوتی، تو سب کی پھنکار کیوں سہتا؟ آپ نے جہاں مجھ پر
 اتنی دیا کی ہے، وہاں اتنی کرپا اور کیچھے کہ کسی سے رن لے کر پتا جی کو ان کے روپے دے
 دیجیے۔ ہمارا اور آپ کا لیکھا پھر ہوتا رہے گا۔“

مہیپ نے سوچ کر کہا — ”ایک بات ہو سکتی ہے۔ تم میرا گھوڑا بیچ لاؤ۔ اس کے
 سوا مجھے انیہ کوئی اپائے نہیں سوچتا۔ پر یہ سمجھ لو کہ میرا اور تمہارا یہ اٹم دیوہار ہے۔ اب میں
 تمہیں ایک کوزی بھی نہ دوں گا۔“

دلیپ — ”اتنی کھن پر نکلیا نہ کیجیے، پر آپ کا گھوڑا میں بیچ لانے کے لیے تیار ہوں
 اور آپ کو دشواں دلاتا ہوں کہ ایک روپیہ بھی شراب پینے میں نہ خرچ کروں گا۔“

یہ ہی مہیپ اس گھوڑے کو بہت چاہتا تھا، پر اس سے دوش ہو کر اسے بیچنا پڑا۔
 دلیپ ایک ٹھکر تر یودک تھا۔ رات دن جوئے، مدرا پان تھا ٹھیکھاؤں میں آسکت رہتا تھا۔
 مہیپ اسے اپنا گھوڑا دیتے ہوئے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اسے بیچ کر اس کے روپے نہ اڑا جائے
 اور چاہے اتنا سا بس نہ کر سکے، پر اس میں تو کوئی سندیہ ہی نہیں تھا کہ پورا منلپے میرے
 ہاتھوں میں نہ آئے گا۔ وہ سوئیم دس کوس تک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے کا کشت سہنے میں اسر تھ
 تھا۔ آلسے جیون نے پریشم سے اس کے من میں گھرتا پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ گھوڑا کے
 منلپے کے اڑ جانے تھا اساد دھانی سے دوڑانے کے کارن اس کے پرانتھت ہو جانے کی ہڈکا
 نے بھی اس کو آنجھت نہ کیا۔

پرانتھت ہی دلیپ گھوڑے پر سوار ہو کر بازار چلا۔ جب وہ اس مکان کے کٹ
 پہنچا، جس میں سکھ داس رہتا تھا، تو اس کے من میں یہ دچار اتھن ہوا کہ یہ منرکھ وردھ جولابا
 اوشیہ بہت دھنی ہوگا۔ نی سندیہ اس کا دھن کسی جگہ گڑا ہوگا۔ آٹھر یہ ہے کہ میں نے مہیپ
 کو یہ بات کہی نہ بھائی کہ وہ اس جولابے سے دشواں پر رن لینے کا یقین کرے۔ اس دچار
 کے اٹھتے ہی اس نے گھوڑا کی باگ ڈور گھر کی اڈر موڑ دی۔ اسے دشواں تھا کہ مہیپ اس
 سمیٹھی کو سہرش سویکار کر لے گا، پر نہ جانے اس کے دل میں یکا یک کیا آیا کہ وہ بھر پلٹ کر
 مارگ پر چلا آیا اور گھوڑے کو دوڑانے لگا۔ وہ روپوان تھا اور گھوڑے کی سواری میں بہت چتور
 تھا۔ تیز گھوڑے پر سوار ہونے میں اسے بڑا آند ملتا تھا۔ جب راگبیر لوگ کھڑے ہو ہو

کر اسے آٹھر یہ سے دیکھتے تو وہ گھوڑے کو اور تیز کر دیتا تھا۔ جب وہ بازار پہنچا، تو سینکڑوں آنکھیں اس کی اڑاٹھ گئیں، وہاں پر سینکڑوں گھوڑے موجود تھے، پر اس شان کا ایک بھی گھوڑا نہ تھا۔ وہاں کے سب سے بڑے دیپاری کا نام صاحب خاں تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی سمپ آیا اور اس کا سواگت کر کے بولا۔ ”آج تو آپ اپنے بھائی صاحب کے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے ہیں۔ یہ نئی بات ہے۔“

دیپ۔ ”اب تو یہ گھوڑا میرا ہے، میں نے ان سے جھٹ لیا۔“

صاحب خاں۔ ”جھٹ کیسے لیا؟“

دیپ۔ ”ایسا ہی میرے ان کے بچ کچھ حساب تھا، جو ایک گھوڑا لے کر طے

ہو گیا۔“

یہی دیپ نے یہ نہیں کہا کہ میں گھوڑے کو بیچنا چاہتا ہوں، پر صاحب خاں تاز گیا کہ وہ اسے بیچنے ہی کے لیے لایا ہے۔ اس نے دیپ سے کہا۔ ”یدی آپ اسے بیچنا چاہیں، تو آپ کو اس کے اچھے دام مل سکتے ہیں۔“

دیپ۔ ”مجھے بیچنے کی اہم نہیں، مجھے اس کے آج ہی ۳۰۰ روپے مل رہے

تھے۔“

صاحب خاں۔ ”یہ مت کہو، میں نے آج تک کوئی ایسا منٹ نہ دیکھا جو ڈیڑھ

دام پا کر گھوڑے کو بیچ نہ ڈالے۔ دام تو اس کے وہی ۳۰۰ روپے ہوں گے، پر آپ کو پان کھانے کے لیے کچھ اور مل جائیں گے۔“

صاحب خاں نے یہ کہا ہی تھا کہ اس کا ایک متر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے

دوڑا کر اس کی چال دیکھنے لگا۔ انت میں ساڑھے تین سو روپے پر سودا طے ہو گیا، پر شرط یہ

تھی کہ دیپ گھوڑے کو صاحب خاں کے اصطبل میں پہنچا دے۔ دیپ راضی ہو گیا۔ وہ اسی

وقت اس اصطبل کی طرف چلا، جو وہاں سے تین میل پر تھا، تاکہ شام ہوتے ہوئے وہ روپے

سے جیب گرم کر کے کرائے کے گھوڑے پر سوار ہو کر گھر پہنچ جائے۔ وہ ایک میل آیا ہوگا کہ

اسے گھڑ دوڑ کا میدان دکھائی دیا۔ وہاں گھوڑے کے کودنے کے لیے بنیاں لگی ہوئی

تھیں۔ دیپ اسٹگ میں آکر بنیاں کدانے لگا، پر ڈر بھاگیہ دس کئی بنیاں کدانے کے بچت

گھوڑا ایک نئی پر گر پڑا۔ نئی کی ایک ٹکڑی اس کے کندھ میں گھس گئی، دیپ بھی گر پڑا اسے

تھوڑی چوٹ لگی۔ گھوڑا اسی دم تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

دلیپ ان منشیوں میں تھا، جو کسی ہانی پر کیول کچھ ہی منٹ تک کھید کرتے ہیں۔ وہ پرتھوی سے اٹھا۔ پہلے اپنی دیکھ بھال کی کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ اسے گھوڑے کے مرنے کا اتنا دکھ نہ ہوا، جتنا یہ چننا کہ گھر کیوں کر پہنچوں۔ اسے میپ کے کردھ کا بھنے بھی اوشیہ تھا، پر اس نے سوچا، جب میں انھیں سکھ داس سے رن لینے کی بات سنا دوں گا، تو وہ مجھے چھما کر دیں گے۔

وہ من میں سکھ داس سے روپے لینے کے دچار کو آشاروپ میں پر منت کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ صاحب خاں کے اصطلیل تک پہنچا اور اس نے ایک گھوڑا کرایہ پر لینا چاہا، پرنتو جس منش نے ابھی ابھی ایک گھوڑے کی جان لے لی ہو، اسے کون اپنا گھوڑا بھاڑے پر دیتا؟ اس سے دن کے چار بجے تھے، آکاش میں بادل گھرنے لگے تھے۔ اس نے بوٹ کس ہنٹر ہاتھ میں لیا اور وہ تیزی کے ساتھ تلی سڑک پر چلنے لگا۔

بادل ادھک گھرتے گئے، دلیپ بھی ڈگ بڑھاتا ہوا لالپور کی سیما تک آیا۔ اس سے بادل اتنے گھنے ہو گئے تھے کہ ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ اسی دشا میں جب کہ وہ سکھ داس کے گھر کے پاس پہنچا، تو اس کے دل میں اس سے وار تالاپ کرنے کا دچار اٹھن ہوا۔ وہ کیول روپے کے دشیہ میں اس کا من لینا نہیں چاہتا تھا، بلکہ گھرتے ہوئے بادلوں سے رکھا بھی چاہتا تھا۔ دروازے کے دروازے سے نکلتا ہوا پرکاش اس اندھکار میں اسے بہت آشا جنک معلوم ہوا۔ وہ اس گھر کی اوڑ چلا اسے آشا تھی کہ سکھ داس کے یہاں سے ایک لائین اوشیل مل جائے گی، جس سے وہ اپنے گھر تک پہنچ سکے گا، کیونکہ اس کا مکان اب بھی کوئی پون میل کی دوری پر تھا۔ وہ دو ہی چار گچ چلا تھا کہ زور سے ورشا ہونے لگی۔ تب وہ دوڑتا ہوا سکھ داس کے دروازے پر جا پہنچا اور اسے انچ سوزر سے پکارنے لگا، پر بمیتر سے کوئی اُتر نہ آیا۔ اس پر اس نے اور زور سے پکارنا شروع کیا، پر پھر بھی اُتر نہ ملا۔ تب اس نے زور سے دروازے پر دھکا مارا۔ دوار کھل گیا۔ اور دلیپ نے اندر پردیش کیا، پر دیکھا تو گھر سوتا تھا۔ سکھ داس کا کہیں پتا نہیں۔ چولے میں آگ جل رہی تھی۔ اور اس پر ایک بڑی رکھی ہوئی تھی۔ جس کا ہد بد شہد اس سننانے کو بھنگ کر رہا تھا۔ دلیپ نے سوچا کہ کدوچت سکھ داس کوئی آدھیک دستو لانے کے لیے باہر گیا ہے۔ اس سے یکا یک اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سکھ داس

کے روپے کہاں رکھے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اور سارے وچار اس کے دل سے دور ہو گئے۔ ایسے مکان میں کیول تین ہی جگہیں ایسی تھیں۔ جہاں روپیہ رکھا جاسکتا تھا۔ چھپر، چار پائی، یا کوئی بل۔ سکھ داس کے مکان میں کوئی چھپر تھا ہی نہیں، اتہ دلیپ نے بچھونے اور پتک کو نٹونا آرمہ کیا۔ ساتھ ہی بھوی پر درشی دودڑائی پر کہیں کوئی ایسی جگہ نہ دکھائی دی جہاں روپیہ رکھنے کے گہت استھان کا سند یہ ہو سکتا۔ کیول ایک جگہ کچھ ریت پڑی ہوئی تھی۔ جس پر انگلیوں کے چہہ بنے تھے۔

اس استھان کو دیکھتے ہی دلیپ چونک پڑا۔ اسے بھاؤنا ہوئی کہ روپیہ یہیں رکھا ہوگا۔ وہ دباں لپک کر پہنچا اور ریت کو ہٹا کر دیکھا تو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے شکھرتا سے ان اینٹوں کو نکال دیا تو ایک بڑی بل دکھائی دی۔ دلیپ نے بل میں ہاتھ ڈال کر ادھر ادھر نٹولا، تو اسے ایک چمڑے کی تھیلی مل گئی۔ اس نے اسے باہر نکال لیا۔ اس کو بوجھ سے اسے پرن دشواں ہو گیا کہ اس میں روپے اور اشرفیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس نے تھیلی کو ایک اور رکھ کر اینٹوں کو بھیتر رکھا اور اوپر ریت پھیلا کر پودت کر دیا۔ اسے یہاں کل پانچ منٹ لگے تھے، پر یہ پانچ منٹ کئی گھنٹوں سے ادھک معلوم ہوئے۔

دلیپ مارے بے کے کانپ رہا تھا اور ہردے و کچھ استھل میں ہاتھوں اچھل رہا تھا۔ وہ چمڑے کی تھیلی کو لے کر کھڑا ہوا اور باہر نکلتے ہی اس نے دوار بند کر دیا کہ بھیتر کا پرکاش باہر نہ آ سکے۔ اس تھیلی کو لیے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ اس سے اندھیرا بھی بڑھ گیا تھا اور موسلا دھار پانی برس رہا تھا۔ سکھ داس کے گھر میں جانے سے پہلے یہ اندھیرا برا معلوم ہوتا تھا۔ پر اس سے بہت ہی بھلا لگا۔ کیونکہ وہ اس کے پاپ کو چھپا سکتا تھا۔

چوتھا ادھیاءے

جب دلیپ یہاں سے چلا، تو سکھ داس ۱۰۰ پگ کی دوری پر تھا۔ وہ پیٹھ پر ایک بورا لادے اور ہاتھ میں لائین لیے گاؤں سے آرہا تھا۔ یدھی وہ تھکا ماندا تھا، تو بھی گرم گرم بھونج کی آشا اسے پرسن چٹ بنائے ہوئے تھی۔ آج بھونج کی سانسگری اس کے ایک گراہک نے بھیٹ کی تھی۔ اس لیے وہ روکھا نہ تھا۔ سکھ داس نیا نو سار رات کو بھونج اچھا نو سار بھر پیٹ کرتا تھا۔ کیونکہ اس سے اس کی سمیٹ اس کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔

سکھ داس گھر سے چلتے سے تالا لگانا بھول گیا تھا۔ اسے یہ شکا ہی نہ تھی کہ اس ورشا میں کوئی چور اس گھر میں آسکتا ہے کیونکہ گت ۱۵ ورشوں میں ایک بار بھی اسے اس پرکار کا کھٹکا نہ ہوا تھا۔ دوار پر پہنچ کر اس نے کیواڑ کھولے اور اندر گیا۔ سب چیزیں جوں کی تیوں ملیں۔ کوئی پر یورتن نہ دکھائی پڑا۔ اگنی پر جڑت تھی۔ کھانا پک رہا تھا اور دپک پر کاشان تھا۔ اس نے بورا ایک اڈر رکھا، لائین دوسری اڈر اور پکڑی اتار کر کھوٹی پر ٹانگ دی۔ ٹھنچ ہو کر ادھر ادھر ٹپلنے لگا، جس سے وہ پد چہ مٹ گئے، جو دلیپ ریت پر چھوڑ گیا تھا۔ تب اس نے پیر دھوئے۔ اور چوکی میں بیٹھ کر اس نے کھجڑی کی بنولی اپنے سامنے رکھ لی۔

یدی کوئی منش اس کے روپ کو اگنی کے پرکاش میں دیکھتا تو اوشیہ ڈر جاتا۔ اس کی مگول تھر آنکھیں، بکھرے ہوئے بال، پیلا چہرا، دربل شریر اس پرکاش میں اور بھی بھنے کاری ہو رہے تھے۔ یدھی اسے لوگ سند یہہ کی درشی سے دیکھتے تھے۔ داستو میں وہ منانت سرل منش تھا۔ اس کے سیدھے سادھے ہردے پٹل پر پکت کا کوئی چہہ نہ تھا۔ چونکہ دشا اس کا پرکاش اس کی آتما میں لوپ ہو چکا تھا۔ پریم میں اسے اسمعلتا ہو چکی تھی۔ وہ سنسار کی ساری باتوں کو چھوڑ کر کیول پر شرم کرنے اور روپے جمع کرنے میں لپت رہتا تھا۔ مانو یہی دو کام اس کے جیون کے دو منکھیہ اڈیش تھے۔

جس اگنی کے پاس بیٹھے ہوئے کچھ دلہب ہوا، تو اس نے سوچا کہ بھونج کے بعد اپنے دھن کا زخمین کرنے میں دیر ہوگی۔ اتہ اس نے اینٹوں کو ہٹا کر بل میں ہاتھ ڈالا۔

وہاں حسیلی کا پتا نہیں تھا۔ اس کا دل زور سے اٹھل پڑا، پرنٹو اسے یہ دشواس نہ ہوا کہ کوئی داستو میں اشرفیوں کو چالے گیا ہے۔ کیول ایک ھنکا کا انوبھو ہوا اور اس ھنکا کو وہ دور کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بل کو خوب ٹٹولا کہ کہیں مجھے دھوکا تو نہیں ہو رہا ہے۔ جب اس نے جی کو بل میں ڈال دیا اور سر سے پیر تک کانپتے ہوئے اسے دھیانپوروک دیکھا، انت میں اس کے شریر میں ایسی کچکی ہوئی کہ لائین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اس نے ہاتھ سر پر رکھ لیا کہ سادوہان ہو کر کچھ دچار کر سکے۔

اس گجراہٹ کی دشا میں اس کے من میں یہ پرشن ہوا کہ گبت راتری کو میں نے اپنی اشرفیاں کسی انیہ استھان پر تو نہیں رکھ دیں۔ اس سے اس کی دشا اس ڈوبتے ہوئے منش کی سی تھی جو اندھیرے میں منڈل رہا ہو۔ اور اس کو کہیں سے پرکاش نہ ملتا ہو۔ اس نے مکان کا کوتا کوتا ڈھونڈ مارا، بستر الٹ کر دیکھا، ہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا پر اشرفیوں کا پتا نہ ملا۔ انت میں اس نے ایک بار پھر بل میں ہاتھ ڈالا اور اسے اچھی طرح ٹٹولا، پرنٹو بھیٹکر سچائی سے اسے ایک جھمن کے لیے بھی شرن نہ ملی۔

جب کوئی منش نرانشا کے پنچے میں پھنس جاتا ہے، تو وہ چاروں اور آشائے درشی دوڑاتا ہے۔ سکھ داس بڑی کھینٹا سے اٹھا اور اس نے اس چوکی کو دیکھا جس پر وہ اپنے برتن رکھا کرتا تھا۔ جب وہ مکان کے دروازے پر آیا، پھر پھوڑے کی طرف گیا اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، پر اشرفیاں کہیں بھی نظر نہ آئیں۔ جب وہ چاروں طرف سے نراش ہو گیا، تو اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ ایک دریگھ شواس کھینچا۔ اس کے پشچات وہ کچھ دیر تک استھر بھاؤ سے کھڑا رہا۔ پھر کرگھے کی اور لڑکھڑاتا ہوا بڑھا اور اس استھان پر بیٹھ گیا جہاں بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا۔

سبھی پرکار کی جھوٹی آشاؤں کے پت ہو جانے کے بعد چور کا دچار اس کے دل میں اٹھنے لگا اور اس دچار کو اس نے بل پوروک استھر کیا۔ کیونکہ یہاں اس کی آشاؤں کو نمبرنے کا استھان مل سکتا تھا۔ چور پکڑا جا سکتا تھا اور اس سے اشرفیاں واپس کی جاسکتی تھیں۔ وہ کرگھے سے اٹھ کر دواریک آیا۔ جیوں ہی اس نے کیواڑ کھولے کہ درشا کا ایک جھونکا اس کے منہ پر لگا۔ وہ سر سے پیر تک بھیگ گیا۔ اتنی دیر میں اس میں دچار کرنے کی ھلکی لوٹ آئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ چور کس سے آیا۔ جب میں دن کو باہر گیا تھا تو میں نے کیواڑ بند کر

دیے تھے۔ منٹ کے پد چند دوڑ کے سامنے نہ تھے۔ سندھیا سے بھی سب دستوں ویسی ہی تھیں، جیسی کہ دن میں۔ کوئی نئی بات نہ دکھائی دی تھی۔ نہ تو گھر کے باہر اور نہ گھر کے بھیت۔ اس نے پھر سوچا، یہ کوئی پٹا چمک لایا تو نہیں ہے کہ جس نے جیون میں دوسری بار مجھے نشٹ کیا۔ پر یہاں سے اس کا دچار ٹھکڑ ہی دوسری اور پھرا۔ لاپور میں دکھی نام کا ایک اہیر رہتا تھا جو ایک بار چوری کا ڈنڈ پا چکا تھا۔ وہ سکھ داس کے یہاں آیا جایا کرتا اور اس کے دھن کے دھن سے دھن میں کبھی کبھی ہنسی کیا کرتا تھا۔ سکھ داس کا سندھیہ دکھی پر ہوا اور اسے پر پل اچھا ہوئی کہ اس کے پاس چل کر اپنے روپے واپس لوں۔ وہ اسے ڈنڈ دینا یا دلانا نہ چاہتا تھا۔ وہ نیائے سے پرچت نہ تھا وہ کیول اپنے روپے چاہتا تھا، اس لیے اس نے سنگھپ کیا کہ نریش سنگھ کے پاس چل کر دہائی دے۔ وہ ننگے سر اور مکان کو کھلا ہوا مھوڑ کر پانی میں بھاگتا ہوا گاؤں کی اور بھاگا۔ پرتو جب مارگ میں اس کا سانس پھولنے لگا تو وہ دھیرے دھیرے چلنے لگا۔

اس سے نریش سنگھ کے چوپال میں گاؤں کے دھنی مانی پرش بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر ادھر گپ شپ ہو رہی تھی۔ ایک مہاشے بھوتوں کی کھانا رہے تھے۔ چلم پر چلم بھری جاتی تھی اور تمباکو کی سگندھ اڑ رہی تھی۔ سکھ داس کچھ دیر تک دوڑ پر کھڑا رہا۔ اسے اندر جانے کا ساہس نہ ہوا، پر انت میں وہ جی کڑا کر کے چوپال میں ٹھس گیا۔ بھوت پٹاچ کی تو چرچا ہو ہی رہی تھی، اکسات سکھ داس ہانپتا ہوا ننگے سر پہنچا تو لوگ چونک پڑے۔ نریش سنگھ نے پوچھا ”کہو سکھ داس، تم کیسے چلے؟“

سکھ داس — ”سرکار میں لٹ گیا، میں آپ سب لوگوں کے سامنے دہائی کرتا ہوں“
 نریش سنگھ — ”دکھی، ذرا اس جولاہے کو پکڑ تو لو معلوم ہوتا ہے کہ سنگ گیا ہے۔“
 یہی دکھی سکھ داس کے سکھ ہی بیٹھا تھا، پر اس نے اس آگیا کا پالن نہ کیا اور بولا — ”وہ سکا نہیں ہے اس کی چوری ہوگئی ہے کدچت چٹا بھی گیا ہے۔“

سکھ داس نے کہا — ”دکھی“ اور وہ اس کی اوڑ وچڑ آنکھوں سے دیکھنے لگا۔
 دکھی نے پوچھا — ”کیا مجھ سے کچھ کام ہے؟“ سکھ داس نے ہاتھ جوڑ کر اتھتھ دین بھاؤ سے کہا — ”دکھی“ یہی تم نے میرے روپے چرائے ہوں تو مجھے دے دو، میں تم سے کچھ نہ بولوں گا۔ میں پولس میں بھی نہ لکھاؤں گا، کیول میرے روپے لوٹا دو، ایک اشرنی

بھی قصصیں بھینٹ کر دوں گا۔“

دکھی کے تیوروں پر بل پڑ گئے۔ اس نے سروش ہو کر کہا۔۔۔ ”میں نے تیرے روپے چرائے ہیں؟ یدی ایسی بات پھر منہ سے نکالے گا تو اس چھری سے تیری آنکھیں پھوڑ دوں گا۔“ نریش سنگھ بولا۔ ”یدی تجھے کچھ کہتا ہے تو سادوہان ہو کر کیوں نہیں کہتا۔ تیری باتیں کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔“

کارندہ صاحب بولے۔ ”یہ اس طرح چلا رہا ہے مانو پاگل ہو گیا ہے۔“

کئی نشیوں نے اس پر کہا۔ ”ہاں، ہاں، ہاں اسے بٹھاؤ“

نریش سنگھ نے سکھ داس کو الگ ایک ماسچے پر بٹھلایا اور جب وہ ذرا سادوہان ہو

گیا تو اس سے پوچھا۔ ”ہاں، سکھو بتاؤ، اب کیا کہتے ہو۔ تمہاری چوری ہو گئی؟“

دکھی بول اٹھا۔ ”کشل اسی میں ہے کہ یہ مجھ پر چوری کا دوش نہ لگائے۔“

نریش سنگھ۔ ”تم اپنی زبان بند کرو۔ ہاں سکھو صاف صاف بتلاؤ۔“

سکھ داس نے تب اپنا درتانت کہہ سنایا۔ لوگ اسے بھانتی بھانتی کے پرشن کرنے

لگے۔ اس نے بہت دھریہ سے سب کو اتر دیے۔ جس سے لوگوں کو اس کی چوری ہو جانے کا

دشواں ہوا۔ نریش سنگھ بولے۔ ”سکھو! تمہارا رویا چرانے والا دکھی نہیں ہے۔ تم اس پر

سندھیہ نہ کرو۔ وہ کل سے میرے دروازے سے نہیں ٹلا“

کارندہ۔ ”ہاں ہم کو کسی زراپردہ منش پر دوش نہ لگانا چاہیے۔“

یہ سن کر سکھ داس کو وہ سے یاد آیا جب وہ سوئیم زراپردہ تھا اور اس پر چوری کا

اپرادھ لگایا گیا تھا۔ وہ ماسچے سے اٹھا اور دکھی کے پاس جا کر اسیچھ دیکھتا سے بولا۔ ”دکھی!“

مجھے چھما کرو۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ میں نے تمہارا نام کیول اس لیے لیا تھا کہ تم بہودھا

میرے گھر آیا کرتے ہو۔ اب میں تم کو دوش نہیں ٹھہراتا۔“

نریش سنگھ۔ ”تمہاری قھیلی میں کتنے روپے تھے؟“

سکھ داس۔ ”کل ۲۷۰ اشرفیاں تھیں، میں نے کل شام کو گن کر رکھیں تھیں۔“

کارندہ۔ ”اتنے روپے تو بہت بھاری نہیں ہوتے، انھیں ایک منش سرٹا سے لے

جا سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ گھر میں کسی کا پد چہہ نہیں ہے اور وہ استھان بھی جیوں کا تیوں

ہے۔ جہاں تمہاری اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میری رائے تو یہ ہے

کہ چل کر کسی ادھما سے پوچھنا چاہیے۔ وہ اپنے منٹروں سے اوشیہ چور کا پتا لگا لے گا۔
 نریش سنگھ - ”کیا دیر تھ بات چیت کر رہے ہو؟ چور پکڑنا ادھما کا کام نہیں ہے،
 پولس کا کام ہے۔ سکھ داس کے ساتھ ٹانڈے کے تھانے میں جاؤ اور وہاں رپورٹ لکھاؤ۔ اس
 کے سوا اور کوئی اپائے نہیں ہے۔“

یہی سکھ داس تھانے کے نام سے ڈرتا تھا، پر نریش سنگھ کے آگرہ سے اسے دوش
 ہو کر تھانے جانا پڑا۔ اس کی آسائیں کوئی نہ کوئی سہارا ڈھونڈتی تھیں۔ نریش سنگھ کے یہاں
 کوئی استھان نہ پا کر وہ تھانے کی اور پھریں۔ پانی زور سے برس رہا تھا۔ سکھ داس کارندہ کے
 ساتھ ٹانڈے کی طرف چلا۔

پانچواں ادھیائے

مہیپ سنگھ رات کو پاس کے ایک گاؤں میں نیوتا کھانے گیا ہوا تھا، ساری رات تاج گانا دیکھتا رہا، صبح کو جب وہ اپنے گاؤں میں آیا، تو دیکھا کہ چاروں طرف ہلچل مچی ہوئی ہے۔ پوچھنے سے ویدت ہوا کہ سکھ داس کی چوری ہوگئی ہے۔ کوئی اس کی اشرفیاں اٹھا لے گیا ہے۔ مہیپ دیوان آدمی تھا، اسے سکھ داس پر دیا آگئی۔ چوری کا پتا لگانے میں وہ بھی تیار ہو گیا۔

پرانہ کال تھانے دار صاحب کئی کانٹیلوں کے ساتھ سکھ داس کے گھر پر آ پہنچے اور اس کے بھیڑ اور باہر پر تیک دستو کو بڑے دھیان سے دیکھنے لگے۔ پھر من میں کچھ دھار کر اس تالاب کی اور بڑھے، جو سکھ داس کے گھر کے پاس ہی تھا۔ تالاب کے کنارے وہاں انھیں دیاسلانی کا ایک بکس دکھائی دیا۔ تھانیدار نے لپک کر وہ بکس اٹھا لیا اور وہ اسے اس بھانٹی دیکھنے لگے، مانو چوری سے اس کا کوئی گہرا سبندھ ہے۔ گاؤں کے بہت سے آدمی وہاں جمع تھے، ان سب کو بھی یہی خیال ہوا۔ بہت کھوج پوچھ کرنے پر یہ پتا چلا کہ وہ ڈبیا ایک بساطی کی ہے جو کئی دن ہوئے گاؤں میں سودا بیچتے آیا تھا۔ اس نے سکھ داس کے گھر بھاگ پیا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں کئی چیزیں ہنچی تھیں۔ تھانیدار اپنی بدھی کی تیورتا پر پھول کر بولا ”کیا اس بساطی کے کانوں میں بالیاں بھی تھیں۔؟“

کارندہ نے کہا۔ ”مجھے یہ تو اسرن ہے کہ اس کے صندوق میں بالیاں تھیں۔ پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کانوں میں تھیں یا نہیں۔“

تھانیدار۔ ”جب بالیاں بیچتا تھا تو انومان تو ہوتا ہے کہ پہنتا بھی ہوگا“
گاؤں میں اس بات کی جانچ کی گئی تو کئی منٹس نے کہا کہ بساطی کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ ایک ستیہ وکتا استری نے کہا کہ ”بالیاں بڑی بڑی تھیں“ ایک دوسری استری نے اس کا سرقصن بھی کیا۔ اس کے پشچات تھانیدار صاحب نے ان چیزوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا، جو اس بساطی سے گاؤں والوں نے مول لی تھیں۔ اس میں بالیاں بھی تھیں۔ تاہم یہ یہ

کہ تھانیدار صاحب کو پوری طرح دشواری ہو گیا کہ بساطی ہی نے سکھ داس کی چوری کی ہے۔ گرامواسیوں کا بھی یہی دشواری تھا، پر جب سکھ داس سے پوچھا گیا، تو اس نے کہا کہ ”بساطی میرے گھر آیا تو اوشیہ تھا پر جب میں نے کہا کہ مجھے کسی دستو کی اوشیہ نہیں ہے تو وہ باہر ہی باہر چلا گیا تھا۔

جن لوگوں نے اپنے دھار میں بساطی کی پوریت دوشی سمجھ لیا تھا، انھیں سکھ داس کے بچن سے بڑی ہی نراشا ہوئی۔ کچھ لوگ تو اسے مؤرکھ اور پاگل کہنے لگے۔ اس سے نٹ ذاتی کے لوگ بہودھا بساطیوں کا ہمیش دھارن کر کے چوری کیا کرتے تھے اور چوری کے ساتھ ہتیا بھی کرتے تھے۔ وہ بہودھا کانوں میں بالیاں پہنتے تھے۔ پندرہ میں دوش پہلے ایک بالیاں پہنتے والے منش کو ایک ہتیا کرنے کے دوش میں پھانسی دی گئی تھی۔ اس پرمانوں کو دیکھتے ہوئے گرامواسیوں کو یہ نچنے کرنا کھن تھا کہ وہ بساطی سکھ داس کا چور نہیں ہے۔ ان کے دھار میں یہ سکھ داس کی بھول معلوم ہوتی تھی۔ یہ بھی پرسدھ تھا کہ نٹ لوگ جادو کرنے میں بہت چٹن ہوتے ہیں۔ ات ایو سمکو ہے، اس بساطی روپنی نٹ نے سکھ داس پر کوئی جادو کر کے اس کے گھر میں پردیش کیا ہو اور اس کی سمپتی کا پتا لگا کر اوسر پاتے ہی اٹھالے گیا ہو۔

یدہی تھانیدار اور گرامواسیوں کا یہ پورا دشواری تھا، پر مہیپ سنگھ اس کے درودھ تھا۔ اس نے کہا کہ ’سوتیم میں نے اس بساطی سے ایک قلم خریدا تھا۔ وہ سیدھا سادا آدمی معلوم ہوتا تھا اور اس کے کان میں بالیاں نہ تھیں۔‘

اس کے پرتیکول لگ بھگ آدھے درجن ایسے منش تھے جو بالیوں کے سمبندھ میں تھانیدار کے سمکھ اس سے کہیں سب پرمان پیش کرنے پر تیار تھے۔ لوگوں کو سند یہ تھا کہ مہیپ کہیں تھانیدار کے پاس جا کر یہ نہ کہے کہ وہ اس بساطی کا وارنٹ روک لیں۔ یہاں تک کہ تیسرے دن جب مہیپ ناڈے کی اڈر چلا تو لوگوں کو بھرم ہوا کہ وہ تھانیدار کے پاس وارنٹ رکوانے جا رہا ہے اور کئی آدمی اسے روکنے کے لیے داد و داد کرنے لگے۔

یدہی مہیپ سنگھ کو چوری کے دشنے میں دشیش اتاہ تھا پر اس سے وہ ناڈا نہیں جا رہا تھا، بلکہ وہ دلیپ سنگھ کی کھوج میں جا رہا تھا۔ اس کو سند یہ ہو رہا تھا کہ کہیں دلیپ میرے گھوڑے کا ملیہ جوئے میں نہ ہار گیا ہو اور اب کہیں لچا سے منہ چھپائے بیٹھا ہو۔ دلیپ کبھی کبھی ایک ایک پتاہ تک گھر سے غائب رہتا تھا، اس لیے اس کا تین دن تک گھر سے

غائب رہتا کوئی چتا کی بات نہیں تھی۔ پر اب کی وہ گھوڑے کے ساتھ غائب تھا، اس لیے مہیپ کو اس دشے میں بڑی چتا ہو رہی تھی۔ اکسمات اسے مارگ میں دور سے ایک سوار دکھائی دیا۔ مہیپ نے سمجھا کہ شاید دلپ ہے اور میرے ہی گھوڑے پر سوار ہے۔ پر سمیپ پہنچنے پر روت ہوا کہ وہ گھوڑے کا دیپاری صاحب خاں ہے۔

صاحب خاں بولا۔ ”کیوں صاحب! آپ کے دلپ سنگھ تو بڑے ہی بھاگیہ وان آدمی ہیں۔“

مہیپ ’کیوں! کیا بات ہے؟‘

صاحب خاں بولا۔ ”کیا ابھی وہ گھر نہیں پہنچے؟“

مہیپ۔ ”ابھی نہیں۔ کیا ہوا؟ اس نے میرے گھوڑے کو کیا کیا؟“

صاحب خاں۔ ”میں تو سمجھ گیا تھا کہ گھوڑا آپ کا ہے، پر انھوں نے تو اسے اپنا بتایا تھا۔“

مہیپ۔ ”اس نے گھوڑے کو تو کچھ ہانی نہیں پہنچائی؟“

صاحب خاں نے مسکرا کر کہا۔ ”اور تو کئی ہانی نہیں پہنچائی، صرف اس کی گردن توڑ دی۔“

یہ کہہ کر کے صاحب خاں نے سارا درتانت سنا دیا۔

مہیپ۔ ”یہ بہت برا ہوا۔ مجھے سندیہ تھا کہ گھوڑے پر کوئی نہ کوئی وجہ تھی آئے گی، پر اس دغا باز کے جھانے میں آ گیا۔“

صاحب خاں۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت تک نہ آئیں گے، جب تک آپ کا غصہ شخذا نہ ہو جائے۔ وہ کہیں باہر نہیں، یہیں کہیں آس پاس گاؤں میں چھپے بیٹھے ہیں۔“

مہیپ۔ ”ہاں دو چار دن میں محوم گھام کر گھر آئے گا، اور اسے ٹھکانہ ہی کہاں ہے۔“

صاحب خاں تو آداب عرض کر کے بدا ہوا اور مہیپ گھر کی طرف لوٹا۔ اس نے سنگھاپ کیا کہ سار ماجرا چل کر پتائی سے بیان کر دوں۔

زلیش سنگھ لمبے چوڑے بدن کے مشط پٹ آدمی تھے۔ یدھی ان کی اوستھا ساٹھ

ورش کی ہو چکی تھی۔ پر ان کے کھ کی کانتی جیوں کی تیوں تھی۔ ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں۔ ان کے دستروں سے سنوار پن نکلتا تھا، تب بھی ان کی بولی اور رنگ و صنف میں کوئی ایسی بات تھی، جو دل پر ان کا رعب جما دیتی تھی۔ ٹھاکر صاحب سمجھتے تھے کہ میرا بھون، میری ٹھل مریدا میرا گرہہ پر بندھ سب اٹم ہے۔ چونکہ وہ اپنے سے دھنی منشیوں سے سہواں نہ کرتے تھے، اس لیے اپنے کو سروشریشٹ سمجھنے میں مگن رہتے تھے۔ اپنی داستوک دشا کا گیان انھیں نہ ہونے پاتا تھا۔

جیوں ہی مہیب ان کے سامنے پہنچا، تو انھوں نے پوچھا ”کیسے چلے؟“

مہیب — ”میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

نریش سنگھ مسند لگا کر بیٹھ گئے اور بولے — ”کہو، کیا بات ہے؟“

مہیب — ”پرسوں میرے گھوڑے کی بری گئی ہو گئی۔“

نریش — ”کیا ہوا کیا اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی؟ میں تو سمجھتا تھا کہ تم گھوڑے کی

سواری میں بخن ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا نہیں کیا۔ یدی میں ایسا کرتا بھی تو دوسرا گھوڑا مول لے سکتا تھا۔ میرے چتا کی ایسی اوستھا تھی کہ دے اتنی ہانی کی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ رہا میں، سو میری حالت تم دیکھ ہی رہے ہو۔ کریم آج ہی کہہ رہا تھا کہ میرے رگہرگست ہونے کی چچا ساچار پتروں میں ہو رہی ہے۔ اس دشت کے یہاں بھی میرے سو روپے آتے ہیں، پر وہ دینے کا نام ہی نہیں لیتا۔ یدی تمھارے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے تو انگڑے گھوڑے پر سوار ہونا پڑے گا۔“

ٹھاکر صاحب یہ باتیں ایک ساتھ کہتے گئے۔ مہیب کو کچھ کہنے کا ادھر ہی نہیں

ملا۔ وہ بولا — ”اس کی ٹانگ ہی نہیں ٹوٹی، وہ تو جان سے گیا۔“

نریش سنگھ — تو تم نے مجھ سے یہ بات پہلے کیوں نہیں کی۔“

مہیب — ”میں نے آپ سے اس لیے چھپایا تھا کہ میں اس گھوڑے کو بچ کر آپ

کو روپے دینا چاہتا تھا، پر اب میں اسمرتھ ہوں۔ دلیپ نرسوں گھوڑے کو بیچنے کے لیے گیا تھا۔ اس نے صاحب خاں کے ہاتھ اسے اچھے داموں پر بیچا بھی تھا پر گھوڑدوڑ کے میدان میں وہ گھوڑے کی نغیاں کدانے لگا۔ گھوڑا گرا اور مر گیا۔ یدی یہ آپنی نہ آجاتی تو میں پرسوں ہی آپ کو سب روپے دے دیتا۔

مہیب سنگھ — تم کیا کہہ رہے ہو میری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ تم مجھے کیسے روپے

دینے والے تھے۔ ایسی کیا بات ہو گئی کہ تم مجھ سے روپے لینے کے بدلے دینا چاہتے ہو۔
 مہیپ — ”بات یہ ہے کہ مجھ سے ایک اپرادھ ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کریم نے
 مجھے سب روپے اسی دن دے دیے، جس دن میں اس کے پاس مانگنے گیا تھا۔ یہ روپے میں
 نے دیپ کی باتوں میں آکر اس کو ادھار دے دیے، پر اب وہ لوٹانے کا نام ہی نہیں لیتا۔
 میں نے بھی صبر کر لیا اور ارادہ کیا کہ اپنا گھوڑا بیچ کر، بھید کھلنے سے پہلے ہی آپ کو روپے ادا
 کر دوں۔ پر بیچ ہی میں یہ آفت ٹوٹ پڑی۔

ابھی مہیپ اپنی بات سناہٹ نہ کرنے پایا تھا کہ ٹھاکر کا رنگ کردھ سے لال
 ہو گیا۔ بولے — ’ہاں، خوب، تم نے روپے دیپ کو کیوں دے دیے؟ کیا تم بھی اس کے
 ساتھ آوارہ ہو گئے؟ تمہارا اس کے ساتھ اتنا میل جول کیسے ہو گیا۔ کیا تم بھی اسی راستے پر
 چلنا چاہتے ہو؟ یہی تم باز نہ آئے تو میں تم دونوں کو گھر سے باہر نکال دوں گا اور اپنی دوسری
 شادی کر لوں گا۔ تمہیں اس جائیداد کی ایک پائی بھی نہ ملے گی۔ آخر تم نے دیپ کو روپے
 کیوں دے دیے؟ اس میں کوئی نہ کوئی بھید ہے۔“

مہیپ — ”اس میں بھید کچھ نہیں ہے۔ کیوں مجھ سے بھول ہو گئی کہ میں نے
 دیپ کو روپے دے دیے۔ میں آپ کی ایک کوڑی بھی فضول نہیں خرچ کرتا۔ میرا ارادہ تھا
 کہ روپیہ آپ کا ادا کر دوں۔ میں نے روپیا کھایا نہیں، بس داستوک جی بات یہی ہے۔
 نریش سنگھ — ”دیپ ہے کہاں؟ کھڑے کھڑے باتیں کیوں بنا رہے ہو؟ جا کر
 اسے پکڑ کیوں نہیں لاتے؟ میں اس سے پوچھوں کہ اس نے کس کام کے لیے روپے لیے
 ہیں۔ اگر اس نے ٹھیک ٹھیک جواب نہ دیا تو اسے گھر سے باہر نکال دوں گا۔ اوشیہ نکال دوں
 گا۔“

مہیپ — ”وہ تو ابھی لوٹ کر نہیں آیا۔“
 نریش سنگھ — ”تو کیا اس کی بھی گردن ٹوٹ گئی؟“
 مہیپ — ”جی نہیں۔ اس کو تو کہیں چوٹ بھی نہیں آئی وہ بھٹے کے مارے کہیں چلا
 گیا ہوگا۔ کچھ دنوں میں سوئیم آجائے گا۔“
 نریش — ”اس نے کچھ بتلایا نہیں کہ کس کام کے لیے روپے لے رہا ہے؟“
 مہیپ — ”اس نے مجھے کچھ نہیں بتلایا۔“

زلیش سکھ۔ ”جب تک دیپ نہ آئے، اس دثے میں مجھ سے بات چیت نہ

چھٹا ادھیاے

ٹانڈے اور لاپور میں تھانیدار عیسیٰ خاں بہت چتور سمجھا جاتا تھا۔ بنا ساجھی کے مقدمے کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا۔ یہ وہی اس دیاسلائی کی ڈیبا کا سکھ داس کی چوری سے کچھ بھی سمبندھ نہ تھا، پر عیسیٰ خاں کے من میں یہ ڈیبا ہی سب کچھ ہے۔ اتنے چتور ہونے پر بھی وہ ایسے بساطی کو کھوجتا رہا جس کا نام تک نہ معلوم تھا۔ ہاں، اس کے کیش شام اور ٹھنڈا لے تھے۔ جو چھری، قینچی، اور چھوٹے موٹے گہنے بچتا پھرتا تھا اور کانوں میں بالیاں پہنے ہوئے تھا۔ پر یا تو کھوج میں بہت تھرتا نہ تھی یا یہ حلیہ کسی ویش بساطی کا نہیں، ورنہ سبھی بساطیوں کا تھا۔ اس لیے کسی ایک بساطی پر دوشا روپن کرنا کٹھن تھا۔ اتیو لاپور کے لال بھنگلو کا اتساہ ٹھنڈا ہو گیا اور تھانیدار صاحب بھی ہار کر بیٹھ رہے۔

دلیپ سنگھ پر کسی کو بھول کر بھی سند یہ نہ ہوسکا تھا کہ وہ سکھ داس کے گھر چوری کرے گا۔ یہ وہی وہ آوارا تھا، پر چوری کرنے کی عادت کا کوئی پرچہ نہ تھا۔

چوری کے پچھات سکھ داس کے وچاروں میں ایک اوجھت پر پورتن ہوا۔ یہ وہی اس کا کرگھا اور گھر درتھان، تھے وہ کپڑے بھی بناتا تھا، پر وہ اشرفیاں، جنھیں روز روز پرتی سندھیا کو دیکھ کر پرسن ہوتا تھا، نہیں تھیں، بلکہ چوری کیے دھن کا دھیان دلا کر دل پر اور بھی چرے کے لگاتی تھیں۔ وہ کام کرنے میں بہودھا کر اپنے اور ٹھنڈی سانس بھرنے لگا تھا۔ سندھیا سے جب وہ کام سے چھٹی پاتا، تو دونوں ٹھنڈوں پر دونوں کہنیاں ٹپک کر اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھا رہتا، اس سے وہ کیول اپنی سمجھتی کے وچار میں گمن رہتا اور کبھی کبھی دبی ہوئی آجیں بھرتا تھا۔

مگر نواسیوں کو بھی اس سے سہانو بھوتی ہو گئی تھی۔ وہ گاؤں میں جاتا تو لوگ اسے اپنے پاس بٹھلا کر باتیں کرتے، اس کی چوری کا حال پوچھتے اور کہتے کہ یری تم درور ہو جاؤ گے، تو ہم تمھاری سہانچا کریں گے۔ یہاں تک کہ لوگ اسے کبھی بھوجیہ پدارتھ بھی دے دیتے تھے۔

لاہور میں ایک چھوٹی سی پانٹھ شالا بھی تھی۔ ادھیانک کا نام سنت سنگھ تھا۔ وہ ٹھاکر
 نریش سنگھ کا کوئی دوری رشتے دار بھی تھا۔ اس کی استری کا نام دیامنی تھا۔ ایک دن سنت سنگھ
 نے آکر سکھ داس سے کہا ”بھائی مندر کیوں نہیں آتے ہو؟ تم سے اور لوگوں سے میل ملاپ
 ہوگا، تمہارا شوک دور ہو جائے گا۔“

سکھ داس نے انز دیا۔ ”مجھے مندر میں گھسنے کون دیتا ہے؟“
 سنت سنگھ۔ ”میں تمہیں بھیتر جانے کو تھوڑے ہی کہتا ہوں باہر سانبان میں بیٹھے
 رہنا، وہیں چرن امرت مل جائے گا۔“

انیہ کئی جنوں نے بھی سکھ داس کو مندر آنے کے لیے زور دیا۔ لوگ کسی طرح اس
 کے دکھ کو بھلوانا چاہتے تھے، پر سب سے ادھک سہانچوتی دیامنی نے پرکٹ کی۔ وہ بڑی
 دیاوتی استری تھی۔ ایک دن وہ اپنے پتر کے ساتھ کچھ بھوجیہ پدا تھ لے کر سکھ داس کے گھر
 آئی۔ سکھ داس نے اس کی آواز سنتے ہی کیواڑ کھول دیے۔ اور اس کو بیٹھنے کو آسن ڈال دیا۔
 دیامنی نے بیٹھنے ہی کہا۔ ”سکھو، یہ لو میں تمہارے لیے کچھ لائی ہوں۔“ سکھ داس نے
 احمیت دیکھا سے ہاتھ پھیلایا۔ اس سے دیامنی کو اس پر بڑا ہی ترس آیا۔ بولی۔ ”تمہارا یہاں
 اکیلے میں بہت جی گھبراتا ہوگا؟“

”ہاں! گھبراتا تو ہے پر کیا کروں؟“
 دیامنی۔ ”کیوں مندر کیوں نہیں آیا کرتے؟ مگر تم اتنی دور رہتے ہو کہ شاید تم کو
 مندر کے گھسنے کا شہد بھی نہ سنائی دیتا ہوگا۔“

سکھ داس۔ ”نہیں شہد کیوں نہیں سنائی دیتا، پر وہاں جانے کو ہمارا جی نہیں
 چاہتا۔ مجھے دیوتاؤں پر شردھا ہی نہیں ہے۔“

دیامنی۔ ”ہائے ہائے، کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم مندر میں آ کے تو دیکھو تو۔ دو ہی
 چار دن کرتن سنوئے۔ تو تمہاری شردھا جاگ اٹھے گی۔ تمہارا دکھ دور ہو جائے گا۔“

ہولی کا دن تھا۔ لاہور میں لوگ بھنگ اور شراب پی پی کر ناچتے گاتے پھرتے
 تھے۔ کہیں نکلیں ہوتی تھیں۔ نریش سنگھ کے مکان پر بھنگ کا پوسرا چل رہا تھا۔ مندروں میں
 بھی آج بھجن کی جگہ کبیر اور پھام گائی جا رہی تھی۔ سارے گاؤں میں ایسا کوئی بھی منٹ نہ
 تھا، جو آمود پرمود میں لگن نہ ہو۔ اگر کوئی تھا تو سکھ داس تھا۔ سکھ داس نے جو پریم اور دشواس

سے دلچسپ ہو چکا تھا۔ کبھی کسی کا آہٹ نہیں کیا، کبھی جھل پکٹ نہیں کیا۔ اس نے کیول پریشرم سے دھنوپارجن کرتا ہی اپنے جیون کا اکیٹ بنا لیا تھا۔ پر ہائے یہ روپے بھی جو ۱۵ ورش کی گاڑی کمائی کے پھل تھے، اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ آتمک سنتوش کا جو زبل سہارا رہ گیا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ سندھیا ہو چکی تھی، وہ اپنے دوار پر اداس من مارے بیٹھا تھا۔ اس آئند اور ملاس میں وہ کبھی نہیں شریک ہوا اور نہ اب ہو سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ من سے پریم اور برش کا لوپ ہو گیا، پران نکل گیا؛ کیول مرث شریر رہ گیا ہے۔

سکھ داس اسی دشما میں بیٹھا تھا کہ دیامنی اپنے چھوٹے لڑکے کو گود میں لیے آپہنچی اور بولی۔ ”کبوسکو، کیسے اداس بیٹھے ہو؟ ذرا گاؤں میں چلے جاتے تو چت بہلتا، یہ لو، میں تمہارے واسے کچھ پکوان لیتی آئی ہوں۔“

سکھ داس۔ (تھال لینے کو ہاتھ بڑھاتے ہوئے) ”کہاں جاؤں کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میری عادت ہی ایسی ہے۔“

دیامنی۔ ”ایکانت میں بیٹھے بیٹھے تمہارا جی گھبراتا ہوگا اور ہردم انیس روپیوں کی اڈر دھیان رہتا ہوگا۔ جو چیز ہاتھ سے نکل گئی، اس کے لیے سوچ کرنے سے کیا ہوگا۔ بھگوان کی ایسی ہی اچھا تھی۔ وہی دیتے بھی ہیں، وہیں چھین بھی لیتے ہیں۔ ہم مایا کے پھیر میں پڑ کر تانا پرکار کے دکھ بھوگتے ہیں۔“

سکھ داس نے ۱۵ ورش ہوئے ایٹور کا دھیان کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ ایٹور بھی کوئی چیز ہے۔ بنا کیے ہوئے پاپ کے ڈنڈ نے شردھا اور بھکتی کو اس کے ہر دیہ سے مٹا دیا تھا۔ اس سے ایٹور اور مایا کی بات سن کر اس کے من میں شردھا کا بھاؤ جاگرت نہیں ہوا۔ اس نے اداستا سے کہا۔ ”ان باتوں سے میرے چت کو شانتی نہیں ہوتی۔“

دیامنی۔ ”کیسی بات کہتے ہو سکمو، اور تمہارے چت کو کس بات سے شانتی ہوگی۔ سنسار میں کوئی کام اپنے من سے تھوڑے ہی ہو جاتا ہے۔ ایٹور ہی کرتے ہیں اور وہ ہمارے پُر دھنم کے کرموں کا پھل دیتا ہے۔ جسے تم ہانی سمجھتے ہو وہ داستو میں ہانی ہے یہ کون جانتا ہے؟ سمجھو ہے، ایٹور نے تمہارے من سے شوک کو دور کرنے کے لیے ہی یہ لیلایا کی ہو۔ یہ دھن نہیں تھا، تمہارا بیری تھا۔ اسی کے کارن تم ایٹور سے بھی بے سدھ ہو گئے تھے۔ اور کون جانتا ہے آج اس نے تمہارا دھن ہر لیا تو کل تم کو اس سے بھی بہولہ کوئی چیز دے

دے۔“

سکھ داس اتسک ہو کر بولا۔ ”کیا جج جج یہ سکھو ہے؟ یہ مجھے میرا گیا ہوا دھن

دے دے گا؟“

دیامنی۔ ”ہاں، اس کی لیلیا اپر مہار ہے، پر پہلے وہ یہ دیکھے گا کہ تمہارے چت سے لوبھ گیا یا نہیں۔ جب تک تم لوبھ میں پڑے رہو گے، وہ تمہیں کچھ نہ دے گا۔ بھکتی کرو، اپنا سا کرو، وہ تم سے پرسن ہو جائے گا۔“

سکھ داس۔ ”کیسے بھکتی کروں۔“

دیامنی۔ ”مندر میں جاؤ، کتھا پڑان سنو، چرن امرت لو، اپنے سے جو کچھ بن پڑے، دوسروں کی سیوا کرو، یہی اس کی اپنا ہے۔“

سکھ داس۔ ”تب میرے روپے مل جائیں گے۔؟“

دیامنی۔ ”ابھی تم روپیوں کو لیے ہو، وہ نہ جانے تم کو کیا دے گا۔ میرا یہی چھوٹا لڑکا رام دھن مینیوں سے بیمار تھا، کوئی آشا ہی نہیں تھی۔ ایک دن میں اسے لے کر ٹھاکر جی کے سامنے مئی اور ونے کر کے بولی۔“ جب تک یہ اچھا نہ ہو جائے گا، میں تمہارے دوار سے نہ ہنوں گی۔ آدھی رات تک وہیں بیٹھی رہی۔ سب لوگ چلے گئے، کیول پجاری رہ گئے۔ مجھے بھی تھوڑی جھپکی آنے لگی تھی کہ اتنے میں اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور بولا۔ ”اماں کچھ کھانے کو دو، بھوک لگی ہے۔ پجاری نے تھوڑا سا پرساد دے دیا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کھایا اور بس، چنگا ہو گیا۔ تب سے آج تک اس کا سر تک نہیں دکھا۔ وہ بھکت و تسل ہیں۔ اپنے بھکتوں کی سدا رکھا کرتے ہیں۔ بیٹا دھنی، سکھو کو اپنا ایک بھجن تو سنا دو“

رام دھن نے سکھ داس کی اور سند یہاں تک درشتی سے دیکھا اور وہ ماں کے پیچھے منہ چھپا کر کھڑا ہو گیا۔

دیامنی۔ ”سنا دو بیٹا، اب یہی اچھا نہیں لگتا۔ سکھو، تم اس کا بھجن سن کر پرسن ہو جاؤ گے۔ کوئیل کی طرح چپکتا ہے۔“

رام دھن کی جبک کچھ کم ہوئی۔ وہ پرھنسا سن کر اپنی پوگتا پرکت کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ زمین پر پالتھی جھاڑ کر بیٹھ گیا اور یہ بھجن گانے لگا۔ پر بھو میرے اوگن چت نہ دھرو۔

جب بھجن ساہت ہو گیا تو دیامنی نے سکھ داس سے پوچھا، ”اس کی آواز کیسی پیاری ہے؟“

سکھ داس نے درکت بھاؤ سے کہا۔ ”ہاں بہت اچھا گاتا ہے۔“
دیامنی۔ ”تو آج ٹھاکر دوارے جاؤ گے؟ وہاں خوب بھجن ہوں گے۔ کئی گاؤں سے گویئے بھجپک آئے ہوئے ہیں۔ ٹھاکر زیش سکھ آج دل کھول کر خرچ کر رہے ہیں۔“
یہ کہہ کر دیامنی چلی گئی۔ گاؤں سے مردنگ کی دھونی آرہی تھی۔ پر سکھ داس دوار پر بیٹھا آکاش کی اورتا کتا رہا۔ اس نے کواڑ بھی نہ بند کیے۔ اب کس لیے دروازے بند کرتا؟ وہ اندھکار جو اس کے بردے میں ہو گیا تھا، جیوں کاتوں چھایا رہا۔

ساتواں ادھیاءے

دلیپ سنگھ کا دواہ تین سال پہلے ایک بڑے زمیندار کی لڑکی سے ہوا تھا۔ اس کا نام سبل سنگھ تھا۔ زلیش سنگھ کو دہیز میں کئی ہزار روپے ملے تھے۔ اتنے لہج کل میں دواہ کر کے دے پھولے نہ سمائے تھے۔ بہو دواہ ہی میں بدا ہو گئی تھی اور سال بھر سسرال میں رہی تھی، کتنو اسی بیچ میں زلیش سنگھ کو اس کے سبندھ میں کچھ ایسی باتیں معلوم ہو گئیں کہ انھوں نے بہو کو ایک دن بھی اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کیا۔ وہ سبل سنگھ کی دواہتا استری سے نہ تھی، ورنہ ایک براہمنی سے تھی، جسے سبل سنگھ نے بٹھا لیا تھا۔ اس دشا میں زلیش سنگھ اسے اپنے گھر میں بہو بنا کر ساج کے دوشی کیوں بننے؟ ترنت اسے میکے بھیج دیا اور دلیپ سنگھ کو کڑی تاکید کر دی کہ وہ اپنی سسرال جانے کا کبھی نام نہ لے۔ دلیپ اس استری کو چاہتا تھا۔ پر ساج سے دوشی بننے کا ساہس اس میں بھی نہ تھا۔ اتو وہ ابھامنی دو سال سے میکے میں رہتی تھی۔

پر در بھاگیہ دس اس کے جانے کے دو تین ماں بعد اس کی براہمنی ماما کا دہانت ہو گیا اور چنے مینے میں سبل سنگھ نے بھی سنسار تیاگ دیا۔ انھیں ایک دشدھر سرپ نے کاٹ لیا۔ ماما پتا کے اٹھ جانے کے بعد اس ابلا کا میکے میں کوئی نہ رہ گیا۔ سبل سنگھ کے پتر اور سمسٹ پر پوار کے لوگ اس سے پہلے ہی سے جلتے تھے۔ اب اسے ماما پرکار کے دکھ دینے لگے۔ مصیبت پر مصیبت یہ پڑی کہ اس کے ایک پتری اتہن ہو گئی۔ وہ سو نیم پر سوت ہور سے بھڑت رہنے لگی۔ نہ کوئی دیدھ نہ کوئی اوشدھی یہاں تک کہ کوئی باتوں سے بھی دل کو ڈھارس دینے والا نہ تھا۔ اس پر بخیہ جلی کئی باتیں سننی پڑتیں۔ اس سے ہور کی جولا اور بھی تیز ہوتی تھی۔ دنوں دن ہور بڑھتا گیا، وہ جھین ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ بھاری اکیلے ہور میں پڑی ہوئی اپنے نصیب کو روہا کرتی۔ لڑکی کی چٹا اسے اور بھی کھائے جاتی تھی۔ میرے بیچے اس اناٹھ کی کیا گتی ہوگی، یہ سوچ کر اس کی آنکھوں سے آنسو کی جھری لگ جاتی اور ہردے تڑپنے لگتا۔

انت میں جب اسے اپنے جیون کی کوئی آشا نہ رہی تو اس کے من میں پتی کے

اتم درشن کی بڑی پرہل آکاٹھا ہوئی۔ وہ اس کے چلوں پر سر رکھ کر اس کنیا کو اس کی گود میں رکھ دینا چاہتی تھی۔ یہ ایک ماتر اس کی جیون اہملا شامی۔ اس کا من کہتا تھا کہ وہاں اس کنیا پر لوگوں کو اوشیہ دیا آئے گی۔ کم سے کم اس کا پتا تو رکھا کرے گا۔

ایک رات کو وہ انھی اور لاپور چلی۔ لڑکی کو گود میں لیے ہوئے ایک ایک پگ چلنا دسٹر تھا۔ کٹھ پتی سبب اور متا اس کے پیروں کو برہائے لیے آتی تھی۔ وہ دو تین کوس آئی ہوگی کہ دن نکل آیا۔ اسے اب ایک قدم بھی نہیں چلا جاتا تھا۔ کچھ دیر ایک تالاب کے کنارے دم لے کر وہ پھر چلی اور سندھیا ہوتے ہوئے لاپور کے ٹکٹ آ پہنچی۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ پیروں میں کھڑے ہونے کی شکتی نہ تھی، بھوک پیاس اور بھڑک کی آغج نے شریر کو جرجر کر دیا تھا۔ وہ تھک کر ایک در کچھ کے نیچے بیٹھ گئی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اب میں کچھ چمنوں کی اور مہمان ہوں۔ پر اس اندھکار میں چاروں اُور سناٹا تھا، اس کی زنبل دھونی کس کے کانوں میں پہنچتی؟ کتنا دشا دئے درشیہ ہے! اگر وہ دو سو قدم اور چل سکتی تو اسے سکھ داس کا مکان مل جاتا۔ اس کا دیکھ ابھی تک وہاں سے جلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور بیدہی وہ اپنے پتی سے بھینٹ نہ کر سکتی، پر اس کنیا کو سر کچھا میں جھوڑ جانے کا سنتوش پراپت کر لیتی۔ پر وہ وہاں سے کسی پرکار نہ اٹھ سکی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ہاتھ پاؤں اٹھنے لگے اور کٹھ رو دندھ گیا۔ ایک چمن میں اس کے پران اس دکھ ساگر سے پرستان کر گئے۔ من کی آشا من ہی میں رہ گئی۔

ابودھ بالکا کچھ دیر تک تو 'اماں اماں' پکارتی رہی پر جب وہ ذرا بھی نہ منگی تو لڑکی کو بھے گلنے لگا۔ ماتا کے شلک اسن کو چپاتے چپاتے وہ نراش ہو گئی تھی۔ ندان اندھکار کے بھئے، چُمدھا، اور پرچت نشیوں سے ملنے کی آشا اسے اس دیکھ کی اور لے چلی جو وہ جلتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ یہ کہنا کٹھن ہے کہ ماتا کے جیوت رہتے ہوئے وہ اتنی بدھیا دکھا سکتی، پر سکٹ میں سوئی ہوئی کٹھنوں کو چھو کر دینے کی دیش شکتی ہے۔ وہ اسنیہ شبد اندھکار میں گرتی پڑتی آشا روپی دیکھ کی اُور ٹٹکی لگائے چلی آتی تھی۔ نہیں، اس کٹھن یا ترا کا کارن کیول سواتھ نہیں تھا۔ اس اپنی ماتا کے دشے میں ایک اویکھ ہٹکا بھی تھی۔ اس کا اگیان ہر دئے کہہ رہا تھا کہ ماتا اوشیہ بڑے سکٹ میں ہے اور اسے کسی کی سہا جتا کی ضرورت ہے۔

سکھ داس لائین جلائے اپنے دروازے پر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ یہی سے اس

کے اشرفیوں کے گھنٹے کا تھا۔ اس وقت وہ ننانت شوک میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ اکسمات اس نے ایک گوری گوری ننھی سی لڑکی کو پرکاش میں دوار کی طرف آتے دیکھا تو وہ چونک پڑا۔ وہ اشرفیوں کی چتا میں ایسا گمن تھا کہ اسے بھرم ہوا، مانو میری اشرفیاں ہی یہ روپ دھارن کر کے میرے پاس آ رہی ہے۔ سکھ داس کو پہلے دو بار ایک گیت غنتی کا انوبھو ہو چکا تھا، جو اس کے بھاگیہ کی ودھاتا بنی ہوئی تھی۔ اب پھر اسے بھرم ہوا کہ مانو وہی دیوک غنتی اس کو یہ ادبھت چنکار دکھا رہی ہے۔ اس نے اس لڑکی کو گود میں اٹھاتا چاہا، پر وہ نہ آئی اور اٹھکیوں سے اس طرف اشارہ کرنے لگی، جس طرف اس کی ماں پڑی تھی۔ سکھ داس پہلے تو کچھ سمجھ نہ سکا۔ پر جب لڑکی نے بار بار اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف اشارہ کرنا شروع کیا تو وہ لڑکی کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ ہو لیا۔ لڑکی پھر اندھکار کی طرف چلی، یہاں تک کہ وہ ان جھازیوں کے پاس پہنچ گئی، جہاں اس کی ماما پڑی تھی۔ یہ پڑی ماما پر تنگھتہ نیند میں تھی۔ پر داستو میں سدپو کے لیے سو گئی تھی۔ بالکا اس کے پاس کھڑی ہو کر اماں، اماں کہنے لگی۔ سکھ داس نے جھک کر دھیان پوروک دیکھا تو اسے جھازی کے نیچے ایک استری پڑی ہوئی دکھائی پڑی۔

ادھر تو وہ پچاری سدھر مامری ہوئی پڑی تھی اور ادھر نریش سنگھ کے گھر پر اتسو منایا جا رہا تھا! سکھ داس اس گھنٹا کی سوچنا دینے کے لیے سیدھا ان کے بھون کی اور چل دیا۔ جس کمرے میں آنند اتسو ہو رہا تھا، اس میں دو دروازے تھے۔ سکھ داس نے ایک دوار سے پردیش کیا اور وہ لڑکی کو لیے ہوئے ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ نریش سنگھ نے سکھ داس کو ڈانٹ بتا کر کہا۔ ”ارے تو اس سے یہاں کیوں آیا؟“

سکھ داس۔ ”آپ ہی کے پاس آیا ہوں ذرا دیدھ جی کو میرے ساتھ کر دیجیے۔“
نریش سنگھ۔ ”کیوں، کیا بات ہے؟“

سکھ داس۔ ”ایک استری تالاب کے پاس ایک جھازی کے نیچے بے سدھ پڑی ہوئی ہے۔“

کئی آدمیوں نے سکھ داس کو چاروں اوزر سے گھیر لیا اور وہ پوچھنے لگے۔ یہ کس کی لڑکی ہے؟ کون استری مر گئی ہے؟ کس کا بچہ ہے؟“

سکھ داس لڑکی کو بردے سے لگائے ہوئے چپ چاپ کھڑا تھا، کسی کو جواب نہ

دیتا تھا۔ اتنے ہی میں دیدھ جی آگئے۔ جنھوں نے سکھ داس سے کچھ باتیں کی اور تب اس کے ساتھ ہو لیے۔ مہیپ سنگھ کو بھی ٹکول ہوا! وہ بھی ان کے ساتھ چلا۔

دیدھ جی اس استھان پر پہنچے اور انھوں نے اس استری کا زچھن کیا۔ اس کا پرانیت ہو چکا تھا۔ سکھ داس نے چنٹ ہو کر پوچھا ”کیا اب کوئی آشا ہے؟“ دیدھ جی نے سر ہلا کر جواب دیا ”اب برہمہ بھی آئیں تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

مہیپ — ”کچھ معلوم ہوتا ہے کہ کیسے مری۔؟“

دیدھ جی — ”مجھے تو ایسا گیات ہوتا ہے کہ یہ بہت دنوں سے بیمار تھی۔ اس کا شریر کتنا دربل ہے۔ پرانا ڈر تھا۔ کوئی بہت دین استری ہے۔

اب کیا ہو سکتا تھا، وہیں واہ کریا کا پر بندھ کیا گیا۔ کفن کے کپڑے نہ تھے۔ سکھ داس دوڑا ہوا گھر گیا اور کپڑے لایا۔ چتا تیار ہو گئی۔ پر آگ کون دے، اس پرشن پر دیر تک دواد ہوتا رہا۔ کوئی کہتا تھا، یہ براہمنوں کا کام ہے۔ پر وہاں کوئی براہمن نہ تھا۔ دیدھ جی کھڑے منہ تاکتے رہے۔ مہیپ سے بھی کچھ نہ بن پڑا۔ انت میں مہیپ سنگھ دیدھ کے ساتھ چل دیے، تو سکھ داس نے سویم جا کر چتا میں آگ لگا دی۔ ایک چھن میں آگ کی جوالا اٹھی اور سارا شریر جل کر بھسم ہو گیا۔ کسی کو یہ خبر نہ ہوئی کہ یہ استری کون تھی اور کہاں سے آئی تھی۔ اسی سے جب کہ یہاں چتا جوالا کا پرکاش پھیلا ہوا تھا۔ ٹھا کر صاحب کا دیوان خانہ موم کی تیلوں سے جگمگا رہا تھا! یہی سنسار کی گتی ہے!

دس دن تک سکھ داس مرتک سنسکاروں میں پھنسا رہا۔ لوگوں کو ٹکول ہوتا تھا کہ سکھ داس جس کا کسی سے راس باس نہ تھا۔ کیوں ایک اپرچت استری کی واہ کریا کرنے پر پرستوت ہو گیا۔ اتنا ہی نہیں وہ اس کا سنسکار بھی پر تھا نو سار کر رہا ہے۔ مگر سب سے بڑے آٹھریہ کی بات یہ تھی کہ وہ اس چھوٹی سی بالکا کا لالین پالین کیوں کر کرتا ہے؟ وہ جو نشیوں سے بھاگتا تھا، جس کی صورت دیکھ کر گاؤں کے بالک ڈر جاتے تھے، جو ایکانت میں ورکت جیون دھت کرتا تھا، جس نے کہ کبھی ششو پالین کا انوبھو نہیں کیا تھا، وہ اس لڑکی سے کیونکر اتنا پریم کر لینے لگا؟ اسے اس اتانہ پر کیوں اتنی دیا آگئی؟

دیامنی ایک دن سکھ داس کے گھر پر یہ وچتر دشا دیکھنے مئی سندھیا کا سے تھا۔ سکھ داس چو بھے کے سامنے بیٹھا ہوا کچھڑی پکا رہا تھا اور بالکا ایک کنورے کو لکڑی سے بجا کر پرسن

ہو رہی تھی۔ آگ کی جیوتی سے اس کا پھول سا چہرہ چمک رہا تھا۔ دیامنی نے اسے ایک نارنگی دی۔ کرشنا ماں کی گود سے اتر کر دھیرے دھیرے لڑکی کے پاس گیا۔ پہلے دونوں کچھ سکپتے رہے، پھر ساتھ ساتھ کنوڑے کو بجانے لگے۔ دیامنی بولی۔ ”سکھو، قصین اس لڑکی سے بڑا کشت ہوتا ہوگا۔ لاؤ میں اسے اپنے گھر لے جاؤں، وہاں بچوں کے ساتھ اس کا من بہلتا رہے گا۔“

سکھ داس نے لڑکی کا نام گیانی رکھا تھا۔ اس نے پوچھا۔۔۔ ”کیوں گیانی، ان کے گھر جاؤ گی۔“

گیانی دوڑ کر سکھ داس سے لپٹ گئی اور اس نے اس کی پیٹھ پر سر رکھ کر منہ چمپا لیا۔

دیامنی۔ ”تم تو بہت جلد مل گئی۔“

سکھ داس۔ ”بھگوان کی کچھ بھی اچھا ہے۔“

اس کے ۱۵ دین دن مہیپ سکھ نے سکھ داس کے پاس جا کر کہا۔ ”اے سکھ میری بات مانو۔ اس لڑکی کو پوجاری جی کے پردہ کر دو۔“

سکھ داس نے گمبیر بھاء سے کہا۔ ”مہاراج! مجھے یہ لڑکی بھگوان نے دی ہے۔ میں اسے اب نہیں چھوڑ سکتا۔ میری اشرفیاں نہ جانے کہاں چلی گئیں اور یہ لڑکی نہ جانے کہاں سے آگئی۔ جس ایثار نے میرے روپے ہر لیے تھے اسی نے مجھ پر دیا کہ یہ لڑکی میرے آنسو پوچھنے کے لیے بھیج دی ہے۔ مانو میری اشرفیاں ہی نے یہ روپ دھارن کیا ہے۔ یہ لڑکی چلی گئی تو میرے پران بھی چلے جائیں گے۔“

مہیپ نے ادھک آگر بہ نہیں کیا۔ چلتے سے انھوں نے سکھ داس کو ۱۵ روپے دیے اور کہا۔ ”اس کے لیے کچھ کھلونے مضائقہ آدی لے لینا۔ جب پھر ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا۔“

سکھ داس مہیپ سکھ کی دیالوت سے گدگد ہو گیا۔ وہ روپے نہ لینا چاہتا تھا، پر مہیپ نے نہ مانا۔

کیا داستو میں مہیپ اتنا دیا شیل تھا؟ نہیں، یہ بات نہ تھی۔ آج دلپ سکھ کی سرال سے ایک نائی آیا تھا، اس سے مہیپ کو سب ساچار مل گئے تھے۔ اسے اب کوئی

سندیہ نہ تھا کہ یہ استری دلیپ سنگھ کی جتنی تھی اور بالکا اس کی لڑکی ہے۔ اس نے نائی کو اپنے پتا کے پاس نہ جانے دیا تھا۔ کیونکہ اس ساچار سے ٹھا کر صاحب کو اور بھی لجا تھا دکھ ہوتا۔ نائی کو اوپر ہی اوپر لوٹا دیا تھا۔ یہی کارن تھا کہ اس لڑکی پر جو اس کی سنگی بھینچی تھی، اسے اتنی دیا آئی تھی۔ اس میں اتنا نیچک بل نہ تھا کہ لڑکی کو کھلم کھلا اپنا لینا، اتیو وہ اپنی درہلتا کو اسی اتانہ رکھا کی آڑ میں چھپاتا تھا۔

سکھ داس جو کبھی بھول کر بھی مندر نہ جاتا تھا۔ اب اس بالکا کی پران رکھا کے لیے نیہ مندر جانے لگا۔ اس کی اشرفیاں جن پر وہ جان دیتا تھا۔ اسے پرکچھ کوئی لاجھ نہ پہنچاتی تھیں، پر اس بالکا نے اس کے جیون میں ایک ویش رنک پیدا کر دیا۔ اس کا سبندھ سنسارک باتوں سے کرا دیا۔

بالکا جیون جیون بڑھتی مئی، سکھ داس کے جیون میں بھی اسی پرکار پر پورتن ہوتا گیا۔ اب وہ بہت کم ایکانت داس کرتا ہے۔ نیہ سندھیا سے اس لڑکی کو ہوا کھانے کے لیے لے جاتا، پھول چتا اور اس کے بالوں سے گھتا۔ اور لوگوں سے بھی اس کا پریم بڑھنے لگا۔ دیودرھی کے ساتھ ساتھ گیانی میں چچلیا کا بھی پرکاش ہونے لگا۔ وہ بمن بمن پرکار سے سکھ داس کو تنگ کرتی۔ بہودھا گھر سے نکل جاتی اور سکھ داس کو گھنٹوں پریشان کرتی۔ یدرھی وہ کبھی کبھی اس پر جھنجلا کر مارنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ پر اسے اس سے اتنا پریم تھا کہ ایک ہی چمن میں اس پر دیا آجاتی اور اس کے ہاتھ نہ اٹھتے۔ پندرہ ورش کے بعد سکھ داس کا لاپور کے نواسیوں سے میل جول ہونے لگا۔ گاؤں کے بچے جو پہلے سکھ داس کے پاس آتے ڈرتے تھے، اب گیانی کے کارن اس کے گھر میں مھےہے رہتے۔ وہ اب کسی بچے کو ڈرا کر بھگانا نہ تھا۔ گیانی کی تولتی باتیں اور اس کے پالن پوٹن میں وہ ایسا پلت ہو گیا کہ اسے اپنے بُت دھن کا دھیان بھی نہ رہا۔

یدرھی لاپور کے انیہ لوگ بھی گیانی پر ترس کھاتے تھے، کیونکہ وہ بالکا اتانہ تھی پر سب سے ادھک پریم مہیپ سنگھ کو تھا۔ وہ بہودھا گیانی کے لیے کوئی نہ کوئی چیز بھیجتے ہی رہتے تھے۔

آٹھواں ادھیاء

دست رتو ہے اور شیوراتری کا شہ دن ہے۔ آج گیانی کو سکھ داس کے گھر آئے ہوئے ۱۵ درش پورے ہو گئے تھے۔ لوگ تالاب میں انسان کر کے شیوجی کو جل چڑھانے کے لیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ پوجن کر کے نکلے آتے ہیں۔ سکھ داس اور گیانی بھی انھیں میں ہیں۔ سکھ داس کے روپ رنگ میں بہت اترا آگیا ہے۔ اس کی کمر جھک گئی ہے۔ کیش بہت شویت ہو گئے ہیں۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک نویوتی سندری ہاتھوں میں لوٹا لیے سر جھکائے چلی آتی ہے۔ یہی گیانی ہے۔ اس کی تئیں کندھوں پر چھٹکی ہوئی ہیں۔ شریر کوئل ہے، پر خوب بھرا ہوا۔ گیانی نے کہا ”پتاجی آج پھولوں کے لیے کتنا کشت اٹھانا پڑا۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے مکان کے آگے ایک بانچہ لگاؤں، جس میں یمن یمن پرکار کے پھول ہوں۔ مجھے دیامنی کی وائیکا بہت اچھی لگتی ہے۔“

سکھ داس — ”بہت اچھی بات ہے۔ میں سندھیا سے کام سے چھٹی ملنے کے چچات تھوڑی دیر تمھاری وائیکا بنایا کروں گا۔ اسی طرح پراتہ کال کام کرنے کے پہلے کچھ دیر کام کر لیا کروں گا۔ تم نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہیں کہا؟“

گیانی — ”تم سے اتنا پریشم کیسے ہوگا؟ زمین کھودنا، نئی منی لانا، پانس ڈالنا یہ سب تم سے نہ ہوگا۔ میں سوئیم یہ سب کرنا چاہتی ہوں۔ تمھیں کشت نہ دوں گی۔“

اتنے ہی میں ایک نویوک پیچھے سے آگیا۔ یہ دیامنی کا پتر کرشنا سکھ تھا اس نے کہا — ”کیا بات ہے، میں بھی سنوں۔“

سکھ داس — ”تم بھی آگئے۔ گیانی مکان کے سامنے ایک وائیکا لگانے کی بات چیت کر رہی تھی۔“

کرشنا — ”یہ پرستار تو میں آپ کرنے والا تھا۔ جب سے مہیپ سکھ نے یہ مکان بنوایا ہے، تبھی سے میرے من میں یہ بات آتی رہی ہے کہ یہاں ایک وائیکا لگ جاتی تو اچھا ہوتا۔“

سکھ داس۔ ”پر اس گاؤں کا تو حال جانتے ہو جہاں مزدور کھوجنے سے بھی نہیں ملتے۔“

کرشنا۔ ”مزدوروں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مجھے باغ میں کام کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں پرتی دن آکر کچھ نہ کچھ کام کر دیا کروں گا۔“

گیانی نے کرشنا کی اذہر سپریم دیکھ کر کہا۔۔۔ ”میں کسی کی مدد نہیں چاہتی۔“
 کرشنا۔ ”تو کیا میں بھی کوئی غیر ہوں؟ اس میں کشت کون سا ہوگا؟ مجھے تو اور بھی آند آئے گا۔ پودے جتنے چاہوں گا مہیپ سنگھ کے باغ سے اکھاڑ لاؤں گا۔ جب وہ سنیں گے کہ تم باغ لگا رہی ہو تو وہ سہریش پودے دے دیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اپنے مالی کو بھی بھیج دیں گے۔“

سکھ داس۔ ”نہیں، تم وہاں سے ہمارے نام سے کوئی دستو نہ لانا، انھوں نے ہمارے لیے مکان بنوا دیا اور تیرہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں۔ میں انھیں ادھک کشت نہیں دیتا چاہتا۔“

کرشنا۔ پودھوں میں ان کے کون دام لگتے ہیں۔ میں کل اوشیہ ان سے یہ ذکر کروں گا۔

یہ بات کرتے کرتے یہ لوگ مارگ کے اس استھان پر آ گئے جہاں دو شاخیں ہو گئی تھیں۔ کرشنا ودا ہو کر ایک طرف چلا گیا، سکھ داس اور گیانی نے اپنے گھر کی راہ لی۔ جب وے اکیلے رہ گئے، تو گیانی نے کہا۔ ”میں اپنی وائیکا میں ترکاریاں بھی لگاؤں گی۔ جس سے ہماری بہت سی اوشیکٹائیں پوری ہو جائیں گی۔“

جب دونوں گھر پہنچے تو گیانی نے آسن بچھا کر سکھ داس کے لیے تھالی میں کچھ پھلا ہار لا کر رکھ دیے۔ سکھ داس بھوجن کرنے لگا۔ جب وہ بھوجن کر چکا تو دھوپ میں جا کر ناریل پینے لگا۔ اس نے کوئی دو ورش سے لوگوں کے کہنے سے حقہ پینا شروع کر دیا تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ دھومر پان سے مڑ چھا کا روگ پاس نہیں آتا۔ اس کا دھواں اور بھی کتنے ہی کیٹ پنٹوں کا ناش کر دیتا ہے۔ دیدھ جی نے بھی اس کا سر تھن کیا تھا۔ یدھپی وہ تمباکو پینے لگا تھا، پر اس کو اس میں کچھ سواد نہ ملتا تھا۔ اسے آٹھر یہ ہوتا تھا کہ لوگ دھومر پان کے کیوں اتنے ابھیاسی اور اکچھک ہوتے ہیں۔

گیانی نے یہی وائیکا لگانے کا مکھیہ اڈیش سکھ داس سے چھپایا تھا پر واسٹو میں وہ اپنی ماما کا ایک اسارک چھہ بنانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جھاڑی جہاں اس کی ماما کا دہانت ہوا تھا اس پر ستاؤک وائیکا کے ٹھیک مدھیہ میں آتی تھی۔ گیانی کا دچار تھا کہ اس جھاڑی کے چاروں اڈر سندر سوگندھت پشپ لگا دیے جائیں۔ سکھ داس نے کئی سال پورو اس کی ماما کے مرنے کی کٹھا بیان کر دی تھی۔ گیانی پر تکچھہ تو بہت پرسن ودن رہتی، پر اس کے من میں یہ شوک مئے پرسن اٹھا کرتا تھا کہ میری ماما کون تھی؟ وہ یہاں کیسے آئی؟ کیوں آئی؟ اس کا گھر کہاں تھا؟ وہ لوگوں سے سنا کرتی تھی کہ سکھ داس نے میرا لالہ پالن کتنے کٹھ سے کیا ہے۔ اب بھی وہ سکھ داس کو انیہ سادھارن پتاؤں سے کہیں بڑھ کر پاتی تھی۔ وہ اس کے لیے اس بوڑھا پے میں کتنا پر شرم کرتا تھا۔ اس کے دواہ کے نمٹ کتنا کٹھ اٹھا کر دھن سچنے کرتا تھا، اس کے بھوجن و ستر آدی کا کتنا دھیان رکھتا تھا۔ گاؤں میں کسی یودتی کے پاس ایسے اچھے اہوشن نہ تھے جیسے گیانی کے پاس۔ گیانی کو سکرو انوبھو ہوتا تھا کہ وہ اس کے روپ لادنیہ اور چال ڈھال کو دیکھ کر کیسا مدت ہو جاتا ہے؟ اتیو وہ اسے پتا سمجھتی تھی اور اس سے پریم کرتی تھی۔ وہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتی جس سے سکھ داس کو دکھ ہو۔ اس کی پرتیک آگیہ کا پالن کرتی۔ پر پتراسنیہ ماتر پریم کا استھان نہ لے سکتا تھا۔ جب وہ انیہ ماماؤں کو اپنی سنتانوں کے پرتی پریم دیکھتی تو اس کا ہردے ودرین ہو جاتا۔ وہ سوچتی میری ماما بھی ایسی ہی اسنیہ مئی ہوئی۔ اس کی دیکھا اور شوک مئی مرتیو کو اسرن کرتے، وہ کبھی کبھی روتی تھی۔ اس جھاڑی کے سمپ سے وہ جب نکلتی تو اسے اپنی ماں کی یاد آ جاتی، روٹکنے کھڑے ہو جاتے۔ وہ کلپنا میں کبھی کبھی اپنی ماما کا چتر کھینچا کرتی تھی۔

تیسرا پھر تھا۔ سکھ داس دھوپ میں بیٹھا ہوا ناریل لی رہا تھا، کہ گیانی آکر اس کے سمپ بیٹھ گئی اور بولی۔ ”پتا جی ہم اس جھاڑی کو وائیکا میں ملا لیں گے۔ میں وہاں ایسے پودے لگاؤں گی جو کبھی مرجھانہ سکیں۔“

سکھ داس۔ ”یہ بہت اچھت ہوگا۔ اس جھاڑی میں جب پیلے پھول کھلتے ہیں تو کیسے سہانے معلوم ہوتے ہیں۔ پر یہ تو بتاؤ کہ وائیکا کی چار دیواری کیسے بنے گی؟ چار دیواری نہ رہے گی تو گائیوں اور گدھوں کے مارے ایک پودھا بھی نہ بچے گا۔“

گیانی۔ ”یہاں بہت سے ایسے پھرمیں گے جنہیں اوپر تلے رکھنے سے دیوار بن

جائے گی۔“

سکھ داس۔ ”یہ تو ٹھیک ہے، پر تمہیں پتھروں کے لانے میں بہت کشت ہوگا۔ تم اتنی ستمیاری ہو۔“

گیانی (لجا کر)۔ آپ جیسا سمجھتے ہیں، میں اتنی نرم نہیں ہوں۔ میں تو پتھر اوشیہ لاؤں گی۔ اگر پتھر کافی نہ ہوں گے، تو لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بازار بنا دیا جائے گا۔ دیکھو اس کھوہ میں کتنے پتھر پڑے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ کھوہ کی اوزر چلی اور بولی۔ ”ہتا جی یہاں آکر دیکھو آج کھوہ میں کل سے بہت کم پانی رہ گیا ہے۔“

سکھ داس نے کھوہ میں جھانک کر کہا۔ ”ہاں پانی ہٹ گیا ہے۔ لوگ اس کے پانی سے اپنے کھیت بیج رہے ہیں۔“

گیانی۔ ”تو ہم لوگوں کو اب نہانے کے لیے دور جانا پڑے گا۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور سکھ داس کے بہت منع کرنے پر بھی لا کر رکھ دیا۔

نواں ادھیالے

ٹھا کر نریش سنگھ کا کئی سال پہلے دیہانت ہو گیا تھا۔ اب مہیپ سنگھ گھر کا سوامی اور اس کی استری کیسری گھر کی سوامی تھی۔ یہ استری گریہہ کارپوں میں بہت کشل تھی۔ وہ کو پر بندھ جو نریش سنگھ کے سے میں تھا، اب نام ماتر کو بھی نہ رہ گیا۔

پر مہیپ سنگھ کا جیون اتنا آندمنے نہ تھا، جتنا ہونا چاہیے تھا۔ اس کے ابھی تک کوئی سندان نہ ہوئی تھی، حالانکہ اس کی اوستا چالیس کی ہو چکی تھی۔ وہ بہودھا اسی چتا میں پڑا رہتا تھا۔ اسے اس کے سوائے اور کوئی آشنا نہ تھی کہ کسی بالک کو گود لے لے۔ اس نے اپنے من میں دیامنی کے پتر کرشنا سنگھ کو گود لینے کا نچے کیا تھا۔ یہ نویک بڑا سوشیل اور پچرتر تھا، پر مہیپ سنگھ نے اس پر ستا کو بہت دنوں تک اپنے من ہی میں گت رکھا کہ کہیں کیسری اسے سن کر دکھی نہ ہو۔ پر جب انت میں دیوک اور بھونک اپایوں سے کوئی کام نہ نکلا، تو اس نے ووش ہو کر کیسری سے یہ چر چا کی۔ اور جیسا بھنے تھا، ویسا ہی ہوا۔ کیسری نے اس کا وردھ کیا۔ اس کا وچار تھا کہ جب ایثور نے کوئی سندان نہیں دی تو دوسرے کی سندان کو اپنا بنا لینا ویرتھ ہے۔ اس کو سند یہ تھا کہ ایسی سندان اچھی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے ایسا کیا ہے، ان کو پچھتاوا پڑا ہے۔ اس نے مہیپ سے کہا ”میں تمھیں گود لینے کی کبھی صلاح نہ دوں گی۔ اس کا پھل اچھا نہیں ہوتا ہے۔

مہیپ سنگھ۔ تمھارے من میں یہ وچار کیوں کر پیدا ہو گیا کہ ایسی سندان اچھی نہیں ہوتی۔ دیکھو دیامنی کا لڑکا کرشنا سنگھ کیسا ہونہار اور پچرتر لڑکا ہے۔“

کیسری۔ ”ہاں، وہ ادھیالے کے گھر رہ کر برانیں ہو سکتا۔ پر تمھارے یہاں رہے، تو اوشیہ برا نکلتے گا۔ تمھیں اس استری کی بات یاد نہیں ہے، جو ایودھیا انسان کے سے ملی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے ایک لڑکے کو اس پر بٹھایا تھا۔ جب وہ تئیس ورش کا ہوا تو اس نے ایسا اپراوہ کیا کہ دیش سے نکال دیا گیا۔ ایسی ہی اور بھی کئی گھٹنا میں سننے میں آئی ہیں۔ اسی سے میرا من پچکتا ہے۔

گیانی جب ۱۲ ورش کی تھی، تبھی سے مہیپ سنگھ نے یہ منکھپ کر لیا تھا کہ اس کا کرشنا سے دواہ کروں گا۔ اور کرشنا کو گود لے لوں گا۔ اس پر کار گیانی اور اس کی سنان میری اتر اڑھکاری ہو جائے گی۔ کیسری کا درآگرہ اس کے اس پرانے منکھپ کو نصف کر رہا تھا۔ گیانی کو اس کے پتیرک اڑھیکار کو پردان کرنے کا مہیپ کو اور کوئی اپائے نہ سوچتا تھا۔ اس نے سوچا استریاں کتنی سوار تھنی ہوتی ہیں۔ کیسری اس کام سے مجھے اس لیے روکتی ہے کہ میرے مرنے کے اپرانت اس کے ہاتھوں میں کوئی اڑھیکار نہ رہ جائے گا۔ اس وچار نے مہیپ کو بہت شوکا تر کر دیا۔ یددہی اس کا چت بہت ہی دکھت ہوا، پر اس نے اپنے کسی واقعہ یا بھاء سے اپنے چت کی دشا کیسری پر پرکٹ نہ ہونے دی۔ وہ پوروت کیسری سے پریم اور اس کا آدر کرتا رہا۔ کیسری کو یددہی اپنے پتی سے سہا نبھوتی تھی، پر وہ اپنے من کو اس ترک سے سمجھا لیتی کہ سنسار چتا ساگر ہے۔ یہاں چتا سے کون مکت ہو سکتا ہے۔ مہیپ کو یدی سنان کی چتا نہ ہوتی تو کوئی دوسری ہی چتا ہوتی، اس کے ساتھ ہی وہ مہیپ کی سیوا سردشا بڑے آند اور پریم سے کیا کرتی۔ اتیو اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ان باتوں کے ہوتے ہوئے مہیپ کو کیوں سنان کی چتا ہوتی ہے۔

پر جیوں جیوں دن گزرتے تھے، کیسری کو یہ انوبھو ہوتا تھا کہ میری پریم سیوا سے اب پتی کا چت پرسن نہیں ہوتا۔ وہ کوئی ایسا دیکتی چاہتا ہے جو زمینداری کے پر بندھ میں اس کی سہانچا کر سکے۔ کارندے اور سپاہیوں کی مگرانی اب اس سے نہ ہوتی تھی۔ دے پر چنگھ دیکتا تھا کہ نوکر مجھے لوٹ رہے ہیں، پر وہ نہ تو انھیں پکڑ سکتا تھا اور نہ ڈنڈ دے سکتا تھا۔ اس لیے من ہی من میں کڑ بڑا کر رہ جاتا تھا۔

ایک دن مہیپ سنگھ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا کہ دیامنی کی ایک بہن جو مہیپ ہی کے کسی گاؤں میں بیابھی ہوئی تھی، اس سے ملنے آئی۔ اس کا نام یثودا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اس لینے کی بھی چرچا آگئی۔ یثودا نے کہا ”تو تم انھیں اس لینے سے منع کیوں کرتی ہو؟“

کیسری — ”مجھے یہی ہڈکا ہوتی ہے کہ کہیں وہ لڑکا ہم سے دکھ ہو جائے تو ہماری کیا دشا ہوگی“

یثودا — ”یہ کیول تمھارا بھرم ہے۔ تم نہیں جانتی ہو کہ منشیوں کی اوستھا جیوں

جیوں ادھک ہوتی جاتی ہے، نستخان منٹش کو چتا اپنے سامنے اندھکار کے سوائے اور کچھ نہیں سوچتا۔ وہ سوچتا ہے، میں کس کے لیے جیوں، کس کے لیے دھن بچنے کروں؛ میری کتنی کون کرے گا؟ مجھے پنڈا پانی کون دے گا؟ میں تم کو یہ صلاح دوں گی کہ تم آج ہی اپنے بچے کو اس دشنے میں بچھٹ کر دو۔“

یہ باتیں کیسری کے من میں بیٹھ گئیں۔ اس نے من میں یہ پرل اچھا ہوئی کہ مہیپ شکھر ہی گھر آجائیں۔ اتہ وہ دوار پر کھڑی ہو کر اس کی بات دیکھنے لگی۔

اسے اس بھائی کھڑے بہت دیر ہوگئی۔ آخر شام ہوتے ہوتے مہیپ سنگھ گھر پر آئے۔ کیسری نے پوچھا۔ ”آج کیوں بہت دیر ہوگئی؟ کیا کہیں اور چلے گئے تھے؟“

مہیپ نے اس کا اتر نہ دیا۔ وہ چپ چاپ کپڑے اتار کر رکھنے لگا۔ اس کا چہرہ بہت اداس تھا۔ مانو ہردے پر کوئی بڑی چوٹ لگی ہے۔ انت میں وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور کیسری سے بولا ”دروازے بند کر دو۔ کہہ دو اس گھڑی یہاں کوئی نہ آئے۔“

جب دو دروازے بند ہو گیا، تو مہیپ سنگھ نے کہا ”میں۔ تھا شکتی شکھر ہی لوٹ آیا، تاکہ وہ بات جو میں تم سے کہنے والا ہوں کوئی اور نہ کہہ دے۔ اس بات سے میرے ہردے کو بڑا آگھات پہنچا ہے۔“

کیسری نے آغٹکت ہو کر کہا۔ ”میرے گھر تو سب کشل سے ہیں؟“ مہیپ سنگھ۔ ”ہاں سب کشل ہے“ یہ چوٹ کسی جیوت منٹش کی اڈر سے نہیں، دلپ سنگھ کی اڈر سے ہے۔ آج مجھے اس کی لاش ایک کھوہ میں مل گئی۔ سکھ داس کے گھر کے پاس جو تالاب ہے وہ کھیتوں کی سینچائی کے کارن بالکل سوکھ گیا ہے۔ آج اس میں دلپ کی لاش دو پتھروں کے بیچ میں پھنسی ہوئی ملی۔ میری گھڑی اور میرا شکاری چابک بھی وہیں پڑا ہوا ہے۔“

کیسری پہلے بہت دیا کل ہوگئی تھی۔ واسٹوک بات کے گیات ہونے پر اسے ڈھارس ہوا، کتھو اسے اس آگھات کا انوبھونہ ہوا جس سے مہیپ سنگھ کا انتہ کرن بیڑت ہو رہا تھا۔ بولی۔ ”کیا وہ اس میں ڈوب کر مر گئے۔“

مہیپ سنگھ۔ ”ایسا جان پڑتا ہے کہ وہ اس میں پھسل پڑا ہوگا۔ سکھ داس کے روپے بھی اسی نے چرائے تھے۔“

یہ سن کر کیسری چونک پڑی۔ وہ اواک ہو کر پتی کی اذرتا کئے لگی۔ یا تو اسے اپنے کانوں پر دھواں نہ آیا، یا وہ یہ نہ سمجھے نہ کر سکی کہ چت کے بھاؤ کو کیونکر پرکھ کر دے؟

مہیب۔ ”شو کے پاس ہی سکھ داس کے روپے جیوں کے تیوں تھیلی میں بند ملے ہیں۔ کہہ نہیں سکتا کہ اس سے مجھے کتنی لچا اور شوک ہے۔ مرے ہوئے آدمی کو کیا کہوں۔ پر دلپ نے کل کو کھانا کھ کر دیا۔ اب ہم سر اٹھانے کے لائق نہ رہے۔ جب یہ بات کھل گئی تو پھر اب پردہ کرنے کی کیا ضرورت؟ وہ استری جس کی لاش گندھے کے کنارے جھاڑی میں ملی تھی۔ دلپ سنگھ کی چچی تھی اور گیانی اسی کی پتری ہے۔“

کیسری نے شوکاثر ہو کر کہا۔ ”بھگوان کی یہی اچھا تھی، تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔ پر تم نے مجھ سے یہ بھید چھپایا، اس سے گیانی کی بڑی ہانی ہوئی۔ یدی تم نے یہ بات مجھ سے پہلے کہی ہوتی تو ہم اس بچی کے لیے اب تک کیا کچھ نہ کر ڈالتے۔ میں پریم سے اس کا پالنہ کرتی۔ اسے کل ریتی انوسار کھچھا دیتی۔ میں اسے اتنا پیار کرتی کہ ماما بھی اس سے ادھک نہ کر سکتی۔ ہماری ہی لڑکی اور ہم اس سے اتنے دن تک ہلک رہے۔ شوک کے مارے کیسری کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

دسواں ادھیاءے

رات کے آٹھ بجے تھے۔ سکھ داس عینک لگائے چراغ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اشرفیوں کی تھیلی اس کے کٹ ایک چوکی پر رکھی ہوئی تھی۔ یدوچی سکھ داس ایک سے ان اشرفیوں پر جان دیتا تھا، انھیں اپنے جیون کا مکھیہ اولمب سمجھتا تھا، پر اب انھیں پھر پا کر اسے ویش آئند نہیں ہوا۔ اسے کیول اتنا ہی سنتوش ہوا کہ گیانی کے دواہ کے لیے مجھے اب روپیوں کا تردد نہ رہے گا۔ خوب دھوم دھام سے دواہ کروں گا اور ایسی ادارتا سے دان دہیز دوں گا کہ لوگ دنگ ہو جائیں۔ روپے اس کے لیے اب آئند کی دستو نہ تھے۔ اسے اب ان کے اپوگ سے آئند آتا تھا۔ اس کے سواے اس کے ملن ہونے کا ایک اور کارن تھا۔ وہ سرل دھارمک سدھانتوں کا منٹ تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ انھیں اشرفیوں کے کارن دیپ سنگھ کی جان مٹی۔ دشواں تھا کہ بھگوان یا انیہ کسی دیوک شکتی نے دیپ کو کھوہ میں ڈھیل کر اس کے کرموں کا ڈنڈ دیا ہے۔ اسی پرکار کچھ دیر تک سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد اس نے گیانی سے کہا ”جب اشرفیاں میرے پاس سے چلی گئیں تو میں رات دن اسی آٹا میں رہتا تھا کہ وہ میرے پاس آجائیں۔ ایک دن میں نے تمہیں یہاں پایا اس سے تم بہت چھوٹی تھیں۔ تمہارا آٹا میرے لیے امرت ہو گیا، نہیں تو میں اشرفیوں کے شوک میں پاگل ہو جاتا۔“

اتنے میں ٹھاکر مہیپ سنگھ اور ان کی استری کسری نے مکان میں پرویش کیا۔ گیانی نے ان کے لیے آسن بچھا دیا۔ سکھ داس کو دسمے ہوا کہ آج ٹھاکرائن یہاں کیسے آئیں۔ گیانی کو بھی یہی آٹھر یہ تھا۔

مہیپ سنگھ نے کہا ”سکھ داس، مجھے بڑی پرسنتا ہوئی کہ تمہارے کھوئے ہوئے روپے اتنے دنوں کے بعد تمہیں مل گئے۔ یدوچی اس کا اتھتھ شوک اور لہجہ ہے کہ میرے بھائی کے کارن تم کو یہ دکھ سہتا پڑا تھا۔ اس کے لیے میں ہر طرح سے تمہارا چھما پراقتی ہوں۔“

سکھ داس۔ ”یہ سب ایٹور کی مٹی ہے، ار، میں آپ کو کوئی کھید نہ کرنا چاہیے۔“

مہیپ۔ ”ہاں اس کے سوائے من کو اور کیسے بودھ ہو سکتا ہے۔“

”سکھ داس۔“ میں آپ سے ستیہ کہتا ہوں کہ اشرفیوں کو پا کر مجھے آند نہیں ہوا، کیونکہ مجھے بھنے ہوتا ہے کہ کہیں ان کو پا کر میں گیانی کو ہاتھ سے نہ کھو بیٹھوں۔ گیانی انھیں اشرفیوں کے بدلے میں تولی تھی۔“

مہیپ نے مسکرا کر کہا۔ ”تمھاری ہڈکا بہت ٹھیک ہے، کیونکہ داستو میں اب گیانی تمھارے پاس بہت دنوں تک نہ رہے گی۔ دونوں سکھوں کو ایک ساتھ کیسے بھوگ سکو گے؟ گیانی کا دواہ تو کڑا ہی پڑے گا۔“

سکھ داس۔ ”اس میں تو مجھے آپ ہی کی سہانچا کا بھروسہ ہے۔“

مہیپ۔ ”میں اسی لیے تو اس سے تمھارے پاس آیا ہوں۔ مجھے تم سے ایک بھید کہنا ہے جس سے سن کر تم چکت ہو جاؤ گے۔ گیانی میرے بھائی دلپ سنگھ کی بیٹی ہے۔ یہ بات مجھے اس کی ماما کے مرنے کے دو چار دن پیچھے ہی گیات ہو گئی تھی۔ پر میں نے تم سے اس کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ تمھیں دکھ ہوگا۔ یہ تو جانتے ہی ہو کہ میری کوئی سنتان نہیں ہے۔ میں نے یہ نچھنے کیا ہے کہ گیانی کو اب اپنے گھر لے چل کر رکھوں اور اس کی جائداد اس کے حوالے کر دوں۔ میں دیامنی کے پتر کرشنا سنگھ کو مود لینے کا وچار کر رہا ہوں۔ اس سے گیانی کا دواہ کر دوں گا۔ تم بھی وردھ ہوئے اور تمھاری سمجھتی بھی مل گئی۔ اب یہ کر گئے کا کام چھوڑ دو۔ ہمارے یہاں چل کر آند پوروک رہو۔ وہاں گیانی تمھاری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ تمھارا من بہلتا رہے گا۔“

کیسری نے کہا۔ ”انھوں نے کل تک مجھ سے یہ نہ بتلایا تھا کہ گیانی میری بھتیجی ہے۔ نہیں تو میں اسے یہاں سے کب کی لے گئی ہوتی۔ بیٹی، اب تم اپنے گھر چل کر رہو۔ میں جب تک جیوں گی، تمھیں اپنی بیٹی سمجھتی رہوں گی۔“

سکھ داس نے جل آنکھوں سے گیانی کو دیکھ کر کہا۔ ”بیٹی تم اب میری نہیں بھار صاحب کی پتری ہو۔ تمھیں یہ سو بھاگیہ مبارک ہو، پر میں ایسا نہ جانتا تھا۔ تم اب اپنے پتا کے گھر جاؤ، میں اپنی اسی کٹی میں رہوں گا۔ جب تمھیں دیکھنے کو جی چاہے گا، چلا آیا کروں گا۔ بھلوان، تمھاری لیا وچتر ہے۔“

یہ کہہ کر سکھ داس نے ایک دریگھ نیہ شواس لیا اور وہ آکاش کی اور دیکھنے لگا۔ گیانی کو اب تک وہ اپنی لڑکی سمجھتا تھا، پر اب اپنے کو دھوکے میں نہ رکھ سکتا تھا۔

گیانی نے کیسری کی اور دیکھ کر کہا ”چاچی آپ لوگوں نے مجھ انا تھ پر بہت دیا
 کی ہے اور مجھے یہ جان کر کہ میں آپ ہی لوگوں کی ستان ہوں، بڑا گورو ہو رہا ہے، پر میں
 اپنے پتا کو چھوڑ کر آپ کی شرن میں بھی نہیں جاسکتی۔ میں اپنے سو بھاگیہ پر اپنے دھرم پتا کے
 سکھ اور شانتی کا بلیدان نہ کروں گی۔ مجھے آگے چل کر بھاگیہ چاہے جہاں لے جائے، پر میرا
 گھر یہی ہے اور میرے پتا یہی ہیں۔“

کیسری نے گدگد ہو کر کہا — ”بیٹی تم نے بہت اچھا بات کہی۔ یہ تمہارا دھرم
 ہے۔ تم اس گھر میں اس سے تک سائنند رہو، جب تک میں قصیں بیٹی کے بدلے بہو نہ بنا
 لے جاؤں۔

رام چچا

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
	بال کانڈ	-1
353	جنم	
356	تاڑ کا اور مارچ کا دودھ	
359	دواہ	
	ایودھیا کانڈ	-2
366	بنواس	
383	راجا دشرتھ کی مرتی	
385	بھرت کی واپسی	
389	چتر کوٹ	
391	بھرت اور رام چندر	
	بن کانڈ	-3
397	وٹک بن	
400	پنچوئی	
404	ہرن کا شکار	
407	جھل	
410	سیتا کا ہراجانا	
	کھٹکندھا کانڈ	-4
418	سیتا جی کی کھوج	
424	ہنومان	

سندر کاٹھ

-5

- 429 لکا میں ہومان
434 لکا داہ
439 آکرمن کی تیاری
442 دبھین
445 آکرمن

لکا کاٹھ

-6

- 447 راون کے دربار میں انگد
450 سیکھ ناد
453 ٹمکھ کرن
455 سیکھ ناد کا مارا جانا
458 راون یدھ جھمیر میں
460 دبھین کا راجہ ابھیک
462 ابو دھیا کو واپسی
467 رام چندر کی راج گدی

اُتر کاٹھ

-7

- 469 رام کا راج
474 سیتا بنواس
478 نو اور کش
480 لکشیکھ سیکھ
485 جھمن کی مرتی
487 انت

بال کاٹ

جنم

پیارے بچوں! تم نے وجے دہی کا میلا تو دیکھا ہی ہوگا۔ کہیں کہیں اسے رام میلا کا میلا بھی کہتے ہیں۔ اس میلے میں تم سنی اور پٹیل کے بندروں اور بھالوؤں کے سے چہرے لگائے آدی دیکھے ہوں گے۔ رام بھمن اور سینا کو سنگھاسن پر بیٹھے دیکھا ہوگا اور ان سے سنگھاسن کے سامنے کچھ فاصلے پر کاغذ اور بانسوں کا بڑا پتلا دیکھا ہوگا۔ اس پتلے کے دس سر اور میں ہاتھ دیکھے ہوں گے۔ یہ راون کا پتلا ہے۔ ہزاروں برس ہوئے، راجا دام چندر نے لٹکا میں جا کر راون کو مارا تھا۔ اسی قومی فتح کی یادگار میں وجے دہی کا میلا ہوتا ہے اور ہر سال راون کا پتلا جلایا جاتا ہے۔ آج ہم حصیں انھیں راجا دام چندر کی زندگی کے دلچسپ حالات سناتے ہیں۔

گنگا کی ان سہایک عویوں میں جو آخر سے آکر ملتی ہیں، ایک سر جو ندی بھی ہے۔ اسی ندی پر ایودھیا کا مشہور قصبہ آباد ہے۔ ہندو لوگ آج بھی وہاں حیرتھ کرنے جاتے ہیں۔ آج کل تو ایودھیا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، مگر کئی ہزار سال ہوئے وہ ہندستان کا سب سے بڑا شہر تھا، وہ سورپہ دہی خاندان کے نامی گرامی راجاؤں کی راجدھانی تھی، ہریش چندر جیسے دانی، رگھو جیسے غریب پرور، بھکیرتھ جیسے ویر راجا سورپہ دہی میں ہوئے۔ راجا حیرتھ اسی پر سدھ دہی کے راجا تھے۔ رام چندر راجا حیرتھ کے بیٹے تھے۔

اس زمانے میں ایودھیا مگدی وڈیا اور کلا کی کیندر تھی۔ دور دور کے دیپاری روزگار کرنے آتے تھے۔ اور وہاں کی بنی ہوئی چیزیں خرید کر لے جاتے تھے۔ شہر میں دشال سڑکیں تھیں۔ سڑکوں پر ہمیشہ چمڑکاڑ ہوتا تھا۔ دونوں اور عالی شان محل کھڑے تھے۔ ہر قسم کی سواریاں سڑکوں پر دوڑا کرتی تھیں۔ عداوتیں، مدر سے، اوشدھالے سب موجود تھے۔ یہاں

تک کہ تاک گھر بھی بنے ہوئے تھے، جہاں شہر کے لوگ تماشا دیکھنے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں بھی اس دییش میں ناگوں کا رواج تھا۔ شہر کے آس پاس بڑے بڑے باغ تھے۔ ان باغوں میں کسی کو پھل توڑنے کی ممانعت نہ تھی۔ ان کی حفاظت کے لیے مضبوط چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ اندر ایک قلعہ بھی تھا۔ جس کی چاروں اُور گہری کھائی کھودی گئی تھی جس میں بھیڑ پانی لبالب بھرا رہتا تھا۔ جن کے بُرجوں پر توپیں لگی رہتی تھیں۔ کھجما آتی پر چلیت تھی کہ کوئی جاہل آدمی یہاں نہ ملتا تھا۔ لوگ بڑے آتھی کا شکار کرنے والے ایماندار، شائقِ پریمی، دھرم کے پابند اور دل کے صاف تھے۔ عدالتوں میں آج کل کی طرح جموں نے مقدمے نہیں کیا کرتے تھے۔ ہر گھر میں گائیں پالی جاتی تھیں۔ سگی دودھ کی افراط تھی۔ کھیتوں میں اناج اتنا پیدا ہوتا تھا کہ کوئی بھوکا نہ رہنے پاتا تھا۔ کسان خوشحال تھے۔ ان سے لگان بہت کم لیا جاتا تھا۔ ڈاکے اور چوری کی وارداتیں سنائی بھی نہ دیتی تھیں۔ طاعون اور ہیضہ وغیرہ بیماریوں کا نام نہ تھا۔ یہ سب راجا دھرتھ کی برکت تھی۔

ایک روز راجا دھرتھ شکار کھیلنے گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایک ندی کے کنارے جا پہنچے۔ ندی درختوں کی آڑ میں تھی۔ وہیں جنگل میں اندھک نئی تاک ایک اندھا رہتا تھا۔ اس کی استری بھی اندھی تھی۔ اس وقت ان کا نوجوان بیٹا شرون ندی میں پانی بھرنے گیا ہوا تھا۔ اس کے کُش کے پانی میں ڈوبنے کی آواز سن کر راجا نے سمجھا کوئی جنگلی ہاتھی نہارہا ہے۔ ترنت شہدہ دیدی ہان چلا دیا۔ تیر نوجوان کے سینے میں لگا۔ تیر کا لگنا تھا کہ وہ زور سے چلا کر گر پڑا۔ راجا گھبرا کر وہاں گئے تو دیکھا ایک نوجوان وہاں پڑا ترپ رہا ہے۔ انہیں اپنی بھول معلوم ہوئی۔ بے حد افسوس ہوا نوجوان نے انہیں لپٹ اور دُکھت دیکھ کر سمجھایا۔ اب رنج کرنے سے کیا فائدہ؟ میری موت شاید اس طرح لکھی تھی۔ میرے ماں باپ دونوں اندھے ہیں۔ ان کی ٹٹئی وہ سامنے نظر آرہی ہے میری لاش ان کے پاس پہنچا دینا۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔

راجا نے نوجوان کی لاش کو کندھوں پر رکھا اور اندھے کے پاس جا کر یہ دُکھت سا چار سنایا۔ بے چارے دونوں بڑھے بس پر دونوں آنکھوں کے اندھے، اور یہی اکٹھا بیٹا ان کی زندگی کا سہارا تھا۔ اس کے مرنے کا سا چار سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آسودہ راحے تو انہیں راجا پر غصہ آیا۔ ان کو خوب جی بھر کر کوسا اور یہ شراب دے کر کہ جس طرح بیٹے

کے شوک میں ہماری جان کھل رہی ہے اسی طرح تم بھی بیٹے ہی کے شوک میں مرو گے۔
دونوں مر گئے۔ راجا دشرتھ رو دھو کر یہاں سے ودا ہوئے۔

راجا دشرتھ کے اب تک کوئی سناں نہ تھی۔ سناں ہی کے لیے انھوں نے تین شادیاں کیں تھیں۔ بڑی رانی کا نام کوشلیا تھا، مچھلی رانی کا سحرا اور چھوٹی کیکئی۔ تینوں رانیاں بھی سناں کے لیے رستی رہتی تھیں۔ اندھے کا شراب (شاپ) راجا کے لیے وردان ہو گیا۔ چاہے بیٹے کے شوک میں مرنا ہی پڑے، بیٹے کا منہ تو دیکھیں گے اور تخت کا وارث تو پیدا ہوگا۔ اس خیال سے راجا کو بڑی تسکین ہوئی۔ اس کے کچھ دن بعد ہی اپنے گرو وششٹھ کے مشورے سے راجا نے یک کیا۔ اس میں کونے کونے سے رشی منی جمع ہوئے اور سب نے راجا کو آشرودا دیا۔ یکہ کے پورے ہوتے ہی سبھی رانیاں گرہ دتی ہوئیں۔ نیت سچے کے بعد تینوں رانوں کے چار راج کمار پیدا ہوئے۔ کوشلیا سے رام چندر ہوئے، سحرا سے مہمن اور شروگمن اور کیکئی سے بھرت۔ سارے راج میں منگل گیت گائے جانے لگے۔ پر جانے خوب اتسو منایا۔ راجا نے اتنا سونا چاندی دان کیا کہ راج میں کوئی زردن نہ رہ گیا۔ ان کی دلی کا منا پوری ہوئی۔ کئی دن ہوئے بیٹے کا منہ دیکھنے کو ترستے تھے، کہاں چار بیٹے ہو گئے۔ کمر گھزار ہو گیا۔ جیوتی جین آنکھیں روشن ہو گئیں۔

چاروں لڑکوں کا لالٹن پالنے ہونے لگا۔ جب وہ ذرا سا بیانے ہوئے تو گرو نے انھیں ہکچھا دینا شروع کیا۔ چاروں لڑکے بہت ہی ذہین تھے، تھوڑے ہی دنوں میں سب ختم کر لیا۔ اور دن ودھیا میں بھی خوب ہوشیار ہو گئے۔ دھون دیا میں، بہالا ودیا میں کشتی، کسی فن میں ان کا سامان نہ تھا مگر ان میں گھمنڈ نام کو بھی نہ تھا۔ چاروں بزرگوں کا ادب کرتے تھے۔ چھوٹوں کو بھی وہ سخت ست نہ کہتے۔ ان میں آپس میں بڑی گہری محبت تھی۔ ایک دوسرے کے لیے جان دیتے تھے۔ چاروں ہی سندھ، موسعمیہ اور سسھیل تھے۔ انھیں دیکھ کر سب کے منہ سے آشرودا نکلتا تھا۔ سب کہتے تھے، یہ لڑکے خاندان کا نام روشن کریں گے۔ یوں تو چاروں میں ایک ہی محبت تھی مگر مہمن کو رام چندر سے شروگمن کو بھرت سے خاص پریم تھا۔ راجا دشرتھ مارے خوشی کے پھولے نہ ساتے تھے۔

تاڑ کا اور مارچ کا ودھ

ایک دن راجا دشرتھ دربار میں بیٹھے ہوئے منتریوں سے کچھ بات چیت کر رہے تھے کہ رشی دثوا متر پدھارے۔ دثوا متر اس سے بہت بڑے تھوڑے تھے۔ وہ جھڑپے ہو کر بھی کیوں اپنی آرا دھتا کے بل سے برہم رشی کے پد پر پہنچ گئے تھے۔ سبھی رشی ان کے سامنے آدر سے سر جھکاتے تھے۔ مگر گیانی ہونے پر بھی وہ کسی حد تک کروڑھی تھے۔ کسی نے ان کی مرضی کے خلاف کام کیا اور انھوں نے شاپ دیا۔ اس سے سبھی راجے مہاراجے ان سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کے شاپ کو کوئی رد نہ کر سکتا تھا۔ لڑائی کی ودھا میں وہ اودھے تھے۔ راجا دشرتھ نے سنگھاسن سے اتر کر ان کا سواگت کیا اور انھیں اپنے سنگھاسن پر بٹھا کر بولے۔ آج اس غریب کے گھر کو اپنے چرنوں سے پوتر کر کے آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میرے یوگیہ کوئی سیوا ہو تو بتائیے۔ وہ سر آنکھوں پر بجا لاؤں۔

دثوا متر نے آشروداے کر کہا۔ مہاراج! ہم تو تیسویں کو راج دربار کی یاد اسی سے آتی ہے، جب ہمیں کوئی تکلیف ہوتی ہے یا جب ہمارے اوپر کوئی اتیاچار کرتا ہے۔ میں آج کل ایک یکیدہ کر رہا ہوں۔ کتھو رانگھس لوگ اسے اپوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یکیدہ کی دیدی پر رکت و بڑیاں پھینکتے ہیں۔ مارچ اور سہا ہو دو بڑے دوروی رانگھس ہیں۔ یہ سارا فساد انھیں لوگوں کا ہے۔ مجھ میں اپنی تپسیا کا اتنا بل ہے کہ چاہوں تو ایک شاپ دے کر ان کی ساری سینا کو جلا کر راکھ کر دوں۔ پر یک کرتے سے کروڑھ کو روکنا پڑتا ہے۔ اسی لیے میں آپ کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں۔ آپ راجا رام چندر اور جمن کو میرے ساتھ بھیج دیجیے، جس سے وہ میرے یک کی رکھا کریں اور ان رانگھسوں کو شعل کر دیں۔ دس دن میں ہمارا یک پورن ہو جائے گا۔ رام کے سوا در کسی سے یہ کام نہ ہوگا۔

راجا دشرتھ بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ رام کا دیوگ انھیں ایک جمن کے لیے سہا نہ گیا۔ یہ بے بھی ہوا کہ لڑکے ابھی انو بھوی نہیں ہیں۔ ڈراوے رانگھسوں سے بھلا کیا مقابلہ

کر سکیں گے۔ ڈرتے ہوئے بولے۔ ہے پتھرشی! آپ کی آسٹیا شروہا ریہ ہے کتھو آلب ویک لڑکوں کو راکھوں کے مقابلے میں مجھے بھی ہوتا ہے۔ انھیں ابھی زن جھیر کا الوہو نہیں ہے۔ میں سو نیم اپنی ساری سینا لے کر آپ کے یک کی رکھا کروں گا۔ لڑکوں کو ساتھ بھیجے کے لیے مجھے دوش نہ کیجیے۔

دشا متر نس کے بولے۔ مہاراج آپ ان لڑکوں کو ابھی نہیں جانتے۔ ان میں شیروں کی سی ہمت اور طاقت ہے۔ مجھے پورا دشاوس ہے کہ یہ راکھوں کو مار ڈالیں گے۔ ان کی طرف سے آپ بڑر رہے۔ ان کا بال بھی ہانکا نہ ہوگا۔

راجا دشرتھ بھر کچھ اپنی کرنا چاہتے تھے۔ مگر گرد و شوش کے سمجھانے راضی ہو گئے۔ اور دونوں راجیکاروں کو بلا کر رشی دشاوتر کے ساتھ جانے کا آدیش دیا۔ رام چندر اور مہمن یہ آسمیا پا کر دل میں بہت خوش ہوئے۔ اپنی دیرتا کو دکھانے کا ایسا اچھا اور انھیں پہلے نہ ملا تھا۔ دونوں نے پردہ میں جانے کے کپڑے پہنے۔ جھیر سبائے اور اپنی ماماؤں سے آشر واد لینے کے بعد راجا دشرتھ کے چلوں میں گر کر خوشی خوشی ودا ہوئے۔ دشاوتر نے دونوں بھائیوں کو ایک ایسا منتر بتایا کہ جس کو پڑھنے سے تھکاوٹ پاس نہیں آتی۔ نئے نئے بہت ادبخت جھیراؤں کا ایچوگ کرنا سکھایا، جن کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہ سکتا تھا۔

کئی دن کے بعد تینوں آدمی گنگا کو پار کر کے گئے جنگل میں جا پہنچے۔ دشاوتر نے کہا۔ بیٹا! اس جنگل میں تاڑ کا نام کی دانوی رہتی ہے۔ وہ اس راستے سے گزرنے والے آدمی کو پکڑ کر کھا ڈالتی ہے۔ پہلے یہاں ایک اچھا مگر بسا ہوا تھا۔ پر اس دانوی نے سارے آدمیوں کو کھا ڈالا۔ اب وہی بسا ہوا مگر گنگا جنگل ہے۔ کوئی آدمی بھول کر بھی ادھر نہیں آتا۔ ہم لوگوں کی آہٹ پا کر وہ دانوی آتی ہوگی۔ تم ترنت اسے تیر سے مار ڈالتا۔

دشاوتر ابھی یہ واقعہ بیان کر ہی رہے تھے کہ ہوا میں زور کی سنناٹا ہٹ ہوئی اور تاڑ کا منہ کھولے دوڑتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ اس کی صورت اتنی ڈراؤنی اور ڈیل اتنا بڑا تھا کہ کوئی کم سامی آدمی ہوتا تو مارے ڈر کے گر پڑتا۔ اس نے ان تینوں آدمیوں کے سامنے آکر مگر جتا اور پتھر پھینکا شروع کیا۔ دشاوتر نے رام چندر کو تیر چلانے کا اشارہ کیا۔ رام چندر ایک عورت پر جھیر چلانا نم کے وردھ سمجھتے تھے۔ تاڑ کا دانوی تھی تو عورت، مگر رشی کا سکیت پا کر انھیں کیا آپتی ہو سکتی تھی۔ ایسا تیر چلایا کہ وہ تاڑ کا کی چھاتی میں چھ گیا۔ تاڑ کا

زور چج کر کر پڑی اور ایک چمن میں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

تینوں آدمی پھر آگے چلے اور کئی دنوں بعد دشو متر کے آشرم گئے۔ تھا تو یہ بھی جنگل پر اس میں ادھک ترشی لوگ رہا کرتے تھے۔ شیر، نل گائے، ہرن ڈر گھوما کرتے تھے۔ اس تہو بھوی کے پر بھاد سے شکار کھیلنے والے بھی شکار کی طرف سے پرورت نہ ہوتے تھے۔

دوسرے دن دشو متر نے یکپہ کرنا شروع کیا۔ رام اور بھمن کمر پر تلوار لٹکائے دھنش اور بان ہاتھ میں لیے جنگل کے چاروں اور گشت لگانے لگے۔ نہ کھانے پینے کی فکر تھی۔ نہ سونے لینے کی۔ رات دن بنا سوئے بنا کھائے پہرا دیتے تھے۔ اس پر کار چار پانچ دن کھل سے بیت گئے۔ مگر چھ دن کیا دیکھتے ہیں کہ مارنچ اور سہاہو راکھسوں کی سینا لیے یک پہر کرنے چلے آ رہے ہیں۔ دونوں بھائی ترنت سنبل گئے۔ جوں ہی مارنچ سامنے آیا، رام چندر نے ایسا تیر مارا کہ وہ بڑی دور جا کر گرا۔ سہاہو باقی تھا۔ اسے بھی ایک اگنی بان میں ٹھنڈا کر دیا۔ پھر تو راکھسی سینا کے پھر اکھڑ گئے۔ دونوں بھائیوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور کتنوں ہی کو مار ڈالا۔ اس پر کار یک سندھ ریتی سے پھرا ہو گیا۔ کسی پر کار کی رکاوٹ نہ ہوئی۔ دشو متر نے دونوں بھائیوں کی خوب پرھنسا کی۔

وداہ

رام اور لکشمی بھی دشواستر کے آشرم میں ہی تھے۔ کہ مہلا کے راجا جنک نے دشواستر کو اپنی لڑکی سیتا کے سویمبر میں شملیت ہونے کے لیے نوید بھیجا۔ اس سے میں پرانیہ وداہ سویمبر کی ریتی سے ہوتے تھے۔ لڑکی کا پتا ایک آسو کرتا تھا جس میں دور دور سے آکر لوگ شملیت ہوتے تھے۔ آسو میں ساہس یا پدھ کے کوشل پرکھیا ہوتی تھی۔ جو یوک اس پرکھیا میں مکمل ہوتا تھا اسی کے گلے میں کنیا بے بالا ڈال دیتی تھی۔ اسی سے اس کا وداہ ہو جاتا تھا۔ دشواستر کی ہاروک ہتھا تھی کہ سیتا کا وداہ رام سے ہو جائے۔ وہ بھی یہ جاننے تھے کہ رام پرکھیا میں اوشیہ مکمل ہوں گے۔ اس لیے جب وہ مہلا جانے لگے تو رام اور لکشمی کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ راجا دشترتھ سے آسمتا لینے کے لیے ایودھیا جانے اور وہاں سے مہلا آنے کے لیے کافی وقت نہ تھا۔ مہلا وہاں سے قریب ہی تھی۔ اس لیے دشواستر نے سیدھے وہاں جانے کا نچے کیا۔

آج کل جس پرانت کو ہم بہار کہتے ہیں۔ وہ ہی اس زمانے میں مہلا کھلاتا تھا۔ مہلا کے راجا جنک بڑے دوان اور گیانی پڑش تھے۔ بڑے بڑے رشی منی ان سے گیان کی ہکھیا لینے آتے تھے۔ کئی سال پہلے مہلا میں بڑا بھاری آکال پڑا تھا۔ اور اس وقت رشیوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ یہ کال یکیہ سے ہی دور ہو سکتا ہے۔ اس یکیہ کو پورا کرنے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ راجا جنک خود مل چلائیں۔ راجا جنک کو اپنی پر جا اپنے پران سے بھی زیادہ ادھک پر پیے تھی۔ اس کے سر سے اس سٹک کو دور کرنے کے لیے انھوں نے اس یکیہ کو شروع کر دیا۔ جب وہ مل بتل لے کر کھیت میں پہنچے اور مل چلانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پھل کی ٹوک سے جو زمین کھد گئی ہے اس میں ایک چاندی لڑکی پڑی ہوئی ہے۔ راجا کی کوئی سندان نہ تھی، ترنت اس لڑکی کو گود میں اٹھا لیا اور گھولائے۔ اس کا نام سیتا رکھا، کیونکہ یہ پھل کی ٹوک سے نکلی تھی پھل کو سنسکرت میں ست کہتے ہیں۔ اس ایٹور پیہ دین کو راجا جنک نے بڑے لاڈ اور پیار سے پالا۔ اور اچھے اچھے دوانوں سے ہکھیا دلوائی۔ اسی سیتا کے وداہ پر سویمبر رچا گیا تھا۔

رام لکھنم اور دشواستر سب گنگا اتادی ندیوں کو پار کرتے ہوئے چوتھے دن مصلّا پہنچے۔ سارے شہر کے لوگ ان راجکاروں کی سندرتا اور ذلیل ڈول کو دیکھ کر ان پر مومت ہو گئے۔ سب کے منہ سے یہی آواز نکلتی تھی کہ بیٹا کے یگیہ کوئی ہے تو یہی راج کمار ہے۔ جیسی سندروہ ہے، ویسے ہی رام چہرہ ہیں۔ مگر دیکھنا چاہیے، ان سے شیوا کا دھنشل اٹھتا ہے یا نہیں۔

راجا جک کو دشواستر کے آنے کی خبر ہوئی تو انھوں نے ان کا بڑا آدرشکار کیا۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ دہلوں نوجوان راجا دھرتھ کے بیٹے ہیں۔ جب ان کے دل میں یہی خواہش ہوئی کہ کاش بیٹا کا دواہ رام سے ہو جاتا۔ مگر سویمبر کی شرط سے لاچار تھے۔

دشواستر نے راجا سے پوچھا، مہاراج، آپ نے سویمبر کے لیے کون سی پرکھیا جی ہے؟ جک نے آثر دیا۔ بھگون! کیا کہوں، کچھ کہا نہیں جاتا، سینکڑوں دوش گزر گئے ایک بار شیوجی نے میرے کسی پوروج کو اپنا دھنشل دیا تھا وہ دھنشل تب سے میرے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ ایک دن میں نے بیٹا سے اپنی پوجا کی کٹھری کو لیپ ڈالنے کے لیے کہا۔ اسی کٹھری میں وہ پرانا دھنشل رکھا ہوا تھا۔ سینکڑوں برس سے کوئی اسے اٹھا نہ سکا تھا۔ بیٹا نے جا کر دیکھا تو اس کے اس پاس بہت کڑوا جمع ہو گیا تھا۔ اس دھنشل کو اٹھا کر ایک اور رکھ دیا۔ میں پوجا کرنے گیا تو دھنشل کو ہٹا ہوا دیکھ کر مجھے بڑا آٹھریہ ہوا۔ جب معلوم ہوا کہ بیٹا نے اسے اٹھا کر زمین صاف کی ہے، تب میں شرط کی کہ ایسی دیر کنیا کا دواہ اسی ور سے کروں گا جو دھنشل کو چڑھا کر توڑ دے گا۔ اب دیکھوں لڑکی کے بھاگیہ میں کیا ہے۔

دوسرے دن سویمبر کی تیاری شروع ہوئی۔ میدان میں ایک بڑا شامیانہ تانا گیا۔ سینکڑوں سورما جو اپنے بل کے گھمنڈ سے دور دور سے آئے تھے، آکر بیٹھے۔ شہر کے لاکھوں استری پردش اکثرت ہوئے۔ شیوجی کے دھنشل کے بہت سے آدمی اٹھا کر سہا میں لائے۔ جب سب لوگ آگئے تو راجا جک نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے بھارت ورش کے دیروں! یہ شیوا کا دھنشل آپ لوگوں کے سامنے رکھا ہے۔ جو اسے توڑ دے گا، اسی کے گلے میں بیٹا ہے مالا ڈالے گی۔

یہ سننے ہی سورماؤں اور دیروں نے دھنشل کے پاس جا جا کر زور لگانا شروع کیا۔ سبھی راجکار بیٹا سے دواہ کرنے کو سوہن دیکھ رہے تھے۔ کمر کس کس کر گھمنڈ سے اٹھتے

اڑتے دھنل کے پاس جاتے اور جب وہ حل بھر بھی نہ ہلتا تو ایمان سے گردن جھکائے اپنا سامنہ لیے لوٹ آتے تھے۔ ساری سہا میں ایک بھی ایسا بودھا نہ نکلا جو دھنل کو اٹھا سکتا توڑنے کا تو ذکر ہی کیا۔

راجا جنگ نے یہ دشا دیکھی تو انہیں بڑا ہیے ہوا۔ سہا میں کھڑے ہو کر نرasha سوچک سر میں بولے شاید یہ دیر بھوی اب دیروں سے خالی ہوگئی ہے۔ جیسی تو اتنے آدمیوں میں ایسا نہ نکلا جو اس دھنل کو توڑ سکتا۔ یدی میں ایسا جانتا تو سو بھر کے لیے یہ شرط نہ رکھتا۔ ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ سیتا اوداہت رہے گی۔ یہی اس کے بھاگیہ میں ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ لوگ اب شوق سے جا سکتے ہیں۔ اس حوصلے اور طاقت پر آپ لوگوں کو یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مہمن بڑے جو شیلے ٹوک تھے۔ جنگ کی یہ باتیں سن کر ان سے کہن نہ ہوسکا۔ جوش سے بولا۔ مہاراج! ایسا اپنی زبان سے نہ کہیے۔ جب تک راجا دھو کا دلش قائم ہے یہ دلش دیروں سے خالی نہیں ہوسکتا، میں ڈیک نہیں مارتا۔ کج کہتا ہوں کہ اگر خالی بھائی صاحب کی آسیتا پاؤں تو ایک دم میں اس دھنل کے پرزے پرزے کر دوں۔ پھرے بھائی صاحب چاہیں تو اسے ایک ہاتھ سے توڑ سکتے ہیں۔ اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ مہمن کی یہ جوش پورن باتیں سن کر سارے سورما دنگ رہ گئے۔ رام چندر چھوٹے بھائی کی طبیعت سے پہچت تھے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بولے۔ بھائی یہ سے اس طرح کی باتیں کرنے کا نہیں ہے جب تک تمہارے بڑے موجود ہیں، تمہیں زبان کھولنا اچت نہیں۔

مہمن بیٹھ گئے، تو دشا متر نے رام چندر سے کہا۔ بیٹا، اب تم جا کر اس دھنل کر توڑو جس میں راجا جنگ کو تسکین ہو۔ رام چندر سیتا کو پہلے ہی دن ایک باغ میں دیکھ چکے تھے۔ دونوں بھائی باغ میں سیر کرنے گئے تھے اور سیتا دیوی کی پوجا کرنے آئی تھی۔ وہیں دونوں کی آنکھیں ملی تھیں۔ اسی وقت سے رام چندر کو سیتا سے پریم ہو گیا تھا۔ وہ اسی سے کی پرتیکھا میں تھے۔ دشا متر کی آسیتا پاتے ہیں انھوں نے پرنام کیا۔ اور دھنل کی اور چلے۔ سورماؤں نے اپنا ایمان کم کرنے کے دھار سے ان پر آوازیں کستا شروع کیا۔ ایک نے کہا ذرا سنبھلے ہوئے جاپیے گا، ایسا نہ ہو کہیں اپنے ہی دور میں گر پڑیے۔ دھرا بولا۔ اس پرانے دھنل پر دیا کیجیے، کہیں پرزے پرزے نہ کر دیجیے گا۔ تیرا بولا۔ ذرا دھیرے دھیرے قدم

رکھے، زمین مل رہی ہے۔ کٹو رام چندر نے اس خیموں کی طرف بھگ بھی دھیان نہ دیا۔ دھنش کو اس طرح اٹھایا جیسے کوئی پھول ہو اور اتنی زور سے چڑھایا کہ بچ سے اس کے دو کھڑے ہو گئے۔ اس کے ٹوٹنے سے ایسی آواز ہوئی کہ لوگ چمک پڑے۔ دھنش جیوں ہی ٹوٹ کر گرا وہ سسلا کی پرستیا سے اچھل کر دوڑے۔ راجا جبک سبھا کے باہر چھتا پورن درشتی سے یہ درشتیہ دیکھ رہے تھے۔ رام چندر کو گلے سے لگا لیا اور بیتا جی نے آکر اس کے گلے میں بچے مالا ڈال دی۔ مگر والوں نے پرین ہو کر بچے بچے کار کرنا شروع کیا۔ منگل گان ہونے لگا، بندوقیں چھوٹنے لگیں۔ اور سورا لوگ ایک ایک کر کے چپکے چپکے سرکنے لگے۔ شہر کے چھوٹے بڑے دھنی زردھن سب خوشی سے پھولے نہ ساتے تھے۔ سبھی نے منہ مانگی مراد پائی۔ صلاح ہوئی کہ راجا دھرتھ کو شہہ ساچار کی سوچنا دینی چاہیے۔ کئی اونٹ کے سوار ترنت کوشل کی اور روانہ کیے گئے دھوا متر راج کماروں کے ساتھ راج بھون میں جانا ہی چاہتے تھے کہ منڈپ کے باہر شور اور غل سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہادل گرج رہا ہے لوگ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ کیا آفت آنے والی ہے ایک جھمن کے بعد بھید کھلا کہ پرشورام رشی کرودھ سے گرجتے چلے آ رہے ہیں۔ دیوؤں کا ساقہ، انگارے سی لال لال آگھیں، کرودھ سے چہرہ لال، ہاتھ میں تیر کمان، کندھے پر پھر سار یہ آپ کا روپ تھا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو کچا ہی کھا جائیں گے۔ آتے ہی گرج کر بولے۔ کس نے میرے گرد شہیہ کا دھنش توڑا ہے، نکل آئے میرے سامنے، ذرا میں بھی دیکھوں وہ کتنا دیر ہے؟

رام چندر نے بہت نمرتا سے کہا۔ مہاراج! آپ کے کسی بھکت نے ہی توڑا ہوگا اور کیا۔ پرشورام نے پھر سے کوٹھا کر کہا۔ کدانی نہیں، یہ میرے بھکت کا کام نہیں۔ یہ کسی شترو کا کام ہے۔ اوشیہ میرے کسی ہیرو نے یہ کام کیا ہے۔ میں بھی اس کا سرتن سے الگ کر دوں گا۔ کسی طرح چھما نہیں کر سکتا۔ میرے گرد کا دھنش اور اسے کوئی چھتر یہ توڑ ڈالے؟ میں چھتریوں کا شترو ہوں۔ جانی دشمن، میں نے ایک دو بار نہیں اکیس بار چھتریوں کی رکت کی ندی بہائی ہے۔ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے میں نے جہاں چھتریوں کو پایا ہے جن جن کر مارا ہے۔ اب پھر میرے ہاتھوں چھتریوں پر بڑی آفت آنے والی ہے۔ جس نے یہ دھنش توڑا ہو، میرے سامنے نکل آوے۔

دلیر اور منچلے جھمن یہ لکار سن کر بھلا کب سن کر سکتے تھے۔ سامنے آکر بولے۔ آپ

ایک سڑے سے دھش کے ٹوٹنے پر اتنا آپ سے باہر کیوں ہو رہے ہیں؟ لڑکپن میں ایسے کتنے دھش کھیل کھیل کر توڑ ڈالے، تب تو آپ کو ٹھک بھی کرودھ نہ آیا۔ آج اس پرانے، بے دم دھش کے ٹوٹ جانے سے آپ کیوں اتنا ٹپٹ ہو رہے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان گیدڑ بھکیوں سے کوئی ڈر جائے گا؟

جیسے کھی پڑ جانے سے آگ اور بھی تیز ہو جاتی ہے، اسی طرح سمجھن کہ یہ شہد سن کر پرشورام اور بھی بھیاوے ہو گئے۔ پھر سے کو ہاتھ میں لے کر بولے۔ تو کون ہے جو میرے ساتھ اس درمختا سے دیوار کرتا ہے؟ تجھے کیا اپنی جان ذرا بھی پیاری نہیں، جو اس طرح میرے سامنے زبان چلاتا ہے کیا یہ دھش بھی دیا ہی تھا، جیسا تم نے لڑکپن میں توڑے تھے؟ یہ شہجی کا دھش تھا۔

سمجھن بولے۔ کسی کا دھش ہو، مگر تھا بالکل سزا ہوا۔ چھوٹے ہی ٹوٹ گیا۔ زور لگانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ اس ذرا سی بات کے لیے دیرتھ آپ اتنا بگڑ رہے ہیں۔ پرشو رام اور بھی تھلا کر بولے۔ ارے مورکھ، کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ میں تجھے لڑکا سمجھ کر ابھی طرح دیے جاتا ہوں، اور تو اپنی دھمکتا نہیں چھوڑتا۔ میرا کرودھ برا ہے۔ ایسا نہ ہو، میں ایک بار بھی تیرا کام تمام کر دوں۔

سمجھن۔ میرا کام تو تمام ہو چکا! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا کرودھ آپ کو ہانی نہ پہنچائے۔ آپ جیسے رشیوں کو کبھی کرودھ نہ کرنا چاہیے۔

پرشورام نے پھر سا سنبھلاتے ہوئے دانت پیستے ہوئے کہا۔ کیا کہوں، تیری عمر تجھے پچا رہی ہے، ورنہ اب تک تیرا سرتن سے جدا کر دیتا۔

سمجھن۔ کہیں اس بھروسے مت رہے گا۔ آپ پھوک کر پہاڑ نہیں اڑا سکتے۔ آپ براہمن ہیں، اس لیے آپ کے اوپر دیا آتی ہے۔ شاید ابھی تک آپ کا کسی چھتریے سے پالا نہیں پڑا۔ جب ہی آپ اتنا بھار رہے ہیں۔

رام چندر نے دیکھا کہ بات بڑھتی ہی جا رہی ہے، تو سمجھن کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا اور پرشورام سے ہاتھ جوڑ کر بولے۔ ہمارا سمجھن کی باتوں کا آپ بمانہ مانیں یہ ایسا ہی دھمکتا ہے، یہ ابھی تک آپ کو نہیں جانتا، ورنہ یوں آپ کے منہ نہ لگتا۔ اسے چھما کیجیے، چھوٹوں کا قصور بڑے معاف کیا کرتے ہیں۔ آپ کا اہواشی میں ہوں، مجھے جو دھڑ چاہیں،

دیکھیں۔ آپ کے سامنے سر جھکا ہوا ہے۔

رام چدر کی یہ آدر پورن بات چیت سن کر پرشورام نرم پڑے کہ ایسا ایک لکھمن کو ہنسنے دیکھ کر پھر ان کے بدن میں آگ لگ گئی۔ بولے۔ رام! تمہارا یہ بھائی اتنی دھڑلے سے دے اور شیل تو اسے چھو کر نہیں گیا۔ جو کچھ منہ میں آتا ہے، بک ڈالتا ہے۔ رنگ اس کا گورا ہے، ہر دل پس کا کالا۔ ایسا اسٹ لڑکا میں نے نہیں دیکھا۔

ابھی تک تو لکھمن، پرشورام کو کیول چھیڑ رہے تھے، کتو یہ باتیں سن کر انہیں کرودھ آگیا۔ بولے۔ سنے مہاراج! چھوٹوں کا کام بڑوں کا آدر کرنے کا ہے، کتو اس کی بھی سیما ہوتی ہے۔ آپ اب اس سیما سے بڑے جارہے ہیں۔ آخر آپ کیوں اتنا اپن ہو رہے ہیں؟ آپ کے بگڑنے سے تو دھش جڑ نہ جائے گا۔ ہاں بک ہنسی اوشیہ ہوگی۔ اگر یہ دھش آپ کو ایسا ہی پرے ہے، تو کسی کارنگر سے جڑوا دیا جائے گا۔ اس کے بڑکت اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آپ کا کرودھ بالکل دیرتھ ہے۔

مارے کرودھ کے پرشورام کی آنکھیں پیر بہتی کی طرح لالہ ہو گئیں۔ وہ قمر قمر کا پیسے لگے۔ ان کے ننھے ہنسنے لگے۔ رام چدر نے ان کی یہ دشا دیکھ کر لکھمن کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور اچھ وینیت بھاڑ سے بولے۔ مہاراج! بڑوں کو چھوٹوں کی کم سمجھ باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہیے۔ اس کے بکنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم سب آپ کے سیوک ہیں۔ دھش میں نے توڑا ہے۔ اس کا دوشی میں ہوں۔ اس کا جو دھ آپ اچھت سمجھیں ڈھڑ مجھے دیکھیے۔ آپ اس کا جو دھ مانگیں میں دینے کو تیار ہوں۔

پرشورام نے نرم ہو کر کہا۔ تادان میں تم سے کیا لوں گا۔ مجھے بھی مجھے ہے کہ اس دھش کے ٹوٹ جانے سے چھتریوں کو پھر گھنڈ ہوگا اور مجھے پھر ان کا ابھیمان توڑنا پڑے گا یہ شیو کا دھش نہیں ٹوٹا ہے، برہمنوں کے جج اور مل کو دھکا لگا ہے۔

رام چدر نے ہنس کر کہا۔ رشی راج! چھتریے ایسے جج نہیں ہیں کہ اس دشا سے دھش کے ٹوٹ جانے سے انہیں گھنڈ ہو جائے۔ اگر آپ میری دیرتا کی دھیٹا دیکھنا چاہتے ہیں تو اس سے بھی بڑی پرکھمالے کر دیکھیے۔

پرشورام۔ تیار ہے؟

رام۔ جی ہاں، تیار ہوں۔

پرشورام نے اپنا حیر اور کمان رام چدر کے سمپ پیک کر کہا۔ اچھا اس دھنل پر
پرتیچا چڑھا۔ دیکھوں تو کتنا دیر ہے۔

رام چدر نے دھنل اٹھایا اور بڑی آسانی سے پرتیچا چڑھا کر بولے۔ کہیے اب کیا
کروں؟ توڑ دوں اس دھنل کو؟

پرشورام کا سارا کردہ شانت ہو گیا۔ انھوں نے بڑھ کر رام چدر کو ہر دے سے لگایا
اور انھیں آشرود دیتے ہوئے اپنا دھنل بان لے کر وداع ہو گئے۔ راجا جنگ کی جان سوکھ
رہی تھی کہ نہ جانے کیا وپدا آنے والی ہے۔ پرشورام کے چلے جانے سے جان میں جان
آئی۔ پھر مشکل گان ہونے لگے۔

راجا دھرتھ رام چدر اور مہمن کا سماچار نہ پانے سے بہت چنٹ ہو رہے تھے۔ یہ
شہد سماچار ملا تو بڑے پرسن ہوئے۔ ایودھیا میں تو آسو ہونے لگا۔ دوسرے دن دھوم دھام سے
بارات سجا کر وہ مہلا چلے۔

راجا جنگ نے بارات کا خوب سدا شنکار کیا اور شاستر ودھی سے سیتا لکھی کا دواہ رام
چدر سے کر دیا۔ ان کی ایک دوسری لڑکی تھی جس کا نام اُرملا تھا اس کی شادی مہمن سے
ہو گئی۔ راجا جنگ کے بھائی کے بھی دولڑکیاں تھیں۔ دے دونوں بھرت اور شترودگن سے بیای
گئیں۔ کئی دن کے بعد بارات وداع ہوئی۔ راجا جنگ نے اگلی سونے چاندی کے برتن،
ہیرے جواہر، جڑاؤ جمولوں سے سجے ہاتھی، ناگوری بیلوں سے جتے ہوئے رتھ، عرب جاتی
کے گھوڑے دھیز میں دیے۔

ایودھیا کا ٹڈ

بنواس

راجا دھرمہ نکی سال تک بڑی تندہی سے راج کرتے رہے۔ کتھو بڑھاپے کے کارن ان میں اب پہلے سا جوش نہ تھا، اس لیے انھوں نے رام چندر جی سے راجیہ کے کاموں میں مدد لینا شروع کیا۔ اس میں یہ گیت لکھی یہ بھی تھی کہ رام چندر کو شامن کا الو بھو ہو جائے۔ یوں کیول نام کے لیے نہیں، وہ سوکیم راجا تھے۔ کتھو ادھک تر کام رام جی کے ہاتھوں سے ہی ہوتے تھے۔ رام کے سندر پر بندھ کی سارے راجیہ میں پھنسا ہونے لگی۔ جب راجا دھرمہ کو دھواس ہو گیا کہ رام اب شامک کے دھرموں سے بھلی پرکار اوگت ہوئے ہیں اور ان پر یوگیتا سے آچرن بھی کر سکتے ہیں تو ایک دن انھوں نے اپنے دربار کے پرکھ ویکتیوں کو تنہا نگر کے پر تعصت پردشوں کو بلا کر کہا۔ مجھے آپ لوگوں کی سیوا کرتے ایک سنے بیت گیا۔ میں نے سدا بنائے کے ساتھ راج کرنے کی کوشش کی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ راجیہ رام چندر کے سپرد کردوں اور اپنے جیون کے اتم دن کسی اکانت استھان میں بیٹھ کر پرماتما کی یاد میں بتاؤں۔

یہ پرستاد سن کر لوگ پرسن ہوئے اور بولے۔ مہاراج! آپ کی شرن میں ہم جس سکھ اور جین سے رہے ان کی یاد ہمارے دلوں میں کبھی نہ مٹے گی۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کا ہاتھ ہمیشہ ہمارے سر پر رہے۔ لیکن اب آپ کی یہی اچھا ہے کہ اب پرماتما کی یاد میں زندگی بسر کریں تو ہم لوگ اس شہہ کام میں بادھک نہ ہوں گے۔ آپ خوشی سے ایٹور کی اپنا کریں۔ ہم جس طرح آپ کو اپنا مالک اور سرکھک سمجھتے تھے، اسی طرح رام چندر کو سمجھیں گے۔

اسی رچ میں گرو یسھت جی بھی آگئے۔ انھیں بھی یہ پرستاد پسند آیا۔ راجا نے کہا۔ جب آپ لوگ رام کو چاہتے ہیں تو پھر اچھی سماعت دیکھ کر ان کا راج تلک کر دینا چاہیے۔ جتنی ہی جلدی مجھے اوکاش مل جائے اتنا ہی اچھا۔ سب لوگوں نے اسے بڑی خوشی سے سویکار کیا۔ تلک کی سماعت نہجھت ہو گئی۔ مگر میں لوگوں کو جوں ہی گیات ہوا کہ رام چندر کا تلک

ہونے والا ہے، اتسو منانے کی تیاریاں ہونے لگیں جس دن تلک ہونے والا تھا، اس کے ایک دن پہلے شہر کی سہاوت ہونے لگی۔ گھروں کے دروازوں پر بند نواریں لٹکائی جانے لگیں، بازاروں میں جھنڈیاں لہرانے لگیں، سڑکوں پر چڑکاؤ ہونے لگا باجے بچتے گئے۔

رانی ککئی کی ایک داسی متھرا تھی۔ وہ اتنی کدو پکڑی عورت تھی ککئی کے ساتھ لٹکے سے آئی تھی، اس لیے ککئی اسے بہت چاہتی تھی، وہ کسی کام سے رینواس سے نکلتی تو یہ دھوم دھام دیکھ کر ایک آدمی سے اس کا کارن پوچھا۔ اس نے کہا۔ تجھے اتنی خبر بھی نہیں! ایودھیا میں راتی ہے یا کہیں باہر سے پکار کر آئی ہے؟

کل شری رام چندر کا تلک ہونے والا ہے۔ یہ سب اس کی تیاریاں ہیں۔ یہ ساچار سنتے ہیں متھرا کو جیسے کپ آگیا۔ مارے ڈاہ کے جل اٹھی۔ اس کی ہار دکھائی دیتی تھی کہ ککئی کے راجبھارت گدی پر بیٹھیں اور ککئی راج مانتا ہوں۔ تب میں جو چاہوں گی، کروں گی پھر تو میرا ہی راج ہوگا اور رانیوں کی داسیوں پر دھاک بھادس گی۔ سر سے پیر تک کہوں سے لدی ہوئی نکلوں گی تو لوگ مجھے دیکھ کر کہیں گے۔ وہ متھرا دیوی جاتی ہیں۔ پھر مجھے کسی نے کبڑی کہا تو مڑا چھکادوں گی۔ اسی طرح کے منصوبے اس نے دل میں باندھ رکھے تھے۔ اس خبر نے اس کے سارے منصوبے دھول میں ملا دیے۔ جس کام کے لیے جاتی تھی اسے بالکل بھول گئی۔ بدحواس دوڑی ہوئی محل میں گئی اور ککئی سے بولی۔ مہارانی جی آپ نے کچھ اور سنا؟ کل رام کا تلک ہونے والا ہے۔

تینوں رانیوں میں بڑا پریم تھا۔ ان میں نام کو بھی سوتا ڈاہ نہ تھا۔ جس طرح کوشلیا بھرت کو رام کی ہی طرح پیار کرتی تھی اسی طرح ککئی بھی رام کو پیار کرتی تھی۔ رام چندر سب سے بڑے تھے۔ اس لیے یہ مانی ہوئی بات تھی کہ وہ ہی راجا ہوں گے۔ متھرا سے یہ خبر سن کر ککئی بولی۔ میں یہ خبر پہلے ہی سن چکی ہوں، لیکن تو نے سب سے پہلے مجھ سے کہا۔ اس لیے یہ سونے کا ہار تجھے انعام دیتی ہوں یہ لے۔

متھرا نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔ مہارانی! یہ انعام میں شوق سے لیتی اگر رام کی جگہ راجبھارت کے تلک کی خبر سنتی۔ یہ انعام دینے کی بات نہیں رونے کی بات ہے۔ آپ اپنا ہلکا ہاتھ کچھ نہیں سمجھتیں۔

ککئی۔ چپ رہ ڈائن تجھے ایسی باتیں منہ سے نکالنے لاج بھی نہیں آتی؟ رام چندر

مجھے بھرت سے بھی پیارے ہیں۔ تو دیکھتی نہیں کہ میرا کتنا آدر کرتے ہیں؟ بتا مجھ سے صلاح لیے کوئی کام نہیں کرتے پھر یہ سب سے بڑے ہیں اور گندی پر ادھیکار بھی اٹھیں کا ہے پھر جو ایسی بات منہ سے نکالی تو زبان کنچھالوں گی۔

منعہرا۔ ہاں، زبان کیوں نہ کنچھا لوگی، جب مرے دن آتے ہیں تو آدمی کی ہڈی پر اسی پرکار پردہ پڑ جاتا ہے۔ تم جیسی بھولی بھالی، نیک ہو ویسا ہی سب کو سمجھتی ہو۔ رام کو بیٹا بیٹا کہتے یہاں تمہاری زبان سوکھتی ہے، وہاں رانی کوشلیا چپکے چپکے تمہاری جڑ کھود رہی ہیں۔ چار دن میں وہی رانی ہوں گی۔ تمہاری کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ بس، مہاراج کی پوجا کے برتن دھویا کرنا۔ میرا کام قصیں سمجھانا تھا سمجھا دیا۔ تمہارا نمک کھاتی ہوں اس کا حق ادا کر دیا۔ میرے لیے جیسے رام، ویسے بھرت۔ میں وہی سے رانی تو ہونے کی نہیں ہاں، تمہارے درودہ کوئی بات ہوتے دیکھتی ہوں تو رہا نہیں جاتا۔ میرے منہ میں آگ لگے۔ کہاں سے کہاں میں نے یہ ذکر پھیڑ دیا کہ سویرے سویرے ڈائن چڑیل جٹا پڑا۔ تم جانو تمہارا کام جانے۔

ان باتوں نے آخر ٹککنی پر اثر کیا۔ سبھی، ٹھیک ہی تو ہے رام چندر راجا ہو کر بھرت کو نکال دیں یا مرداوی ڈالیں تو کون ان کا ہاتھ پکڑے گا۔ میں بھی دودھ کی کسی کی طرح نکال دی جاؤں گی۔ بہت ہوگا روٹی، کپڑا مل جائے گا۔ راجہ پا کر سبھی کی متی بدل جاتی ہے۔ رام کو بھی اسیمان ہو جائے تو کیا اٹھر یہ ہے۔ جیسی کوشلیا میری اتنی خاطر کرتی ہیں۔ یہ سب مجھے جاہ کرنے کی چالیں ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے منعہرا سے کہا۔ منعہرا، دیکھ، میری باتوں کا برا نہ مان۔ میں کیا جانتی تھی کہ مجھے اور بھرت کو جاہ کرنے کے لیے کوشل رچا جا رہا ہے۔ میں تو سیدھی سادی استری ہوں، چمکا بنجا کیا جانوں۔ اب تو نے یہ باتیں سنائیں تو مجھے یہ سچائی معلوم ہوئی۔ مگر اب تو تلک کی ساعت نچھٹ ہو چکی۔ کل سویرے تلک ہو جائے گا اب وہی کیا سکتا ہے۔

منعہرا۔ ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ بس ذرا استری ہٹ سے کام لینا پڑے گا۔ میں ساری ترکیبیں بتا دوں گی۔ ذرا ان لوگوں کی چالاکی دیکھو کہ تلک کی ساعت اس سے ٹھیک کی، جب راجیکار بھرت نہال میں ہیں۔ سوچو، اگر دل صاف ہوتا تو دس پانچ دن اور نہ ٹھہر جاتے۔ بھرت کے آجانے پر تلک ہوتا تو کیا بگڑ جاتا۔ مگر وہاں تو دلوں میں میل بھرا

بھرا ہوا ہے۔ ان کی افسحی میں چپکے سے ٹک کر دینا چاہتے ہیں۔

ککئی۔ ہاں، یہ بات بھی تجھے خوب سمجھی۔ شاید اس لیے بھرت کو پہلے یہاں سے کھسکا دیا۔ پہلے ہی سے یہ بات سدھی بسی تھی۔ کھید ہے، مجھے سٹی میں ملانے کے لیے ایسے ایسے ہڈیتر رچے جاتے رہے اور میں بے خبر بیٹھی رہی۔ ہلا، اب میں کیا کروں؟ میری تو بدھی کچھ کام نہیں کرتی۔

مٹھرا نے اپنا کوڑ ہلا کر کہا۔ داری جاؤں مہارانی! آپ بھی کیا باتیں کرتی ہیں۔ آپ کو ایٹور نے ایسا روپ دیا ہے اور مہاراج کو آپ سے ایسا پریم ہے کہ رات بھر میں آپ نہ جانے کیا کیا کر سکتی ہیں۔ آپ تو ساری باتیں بھول جاتی ہیں۔ ایسی بھلکو نہ ہوتیں تو ہدیوں کو ایسے ہڈیتر رچنے کا موقع ہی کیوں ملتا۔ اب تک تو بھرت کا کبھی ٹک ہو گیا ہوتا۔ قصص نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ مہاراج نے قصص دو وردان دینے کا وچن دیا ہے۔ کیا وہ بات بھول گئیں؟

ککئی۔ ہاں، بھول تو گئی تھی، پر اب یاد آ گیا۔ ایک بار مہاراج لڑائی سے میدان سے گھائل ہو کر آئے تھے اور میں نے مرہم پٹی کر کے رات بھر میں انھیں اچھا کر دیا تھا۔ اسی سے انھوں نے مجھے دو وردان دے دیے تھے۔ میں نے کہا تھا، مجھے آپ کی دیا سے کس بات کی کمی ہے۔ جب آدھینا ہوگی مانگ لوں گی۔

مٹھرا۔ بس، پھر تو ساری بات بنی بٹائی ہے۔ آج تم کوپ بھون میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ آجوشن اتیادی سب اتار پھینکو۔ کیول ایک میلی ککئی ساڑی پہن لینا اور سر کے بال کھول کر زمین پر پڑ رہنا۔ مہاراج تمھاری یہ دشا دیکھتے ہی گھبرا جائیں گے۔ بس اسی سے دونوں وچن کی یاد دلا کر کہنا کہ اب انھیں پورا کیجیے۔ ایک یہ کہ رام کے بدلے بھرت کا ٹک ہو۔ دوسرے کہ رام کو چودہ برس کے لیے بھواس دیا جائے۔ مہاراج وچن کے کچے ہیں اوشہ مان جائیں گے۔ پھر آئندہ سے راجیہ کرنا۔

دن تو اتسو کی تیاریوں میں گزرا۔ رات کو جب راجا دشرتھ ککئی کے محل میں پہنچے تو چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا، نہ کہیں گانا نہ بجانا، نہ راگ، نہ رنگ، گھبرا کر ایک داسی سے پوچھا۔ یہ اندھیرا کیوں چھایا ہوا ہے۔ چاروں طرف ادا سی کیوں پھیلی ہوئی ہے؟ تو جانتی ہے مہارانی ککئی کہاں ہیں؟ ان کی طبیعت تو اچھی ہے؟

داسی نے کہا۔ مہارانی جی نے گانے بجانے کا نشیدہ کر دیا ہے۔ وہ اس سنے کوپ بھون میں ہیں۔

مہاراج کا ماتھا ٹٹکا۔ یہ رنگ میں کیا بھگ ہوا۔ اوشیہ کوئی نہ کوئی دہتی آنے والی ہے۔ ان کا دل دھڑکنے لگا۔ گھبرائے ہوئے کوپ بھون میں گئے تو دیکھا، لکٹی بھوی پر پڑی سسکیاں بھر رہی ہے۔

راجا دھرتھ لکٹی کو بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی یہ دشا دیکھتے ہی ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بھوی پر بیٹھ کر بولے۔ مہارانی اکشل تو ہے؟ تمھاری طبیعت کیسی ہے؟ ہیکھر بتاؤ، درنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ کیا بات ہوئی ہے؟ تمھیں کسی نے کچھ طعنہ دیا ہے؟ کوئی بات تمھاری اچھا کے درودھ ہوئی ہے؟ جس نے تم سے یہ دھرھٹا کی ہو، اس اسی سے ڈھڑ دوں گا۔

لکٹی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ مجھے کچھ نہیں ہوا بہت بھلی پرکار ہوں۔ کھانے کو روٹیاں، پینے کو کپڑے، رہنے کو مکان مل ہی گیا ہے، اب اور کس بات کی کمی ہو سکتی ہے؟ آپ بھی پریم کرتے ہی ہیں۔ جائے اتو منائے۔ مجھے پڑی رہنے دیجیے۔ جس کا بھاگیہ ہی برا ہے، اسے آپ کیا کریں گے۔

راجا نے لکٹی کو بھوی سے اٹھانے کی چٹھا کرتے ہوئے کہا۔ مہارانی ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ تمھیں گیات ہے، میں تم سے کتنا پریم کرتا ہوں۔ میں نے کبھی تمھاری اچھا کے درودھ کوئی کام نہیں کیا۔ تمھیں جو شکایت ہو صاف صاف کہہ دو، میں پرتیکا کرتا ہوں کہ اسی سے اسے پھرا کر دوں گا۔

لکٹی نے تیوریاں بدل کر کہا۔ آپ جتنا مجھ سے کہتے ہیں، اس کا ایک حصہ بھی کرتے تو میری حالت آج ایسی خراب نہ ہوتی، اب مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ پریم کیول باتوں کا ہے۔ آپ باتوں سے پیٹ بھرنا خوب جانتے ہیں۔ دنیا آپ کو دجن کا پکا کہتی ہے۔ آپ کے دفن میں لوگ دجن کے پیچھے جان دیتے چلے آئے ہیں، مگر مجھ سے تو آپ نے جتنے وعدے کیے، ان میں ایک بھی پورا نہ کیا۔ اب اور کس منہ سے مانگوں گی۔

راجا۔ مجھے یہ سن کر اتھج آٹھر یہ ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، میں تمھارے ساتھ جتنے وعدے کیے وہ سب پورے کیے، وہ کون سا وعدہ ہے، جسے میں نے نہیں پورا کیا؟

اس سے پورا کروں گا۔ بس تک سی بات کے لیے تمہیں کوپ بھون میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟

کلیئٹی بھومی سے اٹھ کر بیٹھی اور بولی۔ یاد کیجیے آپ نے ایک بار مجھے دو وجہ دیے تھے۔ جس دن آپ لڑائی میں گھاسل ہو کر لوٹے تھے۔

راجا۔ ہاں، یاد آگیا۔ ٹھیک ہے۔ میں دو وردان دیے تھے۔ مگر تم نے ہی تو کہا تھا کہ جب مجھے ضرورت ہوگی، میں مانگ لوں گی۔

کلیئٹی۔ ہاں میں نے ہی کہا تھا۔ اب وہ سے آگیا ہے۔ آپ انہیں پورا کرنے کو

تیار ہیں؟

راجا۔ من اور پران سے۔ یدی تم جان بھی مانگو تو نکال کر دے دوں گا۔

کلیئٹی نے زمین کی طرف تاکتے ہوئے کہا۔ تو نیچے میرا پہلا وردان یہ ہے کہ رام

کے بدلے بھرت کا تک ہو، دوسرا یہ کہ رام کو چودہ برس کے لیے بنواس بھیجا جائے۔

اودھ نغھر کلیئٹی یہ تم نے کیا کیا؟ تجھے اپنے درودھ پتی پر تک بھی دیا نہ آئی؟ کیا تجھے

گمات نہیں کہ رام چندر ہی ان کے جیون آدھار ہیں۔ راجا کے چہرے کا رنگ چٹلا پڑ گیا۔

معلوم ہوا، سانپ نے کاٹ لیا۔ شعلی سانس بھر کر بولے۔ کلیئٹی کیا تمہارے منہ سے دش کی

بوندیں پھک رہی ہیں؟ کیا تمہارے ہر دے میں رام کی اور سے اتنا مایہ ہے؟ رام کا آج

سنسار میں کوئی برا چاہنے والا نہیں۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارا ہے۔ تمہارا وہ بھتا آدر کرتا

ہے، اتنا اپنی شاید ماں کا نہیں کرتا۔ تم نے آج تک اس کی شکایت نہ کی، بلکہ ہمیشہ اس کے

شیل ونے کی تعریف کیا کرتی تھی! آج یہ کایا پلٹ کیوں ہو گیا؟ اوشیہ کسی شتر د نے تمہارے

کان بھرے ہیں اور رام کی برائیاں کی ہیں۔

کلیئٹی نے تک کر کہا۔ کان تمہارے بھرے ہیں، میرے کان نہیں بھرے گئے ہیں۔

اپنا لایو اور ہانی جانور تک سمجھتے ہیں۔ کیا میں جانوروں سے بھی مگنی بنتی ہوں؟ بویہ دیکھ رہی

ہوں کہ میرا باغ اجاڑ کیا جا رہا ہے۔ کیا اس کی رکھا نہ کروں؟ اپنی گردن پر نکوار چلانے

دو؟ آپ کو میں اب تک نزل ہر دے سمجھتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ آپ بھی کیول ہاتوں

سے پریم کے ہرے بھرے باغ دکھا کر مجھے ٹھٹ کرنا چاہتے ہیں۔ کوشلیا رانی نے آپ کو

خوب منتر پڑھایا ہے۔ اس ناگن کے کانے کی دوا نہیں۔ اب میں بھی دکھا دوں گی کہ کلیئٹی

بھی راجا کی لڑکی ہے، کسی شور و چمار کی نہیں کہ ان چالوں کو نہ سمجھے۔

راجا۔ کیکئی میں کبھی جموت نہیں بولا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے رام کے تلک کا ٹپے سویم کیا۔ کوشلیا نے اس دشنے میں مجھ سے ایک شبد بھی نہیں کہا۔ تمہارا ان پر سند یہ کرنا ایسا ہے۔ رام نے بھی بھرت کے وردہ ایک شبد نہیں کہا۔ میرے لیے رام اور بھرت دونوں برابر ہیں۔ کتو ادھیکار تو بڑے لڑکے کا ہی ہے۔ یدی میں بھرت کا تلک کرنا بھی چاہوں تو تم سمجھتی ہو بھرت اسے سوکار کرے گا؟ کدلا پی نہیں، بھرت کے لیے یہ اسمبو ہے کہ وہ رام کا ادھیکار چھین کر پرسن ہو۔ رام اور بھرت ایک پران دوشر ہیں۔ تم نے اتنے دنوں کے بعد وردان بھی مانگتے تو ایسے جو اس گھر کو نعت کر دیں گے۔ شاید اس راجیہ کا انت ہی کر دے! اکیڈ!

کیکئی نے انگلی نچا کر کہا۔ اچھا تو کیا آپ نے سمجھا تھا کہ میں آپ سے کیلنے کے لیے گڑیا مانگوں گی؟ کیا کسی مزدور کی لڑکی ہوں؟ اب ان پکنی چڑی باتوں میں آپ مجھے نہ پھنسا سکیں گے۔ آپ کو اور اس گھر کے آدمیوں کو خوب دیکھ چکی، آکھیں کل گئیں۔ یدی آپ کو دجن کے سچے بننے کا دوا ہے تو میرے دونوں وردان پورے کیجیے۔ اتھا رگو ولس ہونے کا گھمنڈ نہ کیجیے۔ یہ کلک سدو کے لیے اپنے ماتھے پر لگا لیجیے کہ رگو گل کے راجا دھرتھ نے وعدے کیے تھے پر جب انھیں پورا کرنے کا سے آیا تو صاف نکل گئے۔

راجا نے تملاکر کہا۔ کیکئی کیوں جلے پر نک چڑکتی ہو، میں اپنے دجن سے کبھی نہیں بھروں گا۔ چاہے اس میں میرا جیون، میرے ولس اور میرے راجیہ کا انت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ شاید برہمانے رام کے بھاگیہ میں بنواس ہی لکھا ہو۔ شاید اسی بھانے سے اس ولس کا ناش لکھا ہو۔ کتو اس کا اپ لیش سدا کے لیے تمہارے نام کے ساتھ لگا رہے گا۔ میں تو شاید یہ چوٹ کھا کر جیوت نہ رہوں گا مگر میری یہ بات باندھ لو کہ رام کو بنواس دے کر تم بھرت کے راجیہ کا سکھ نہ دیکھ سکوگی۔

کیکئی نے جھلا کر کہا۔ یہ آپ بھرت کو شاپ کیوں دیتے ہیں؟ بھرت راجا ہوں گے۔ آپ کو انھیں راجیہ دینا پڑے گا۔ وہ راجا ہو جائیں، یہی میرا بھیلہا شا ہے، میں سکھ دیکھنے کے لیے جیوت رہوں گی یا نہیں، اس کا حال المشور جانے۔

راجا۔ یہ تو میں بڑی پرستنا سے کرنے کو تیار ہوں، میرے لیے رام اور بھرت میں

کوئی اتر نہیں۔ میں اسی سے بھرت کو بلانے کے لیے آدی بھیج سکتا ہوں۔ جیوں ہی وہ آجائیں گے۔ ان کے تھک ہو جائے گا۔ کنو رام کو بنواس دیتے ہوئے میرے ہردے کے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔ ہائے! میرا پیارا راجکار چودہ ورش تک جنگوں میں کیسے رہے گا؟ جو سدا پھولوں کی بیج پر سویا، وہ چتر کی چٹانوں پر گھاس پات کا چھوٹا بچا کر کیسے سوئے گا؟ کیکٹی انشور کے لیے مجھ پر دیا کرو اس دلش پر دیا کرو۔ اپنا دوسرا وردان پورا کرنے کے لیے مجھے ویش نہ کرو۔

کیکٹی نے راجا کی اور دیکھ کر آنکھیں نہ کھلیں اور بولی۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ میں اپنے وطن پورے نہ کروں گا۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ رام کے رچے بے چارا بھرت کبھی آرام سے نہیں بیٹھنے پائے گا۔ رام اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے پر جا کا ہردے ویش میں کر کے راجیہ میں کرائی کرادیں گے۔ بھرت کا جیوت رہنا کٹھن ہو جائے گا۔ میرے دونوں وردان آپ کو پورے کرنے پڑیں گے۔ اب آپ کے دھوکے میں نہ آؤں گی۔

راجا سمجھ گئے کہ کیکٹی کو سمجھانا اب بیکار ہے۔ میں جتنا ہی سمجھاؤں گا، اتنا ہی یہ جھٹلائے گی۔ سر قہام کر سوچنے لگے کہ کیا جواب دوں۔ معلوم ہوتا ہے، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا ہے۔ کوئی ہردے کو چیرے ڈالتا ہے۔ ہائے جیون کی ساری اجملا شائیں دھول میں ملی جا رہی ہیں۔ انشور ایدی تھیں یہی کرنا تھا تو بیٹے دیے ہی کیوں۔ بلا سے یہ سندان رہتا۔ یوا بیٹے کا دکھ تو نہ دیکھنا پڑتا۔ یہ تین تین وواہ کرنے کا پھل ہے! بڑھاپے میں اس سے ادھیک مورکھ دنیا میں کوئی نہیں، جو بڑھاپے میں وواہ کرتا۔ یہ جان بوجھ کر دیش کا پیالا پیتا ہے۔ کیا صبح ہوتے ہی رام مجھ سے الگ ہو جائے گے۔ میرا پیارا ہردے کا کھڑا جنگل کی راہ لے گا۔ بھگوان اس کے پہلے کہ اس کے بنواس کی آسمت میرے منہ سے نکلے۔ تم مجھے اس دنیا سے اٹھا لیتا۔ اس کے پہلے میں اسے ساھوؤں کے ہمیش میں بن کی اور جاتے دیکھوں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ میری آسمت ماننا آسویکار کر دیتا۔ کیکٹی راجا کو چتا میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر بولی۔ آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ بولے میری باتیں سوکار کرتے ہیں یا نہیں؟

راجا نے آنسوؤں سے بھرے ہوئی آنکھوں سے کیکٹی کو دیکھ کر کہا۔ رانی یہ پوچھنے کی بات نہیں۔ اپنے وطن سے نہ بھروں گا۔ تمھاری دونوں باتیں سوکار ہے۔ تم اتنی سندر ہو کر ہردے سے اتنی کھشعہ رن ہو اس کا مجھے الزمان، دھار تک نہ تھا۔ میں نہ جانتا تھا کہ تم میرے

دونوں وردانوں کا یہ پریوگ کرو گی۔ خیر تمہارا راجہ حصیں سنبھال کرے، پیارے رام مجھے چھو کرنا۔ تمہارا پتا جس نے حصیں گود میں کھلایا آج ایک استری پھل میں پڑ کر تمہاری گردن پر تھوڑا چلا رہا ہے۔ کٹو بیٹا دیکھنا، زخمیوں کے نام پر کلک نہ لگتے پائے۔

یہ کہتے کہتے راجا موچھت ہو گئے۔ لکٹی دل میں پرسن ہو رہی تھی، کل سے ایودھیا میں میرے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ سویرے کسی دوت کو کشمیر بھیج کر بھرت کو بلانے کا نچے کر رہی تھی۔ آہ! وہ گھڑی کتنی شہ ہوگی، جب بھرت ایودھیا کے راجا ہوں گے! راجا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کروٹ بدلتے اور کراچے رہتے تھے۔ ہائے رام! ہائے رام! اس کے اثرات ان کے منہ سے کوئی شہ نہ نکلتا تھا۔

اس پر کار ساری رات بیت گئی۔ صبح کو شہر میں دھنی مانی دودان رشی منی اور دربار کے سب سادھک کا اٹھنا کرنے کے لیے اسٹھت ہوئے۔ ہون کنڈ میں آگ جلائی گئی۔ آچاریہ لوگ وید منترؤں کا پانچ کرنے لگے۔ بھکشوؤں کا ایک ڈل دان کے روپے لینے کے لیے پھانک پر اکثرت ہو گیا۔ لوگوں کی آنکھیں راج محل کے دوار کی آؤر لگی ہوئی ہیں۔ راجا صاحب آج کیوں اتنا ولسم کر رہے ہیں۔ ہر آدمی اپنے پاس بیٹھے آدمی سے بھی پرسن کر رہا ہے۔ شاید راجسی پوشاک پہن رہے ہوں۔ کٹو نہیں وہ تو بہت بڑے اٹھا کرتے ہیں۔ اندر سے کوئی سا چار بھی نہیں آتا۔ رام چندر اسٹان پوجا سے بورت ہو کر بیٹھے ہیں۔ کوشلیا کی پرستنا کا انومان کون کر سکتا ہے؟ پر ساد میں منگل گیت گائے جا رہے ہیں۔ دوار پر نوبت بچ رہی ہے۔ پر دھرتھ کا پتہ نہیں۔

انت میں گرو دھشتھ نے ساعت ٹلنے دیکھ کر منتری اسمتر کو محل میں بھیجا کہ جا کر مہاراج کو بلا لاؤ۔

سمتر اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مہاراج بھوی پر پڑے کراہ رہے ہیں۔ اور لکٹی دوار پر کھڑی ہے۔ سمٹ نے رانی کو پرنام کیا اور بولے۔ مہاراج کی نیند ابھی نہیں ٹوٹی؟ باہر گرو دھشتھ جی بیٹھے ہوئے ہیں۔ تنک کا سمورت ٹلا جاتا ہے۔ آپ تنک انھیں چکا دیں۔ لکٹی بولی۔ مہاراج کو پرستنا کے مارے آج رات بھر نیند نہیں آئی۔ اس سے تنک آکھ لگ گئی ہے۔ ابھی چکا دوں گی تو ان کا سر بھاری ہو جائے گا۔ تم تنک جا کر رام چندر کو اندر بھیج دو۔ مہاراج ان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

سُمت نے یہ ورثہ دیکھ کر تازہ لیا کہ اوشیہ کوئی ہڈی ستر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جا کر رام چندر جی سے یہ سند پیش کیا۔ رام چندر جی ترنت اندر آکر راجا دشرتھ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پرنام کر کے بولے۔ پتاجی میں کھسکتے ہوں، مجھے کیوں اسرنا کیا ہے؟ دشرتھ نے ایک بار بے بس لگا ہوں سے رام چندر کو دیکھا اور دشرتھ سانس بھر کر سر جھکا لیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رام چندر کو سند یہ ہوا کہ سمجھو آج مہاراج مجھ سے اپرنا ہیں۔ بولے۔ ماتاجی! پتاجی نے میری باتوں کا کچھ بھی اثر نہیں دیا، شاید وہ مجھ سے ناراض ہیں۔

لکیمی بولی۔ نہیں بیٹا، وہ تم سے ناراض نہیں ہیں، تم سے وہ اتنا پریم کرتے ہیں، تم سے کیوں ناراض ہونے لگیں۔ وہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ کتھ اس لیے سے کہ شاید تمہیں برا معلوم ہو یا تم ان کی آستیا نہ مانو، کہتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ اس لیے اب بھی کو کہنا پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ مہاراج نے مجھے دو وجہ دیے تھے۔ آج یہ ان وجہوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یدی تم انہیں پورا کرنے کو تیار ہو، تو میں کہوں۔

رام نے ڈر بھاؤ سے کہا۔ ماتاجی، میرے لیے پتا کی آستیا ماننا کر تو یہ ہے۔ سنسار میں ایسا کوئی مل نہیں جو مجھے یہ کر تو یہ پالن کرنے سے روک سکے۔ آپ تک بھی دلہب نہ کریں۔ میں سر آنکھوں پر ان کی آستیا کا پالن کروں گا۔ میرے لیے اس سے ادھیک اور کیا سو بھائیہ کی بات ہوگی۔

لکیمی۔ ہاں، ستر بیٹوں کا حرم تو یہی ہے۔ مہاراج نے اب تمہاری جگہ بھرت کا تلک کرنے کا زرنے کیا ہے۔ اور تمہیں چودہ برس کے لیے بنواس دیا ہے۔ مہاراج یہ باتیں اپنے منہ سے نہ کہہ سکیں گے۔ مگر وہ جو کچھ چاہتے ہیں، وہ میں نے تم سے کہہ دیا۔ اب ماننا تمہارے ادھیکار میں ہے۔ یہ تم نے نہ مانا، تو دنیا میں راجا پر یہ ابھیوگ لگے گا کہ انہوں نے اپنے وجہ کو پورا نہ کیا اور تمہارے سر یہ کہ پتا کی آستیا نہ مانی۔

رام چندر یہ آستیا سن کر تھوڑی دیر کے لیے سہم اٹھے۔ کیا سمجھتے تھے کیا ہوا۔ ساری پرستھتی ان کی سمجھ میں آگئی۔ یدی وہ چاہتے تو اس آستیا کی چتا نہ کرتے۔ ساری اودھیا ان کے نام پر مرقی تھی۔ پرتو سخیل بیٹے پتا کی آستیا کو ایٹور کی آستیا سمجھتے ہیں۔ رام نے اسی سے نچے کر لیا کہ مجھ پر جو کچھ بیٹے، پتا کی آستیا ماننا نفیج ہے۔

بولے۔ ماتاجی، میری اور سے آپ تک بھی چتا نہ کریں۔ میں آج ہی ایودھیا سے چلا جاؤں گا۔ آپ کسی دوت کو بھیج کر بھرت کو بلا بیجیے۔ مجھے ان کے راج تلک ہونے کا لیش ماز بھی کھید نہیں ہے۔ میں ابھی ماتا کوشلیا سے پوچھ کر اور سیتا جی کو آشواہن دے کر جنگل کی راہ لوں گا۔

یہ کہہ کر رام چندر نے راجا کے چروں پر سر جھکایا۔ ماتا لکئی کو پرنام کیا ور کمرے سے باہر نکلے۔ راجا دھرتھ کے منہ سے دکھ یا کھید کا ایک شہد بھی نہ نکلا۔ وانی ان کے ادھیکار میں نہ تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نسوں کی راہ جان لگی جا رہی ہے۔ جی میں آتا تھا کہ رام کے ہر پکڑ کر روک لوں۔ اپنے اوپر کرودھ آرہا تھا۔ لکئی کے اوپر کرودھ آرہا تھا۔ ایشور سے پرارتنا کر رہے تھے کہ مجھے مرتیو آجائے۔ اسی سے اس جیون کا انت ہو جائے۔ چھاتی پٹی جاتی تھی۔ آہ! میرا پیارا بیٹا! اس طرح چلا جا رہا ہے اور میں زبان سے ڈھارس کا ایک واکیہ بھی نہیں نکال سکتا۔ کون پتا اتنا زور کی ہوگا؟ یہ سوچتے سوچتے راجا کو مور چھا آگئی۔

رام چندر یہاں سے کوشلیا کے پاس پہنچے۔ وہ اس سے زرخوں کو ان اور دسٹر دینے کا پر بندہ کر رہی تھیں۔ رام کو دیکھتے ہی بولیں۔ کیا ہوا بیٹا راجا باہر گئے کہ نہیں؟ آب تو دیر ہو رہی ہیں۔

رام چند نے آواز کو سنبال کر کہا۔ ماتاجی، معاملہ کچھ اور ہو گیا۔ مہاراج نے اب بھرت کو راج دینے کا زرنے کیا ہے اور مجھے چودہ برس کے بھاس کی آسیتا دی ہے۔ میں آپ سے آسیتا لینے آیا ہوں، آج ہی ایودھیا سے چلا جاؤں گا۔

رانی کوشلیا کو مور چھا آگئی۔ رام چندر کی اور نیچ آنکھوں سے دیکھتی رہ گئیں، جیسے کوئی مٹی کی مور تھی ہوں۔

مہمن بھی وہیں کھڑے تھے۔ یہ بات سنتے ہی ان کے تیوروں پر بل پڑ گئے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں، بولے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کدانی نہیں ہو سکتا۔ بھرت کبھی مہمن کے جیتے جی ایودھیا کے راجا نہیں ہو سکتے۔ آپ جھڑیے ہیں۔ جھڑیے کا دھرم ہے، اپنے ادھیکار کے لیے پردہ کرنا۔ ساری ایودھیا، سارا کوشل آپ کی اور ہے۔ بیٹا آپ کا سکھ پاتے ہی آپ کی اور ہو جائے گی۔ بھرت اکیلے کر ہی کیا سکتے ہیں۔ یہ سب رانی لکئی کا ہڈ مٹر ہے۔

رام چندر نے لکھنؤ کی اور پریم پورن محروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بھیا کیسی باتیں کرتے ہوا رکھوکل میں جنم لے کر پتا کی آسمیتا نہ مالوں، تو سنسار کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بھاگیہ میں جو لکھل ہے، یہ پورا ہو کر رہے گا۔ اسے کون ٹال سکتا ہے؟

لکھنؤ۔ بھائی صاحب! بھاگیہ کی آڑ وہ لوگ لیتے ہیں جن میں پراکرم اور سامس نہیں ہوتا۔ آپ کیوں بھاگیہ کی آڑ لیں؟ آپ کی ہمنوؤں کے ایک سنگھ پر ساری ایودھیا میں طوفان آجائے گا۔ بھاگیہ سامس کا داس ہے اس کا راجا نہیں؟ یدی آپ مجھے آسمیتا دیں تو میں اس دھنل اور بان کے بل سے بھاگیہ کو آپ کے چروں میں گرا دوں۔ پھر آپ سے مہاراج نے اپنی بیوہ سے تو کچھ کہا نہیں۔ کیا یہ سمجھ نہیں کہ رانی کیکئی نے اپنی اور سے یہ ہڈی ستر کیا ہو؟

رانی کوشلیا نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔ بیٹا! مجھے اس بات کی تو بھی خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے پوتے پتا کی آکھتا مانے کے لیے اپنے جیون کی ملی دینے کے لیے تیار ہو، کتو مجھے تو ایسا پریت ہوتا ہے کہ لکھنؤ کا دھار ٹھیک ہے۔ کیکئی نے اپنی اور سے یہ چھل رچا ہے۔ رام چندر نے آدر کے ساتھ کہا۔ کیکئی ماتا جی، پتا جی وہیں موجود تھے۔ یدی رانی کیکئی نے ان کی اچھا کے وردھ کوئی بات کہی ہوئی، تو کیا وہ کچھ آچی نہ کرتے؟ نہیں ماتا جی، دھرم سے منہ موڑنے کے لیے جیلے ڈھوڑنا میں دھرم کے وردھ سمجھتا ہوں۔ کیکئی نے جو کچھ کہا ہے، پتا جی کی سوکھرتی سے کہا ہے۔ میں ان کی آسمیتا کو کسی پرکار نہیں ٹال سکتا۔ آپ مجھے اب جانے کی اومتی دیں۔ یدی جیوت رہا تو پھر آپ کے چروں کی دھولی لوں گا۔

کوشلیا نے رام چندر کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔ بیٹا آخر میرا بھی تو تمہارے اوپر ادھیکار ہے! یدی راجا نے تمہیں بن جانے کی آسمیتا دی ہے، تو میں تمہیں اس آسمیتا کو ماننے سے روکتی ہوں۔ یدی تم میرا کہتا نہ مانو گے، تو میں آتھ جل تیاگ دوں گی اور تمہارے اوپر ماتا کی ہتیا کا پاپ لگے گا۔

رام چندر نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔ ماتا جی مجھے کروہیہ کے سیدھے راستے سے نہ ہٹائیے، لٹھا جہاں مجھ پر دھرم کو توڑنے کا پاپ لگے گا، وہاں آپ بھی اس پاپ سے نہ بچ سکیں گی۔ میں بن اور پریت چاہے جہاں رہوں، میری آتما سدا آپ کے چروں کے پاس ہمسف رہے گی۔ آپ کا پریم بہت زلائے گا۔ آپ کی پریم مئی مورنی دیکھنے کے لیے

آنکھیں بہت روئیں گی۔ پر بھواس میں یہ کٹھ نہ ہوتے ہوں تو بھاگیے مجھے وہاں لے ہی
کیوں جاتا۔ کوئی لاکھ کہے پر میں اس دھار کو دور نہیں کر سکتا کہ بھاگیے ہی مجھے یہ کھیل کھلا رہا
ہے۔ پھسل گیا کیکنی سی دیوی مجھے بھواس دیتی!

بھمن بولے۔ کیکنی کو آپ دیوی کہیں، میں نہیں کہہ سکتا اس
رام چندر نے بھمن کی اور پرستار کے بھاؤ سے دیکھ کر کہا۔ بھمن میں جانتا ہوں کہ
قصص بھواس سے بہت دکھ ہو رہا ہے، کٹھ میں تمہارے منہ سے ماما کیکنی کے وشے میں کوئی
انار کی بات نہیں سن سکتا۔ کیکنی ہماری ماما ہیں، قصص ان کا ستان کرنا چاہیے۔ میں اس لیے
بھواس نہیں لے رہا ہوں کہ یہ کیکنی کی لٹھا ہے۔ کٹھ اس لیے کہ یدی میں نہ جاؤں تو
مہاراج کا وچن بھوتا ہوتا ہے۔ دوچار دن میں بھرت آجائیں گے، جیسا مجھ سے پریم کرتے
ہو ویسے ہی ان سے پریم کرنا۔ اپنے وچن یا کرم سے یہ کدالہ نہ دکھانا کہ تم ان کے اہت
کی لٹھا کہتے ہو، بار بار میری چچا بھی نہ کرنا، لٹھا شاید بھرت کو برا لگے۔

بھمن نے کرودھ سے لال ہو کر کہا۔ بھیا، ہار ہار بھرت کا نام نہ لیجیے۔ ان کے
نام ہی سے میرے شریر میں آگ لگ جاتی ہے۔ کسی پرکار کرودھ کر روکنا چاہتا ہوں، کٹھ
ادھیکار کو یوں بننے دیکھ کر ہر دے دس سے باہر ہو جاتا ہے۔ بھرت کا راجہ پر کوئی ادھیکار
نہیں۔ راجہ آپ کا ہے اور میرے جیتے جی کوئی آپ سے اسے نہیں چھین سکتا۔ جھڑیے اپنے
ادھکار کے لیے لڑ کر مر جاتا ہے میں رکت کی ندی بہا دوں گا۔

بھمن کا کرودھ بڑھتے دیکھ کر رام نے کہا۔ بھمن، ہوش میں آؤ۔ یہ کرودھ اور
یدھ کا سے نہیں ہے۔ یہ مہاراج دھرتھ کے وچن بھانے کی بات ہے۔ میں اس کرودھ کو کسی
بھی دشمن میں نہیں توڑ سکتا۔ میرا بن جانا نچھت ہے۔ کرودھ کے مقابلے میں شاربک سکھ کا کوئی

موزیہ نہیں ہے
بھمن کو جب گیات ہو گیا کہ رام چندر نے جو نچھت کیا ہے اس سے ٹل نہیں سکتے
تو بولے۔ اگر آپ کا سہی زرنے ہے تو مجھے بھی ساتھ لیتے چلیے۔ آپ کے بنا میں یہاں ایک
دن بھی نہیں رہ سکتا۔ جب آپ بن میں گھومیں گے تو میں اس محل میں کیوں کر رہ سکوں گا۔
آپ کے بنا یہ راجہ مجھے شمشان سا لگے گا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا، کبھی آپ کے
چروں سے الگ نہیں ہوا۔ اب بھی ان سے لپٹا رہوں گا۔

رام چندر نے لکھمن کو پریم پورن مہروں سے دیکھا۔ چھوٹے بھائی کو مجھ سے کتنا پریم ہے! پھرے لیے جیون کے سارے سکھ اور آئندہ پر لات مارنے کے لیے تیار ہے۔ بولے۔ نہیں لکھمن اس دھار کو تباہ کر دو۔ بھلا سوچو تو جب تم بھی میرے ساتھ چلے جاؤ گے، تو مانتا سحرا اور کوشلیا کس کا منہ دیکھ کر رہیں گی؟ کون ان کے دکھ کے بوجھ کو ہلکا کرے گا؟ بھرت کے راجا ہونے پر رانی کیسے سفید اور کالے کی مالک ہوں گی۔ سمجھو ہے وہ ہماری مانتاؤں کو کسی پرکار کا کٹھ دیں۔ اس سے کون ان کی سہایا کرے گا؟ نہیں، تمہارا میرے ساتھ چلنا اچھا نہیں۔

لکھمن۔ نہیں بھائی صاحب! میں آپ کے بنا کسی پرکار نہیں رہ سکتا۔ بھرت کی اور سے اس پرکار کا بے نہیں ہو سکتا۔ وہ اتنا ڈر پوک اور بچ نہیں ہو سکتا۔ رگوں کے دلش میں ایسا مٹیہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ آپ کا ساتھ میں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔

رام چندر نے بہت سمجھایا، کتھو جب لکھمن کسی طرح نہ مانے تو انھوں نے کہا۔ اچھا، یہی تم نہیں مانتے تو میں تمہارے ساتھ اتنا چار نہیں کر سکتا۔ کتھو پہلے جا کر سحرا سے پوچھ آؤ۔

لکھمن نے سحرا سے بن جانے کی اڑھتی مانگی تو انھوں نے اسے ہر دے سے لگا کر کہا شوق سے بن جاؤ بیٹا! میں تمہیں خوشی سے آستیا دیتی ہوں۔ دکھ میں بھائی ہی بھائی کے کام آتا ہے۔ رام سے تمہیں جتنا پریم ہے۔ ان کی مانگ یہی ہے کہ تم اس شخص سے میں ان کا ساتھ دو۔ میں سدا تمہیں آشیرداد دیتی رہوں گی۔

اسی سے بیٹا جی کو بھی رام چندر کے بنواس کا سا چار ملا۔ وہ اچھے اچھے آجھوتوں سے جمع ہو کر راج تلک کے لیے تیار تھیں۔ یکا یک یہ دکھ سا چار ملا اور معلوم ہوا کہ رام اکیلے جانا چاہتے ہیں، تو دوڑی ہوئی آکر ان کے چروں پر گر پڑی اور بولیں۔ سوامی، آپ بن جاتے ہیں تو میں یہاں اکیلے کیسے رہوں گی۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کی اڑھتی دیجیے۔ آپ کے بنا مجھے یہ محل چھاڑ کھائے گا۔ پھولوں کی بیج کائنوں کی طرح گڑے گی۔ آپ کے ساتھ جنگل بھی میرے لیے باغ ہے، آپ کے بنا باغ بھی جنگل ہے۔

کوشلیا نے بیٹا کو گلے سے لگا کر کہا۔ بیٹی! تم بھی چلی جاؤ گی، تو میں کس کا منہ دیکھ کر جیوں گی۔ پھر تو گمراہی سونا ہو جائے گا۔ سوچتی تھی کہ تمہیں کو دیکھ کر من میں سنتوش

کردوں گی کٹو اب تم بھی بن جانے کو پرستھ ہو۔ المٹور اب کون سا دکھ دکھانا چاہتے ہو؟
کیوں اس اہماتن کو نہیں اٹھا لیتے؟

رام چندر کو یہ دھار بھی نہ ہوا کہ بیتا جی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں گی۔ سمجھاتے ہوئے بولے۔ بیتا اس دھار کا تیاگ کر دو۔ جنگل میں بڑی بڑی کھنائیاں ہوں۔ پگ پگ پر جنوڑوں کا بھے، جنگل کے ڈراوے آدمیوں سے واسطہ، راستہ کالوں اور کنگووں سے بھرا ہوا۔ بھلا تمہارا کول شریہ یہ کھنائیاں کیسے جمیل تھیں گے؟ پھر کی چٹانوں پر تم کیسے سوؤ گی؟ پہاڑوں کا پانی ایسا خراب ہوتا ہے کہ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تم ان تلکلیوں کو کس طرح برداشت کر سکو گی؟

بیتا آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔ سوامی جب آپ میرے ساتھ ہوں گے تو مجھے کس بات کا بھے ہوگا۔ وہ خوشی ساری تلکلیوں کو مٹا دے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ جنگلوں میں طرح طرح کی کھنائیاں جمیلیں اور میں راج محل میں آرام سے سوؤں۔ استری کا دھرم اپنے پتی کا ساتھ دینا ہے، وہ دکھ اور سکھ ہر دشا میں اس کی سنگتی رہتی ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا کرتویہ ہے۔ بڑی آپ سیر اور من بہلاؤ کے لیے جاتے ہوتے، تو میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے ادھک آگرہ نہ کرتی کٹو یہ جان کر کہ آپ کو ہر طرح کا کٹ ہوگا، میں کسی طرح نہیں رک سکتی۔ میں آپ کے راستے سے کانٹے چنوں گی آپ کے لیے گھاس اور چوں کی جج بناؤں گی۔ آپ سوئیں گے تو آپ کو پچھا جلوں گی۔ اس سے بڑھ کر کسی استری کو کیا سکھ ہو سکتا ہے؟

رام چندر زور زور ہو گئے۔ اسی سے تینوں آدمیوں نے راجسی پوشائیں اتار دیں اور کھکھوں کا سا سادا کپڑا پہن کر کوشلیا سے آکر بولے۔ ماتا جی! اب ہم کو چلنے کی اوتسی دیجیے۔

کوشلیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، بیٹا، کس منہ سے جانے کو کہوں۔ من کو کسی پرکار سنتوش نہیں ہوتا۔ دھرم کا پرشن ہے روک بھی نہیں سکتی۔ جاڈا میرا آشیرودا سدا تمہارے ساتھ رہے گا۔ جس طرح پیٹہ دکھاتے ہو، اسی طرح منہ بھی دکھانا۔ یہ کہتے کہتے کوشلیا رانی دکھ سے مورچھا کھا کر گر پڑیں۔ یہاں سے تینوں آدمی سٹرا کے پاس گئے اور ان کے چروں پر سر جھکا کر رانی کی لکھی کے کوپ بھون میں مہاراج دھرتھ سے دوا لینے گئے۔ راجا مرنگ

شرم کے سامن نصیران اور نہد پڑے تھے۔ تینوں آدمیوں نے باری باری سے ان کے چڑوں پر سر جھکایا۔ تب رام بولے۔ مہاراج! میں تو اکیلا ہی جانا چاہتا تھا۔ کتو بھمن اور جاگی کسی پرکار میرا ساتھ نہیں چھوڑتے، اس لیے انہیں بھی لیے جاتا ہوں۔ ہمیں آشیرود دیجیے۔

یہ کہہ کر جب تینوں آدمی وہاں سے چلے تو راجا دُشترتھ نے زور سے رو کر کہا۔ ہائے رام! تم کہاں چلے؟ ان پر ایک پاگل پن کی سی دشا آگئی۔ بھلے اور برے کا وچار نہ رہا۔ دوڑے کہ رام کو پکڑ کر روک لیں کتو مورچھا کھا کر گر پڑے۔ رات ہی بھر میں ان کی دشا ایسی خراب ہو گئی تھی کہ مانو برسوں کے روگی ہیں۔

ایودھیا میں یہ خبر مشہور ہو گئی تھی۔ لاکھوں آدمی راج بھون کے دروازوں پر ایکٹرت ہو گئے تھے۔ جب یہ تینوں بھکشکوں کے بھیس میں رنواس سے نکلے تو ساری پر جا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سب ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہتے تھے، مہاراج! آپ نہ جائیں ہم چلیں کر مہارانی کیلکئی کے چڑوں پر سر جھکائیں گے، مہاراج سے پراعتنا کریں گے۔ آپ نہ جائیں۔ ہائے اب کون ہمارے ساتھ ہوردی کرے گا، ہم کس سے اپنا دکھ کہیں گے، کون ہماری سنے گا۔ ہم تو کہیں کے نہ رہے۔

رام چدر نے سب کو سمجھا کر کہا۔ دکھ میں دھریہ کے سوا اور کوئی چارا نہیں۔ یہی آپ سے میری بقی ہے۔ میں سدا آپ لوگوں کو یاد کرتا رہوں گا۔

راجا نے سمتر کو پہلے ہی سے بلا کر کہہ دیا تھا کہ جس پرکار ہو سکے رام بیٹا اور بھمن کو واپس لانا۔

سمتر رتھ تیار کیے کھڑا تھا۔ رام چدر نے پہلے بیٹا جی کو رتھ میں بٹھایا پھر دونوں بھائی بیٹھے اور سمتر کو رتھ چلانے کا آدیش دیا۔ ہزاروں آدمی رتھ کا پیچھے دوڑے اور بہت سمجھانے پر بھی رتھ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر شام کو جب لوگ حساسدی کے کنارے پہنچے تو رام نے انہیں دلاسا دے کر وداع کیا۔

اگر ایودھیا میں کھرام بچا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا سارا شہر اجاڑ ہو گیا ہے۔ جہاں کل سارا شہر دیگوں سے جھگا رہا تھا، وہاں آج اندیرا چھایا ہوا تھا۔ صبح جہاں منگل گیت ہو رہے تھے، وہاں اس کے برعکس سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ دکانیں بند تھیں۔ جہاں دو آدمی مل جاتے، یہی چہچہا ہونے لگتی۔ بیٹا ہو تو ایسا پتا کی آسمتا پاتے ہی راج پاٹ کو لات مار

دی۔ سنسار میں ایسا کون ہوگا۔ بڑے بڑے راجا ایک بالشت زمین کے لیے لڑتے مرتے ہیں۔ بھائی بھی تو ایسا ہو۔ سب سے ادھک پرھنسا بیتا جی کی ہو رہی تھی، پردھوں کے لیے جنگل کی کھنڈائی سہنا کوئی مشکل بات نہیں پرستو استری کے لیے اسے سہن کرنا بہت کھن بات ہے۔ سنی استریاں ایسی ہوتی ہیں بچ ہے۔ کو سے میں ہی استری اور متری پرکھ ہوتی ہے۔ اھر رنواس شوک گرہ بنا ہوتا تھا کسی کوتن بدن کی سدھ نہ تھی۔

راجا دشرتھ کی مرتیو

تمساندی کو پار کر کے پھر رات جاتے جاتے رام چندر گنگا کے کنارے جا پہنچے۔ وہاں بیل سردار گوہ کا راجیہ تھا۔ راجا چندر کے آنے کا ساچار پاتے ہی اس نے آکر پرنام کیا۔ رام چندر نے اس کی بچ جاتی کی تک بھی چتا نہ کر کے اسے ہردئے سے لگا لیا اور کشل جمجم پوچھا۔ گوہ سردار ہارغ ہارغ ہو گیا۔ کوشل کے راجکار نے اسے ہردئے سے لگا لیا، اتنا بڑا ستان اس کے ویش میں اور کسی کو نہ ملا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ آپ اس نزدمن کی کنیا کو اپنے چرنوں سے پتر کیجیے۔ اس گھر کے بھی بھاگیہ جائیں۔ جب میں آپ کا سبک یہاں ہستھ ہوں تو آپ یہاں کیوں کشت اٹھائیں گے۔

رام چندر نے گوہ کا نمترن سوکار نہ کیا۔ جسے خواں کی آسمتا ملی ہو، وہ مگر میں کس پرکار رہتا۔ وہیں ایک بڑے کے نیچے رات بتائی۔ دوسرے دن پراہتہ کال رام چندر نے نمتر سے کہا اب تم لوٹ جاؤ ہم لوگ یہاں سے پیدل جائیں گے۔ ماتا جی سے کہہ دینا کہ ہم لوگ کشل سے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

نمتر نے رو کر کہا۔ مہاراج دشرتھ نے تو مجھے آپ لوگوں کو واپس لانے کا آدیش دیا تھا۔ خالی دھ دیکھ کر ان کی کیا دشا ہوگی! رام نے نمتر کو سمجھا بھاکر دواہ کیا۔ نمتر روتے ہوئے ایودھیا لوٹے۔ کتو جب وہ مگر کے کٹ پہنچے تو دن بہت فیش تھا۔ انھیں بے ہوا کہ پدی اسی سے ایودھیا چلا جاؤں گا، تو مگر کے لوگ ہزاروں پرشن پوچھ پوچھ کر پریشان کر دیں گے۔ اس لیے وہ مگر کے باہر کے رہے۔ جب سندھیا ہوئی تو مگر کی اور پروشٹ ہوئے۔

اگر راجا دشرتھ اس پر نکھا میں بیٹھے تھے کہ شاید نمتر رام کو لوٹا لائے۔ آشا کا اتنا سہارا عیس تھا۔ ککئی سے روٹ ہو کر وہ کوشلیا کے محل میں چلے گئے۔ اور بار بار پوچھ رہے تھے کہ نمتر ابھی لوٹا یا نہیں۔ دیکھ بھل گئے، ابھی نمتر نہیں آیا۔ مہاراج کی دکتا بڑھنے لگی۔ آخر نمتر راج محل میں پروشٹ ہوئے۔ دشرتھ انھیں دیکھ کر دوڑے اور دواہ پر آکر پوچھا۔ رام کہاں ہیں؟ کیا انھیں واپس نہ لائے؟ نمتر اکھ بول نہ سکے، پر ان کا چہرہ دیکھ کر مہاراج کی اتم آشا کا تار ٹوٹ گیا۔ وہ وہیں مور چھا کھا کر گر پڑے اور ہائے رام ہائے رام

کہتے ہوئے سنار سے دواغ ہو گئے۔ مرنے سے پہلے انہیں اس اندھے چھوٹی کی یاد آئی جس کے بیٹے کو آج سے بہت دن پہلے انہوں نے مار ڈالا تھا۔ وہ جس پرکار بیٹے کے لیے تڑپ تڑپ کر مر گیا اسی پرکار مہاراج بھی لڑکوں کے دیوگ میں تڑپ کر پرلوک سدھارے۔ ان کے شاپ نے آج پرہماؤ دکھایا۔

رٹوں میں شوک چھا گیا۔ کوشلیا مہاراج کے مرت شریر کو گود میں لے کر دلاپ کرنے لگی۔ اس سے کئی بھی آگئی۔ کوشلیا اسے دیکھتے ہی کرودھ سے بولیں۔ اب تو تمہارا کلیجہ ٹھنڈا ہوگا اب خوشیاں مناؤ۔ ایدھیا کے راج کا سکھ لوٹو، چاہتی تھی نہ، لو، کامنائے بھلیست ہوئیں۔ اب کوئی تمہارے راجہ میں مستحکمپ کرنے والا نہیں رہا۔ میں بھی کچھ کھڑیوں کی مہمان ہوں، لڑکا اور بہو پہلے ہی چلے گئے۔ سواہی نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ جیون میں میرے لیے کیا رکھا ہے۔ ہتی کے ساتھ ستی ہو جاؤں گی۔

کئی چتر کھت سی کھڑی رہی۔ داسیوں نے کوشلیا کی گود سے مہاراج کا مرت شریر الگ کیا اور کوشلیا کو دوسری جگہ لے جا کر آشواشن دینے لگیں۔ دربار کے دہنی مانئوں کو جیسے ہی خبر لگی، سب کے سب گھبرائے ہوئے آئے اور رانئوں کو دھیریہ بندھانے لگے۔ اس کے اپرانت مہاراج کے مرت شریر کو تیل میں ڈبایا گیا جس سے سڑ نہ جائے اور بھرت کو بلانے کے لیے ایک دھوا سی دوت پریشٹ کیا گیا۔ ان کے ارکت اب کر یا کرم کون کرتا؟

بھرت کی واپسی

جس دن مہاراج دھرتھ کی مرتی ہوئی۔ اسی دن رات کو بھرت نے کئی ڈراونے سوہن دیکھے۔ انہیں بڑی چتا ہوئی کہ ایسے برے سوہن کیوں دکھائی دے رہے ہیں۔ نہ جانے لوگ ایودھیا میں کشل سے ہیں یا نہیں۔ نانا کی اُنٹی ماگھی پر انھوں نے دو چار دن اور رہنے کے لیے آگرہ کیا۔ آخر جلدی کیا ہے۔ کشمیر کی خوب سیر کر لو جب جانا ایودھیا میں یہ ہردئے کو ہرنے والے پر اُکرت سوندریہ کہاں ملیں گے۔ بے بس ہو کر بھرت کو رکنا پڑا۔ اس کے تیسرے دن دوت پہنچا۔ اسے بھلی پرکار چیتا دیا گیا تھا کہ بھرت سے ایودھیا کی دشا کی وزن نہ کرنا، اس لیے جب بھرت نے دوت سے پوچھا۔ کیوں بھئی، ایودھیا میں سب کشل ہے نا؟ تو اس نے کوئی خاص جواب نہ دے کر ویک سے کہا۔ آپ جن کی کشل پوچھتے ہیں وہ کشل سے ہیں، دوت بھی ہردئے سے بھرت سے اسٹلٹ تھا۔

بھرت جی کو کیا خبر کہ دوت اس ایک واکہ میں کیا کہہ گیا۔ انھوں نے نانا اور ماما سے آسمنا لی اور اسی دن شتر دگھن کے ساتھ ایودھیا کے لیے پرستان کیا۔ تھ کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے والے تھے۔ تیسرے ہی دن وہ ایودھیا میں پروٹ ہوئے۔ کتو یہ مگر پر اداسی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ مگر شری ہین سا کیوں ہو رہا ہے؟ گلیوں میں دھول کیوں اڑ رہی ہے؟ بازار کیوں بند ہیں؟ راستے میں جو بھرت کو دیکھتا تھا، بتا ان سے کچھ بات کیے بتا کشل مجھم پوچھے یا پر نام کیے کترا کر نکل جاتا تھا۔ ان کے آگے بڑھ آنے پر لوگ کانٹا پھوسی کرنے لگتے تھے۔ بھرت کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ بھید کیا ہے، کوئی ان کی اور آکرشٹ بھی نہ ہوتا تھا کہ اس سے کچھ پوچھیں۔ راج محل تک پہنچنا ان کے لیے کٹھن ہو گیا۔ راج محل پہنچے تو اس کی دشا اور بھی چن تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جان نکل گئی ہے، کیول مرت شریر شیش ہے۔ کھٹا براج رہی تھی۔ کئی دن سے دروازے پر جھاڑو تک نہ دی گئی تھی۔ دو چار سنتری کھڑے جہاں لے رہے تھے۔ وہ بھی بھرت کو دیکھ کر ایک کونے میں ڈبک گئے، جیسے ان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

دوار پر پہنچے ہی بھرت اور شتر دگھن نے تھ سے کود اندر پرولش کیا۔ مہاراج اپنے

کمرے میں نہ تھے۔ بھرت نے سمجھا اوشیہ کیلکئی ماتا کے پرہاسد میں ہوں گے۔ وہ ہر ایہ کیلکئی ہی کے پرہاسد میں رہتے تھے۔ لپکے ہوئے ماتا کے پاس گئے۔ مہاراج کا وہاں بھی پتہ نہ تھا۔ کیلکئی دھواؤں کے سے دستر پہنے کھڑی تھی۔ بھرت کو دیکھتے ہی وہ پھولی نہ سالی۔ آکر بھرت کو گلے سے لگایا اور بولی۔ جیتے رہو بیٹا۔ راستے میں کوئی کشت تو نہیں ہوا؟

بھرت نے ماتا کی اور آٹھریہ سے دیکھ کر کہا۔ جی نہیں، بڑے آرام سے آیا۔

مہاراج کہاں ہیں؟ تک انہیں پرنام تو کرلوں؟

کیلکئی نے ٹھنڈی آہ کھینچ کر کہا۔ بیٹا، ان کی بات کیا پوچھتے ہو۔ انہیں پرلوک سدھارے تو آج ایک چٹاہ ہو گیا۔ کیا تم سے ابھی کسی نے نہیں کہا؟

بھرت کے سر پر جیسے شوک کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سر میں چکر سا آنے لگا۔ وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ بھوی پر بیٹھ کر رونے لگے۔ جب تک جی سنبھلا تو بولے۔ انہیں کیا ہوا تھا؟ ماتا جی؟ کیا بیماری تھی؟ ہائے! مجھ آٹھارے کو اتن درشن بھی پراپت ہوئے۔

کیلکئی نے سر جھکا کر کہا۔ بیماری تو کچھ نہیں تھی۔ رام، مہممن اور سیتا کے بنواس کے شوک سے ان کی مرتی ہوئی۔ رام پر تو وہ جان دیتے تھے۔

بھرت کی رہی سہی جان بھی انہوں میں سامگئی۔ سر پیٹ کر بولے۔ بھائی رام چندر نے ایسا کون سا پاپ کیا تھا ماتا جی، کہ ان کو بنواس کا دھڑ دیا گیا؟ کیا انھوں نے کسی براہمن کی ہتیا کی تھی یا پھر کسی استری پر بری درشتی ڈالی تھی؟ دھرم کے اوتار رام چندر کو دیش نکالا کیوں ہوا؟

کیلکئی نے ساری کٹھا خوب دستار سے وزن کی اور مٹھرا کو خوب سراہا۔ جو کچھ ہوا، اسی کی سہایتا سے ہوا۔ یدی اس کی سہایتا نہ ہوتی تو میرے کیے کچھ نہ ہو سکتا اور رام چندر کا راج تک ہو جاتا۔ پھر تم اور میں کہیں کے نہ رہتے۔ داسوں کی بھانتی جیون دیتیت کرنا پڑتا۔ اسی نے مجھے راجا کے دیے ہوئے دو وردانوں کی یاد دلائی اور میں نے دونوں وردان پورے کرائے۔ پہلا تھا رام چندر کا بنواس۔ وہ پورا ہو گیا۔ اکیلے رام ہی نہیں گئے۔ مہممن اور سیتا بھی ان کے ساتھ گئے۔ دوسرا وردان شیش ہے، یہ کل پورا ہو جائے گا۔ حصیں سنگھاسن ملے گا۔

کیلکئی نے دل میں سمجھا تھا کہ اس کی کاریہ کٹوتا کا وزن سن کر بھرت اس کے بہت

کرتکے ہوں گے، پر بات کچھ اور ہی ہوئی۔ بھرت کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور آنکھیں
 کردودھ سے لال ہو گئیں۔ کلکئی کی اور گھرنا پورن بھروسے دیکھ کر بولے۔ ماتا! تم نے
 مجھے سنسار میں کہیں منہ دکھانے کے یوگیہ نہ رکھا۔ تم نے جو کام میری بھلائی کے لیے کیا وہ
 میرے نام پر سدا کے لیے کالا دھبہ لگا دے گا۔ دنیا یہی کہے گی کہ اس معاملے میں بھرت کا
 اوشیہ ہڈی ستر ہوگا۔ اب میرے سمجھ میں آیا کہ کیوں ایودھیا کے لوگ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتے
 تھے۔ یہاں تک کہ دواری پالوں نے بھی میری اور دھیان دینا اچت نہ سمجھا۔ کیا تم نے مجھے
 اتنا بچہ سمجھ لیا کہ میں رام چندر کا ادھیکار چھین کر پرستنا سے راج کروں گا؟ رگھوکل میں ایسا
 کبھی نہیں ہوا۔ اس ویش کا سدا سے یہی سدھانت رہا ہے کہ بڑا لڑکا گلدی پر بیٹھے۔ کیا
 قصصیں یہ باتیں یاد نہ تھی۔ ہائے! تم نے رام چندر جیسے دیوتا کو تویہ پرش کو بنواس دیا، جس
 کے جوتوں کا بندھن کھولنے یوگیہ بھی میں نہیں۔ ماتا مجھے تمہارا آدر کرنا چاہیے، کتو جب
 تمہارے کاریوں کو دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کڑے شبد منہ سے نکل آتے ہیں۔ تم نے اس
 ویش کا نیا میٹ کر دیا۔ ہریش چندر اور مان دھاتا کے ویش کی پرستھا دھول میں ملادی۔ قصصیں
 نے میرے ستیہ وادی پتا کی جان لی۔ تم ہتیارنی ہو۔ یہ راج پاٹ قصصیں شبد ہو۔ بھرت اس کی
 اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔

یہ کہتے ہوئے بھرت رانی کوشلیا کے پاس گئے اور ان کے چہروں میں اپنا سر رکھ
 دیا۔ کوشلیا کو کیا معلوم تھا کہ اسی سے بھرت کلکئی کو کتنا برا بھلا کہہ آئے ہیں۔ بولی۔ تم آگئے،
 بیٹا! لو تمہاری ماتا کی آشنائیں پورن ہوئیں۔ تم انھیں لے کر آئند سے راجیہ کرو، مجھے رام کے
 پاس پہنچا دو۔ میں اب یہاں رہ کر کیا کروں گی؟

یہ شبد بھرت کے سینے میں تیر کے سان لگے۔ آہ! ماتا کوشلیا بھی میری اور سے
 اسفٹ ہیں۔ ماتا جی میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہاں جو کچھ ہوا ہے اس کا مجھے لیش ماز
 بھی گمان نہ تھا۔ ماتا کلکئی نے جو کچھ کیا اس کا پھل ان کے آگے آئے گا۔ میں انھیں کیا
 کہوں۔ کتو میں اس کا دھواس دلاتا ہوں کہ میں راجیہ نہ کروں گا۔ راجیہ رام چندر کا ہے اور
 وہی اس کے سوامی ہیں۔ میں اس کا سیوک ہوں۔ کریا کرم سے نورٹ ہوتے ہی جا کر رام
 چندر کو ملا لاؤں گا۔ مجھے آشا ہے کہ وہ میری وقتی مان جائیں گے۔ میں نے پورو جنم میں ایسا
 کون سا پاپ کیا تھا کہ کہ کلک میرے ماتے پر لگا۔ مجھ سے ادھک بھاگیہ جن سنسار میں اور

کون ہوگا جس کے کارن پتاجی کی مرتی ہوئی، رام چندر بن گئے اور سارے دلش میں جک
ہسائی ہوئی۔

دیوی کوٹلیا کے ہردے سے سارا مایہ دور ہو گیا۔ انھوں نے بھرت کو سینے سے لگا
لیا اور رونے لگیں۔

منعرا اس سے کسی کام سے باہر مگی ہوئی تھی۔ اسے جوں ہی میات ہوا کہ بھرت
آئے ہیں اس نے سر سے پاؤں تک کہنے پہنے، ایک ریشمی ساڑی دھارن کی اور جھم جھم کرتی
کوڑ ہلائی اپنی آڈرں سیاؤں کا پرکار لینے کے لیے آکر بھرت کے سامنے کھڑی ہو گئی۔
بھرت نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ کتو شتر دگمن اپنے کروڑھ کو روک نہ سکے۔ انھوں نے
لپک کر منعرا کے بال چڑ لیے اور کئی لات گھونے جائے۔ منعرا ہائے ہائے! کرنے لگی اور
مہارانی کیلکئی کی دہائی دینے لگی۔ انت میں بھرت نے اسے شتر دگمن کے ہاتھ سے چھڑایا اور
وہاں سے بھاگ دیا۔

جب بھرت مہاراجا دشرتھ کے کرایا کرم سے نورٹ ہوئے تو گرد و دھشت، مگر کے
دھنی مانی، دربار کے سہا سہوں نے انھیں گدی پر بیٹھانا چاہا، بھرت کسی طرح تیار نہ ہوئے،
بولے۔ آپ لوگ مجھے ایسا کام کرنے کے ووش نہ کریں، جس سے میرا لوک اور پرلوک
دونوں مٹی میں مل جائے۔ بھائی رام چندر کے رچے، یہ اٹسمو ہے کہ میں راجیہ کا وچار بھی
من میں لاؤں۔ میں انھیں جا کر منا لاؤں گا اور یدی وہ نہ آئیں گے تو میں بھی مگر سے کل
جاؤں گا۔ یہ میرا اتم نرنے ہے۔

لوگوں کے دل بھرت کی اور سے صاف ہو گئے۔ سب ان کی نیک نیتی کی پرھنسا
کرنے لگے۔ یہ بڑے باپ کا سپوت بیٹا ہے۔ بھائی ہو تو ایسا ہو۔ کیوں نہ ہو، ایسے نیک
اور دھرماتما لوگ نہ ہوتے تو سنسار کیسے استھر رہتا۔

دوسرے دن بھرت اپنی تینوں ماتاؤں کو لے کر رام کو منانے چلے، گرد و دھشت اور
مگر کے دھشت جن ان کے ساتھ ساتھ چلے۔

چتر کوٹ

رام لکھمن اور سیتا گنگا ندی پار کر کے چلے آ رہے تھے۔ انجان راستہ مغللوں اور جنگل بستی کا کہیں پتہ نہیں۔ اس پرکار وہ پریاگ پہنچے۔ پریاگ میں بھردواج منی کا آشرم تھا۔ تینوں آدمیوں نے ترویجی انسان کر کے بھردواج کے آشرم وشرام کیا۔ اور رات کو ان کے آپدیش سن کر پرات ان کے پرامرش سے چتر کوٹ کے لیے پرستمان کیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد مینا ندی ملی۔ اس سے وہ بھاگ بہت آباد نہ تھا۔ اسے پار کرنے کے لیے کوئی ناؤ نہ ملی۔ اب کیا ہو۔ انت میں لکھمن کو ایک آپائے سوچا۔ انھوں نے ادھر ادھر سے لکڑیوں کی ٹہنیاں جمع کیں اور انھیں چھال کے ریشوں سے باندھ کر ایک تختہ سا بنالیا۔ اس تختے پر ہری ہری چٹاں بچھا دیں اور اسے ندی میں ڈال دیا۔ اس پر تینوں آدمی بیٹھ گئے۔ لکھمن نے اس تختے کو کھے کر دم کے دم میں مینا ندی پار کر لی۔

ندی کے اس پاس پہاڑی زمین تھی پہاڑیاں ہری ہری جھاڑیوں سے لہرا رہی تھیں۔ بیڑوں پر مو، طوطے اتیادی چمکی چمک رہے تھے۔ ہرنوں کے جھنڈ گھاٹیوں میں چرتے دکھائی دیتے تھے۔ ہوا اتنی سوجھ اور سواسجھ کارک تھی کہ آتما کو تازگی مل رہی تھی۔ اس ہردئے گراہی درشیر کا آند اٹھاتے تینوں آدمی چتر کوٹ جا پہنچے۔ والہکی رشی کا آشرم وہیں ایک پہاڑی پر تھا۔ تینوں آدمیوں نے پہلے ان کا درشن اچت سمجھ کر ان کے آشرم کی اور پرستمان کیا۔ والہکی نے انھیں دیکھا تو بڑے تپاک سے گلے لگالیا اور راستے کا کشل سماچار پوچھا۔ انھوں نے یوگ کے بل سے ان کے چتر کوٹ آنے کا کارن جان لیا تھا۔ بتلانے کی آویٹکتا نہ پڑی۔ بولے۔ آپ لوگ خوب آئے۔ آپ کو دیکھ کر بڑی پرستنا ہوئی۔ آپ لوگوں پر جو کچھ پتا ہے، وہ مجھے معلوم ہے۔ جیون سکھ اور ڈکھ کے میل کا ہی نام ہے عشش کو چاہیے کہ دھیریہ سے کام لے۔

رام نے کہا۔ آشیرواد دیجیے کہ ہمارے بنواس کے دن کشل سے ہتیں۔
والہکی نے اثر دیا۔ راج کمار، میرے ایک ایک روم سے تمہارے لیے آشیرواد نکل

رہے ہیں۔ تم نے جس تیاگ سے کام لیا ہے۔ اس کا اداہرن اتیہاس میں کہیں نہیں ملتا۔
 دھنیہ ہے وہ ماما، جس نے تم جیسا سہوت پیدا کیا۔ چڑ کوٹ تمہارے لیے بہت اتم استخان
 ہے۔ ہماری کٹئی میں پر یا پت استخان ہیں۔ ہم سب آرام سے رہیں گے۔

رام چندر کو بھی چڑ کوٹ بہت پسند آیا۔ وہیں رہنے کا فیچہ کیا کلتو یہ اُچت نہ سمجھا
 کہ رشی والہ کیجی کے چھوٹے سے آشرم میں رہیں۔ ان کے رہنے سے رشی کو اوشیہ کٹھ ہوگا،
 چاہے وہ سکوج کے کارن منہ سے کچھ نہ کہیں۔ الگ ایک کٹی بنانے کا دھار ہوا۔ مہمن کا
 آسمتا ملنے کی دیر تھی۔ جنگل سے لکڑی کاٹ لائے اور شام تک ایک سندر آرام وہ اور کٹی تیار
 کر دی۔ اس میں کمڑکیاں بھی تھیں طاق بھی تھے۔ سونے کے الگ الگ کمرے بھی تھے۔ رام
 نے یہ کٹی دیکھی تو بہت پرسن ہوئے۔ گرہہ پرویش کی ریتی کے الوسار دیوتاؤں کی پوجا کی
 اور کٹی میں رہنے لگے۔

بھرت اور رام چندر

اگر بھرت ایودھیا واسیوں کے ساتھ رام کو مٹانے کے لیے جارہے تھے۔ جب وہ گنگا ندی کے کنارے پہنچے تو بھیل سردار گوہ کو ان کی سیٹا دیکھ کر سندیہ ہوا کہ شاید یہ رام چندر پر آکر من کرنے جارہے ہیں۔ ترنت اپنے آدیوں کو جمع کرنے لگا۔ کٹھ بعد کو جب بھرت کا دھار گیا تو ان کے سامنے آیا اور اپنے گھر چلنے کا نمٹرن دیا۔ بھرت نے کہا۔ جب رام چندر نے بستی کے باہر چل کے نیچے رات بتائی تو میں بستی میں کیسے جاؤں؟ بتاؤ سیٹا اور رام چندر کہاں سوئے تھے، تب گوہ نے انہیں وہ جگہ دکھائی، تو پھر اپنے آپ رو پڑے۔ ہائے! وہ جنہیں مخلوق میں نیند نہیں آتی تھی۔ آج بھوی پر چل کے نیچے سو رہے ہیں! یہ دنوں کا پھیر ہے۔ مجھ آہاگے کے کارن انہیں یہ سارے کٹھ ہو رہے ہیں۔ اس گھاس کے کڑے کھڑوں سے کو ملائی سیٹا کا شریر چھل گیا ہوگا۔ رام چندر کو رات بھر چمروں نے کٹھ دیا ہوگا۔ نیند نہ آئی ہوگی۔ چھمن نے ساری رات جنگلی جانوروں کے بے سے پھرا دے کر کاٹی ہوگی اور میں ابھی تک راجسی پوشاک پہنے ہوں۔ مجھے ہزار بار دھکار ہے۔

یہ کہہ کر بھرت نے اسی سے راجسی پوشاک اتار چھین لی اور سادھوں کا سا بھیش دھارن کیا۔ پھر اسی چل کے نیچے، اسی گھاس پھوس کے بھجوان پر رات بھر پڑے رہے۔ اس دن سے چودہ سال تک بھرت نے سادھوں جیون دھیت کیا۔

دوسرے دن بھرت بھر دواج مٹی کے آشرم پہنچے۔ وہاں پتہ لگانے پر گیا تو ہوا کہ رام چندر چتر کوٹ کی اور گئے ہیں۔ رات بھر وہاں ٹھہر کر بھرت سویرے چتر کوٹ روانہ ہو گئے۔

سندھیا کا سہ قہا۔ رام چندر اور سیٹا ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے سو رہے است کا درشہ دیکھ رہے تھے اور چھمن تک دور دھنش اور ہان لیے کھڑے تھے۔

سیٹا نے چڑوں کی اور دیکھتے ہوئے کہا۔ ایسا لگتا ہے کہ ان چڑوں نے سنہری چادر اوڑھ لی ہے۔

رام۔ پہاڑیوں کی اودی رنگ کی اوس سے لدی ہوئی چادر کتنی سندھ معلوم ہوتی ہے۔

پراکرتی سونے کا سامان کر رہی ہے۔

سینا۔ نیچے کی گھاٹیوں نے کالی چادر سے منہ ڈھانک لیا۔

رام۔ اور پون کو دیکھو، جیسے کوئی ناگن لہراتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

پتلا۔ کینچی کے پھولوں سے کیسی سنگند آ رہی ہے۔

پتھمن۔ کھڑے کھڑے ایک ایک چوبک کر بولے۔ بھیا، وہ سامنے دھول کیسی اڑ رہی

ہے؟ سارا آسمان دھول سے بھر گیا۔

ہلام۔ کوئی چرواہا بھیڑوں کا گلہ لیے چلا جاتا ہوگا۔

پتھمن۔ نہیں بھائی صاحب، کوئی سینا ہے۔ گھوڑے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔

وہ لو، رتھ بھی صاف دکھائی دینے لگے۔

ہلام چندر۔ شاید کوئی راج کمار آکھیت کے لیے نکلا ہو۔

پتھمن۔ سب کے سب احراری چلے آتے ہیں۔

یہ کہہ کر پتھمن ایک اونچے بیڑ پر چڑھ گئے، اور بھرت کی سینا کو دھیان سے دیکھنے

لگے۔ رام چندر نے پوچھا۔ کچھ صاف دکھائی دیتا ہے۔

پتھمن۔ جی ہاں، سب صاف دکھائی دے رہا ہے۔ آپ وحش اور بان لے کر تیار

ہو جائیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ بھرت سینا لے کر ہمارے اوپر آکر من کرنے چلے

آ رہے ہیں۔ ان ڈالوں کے بیچ سے بھرت کے رتھ کی جھنڈی صاف دکھائی دے رہی ہے۔

بھلی پرکار پہچانتا ہوں، بھرت کا ہی رتھ ہے۔ وہی سرنگ گھوڑے ہیں۔ انھیں ایودھیا کا راجپہ

پاکر ابھی سنتوش نہیں ہوا آج سارے جھگڑے کا انت ہی کر دوں گا۔

رام چندر۔ نہیں پتھمن، بھرت پر سندیہ نہ کرو۔ بھرت اتنا سوار تھی اتنا سکونچ ہیں

نہیں ہے۔ مجھے دشواں ہے کہ وہ ہمیں واپس لے چلے آ رہا ہے۔ بھرت نے ہمارے ساتھ

کبھی برائی نہیں کی۔

پتھمن۔ انھیں برائی کرنے کا اور ہی کب ملے، جو انھوں نے چھوڑ دیا؟ آپ اپنے

ہردے کی طرح اوروں کا ہردے بھی نزل سمجھتے ہیں۔ کٹھن میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ

بھرت دشواں گھات کریں گے۔ وہ یہاں اس اڈیش سے آ رہے ہیں کہ ہم لوگوں کو مار کر اپنا

راستہ سد پو کے لیے صاف کر لیں۔

رام چندر۔ مجھے چیتے جی بھرت کی اور سے ایسا دشواس نہیں ہو سکتا۔ یدی بھرت کا حصیں راج گدی پر بیٹھنا برا لگتا ہو، تو میں ان سے کہہ کر حصیں راجیہ دلا سکتا ہوں۔ مجھے دشواس ہے کہ بھرت میرا کہتا نہ ٹالے گا۔

گھمن نے تجھت ہو کر سر جھکالیا۔ راما چندر کا دیکھ انھیں بڑا معلوم ہوا۔ وہ منہ سے کچھ بولے نہیں۔ احر بھرت کو جیوں ہی رشیوں کی کنیاں دکھائی دینے لگیں، وہ رتھ سے اتر پڑے اور نچے پاؤں رام چندر سے ملنے چلے۔ سمتر اور شتر دگمن بھی ان کے ساتھ تھے۔ کئی کنیوں کے بعد رام چندر کی کئی دکھائی دی۔ رام چندر کئی کے سامنے ایک پتھر کی چٹان پر بیٹھے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی بھرت بھیا! بھیا! کہتے ہوئے بچوں کی طرح ان کی طرح دوڑے۔ اور ان کے پیروں پر گر پڑے۔ رام چندر نے بھرت کو اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ شتر دگمن نے بھی آگے بڑھ کر رام چندر کے چرنوں پر سر جھکایا۔ چاروں بھائی گلے ملے۔ اتنے میں کوشلیا سحرا، کیکئی بھی پہنچ گئیں۔ رام چندر نے سب کو پرنام کیا۔ سیتا جی نے بھی سانسوں کے پیروں کو آٹھل سے چھوا۔ ساسوں نے بھی انھیں گلے سے لگایا، کتھو کسی کے منہ سے کوئی شبد نہ نکلتا تھا۔ سب کے گلے بھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ بن واسیوں کا یہ سادھوؤں کا ویش دیکھ کر سب کا ہر دئے دیرن ہوا جاتا تھا۔ کسی وڈشتا! ہے کوشلیا سیتا کو دیکھ کر اپنے آپ رو پڑی۔ وہ بہو جسے وہ پان کی طرح پھیرا کرتی تھیں۔ بھکاری بنی کھڑی تھی۔ سبھانے لگیں۔ بیٹا۔ اب بھی میرا کہتا مانو۔ یہاں حصیں بڑے بڑے کشت ہوں گے۔ اتنے دنوں میں صورت بدل گئی ہے۔ بالکل پہچانی نہیں جاتی۔ میرے ساتھ لوٹ چلو۔

سیتا نے کہا۔ ماما جی، اب جب میرے سوامی بن بن بھرتے رہیں تو مجھے ایودھیا ہی نہیں سورگ میں بھی سکھ نہیں ملے گا۔

استری کا دھرم پرش کے ساتھ رہ کر اس کے دکھ سکھ میں بھاگ لینا ہے۔ پرش کو دکھ میں چھوڑ کر جو استری سکھ کی اچھا کرتی ہے وہ اپنے کرتویہ سے منہ موڑتی ہے۔ پانی بکے بنا ندی کی جو دشا ہوتی ہے، وہی دشا پتی کے بنا استری کی ہوتی ہے۔

کوشلیا کو سیتا کی باتوں سے پرستنا بھی ہوئی اور دکھ بھی ہوا۔ دکھ تو یہ ہوا کہ وہ سکھ اور ایودھیا میں پٹی ہوئی لڑکیوں دختی میں جیوں کے دن کاٹ رہی ہے۔ پرستنا یہ ہوئی کہ

اس کے دھار کتنے اونچے اور پتر ہیں۔ بولی۔ دھنیہ ہو بیٹی، اسی کو استری کا پتی دوت کہتے ہیں۔ یہی تو استری کا دھرم ہے۔ اینٹور قصیں سکی رکھے، اور دوسری استریوں کو بھی تمہارے مارگ پر چلنے کی پرہنا دے۔ ایسی دیوہیاں مٹش کے لیے گورو کا دتے ہوتی ہے۔ انہیں کے نام پر لوگ آدر سے سر جھکاتے ہیں۔ انہیں کے بیٹ گھر گھر گائے جاتے ہیں۔

چاروں بھائی جب گلے مل چکے، تو رام چندر نے بھرت سے پوچھا۔ کہو بھیا، تم کشمیر سے کب آئے؟ پتا جی تو کشل سے ہیں؟ تم ان کو چھوڑ کر دیرتھ چلے آئے، وہ اکیلے بہت گھبراہے ہوں گے؟

بھرت کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ بھائی صاحب پتا جی تو اب اس سنار میں نہیں ہیں جس دن سمسر رتھ لے کر واپس ہوئے، اسی رات کو وہ پر لوک سدھارے۔ مرتے سے آپ ہی کا نام ان کی جھہ پر تھا۔

یہ دکھ پورن ساچار سنتے ہی رام چندر پچھاڑ کھا کر گر پڑے۔ جب تک چیتنا آئی تو رونے لگے۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی۔ ہائے! پتا جی کا اتم درشن بھی پراپت نہ ہوا! اب رام چندر کو گیات ہوا کہ مہاراج دشرتھ کو ان سے کتنا پریم تھا۔ ان کے دیوگ میں پران تیاگ دیے۔ بولے۔ یہ میرا در بھائیہ ہے کہ اتم سے ان کے درشن نہ کر سکا۔ جیون بھر اس کا کھید رہے گا۔ اب ہم ان کی سب سے بڑی بھئی سیدا کر سکتے ہیں کہ اپنے کرموں سے ان کی آتما کو پرسن کریں۔ مہاراج اپنی پر جا کو کتنا پیار کرتے تھے! تم بھی پر جا کا پالن کرتے رہنا۔ سینا کے پرسن رہنے ہی سے راجیہ کا استھو بنا رہتا ہے۔ تم بھی سیکوں کو پرسن رکھنا۔ ان کا وقین ٹھیک سے پر دیتے رہنا۔ نائے کے دتے میں کسی کے ساتھ لیش ماتر بھی بکچھ پات نہ کرنا۔ ہر ایک کام میں مضریوں سے اویہیہ پرامرش لینا اور ان کے پرامرش پر آچرن کرنا۔ زردھوں کو دھموں کے اتیاچار سے بچانا۔ کسانوں کے ساتھ کبھی سختی نہ کرنا۔ کھیتی ستیاگی کے لیے کتوئیں، غنہریں، تال بنوانا۔ لڑکوں کی ہکچھا کی اور سے اسادوہان نہ رہنا۔ اور راجیہ کے کرچار یوں کی سختی سے گھرائی کرتے رہنا۔ ایتھا یہ لوگ پر جا کو بھٹ کر دیں گے۔

بھرت نے کہا۔ بھائی صاحب! میں یہ باتیں کیا جاؤں۔ میں تو آپ کی سیدا کے لیے اس لیے ایتھت ہوا ہوں کہ آپ کو ایودھیا لے چلوں۔ اب تو ہمارے پتا بھی آپ ہی ہیں۔ آپ ہمیں جو آسمتا دیں گے۔ ہم اسے بجا لائیں گے، ہماری آپ سے بھئی دتی ہے،

آپ اسے سویکار کیجیے۔ جب سے آپ آئے ہیں ایودھیا میں وہ شری ہی نہ رہی۔ چاروں اور مرتیہ کی سی نیروتا ہے۔ لوگ آپ کو یاد کر کے رویا کرتے ہیں۔ اب تک میں سب کو یہ آشنائیں دیتا رہا ہوں کہ رام چندر فیکھر واپس لوٹیں گے۔ یہی آپ نہ لوٹیں گے تو راجیہ میں کھرام بچ جائے گا اور سارا دوش اور کلنگ میرے سر پر رکھا جائے گا۔

رام چندر نے اثر دیا۔ بھتا جن دھنوں کو پورا کرنے کے لیے پتا جی نے اپنے پران تیاگ دیے اسے پورا کرنا میرا دھرم ہے۔ انھیں اپنا دھن اپنے پران سے بھی ادھک پر یہ تھا۔ اس آسمیا کا پالین میں نہ کروں، تو سنسار میں کون سا منہ دکھاؤں گا۔ تمہیں بھی ان کی آسمیا مان کر راجیہ کرنا چاہیے۔ میں چودہ ورش دتیت ہونے کے بعد ہی ایودھیا میں پیر رکھوں گا۔

بھرت نے بہت پرارتنا دتی کی۔ گرد و ششٹھ اور پرتیشٹھ ویکیتوں نے رام چندر کو خوب سمجھایا، کتھو وہ ایودھیا چلنے پر کسی پرکار سمیت نہ ہوئے۔ جب بھرت نے رو کر کہا۔ بھیا! یہی آپ کا بیکہ نرنے ہے تو وڈش ہو کر ہم کو بھی ماننا ہی پڑے گا۔ کتھو آپ مجھے اپنی کھڑاؤں دے دیجیے۔ آج سے یہ کھڑاؤں ہی راج سنہاسن پر دراجے گی۔ ہم سب آپ کے چاکر ہوں گے۔ جب تک آپ لوٹ کر نہ آئیں گے، ابھاگا بھرت بھی آپ ہی کے سان سادھوؤں سا جیون دتیت کرے گا۔ کتھو چودہ ورش بیت جانے پر بھی آپ نہ آئے، تو میں آگ میں جل مروں گا۔

یہ کہہ کر بھرت نے رام چندر کے کھڑاؤں کو سر پر رکھا اور وداع ہوئے۔ رام چندر نے کوشلیا اور سحرا کے پیروں پر سر رکھ دیا اور انھیں بہت ڈھاؤں دے کر وداع کیا۔ کیکنی لجا سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ رام چندر جب اس کے چروں میں جھکے، تو کیکنی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رام چندر کی بٹا اور نرمنا نے سدھ کر دیا کہ رام پر اس کا سندھیہ انوچت تھا۔

جب سب لوگ نندی گرام پہنچے، تو بھرت نے منتریوں سے کہا۔ آپ لوگ ایودھیا جائیں میں چودہ ورش تک اسی پرکار اس گاؤں میں رہوں گا۔ راجا رام چندر کے سنہاسن پر بیٹھ کر اپنا پرلوک نہ بگاڑوں گا۔ جب آپ کو کسی سمجھ میں مجھ سے پرامرش کرنے کی اوشیکھا ہو تو میرے پاس چلے آئیے گا۔

بھرت کی یہ بٹا اور اُدارتا دیکھ کر لوگ آٹھریہ میں آگئے۔ ایسا کون ہوگا یوں ملتے ہوئے راجیہ کو ٹھکرا کر الگ ہو جائے۔ لوگوں نے چاہا، کہ بھرت ایودھیا چل کر راج کریں،

کفو بھرت نے وہاں جانے سے بچھڑا سہتی پرکٹ کر دی۔ ایک کوی نے ٹھیک کہا ہے کہ
 بھرت جیسا بچن پتر اتھن کر کے کیلکی نے اپنے سارے دوشوں پر دھول ڈال دی۔
 آخر سب راتیاں شتر و گھن اور ایدھیا کے لوہی، بھرت کو وہیں چھوڑ کر ایدھیا چلے
 گئے۔ شتر و گھن منتریوں کی سہایا سے راج کاج سنبھالے تھے اور بھرت نندی گاؤں میں بیٹھے
 ہوئے ان کی مگرانی کرتے رہتے تھے۔ اس پر کار چودہ ورش بیت گئے۔

بن کاٹ

دنڈک۔ بن

بھرت کے چلے آنے کے بعد رام چندر نے بھی جڑ کوٹ سے چلے جانے کا نچنے کر لیا۔ انھیں دھار ہوا کہ اودھیا کے نواسی وہاں برابر آتے جاتے رہیں گے اور ان کے آنے جانے سے یہاں کے رشیوں کو کشت ہوگا۔ تینوں آدمی گھومتے ہوئے اتری منی کے پاس پہنچے۔ اتری المنور پراہت ایک وردھ تھے۔ ان کی جتنی انسویا بھی بڑی بدھی متی استری تھی۔ انھوں نے سیتا جی کو استریوں کے کر تو یہ سمجھائے اور بڑا شکار کیا۔ تینوں آدمی یہاں کئی مہینوں رہ کر دنڈک بن کی اور چلے۔ اس بن میں اچھے اچھے رشی رہتے تھے۔ رام چندر ان کے درشن کرنا چاہتے تھے۔

دنڈک بن میں وردھ نامک ایک بڑا اتیاچاری راجا تھا۔ اس کے اتیاچار سے سارا مگر اجاڑ ہو گیا تھا۔ اس کی صورت بہت ڈراونی تھی اور ڈیل پہاڑ کا سا تھا۔ وہ رات دن مدرا پی کر بیہوش پڑا رہتا۔ پلہ کی کلا میں وہ اتنا دھس تھا کہ سادھارن استریوں سے اسے ماننا آسمو تھا۔ رام، سیتا اور بھمن اس بن میں تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وردھ کی درشنی ان پر پڑی۔ اسے سند یہ ہوا کہ اوشیہ یہ لوگ اس استری کو ہمگا کر لائے ہیں۔ اٹھتا دو پردشوں کے چ ایک استری کیوں ہوتی پھر یہ دونوں آدمی سادھوؤں کے ہمیش میں ہو کر بھی ہاتھ میں دھنس اور بان لیے ہوئے ہیں۔ نکٹ آکر بولا۔ تم دونوں آدمی مجھے دراچاری معلوم ہوتے ہو۔ تم نے یاتریوں کو لوٹنے کے لیے ہی سادھوؤں کا ہمیش دھارن کیا ہے۔ اب کشل اسی میں ہے کہ تم دونوں اس استری کو مجھے دے دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اٹھتا مار ڈالوں گا۔

رام چندر نے کہا۔ ہم دونوں کوشل کے مہاراج راجا دھرتھ کے ہتر ہیں اور یہ ہماری جتنی ہے۔ تم نے یدی پھر اس پر کار دھرھا سے بات کی تو میں تمہیں جیوت نہ چھوڑوں گا۔

ورادہ نے ہنس کر کہا۔ تم جیسے دو کیا سو پچاس بھی میرے سامنے آجائیں تو مار ڈالوں۔ سنبھل جاؤ اب میں وار کرتا ہوں۔

رام چندر نے کئی بان چلائے پر ورادہ کے شریر پر اس کا کوئی پر ہمار نہ ہوا۔ تب تو رام چندر بہت گھبرائے۔ شیر بھی ان کا بان کھا کر گر پڑتے تھے۔ کفو اس راہنمیں پر ان کا تنک بھی پر ہمار نہ ہوا۔ یہ گھٹنا ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ جب دونوں بھائیوں نے تلوار نکالی اور ورادہ پر ٹوٹ پڑے۔ کفو تلوار کے گھاؤں کا بھی اس پر کچھ پر ہمار نہ ہوا۔ اس نے ایسی تپیا کی تھی کہ اس کا شریر لوہے کے سان کڑا اور ٹھوس ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ چپ چاپ کھڑا تلوار کے گھاؤ کھاتا رہا۔ تب ایک ایک ہنرور سے گر جا اور دونوں بھائیوں کو کندھے پر لے کر بھاگا۔ سیتا جی رونے لگیں کفو رام اور ہنمیں ان کے کندھے پر بیٹھ کر تلوار چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ورادہ کی دونوں بانہیں کٹ کر بھوی پر گر پڑیں تب دونوں بھائی بھی دھرتی پر کود پڑے۔ ورادہ بھی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

ورادہ کا ودھ کر کے تینوں آدمی آگے بڑھے۔ اس سے رشی مگن سنسار منہ موڑ کر بنوں میں تپیا کر رہے تھے۔ بن کے پھل اور کند مول ان کا بھوجن اور بیڑوں کی چھال پوشاک تھی۔ کسی جمونپڑے میں یا کسی بیڑ کے نیچے وہ ایک مرگ چھالا بچا کر پڑے رہتے تھے۔ دھن اور دھن کو وہ لوگ نیکے سان ٹچھ سمجھتے تھے۔ سننوش اور سرلتا ہی ان کا سب سے بڑا دھن تھا۔ وہ بڑے بڑے راہاؤں کی بھی چٹا نہ کرتے تھے۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے تھے۔ شاریک آکا کھماؤں کے چکر میں نہ پڑ کر اپنا من اور مستھک بودھک اور دھارک باتوں کے سوچنے میں لگاتے تھے۔ ان بنوں میں بسنے والے اور جنگلی پھل کھانے والے پردشوں نے جو گزنتھ لکھے۔ انہیں پڑھ کر آج بھی بڑے بڑے ودانوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دھک ون میں کتنے ہی رشی رہتے تھے۔ تینوں آدمی ایک ایک دو دو مینے ایک رشی کی شرن میں رہتے اور ان سے گیان کی باتیں سیکھتے تھے۔ اس پرکار دھک بن گھومتے ہوئے انہیں کئی ورش بیت گئے۔ آخر وہ لوگ آگستہ منی کے آشرم میں پہنچے۔ یہ مہاتما اور سب رشیوں سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ وہ کیول رشی ہی نہ تھے یدھ کی کلا میں بھی دیکھ تھے۔ کئی بڑے بڑے راگھسوں کا ودھ کر چکے تھے۔ رام چندر کو دیکھ کر بہت پرسن ہوئے اور کئی مینے تک اپنے یہاں آتھمی رکھا۔ جب رام چندر یہاں سے چلنے لگے تو آگستہ رشی نے انہیں

ایک ایسا آلو لگ کرش دیا، جس کے تیر کبھی ساہت ہی نہ ہوتے تھے۔
 رام چندر نے پوچھا۔ مہاراج، آپ تو اس بن سے بھلی پرکار پر ہیچ ہوں گے۔
 ہمیں کوئی ایسا استھان بتائیے، جہاں ہم لوگ آرام سے رہ کر بنواس کے شیش دن پورے
 کر لیں۔

آکسیر نے بچوٹی کی بڑی پرھنسا کی۔ یہ استھان زندا ندی کے کنارے استھت
 تھا۔ یہاں کی جلوایو اچھی تھی کہ نہ جاڑے میں کڑا جاڑا زیادہ پڑتا تھا نہ گرمی میں کڑی گرمی۔
 پہاڑیاں بارہوں ماس ہریالی سے لہراتی رہتی تھیں تینوں آدمیوں نے اس استھان پر جا کر رہنے
 کا نچے کیا۔

پنچوٹی

کئی دن کے بعد تینوں آدمی پنچوٹی جا پہنچے۔ جیسی پرھنسا سنی تھی، اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ نرمدا کے دونوں اور اونچی اونچی پہاڑیاں پھولوں سے لدی ہوئی کھڑی تھیں۔ ندی کے نزل جل میں ہنس اور ہلکے تیرا کرتے تھے۔ کنارے ہرنوں کا سواہ پانی پینے آتا تھا اور خوب کلیں کرتا تھا۔ جنگل میں سوراخا کرتے تھے۔ وایوں اتنی سوچ اور اسورتی دایک تھی کہ روگی بھی سوسٹھ ہو جاتا تھا۔ وہ استھان تینوں آدمیوں کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے ایک جھونپڑا بنایا اور سکھ سے رہنے لگے۔ دن کو پہاڑیوں کی سیر کرتے، پر کرتی کے ہردے گراہک درشیوں کا آند اٹھاتے، چڑیوں کے گانے سنتے اور جنگلی پھل کھا کر کئی میں سو رہتے۔ اس پر کار کئی مہینے بیت گئے۔

بچ دوٹی سے تھوڑی ہی دور پر راکھسوں کی ایک بستی تھی۔ ان کے دو سردار تھے۔ ایک کا نام تھا کھر اور دوسرے کا دوشن۔ لٹکا کے راجا راون کی ایک بہن سورپنکھا وہیں رہتی تھی۔ یہ لوگ لوٹ مار کر جیون وقیت کرتے تھے۔

ایک دن رام چندر اور سیتا جیل کے نیچے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ادھر سے سورپنکھا نکل۔ ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر اسے آٹھر یہ ہوا کہ یہ کون لوگ یہاں آگئے! ایسے سندر معیہ اس نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہ تھی تو کالی کلوتی اتھت گروپ کٹھو اپنے کو پری سمجھتی تھی۔ اس لیے اب تک وواہ نہیں کیا تھا کیونکہ راکھوں سے وواہ کرنا ایسے روچیکر نہ تھا۔ رام چندر کو دیکھ کر پھولی نہ سائی۔ کچھ دنوں بعد اسے اپنے جوڑ کا ایک یووک دکھائی دیا۔ نکٹ آکر بولی۔ تم لوگ کس دلش کے واسی ہو؟ تم جیسے آدمی تو میں نے کبھی نہیں دیکھے۔

رام چندر نے کہا۔ ہم لوگ ایودھیا کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے پتائی ایودھیا راجا تھے۔ آج کل ہمارے بھائی راجیہ کرتے ہیں۔

شورپنکھا۔ بس، تب تو ساری بات بن گئی۔ میں بھی راجا کی لڑکی ہوں۔ میرا بھائی راون لٹکا میں راجیہ کرتا ہے۔ بس ہمارا تمھارا اچھا جوڑ ہے۔ میں تمھارے ہی جیسا پتی ڈھوڑ رہی تھی، تم اچھے ملے، اب مجھ سے وواہ کرلو۔ تمھارا سو بھاگیہ ہے کہ مجھ جیسی سندی تم سے

وداہ کرنا چاہتی ہے۔

رام چندر نے دیکھ سے جواب دیا۔ اوشیہ میرا سو بھائیہ ہے۔ تمہاری جیسی پری تو اندر لوک میں بھی نہ ہوگی۔ میرا جی تو تم سے وداہ کرنے کے لیے دیا کل ہے کٹھن کھٹائی یہ ہے کہ میرا وداہ ہو چکا ہے اور یہ استری میری بھتیجی ہے۔ یہ تم سے جھگڑا کرے گی۔ اور ہاں جو وہ سامنے میرا چھوٹا بھائی بیٹا ہوا ہے، وہ اکیلا ہے۔ اس کی بھتیجی ساتھ میں نہیں ہے۔ وہ چاہے تو تم سے وداہ کر سکتا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ تمہارا سوندریہ دیکھ کر وہ موہت ہو جائے گا۔ وہی تمہارے یوگیہ بھی ہے۔

شور پٹکھا۔ اس استری کی تم ادھک چتا نہ کرو۔ میں اسے ابھی مار ڈالوں گی۔ یہ تمہارے یوگیہ نہیں ہے۔ مجھ جیسی استری پھر نہ پاؤ گے۔ میری اور تمہاری جوڑی اب شور نے اپنے ہاتھ سے بٹائی ہے۔

رام چندر۔ نہیں، تم بھول کرتی ہو۔ میں تو تمہارے یوگیہ ہوں ہی نہیں۔ بھلا کہاں میں اور کہاں تم۔ تمہارے یوگیہ تو میرا بھائی ہے، جو آپو میں مجھ سے چھوٹا ہے اور مجھ سے ادھک دیر ہے۔

شور پٹکھا پٹھمن کے پاس مہنی اور بولی۔ میں ایک اویٹھکلیا دوش ادھر آئی تھی۔ تمہارے بھائی رام چندر کی درشتی مجھ پر پڑ گئی تو وہ مجھ پر آسکت ہو گئے اور مجھ سے وداہ کرنے کی اچھا کی۔ پر میں ایسے پرش سے وداہ کرنا پسند نہ کیا، جس کی بھتیجی موجود ہے۔ میرے یوگیہ تو تم ہو۔ نکھ میری اور دیکھو۔ ایسے کوئلے کا سا دمکنا ہوا رنگ تم نے اور کہیں دیکھا ہے؟ میری ناک بالکل چلم کی سی ہے اور ہونٹ کتنے سندرتا سے نیچے لٹکے ہوئے ہیں۔ تمہارا سو بھائیہ ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھ سے وداہ کرلو۔

پٹھمن نے مسکرا کر کہا۔ ہاں اس میں تو سند یہ نہیں کہ تمہارا سوندریہ انو پیم ہے اور میں ہوں بھی بھائیہاں کہ مجھ سے تم وداہ کرنے کو پرستوت ہو پر میں رام چندر کا چھوٹا بھائی اور چاکر ہوں۔ تم میری بھتیجی ہو جاؤ گی تو تمہیں سیتا جی کی سیوا کرنی پڑے گی۔ تم رانی بننے یوگیہ ہو جا کر بھائی صاحب ہی سے کہو۔ وہی تم سے وداہ کریں گے۔

شور پٹکھا پھر رام کے پاس مہنی، کٹھن وہاں پھر وہی اثر ملا کہ تمہارے یوگیہ پٹھمن ہے انہیں کے پاس جاؤ۔ اس پر کار اسے دونوں ہاتھوں ٹالتے رہے۔ جب اسے دشواں ہو گیا

کہ یہاں میری کامنا پوری نہ ہوگی تو منہ بنا بنا کر گالیاں بکتے لگی اور سیتا جی سے لڑائی کرنے پر سترہ ہو گئی۔ اس کی دھٹلا دیکھ کر لکھمن کو کرودھ آگیا، انھوں نے شورپ کھانے کی ناک کاٹ لی اور کانوں کا بھی صفایا کر دیا۔

اب کیا تھا شور بچکانے وہ ہائے ہائے چائی کہ دنیا سر پر اٹھالی۔ تینوں آدمیوں کو گالیاں دیتی روتی جلتی وہ کھر اور دوشن کے پاس پہنچی اور اپنے ایمان اور اپرکھا کی ساری کھان کہہ سنائی۔ بھیا، دلوں بھائی بڑے دشت ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی دلوں مجھ پر بری درشنی ڈالنے لگے اور مجھ سے وداد کرنے کے لیے زور دینے لگے۔ کبھی بڑا بھائی اپنی اور کھنچتا تھا، کبھی چھوٹا بھائی۔ جب میں اس پر سہمت نہ ہوئی تو دلوں نے ناک کان کاٹ لیے۔ تمھارے رہتے میری یہ درگتی ہوئی۔ اب میں کس کے پاس شکایت لے کر جاؤں؟ جب تک ان کے سر میرے سامنے نہ آجائیں گے۔ میرے لیے ان جل بعدہ ہے۔

کھر اور دشن یہ حال سن کر کرودھ سے پاگل ہو گئے۔ اسی سے اپنی سینا کو تیار ہو جانے کا آدیش دیا۔ دم کے دم میں چودہ ہزار آدی رام اور لکھمن کو اس کھٹا کا ڈنڈ دینے چلے۔ آگے آگے کئی شور بچکا روتی چلی جا رہی تھی۔

رام چندر نے جب رام لکھمنوں کی یہ سینا آتے دیکھی، تو لکھمن کو سیتا جی کی رکھا کے لیے چھوڑ کر آپ ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ رام لکھمنوں نے آتے ہی تیروں کی بوچھاڑ کرنی پر آمہہ کر دی۔ کھنہ رام چندر کے بانوں کے سٹکھ ان کی کیا چلتی۔ سب کے سب ایک ساتھ تیر تو چھوڑ ہی نہ سکتے تھے۔ پہلے چٹکتی کے لوگ تیر چھوڑتے۔ رام چندر ایک ہی تیر سے ان کے سب تیروں کو کاٹ دیتے تھے۔ جس پر کار رانفل کے سامنے توڑے دار بندوق بے کام ہے اسی پر کار راما چندر کے اگنی بانوں کا سٹکھ رام لکھمنوں کے بان بیکار ہو گئے۔

ایک ایک بار میں سیکڑوں کا صفایا ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر رام لکھمنوں کا سامس ٹوٹ گیا۔ ساری سینا تتر بتر ہو گئی۔ سندھیا ہوتے ہوتے وہاں ایک رام لکھمن بھی نہ رہا۔ کیول مرت شریر دن جھیر میں پڑے تھے۔

کھر اور دشن نے جب دیکھا کہ چودہ ہزار رام لکھمنوں کی سینا بات کی بات میں نٹ ہو گئی تو انھیں دشواش ہو گیا کہ رام اور لکھمن بڑے ویر ہیں۔ ان پر وجہ پانا سرل

نہیں۔ اپنے پورے بل سے ان پر اکرمٰن کرنا پڑے گا۔ یہ دُچار بھی تھا کہ یدِی ہم لوگ ان دونوں آدمیوں کو نہ جیت سکے تو ہماری کتنی بدنامی ہوگی۔ بڑے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔ رات بھر میں کئی ہزار سیکوں کی ایک جٹی ہوئی سینا تیار ہوگئی۔ ان کے پاس موسل، بھالے، دھن، بان، گدا، پھرے، تلوار، ڈٹے سبھی پرکار کے استر تھے۔ کتو سب پرانے ڈھنگ کے۔ یدھ کی کلا سے بھی وہ اوگت نہ تھے۔ بس ایک ساتھ دوڑ پڑنا جانتے تھے۔ سیکوں کا کرم کس پرکار ہونا چاہیے، اس کا انھیں لیش ماتر بھی گیان نہ تھا سب سے بڑی خرابی تھی کہ وہ سب شرابی تھے۔ شراب پی پی کر بھکتے تھے۔ کتو جی دیرتا ان میں نام کو بھی نہ تھی۔

سویرے رام چندر جی اٹھے تو راکھسوں کی سینا آتے دیکھی۔ آج کا یدھ کل سے ادھک بھیڑیں ہوگا یہ انھیں گیات تھا۔ سینا جی کو انھوں نے ایک ٹمبا میں چھپادیا اور دونوں آدمی پہاڑ کے اوپر چڑھ کر راکھسوں پر تیر چلانے لگے۔ ان کے تیر اوپر سے بجلی کی طرح گرتے تھے اور ایک ساتھ سیکڑوں کو دھرا شائی کر دیتے تھے۔ کمر اور دوشن اپنی سینا کو لٹکارتے تھے، بڑھاوا دیتے تھے، کتو ان اچوک تیروں کے سامنے سینا کے کلیجے دہل اٹھتے تھے۔ رام اور ٹمبھمن پر ان کے دانوں لیش ماتر بھی پر بھاؤ نہ ہوتا تھا، کیونکہ دونوں بھائی پہاڑ کے اوپر تھے۔ وہ اتنے دیگ سے تیر چلاتے تھے کہ گیات ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں بجلی کا دیگ آسمان پر۔ تیر کب ترکش سے ٹکتا تھا، کب دھن پر چڑھتا تھا کب چھوٹا تھا یہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پھر آکسیہ رشی کا دیا ہوا ترکش بھی تو تھا، جس کے تیر کبھی سہاوت نہ ہوتے تھے۔ پھل یہ ہوا کہ راکھسوں کے پاؤں اکڑ گئے۔ سینا میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اب کیول کمر اور دوشن میدان میں رہ گئے۔ یہ دونوں سامسی اور دیر تھے۔ انھوں نے بڑی دیر تک رام اور ٹمبھمن کا سامنا کیا کتو آخر ان کی موت بھی آئی گئی۔ دونوں مارے گئے۔ اکیلی شور پٹکھا اپنے بھائیوں کی مرتیو پر دلاپ کرنے کو بیج رہی۔

ہرن کا شکار

شور پنگھا کے دو بھائی تو مارے گئے۔ کتو ابھی دو اور شیش تھے ان میں سے لکا دلش کا راجا تھا۔ اس سے میں دشمن میں لکا سے ادھک بلوان اور بسا ہوا کوئی راجہ نہ تھا۔ راون بھی رانمکس تھا، کتو بڑا ودوان۔ شاستروں کا پنڈت، اس کے دھن کی کوئی سیما نہ تھی۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے، لکا شہر کا مگر کوٹ سونے کا بنا ہوا تھا۔ ویاپار کا بازار گرم تھا۔ ودھیا، کلا اور کوشل کی خوب چرچا تھی اور وہاں کی کارگیری انوپم تھی۔ کتو جیسا پرایہ ہوتا ہے، دھن اور سامراجیہ نے راون کو دھمی، اتیاچاری اور دشت بنادیا تھا۔ ودوان اور گنی ہونے پر بھی وہ برے سے برے کام کرنے سے بھی نہ ہچکتا تھا۔ شور پنگھا روٹی پٹتی اس کے پاس پہنچی اور چھاتی پیٹنے لگی۔

راون نے اس کی یہ بری دشا دیکھی تو آٹھریہ سے بولا۔ کیا ہے شور پنگھا، کیا بات ہے؟ تیری یہ دشا کیسے ہوئی؟ یہ تیری ناک کیا ہوئی؟ اس پرکار سے روکیوں رہی ہے؟ شور پنگھا نے آنسو پونچھ کر کہا۔ بھیا میری حالت کیا پوچھتے ہو؟ میری جو درگتی ہوئی ہے، وہ ساتویں شتروں کی بھی نہ ہو۔ بچ وٹی میں دو تپسوی ایودھیا سے آکر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ دونوں راجا دھرتھ کے پتر ہیں۔ ایک کا نام رام ہے، دوسرے کا بھمن۔ رام کی جتنی سیتا بھی ان کے ساتھ ہے۔ ان لوگوں نے میری ناک اور کان کاٹ لیے۔ جب کھر اور دشن اس کا ڈنڈ دینے کے لیے سینا لے کر گئے تو ساری سینا کا ودھ کر دیا۔ ایک آدی بھی جیوت نہ بچا۔ بھیا! تمہارے چچتے جی میری یہ دشا۔

رام اور بھمن کا نام سن کر راون کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بھی سیتا سویمبر میں شملت ہوا تھا اور جس دھن کو وہ ہلا بھی نہ سکا تھا، اسی کو رام کے ہاتھوں ٹوٹنے دیکھ چکا تھا۔ سیتا کا روپ بھی وہ دیکھ دیکھ چکا تھا۔ اس کی یاد ابھی تک اس کو بھولی نہ تھی۔ من میں سوچنے لگا، یدی ان بھائیوں کو کسی پرکار مار سکوں تو سیتا ہاتھ آجائے۔ کتو اس وچار کو چھپا کر بولا۔ ہائے تو نے یہ کیسا سماچار سنایا میرے دونوں دیہ بھائی مارے گئے؟ ایک رانمکس بھی جیوت نہ بچا؟ وہ دونوں لڑکے آفت کے پرکالے معلوم ہوتے ہیں۔ کتو تو سنتوش کر، دونوں کو اس پرکار

ماروں گا کہ وہ بھی سمجھیں گے کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔ وہ کہتے ہی دیر ہوں راون کا ایک سنگھٹ ان کا انت کر دینے کے لیے پریا پت ہے۔ میرے لیے یہ ڈوب مرنے کی بات ہے کہ میرے بہن کا اتنا زار ہو، میرے بھائی مارے جائیں اور میں بیٹھا رہوں۔ آج ہی انھیں ڈھ دینے کی چٹا کرتا ہوں۔

شور پکھا بولی۔ بھیا۔ دونوں بڑے ڈشٹ ہیں۔ مجھ سے بلات وداہ کرنا چاہتے تھے۔ کتھو بھلا میں انھیں کب وچار میں لاتی تھی۔ جب میں انھیں ڈکار کر چلی، تو چھوٹے بھائی نے یہ شرارت کی۔ بھیا، اس کا بدلا کیوں یہی ہے کہ دونوں بھائی مارے جائیں۔ پورا بدلا جیسی ہوگا جب سیتا جی کا بھی ویسا ہی انداز اور درگتی ہو جیسی انھوں نے میری کی ہے۔ کیا کہوں بھیا سیتا کتنی سندر ہے! بس یہی سمجھ لو کہ چاند کا سا کھڑا ہے۔ الٹور نے اسے تھمارے لیے بنایا ہے۔ رام اس کے ٹوکیہ نہیں ہے۔ اس اشیہ پرواہ کرنا۔

راون نے بہن کو سناٹوتا دی اور اسی سے مارچ ٹاک رامکھس کا بلا کر کہا۔ لب اپنا کچھ کوشل دکھاؤ۔ بہت دنوں سے بیٹھے بیٹھے دیرتھ مفت کا دیتن لے رہے ہو۔ رام اور کھمن بچ وٹی میں آئے ہوئے ہیں۔ دونوں نے شور پکھا کی ناک کاٹ لی ہے۔ کھر اور وٹن کا مار ڈالا ہے اور سارے رامکھسوں کو ٹھٹ کر دیا ہے۔ ان دونوں سے ان کے گھرموں کا بدلا لینا ہے۔ تھلاؤ، میرے کچھ سہایتا کرو گے؟

مارچ وہی رامکھس تھا، جو دشواہتر کا یک اپتر کرنے گیا تھا اور رام چدر کا ایک بان کھا کر بھاگا تھا۔ تب سے وہ یہیں پڑا تھا۔ رام چدر نے اس کا پرانا دیکھیہ تھا۔ یہ خبر سن کر بارغ بارغ ہو گیا۔ بولا۔ آپ کی سہایتا کرنے کو تن اور پران سے پرستوت ہوں۔ اب کی ان سے دشواگھٹ کی لڑائی لڑوں گا اور پرانا ہر چکاؤں گا۔ ایسا چکا دوں گا کہ ایک بوند رکت بھی نہ گرے اور دونوں بھائی مارے جائیں۔

راون۔ بس، ایسی کوئی کیتی سوچو کہ سچا میرے ہاتھ لگ جائے پھر دونوں بھائیوں کو مارنا کون کٹھن کام رہ جائے گا۔

مارچ۔ ایسا تو نہ کہیے مہاراج! دیرتا میں دونوں جوڑ نہیں رکھتے۔ میں ان کے لڑکھن کی دیرتا دیکھ چکا ہوں۔ دونوں ایک سینا کے لیے پریا پت ہیں۔ ابھی ان سے مدد کرنا اچت نہیں۔ معاملہ بڑھ جائے گا اور سیتا کو کھن چھپا دیں گے۔ میں ایسی کیتی بتا دیتا ہوں کہ سیتا

آپ کے گھر میں آجائیں اور دونوں بھائیوں کو خبر بھی نہ ہو اور کچھ پتہ بھی نہ چلے کہ کہاں گئی۔ آخر تلاش کرتے کرتے نراش ہو کر بیٹھے رہیں گے۔

راون کا کھ کھل اٹھا۔ متر پر امزش تو تم بہت اچت دیتے ہو۔ یہ میں بھی چاہتا ہوں۔ یدی کام بنا لڑائی جھگڑے کے ہو جائے، تو کیا کہنا۔ آہو پر منت تمہارا کر تکیہ رہوں گا۔ آج ہی تمہاری وردی کردوں اور پد بھی بڑھا دوں۔ بھلا تاؤ تو کیا یکتی سوچی ہے؟

مارچ۔ بتلاتا ہوں، کلتو راجن سے بڑا بھاری پڑسکار لوں گا۔ آپ جانتے ہی ہیں صورت بدلنے میں میں کتنا کشل ہوں۔ ایسے سندھ ہرن کا ہمیشہ ہالوں، جیسا کسی نے نہ دیکھا ہو گلابی رنگ ہوگا، اس پر سنہرے دسے سار شریر ہیرے کے سان چمکتا ہوا۔ بس جا کر رام چندر کی کٹی کے سامنے کلاچیں بھرنے لگوں گا۔ دونوں بھائی دیکھتے ہی مجھے پکڑنے دوڑیں گے۔ میں بھاگوں گا، دونوں میرا پیچھا کریں گے۔ جس سے سیتا اکیلی رہ جائے اس سے آپ جا کر اسے اٹھا لیجیے گا۔ تمھوڑی دور پر آپ کا رتھ کھڑا رہے گا سیتا کو رتھ پر بیٹھا کر گھوڑوں کو ہوا کر دیجیے گا۔ رام جب آئیں گے تو سیتا کو نہ پا کر ادھر ادھر تلاش کریں گے، پھر نراش ہو کر کسی اور چل دیں گے یو لیے کیسی یکتی ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

راون نے مارچ کی بہت پر ہنسا کی اور دوں سیتا کو ہر لینے کی تیاریوں کرنے لگے۔

جمل

تیسرے پہر کا سہ تھا۔ رام اور سیتا کئی کے سامنے بیٹے باتیں کر رہے تھے کہ ایک ایک ایک ہیچ سندھ ہرن سامنے کو لیلیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اتنا سندھ اور اتنے موہک رنگ کا تھا کہ سیتا اسے دیکھ کر سمجھ گئیں۔ ایسا پرہیت ہوتا تھا کہ اس ہرن کے شریر میں ہیرے چنبے ہوئے ہیں۔ رام چندر سے بولیں دیکھیے کیا سندھ ہرن ہے!

بھگمن کو اس سے وچار آیا کہ ہرن اس روپ رنگ کا نہیں ہوتا ادھیہ۔ کوئی نہ کوئی جمل ہے۔ کتھو اس سے کہ رام چندر شاید انہیں ہلکی سمجھیں منہ سے کچھ نہیں کہا۔ ہاں دل میں منار ہے تھے کہ رام چندر کے دل میں بھی یہی وچار پیدا ہو۔ رام چندر نے ہرن کو بڑی اٹسکا سے دیکھ کر کہا۔ ہاں! ہے تو بڑا سندھ۔ میں نے ایسا ہرن نہیں دیکھا۔

سیتا۔ اس کو جیوت پکڑ کر مجھے دے دیجیے۔ میں اسے پالوں گی اور اسے ابوہیا لے جاؤں گی۔ لوگ اسے دیکھ کر آجڑیہ میں آجائیں گے۔ دیکھیے کیا کلاہیں بھر رہا ہے۔ رام۔ جیوت پکڑنا تو تک ٹھن کام ہے۔

سیتا۔ چاہتی تو یہی ہوں کہ جیوت پکڑا جائے، کتھو مر بھی گیا تو اس کی مرگ شالا کتھی اتم شرنی کی ہوگی!

رام چندر دھنش اور بان لے کر چلے، تو بھگمن بھی ان کے ساتھ ہو لیے اور کچھ دور جا کر بولے۔ بھیا آپ دیرتھ پریشان ہو رہے ہیں یہ ہرن جیوت ہاتھ نہ آئے گا۔ ہاں، کہیے تو میں شکار کر لاؤں۔

رام۔ اس لیے تو میں نے تم سے نہیں کہا۔ میں جانتا تھا کہ قصیں کرودھ آجائے گا، تیر چلا دو گے تم سیتا کے پاس بیٹھو، وہ اکیلی ہیں۔ میں ابھی اسے جیوت پکڑے لاتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے رام چندر ہرن کے پیچھے دوڑے، بھگمن کو اور کچھ کہنے کا اوسر نہ ملا۔ دوش ہو کر سیتا جی کے پاس لوٹ آئے۔ ادھر ہرن کبھی رام چندر کے سامنے آجاتا کبھی جوں

کی آڑ میں ہو جاتا کبھی اتنے سمیپ آ جاتا کہ مانو اب تھک گیا ہے بھر، ایسا ایک چھلانگ مار کر دور نکل جاتا، اس پر کار وہ بھلاوے دیتا ہوا رام چندر کو بہت دور لے گیا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گئے، اور انھیں دشا اس ہو گیا کہ ہرن جیوت ہاتھ نہ آئے گا۔ مارچ بھاگا تو جاتا تھا، کتو ٹھمن کے نہ آنے سے اس کی بیکٹی سہل نہ ہوتی نہ دکتی تھی۔ جب تک سیتا جی اکیلی نہ ہوں گی راون انھیں ہر کیسے سکے گا؟ یہ سوچ کر اس نے کئی بار زور سے چلا کر کہا۔ ہائے ٹھمن! ہائے سیتا!

رام چندر کا کلیجہ دھڑک اٹھا۔ سمجھ گئے کچھ مجھے دھوکا ہوا۔ یہ بناوٹی ہرن ہے ہی اوشیہ کسی راکھس نے یہ بھیش بنایا ہے۔ وہ اس لیے ٹھمن کا نام لے کر پکار رہا ہے کہ ٹھمن بھی دوڑ آئیں اور سیتا اکیلی رہ جائیں۔ یہ دھار آتے ہیں انھوں نے ہرن کو جیوت پکڑنے کا دھار چھوڑ دیا۔ ایسا نشانہ مارا کہ پہلے ہی دار میں ہرن گر پڑا۔ کتو وہ نزدیکی مرنے سے پہلے اپنا کام کر چکا تھا۔ رام چندر تو دوڑے ہوئے کئی بکٹی اور آرہے تھے کہ کہیں ٹھمن سیتا کو چھوڑ کر چلے نہ آرہے ہوں، ادھر جو سیتا جی نے ہائے ٹھمن! اور ہائے سیتا! کی پکار سنی، تو ان کا رکت خٹھا ہو گیا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ یہ تو پیارے رام کی آواز ہے۔ اوشیہ شتر نے انھیں گھائل کر دیا ہے۔ روکر ٹھمن سے پولیس مجھے تو ایسا بھئے ہوتا ہے کہ یہ سواری ہی کی آواز ہے۔ اوشیہ ان پر کوئی بڑی دھچی آئی ہے، اٹھا تھیں کیوں پکارتے؟ لپک کر دیکھو تو کیا ماجرا ہے! میرا تو کلیجہ دھک دھک کر رہا ہے۔ دوڑے ہی جاؤ ٹھمن نے بھی یہ آواز سنی اور وہ سمجھ گئے کہ کسی راکھس نے جھل کیا ہے۔ ایسی دشا میں وہ سیتا کو اکیلا چھوڑ کر کب جانا سہن کر سکتے تھے بولے۔ بھائی صاحب کی اُور سے آپ نچھت رہے۔ جس نے چودہ ہزار راکھسوں کا انت کر دیا، اسے کس کا بچے ہو سکتا ہے؟ بھیتا ہرن کو لیے آتے ہی ہوں گے آپ کو اکیلی چھوڑ کر نہ جاؤں گا۔ بھائی صاحب نے اس وشے میں خوب چیتا دیا تھا۔ سیتا نے کرودھ سے کہا۔ میری تھیں کیوں اتنی چتا سوار ہے! کیا مجھے کوئی شیر یا بھیڑیا کھائے جاتا ہے؟ اوشیہ سواری پر کوئی دھچی آئی ہے اور تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہو۔ کیا یہی بھائی کا پیرام ہے، جس پر تھیں اتنا گھمنڈ ہے؟

ٹھمن کچھ کھن ہو کر بولے۔ میں نے کبھی بھائی کے پریم کا گھمنڈ نہیں کیا۔ میں ہوں کس پیریم۔ میں تو کیول ان کی سیداکنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے چلتے چلتے مجھے چیتا دینی

دی تھی کہ یہاں سے کہیں نہ جانا۔ اس لیے مجھے جانے میں سوچ و چار ہو رہا ہے۔ میں آپ کو دھواں دلاتا ہوں کہ بھائی صاحب کا کوئی بال بھی باٹکا نہیں کر سکتا۔ ان کے دھنش اور بان کے سنگھ کس کا ساماں ہے، جو ٹھہر سکے! آپ دیکھ اتنا ڈر رہی ہیں۔

سیتا جی نے منہ پھیر کر کہا۔ میں تمہارا سا ہردے کہاں سے لاؤں، جو ان کی آواز سن کر بھی نچھٹتا سے بیٹھی رہوں؟ بچ کہا ہے۔ نہ بھائی سا دوست نہ بھائی سا دشمن۔ میں تمہیں اپنا سہا یک اور سچا دوست سمجھتی تھی۔ کتو اب مکیات ہوا کہ تم بھی لکینی سے سدھے بندھے ہو۔ پھر تمہیں یہاں سے جاتے ہوئے مجھے ہو رہا ہے کہ کہیں کسی شتر و سے سامنا نہ ہو جائے۔ میں تمہیں نہ اتنا کرنگھن سمجھتی تھی اور نہ اتنا ڈرپوک۔

یہ طعنہ بان کے سان گھمن کے ہردے میں چھ گیا۔ انھیں رام سے سچا بھرا تر پریم تھا اور سیتا جی کو بھی وہ ماما کے سان سمجھتے تھے۔ وہ رام چندر کے ایک سنگیت پر جان دینے کو تیار تھے۔ جہاں رام کا پینا گرے، وہ وہاں رکت بہانے میں ذرا بھی کھید نہ کرتے انھیں بھئے تھا کہ کہیں میری اتھستھیتی میں سیتا جی پر کوئی وچچی نہ آجائے اگر کوئی رانگھس آکر انھیں چھیڑنے لگا تو میں بھیا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اس سے جب رام چندر مجھ سے پوچھیں گے کہ تم میری آگیا کے وردھ سیتا کو اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے تو میں کیا جواب دوں گا۔ کتو جب سیتا جی نے انھیں کرنگھن، ڈرپوک اور دھوکے باز بنادیا تب انھیں اس کے سوا کوئی چارا نہ رہا کہ رام کی کھوج میں جائیں۔ انھوں نے دھنش اور بان اٹھالیا اور دکھیت ہو کر بولے بھابھی جی! آپ نے اس سے جو باتیں کہیں ان کی مجھے آپ سے آشنا نہ تھی۔ ایٹور نہ کرے وہ دن آئے کتو اوسر آئے گا تو میں دکھا دوں گا کہ بھائی کے لیے بھائی کیسے جان دیتا ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ بھیا کسی خطرے میں نہیں، کتو چونکہ آپ کی آگیا ہے اس کا پالن کرتا ہوں۔ اس کا اثر دلتو آپ کے اوپر ہے۔

سیتا کا ہراجانا

یہ کہہ کر لکھمن تو چل دیے۔ راون نے جب دیکھا کہ میدان خالی ہے تو اس نے ایک ہاتھ میں چٹا اٹھایا دوسرے ہاتھ میں کنڈل لیا اور نارائن! نارائن! کرتا ہوا سیتا جی کی کئی تک آپہنچا۔ سیتا جی نے دیکھا کہ ایک جٹا دھاری مہاتما ڈوار پر آئے ہیں، باہر نکل آئی اور مہاتما کو پرنام کر کے بولی۔ کیسے مہاراج کہاں سے آتا ہوا۔

راون نے آشیرود دے کر کہا۔ ماما، سادھو سنتوں کا تیرتھ یاترا کے سوا اور کیا کام ہے۔ بدری ناتھ کی یاترا کرنے جا رہا ہوں، یہاں تمہارا آشرم دیکھ کر چلا آیا۔ کتو یہ تو بتلاؤ کے تم کون ہو اور یہاں کیسے آپڑی ہو؟ تمہاری جیسی سندری کسی مہاراجا کے رتواس میں رہنے لگی ہے۔ تم اس جنگل میں کہاں سے آگئیں؟ میں نے تمہارا جیسا سندر یہ کہیں نہیں دیکھا۔

سیتا نے لٹا سے سر جھکا کر کہا۔ مہاراج ہم لوگ وچتی کے مارے ہوئے ہیں۔ میں مٹھلا پوری کے راجا جگ کی پٹری اور کوشل کے مہاراجا دھرتھ کی پتر دھو ہوں۔ کتو بھاگیہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ آج جنگلوں کی خاک چھان رہی ہوں۔ دھنیہ بھاگیہ ہیں کہ آپ کے درشن ہوئے آج یہیں دھرام کیجیے۔ آگیا ہو تو کچھ جل پان کے لیے لاؤں۔

راون۔ تو بڑی دیاوان ہے ماما۔ لا جو کچھ ہو، کھلا دے۔ المٹور تیرا کلیان کرے۔ سیتا جی نے ایک پٹل میں کندمول رکھے اور کچھ پھل رکھے اور راون کے سامنے لائیں۔ راون نے پٹل لے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، تو پٹل کے بدلے سیتا ہی کو گود میں اٹھا کر اپنے رتھ کی اور دوڑا اور ایک چھن میں انھیں رتھ میں بیٹھا کر گھوڑے کو ہوا کر دیا۔ سیتا جی مارے بھے مڑھمت ہو گئیں۔ اب چیتنا جاگی تو دیکھا کہ میں رتھ میں بیٹھی ہوں اور وہ مہاتما رتھ کو دوڑائے لیے جا رہا ہے چلا کر بولی۔ بابا جی، تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو۔ المٹور کے لیے بتلاؤ تو۔ سادھوں کے ہمیش میں کون ہو!۔

راون نے ہنس کر کہا۔ بتلا ہی دوں۔ لٹکا کا المٹور یہ شالی راجا راون میں ہی ہوں۔

تھماری یہ موٹی صورت دیکھ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ اب تم رام کو بھول جاؤ اور ان کی جگہ مجھے ہی اپنا بچہ سمجھو۔ تم لٹکا کے راجا کے یگیہ ہو، بھکاری رام کے یگیہ نہیں۔

سیتا جی کو مانو گولی لگس گئی۔ آہ! مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ بھمن کو بلات رام کے پاس بھیج دیا۔ وہ شہد بھی اسی رامبھن کا تھا ہائے بھمن انت تک مجھے چھوڑ کر جانا سوچا کرتا رہا۔ کٹھن میں نے نہ مانا۔ ہائے کیا گیمات تھا کہ بھاگیہ یوں میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ دونوں بھائی کئی میں جا کر مجھے نہ پائیں گے، تو ان کی کیا دشا ہوگی؟

یہ سوچتے ہوئے سیتا جی نے چاہا کہ رتھ پر سے کود پڑیں کٹھن راون بھی اسادھان نہ تھا۔ ترنت ان کا دھار تار گیا۔ ترنت ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ رتھ سے کودنے کا دھار نہ کرو سیتا۔ تک دیر بعد ہم لٹکا پہنچ جاتے ہیں، وہاں تمہیں سکھ اور ایشوریہ کے ایسے سامان ملیں گے کہ تم اس بین کے جیون کو بھول جاؤ گی، اس کئی کے بدلے تمہیں آسمان سے باتیں کرتا ہوا راج محل ملے گا۔ جس کا فرش چاندی کا اور دیواریں سونے کی ہوں گی۔ جہاں گلاب اور کستوری کی مہک آٹھوں پہر اٹھا کرتی ہیں، اور ایک بھکاری بچے کے بدلے وہ بچے ملے گا، جس کی اٹھا آج اس پر تھوی پر نہیں، جس کے دھن اور پر سدھی کا کوئی انومان بھی نہیں کر سکتا، جس کے دوار پر دیوتا بھی سر جھکاتے ہیں۔

سیتا نے ہمایا تک ہو کر کہا۔ بس، زبان سنبھال کپٹی رامبھن! ایک سنی کے ساتھ چھل کرتے ہوئے بچا نہیں آتی؟ اس پر ایسی ڈنگیں مار رہا ہے! اپنا بھلا چاہتا ہے تو رتھ پر سے اتار دے۔ اٹھا یاد رکھ رام چھر تیرا اور تیرے سارے وٹس کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ کوئی تیرے نام کا رونے والا بھی نہ رہے گا۔ لٹکا جن بین ہو جائے گی۔ تیرے لپٹھوریہ شالی پر اسادوں میں گیدڑ اپنے مان بتائیں گے اور الو بیرا لیں گے۔ تو ابھی رام اور بھمن کے کردہ کو نہیں جانتا۔ کمر اور دوشن تیرا ہی بھائی تھے، جن کی چودہ ہزار سینا دونوں بھائیوں نے بات کی بات میں ٹھٹھ کر دی۔ شور بکھا بھی تیری ہی بہن تھی، جو اپنا سان ہتھیل پر لیے پھرتی ہے۔ تجھے لاج بھی نہیں آتی! اپنی جان کا دشمن نہ بن۔ اپنے اور اپنے وٹس پر دیا کر۔ مجھے جانے دے۔

راون نے ہنس کر کہا۔ اسی شور بکھا کے زراد اور کمر اور دوشن کے رکت کا بدلا لینے کے لیے ہی میں تمہیں لیے جا رہا ہوں۔ تمہیں یاد نہ ہوگا میں بھی تمہارے سیویمر میں سہلت

ہوا تھا، کٹو ایک چھوٹے سے دھنسل کو توڑنا اپنی مریادا کے وردھ سمجھ کر لوٹ آیا تھا۔ میں نے
 قصیں اسی سے دیکھا تھا۔ اسی سے تمھاری پیاری پیاری صورت میرے ہر دے پر انگٹ
 ہوگئی ہے۔ میرا سوہاگیا قصیں یہاں لایا ہے۔ اب قصیں نہیں چھوڑ سکتا۔ تمھارے ہت میں
 بھی یہی اچھا ہے کہ رام کو بھول جاؤ اور میرے ساتھ سکھ سے جیون کا آئندہ اٹھاؤ۔ مجھے تم
 سے جتنا پریم ہے اس کا تم انومان نہیں کر سکتیں۔ میری پیاری جتنی بن کر تم ساری لنکا کی رانی
 بن جاؤ گی۔ قصیں کسی بات کی کمی نہ رہے گی۔ ساری لنکا تمھاری سیوا کرے گی اور لنکا کا
 راجا تمھارے چرن دھو دھو کر پئے گا۔ اس بن میں ایک بھکاری کے ساتھ رہ کر کیوں اپنا
 روپ اور بیون نفٹ کر رہی ہو؟ میرے اوپر نہ سہی اپنے اوپر دیا کرو۔

سیتا جی نے جب دیکھا کہ اس اتیا چاری پر کرودھ کا کوئی پر بھاد نہیں ہوا اور یہ رتھ
 کو بھگائے لیے جاتا ہے، تو انونے دے کرنے لگیں تم اتنے بڑے راجا ہو کر بھی دھرم کا لیش
 ماتر دچار نہیں کرتے! میں نے سنا ہے کہ تم بڑے دودان اور شیوجی کے بھکت ہو اور تمھارے
 پتا پرستہ رشی تھے۔ کیا تم کو مجھ پر تک بھی دیا نہیں آتی؟ یدی یہ تمھارا دچار ہے کہ میں تمھارا
 راج پاٹ دیکھ کر پھول انھوں گی، تو تمھارا دچار سر دھتا مٹھیا ہے۔ رام چندر کے ساتھ میرا
 دواہ ہوا ہے۔ چاہے سور یہ پورب کے بدلے چٹم سے لکھ، چاہے پروت اپنے استھان سے
 مل جائے، پر میں دھرم کے مارگ سے نہیں ہٹ سکتی۔ تم درپتھ کیوں اتنا بڑا پاپ اپنے سر
 لیتے ہو۔

جب اس انونے کا بھی راون پر کچھ پر بھاد نہ ہوا، تو سیتا ہائے رام! ہائے رام! کہہ
 کر زور زور سے رونے لگیں۔ سنیوگ سے اسی آس پاس کے پردیش میں جٹایو نام کا ایک
 سادھو رہتا تھا۔ وہ رام چندر کے ساتھ پرایہ بیٹھتا تھا اور ان پر سچا دھواں رکھتا تھا۔ اس نے
 جب رتھ پر سیتا کو رام کا نام لیتے سنا، تو اسے سند یہ ہوا کہ کوئی راکھس سیتا کو لیے جاتا
 ہے، استر لے کر رتھ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور لکار کر بولا۔ تو کون ہے اور سیتا جی کو
 کہاں لیے جاتا ہے؟ ترنت رتھ روک لے، دھوا وہ لٹھ ماروں گا کہ سمجھا کل پڑے گا۔

راون اس سے لڑنا تو نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے رام اور بھمن کے آجانے کا بھی
 تھا، کٹو جب جٹایو مارگ میں کھڑا ہو گیا، تو اسے دوش ہو کر رتھ روکنا پڑا۔ گھوڑوں کی ہاگ
 کھینچ لی اور بولا۔ کیا شامت آئی ہے، جو مجھ سے جھیز چھاڑ کرتا ہے! میں لنکا کا راجا راون

ہوں۔ میری دیرتا کے ساہار تو نے سنے ہوں گے! اپنا بھلا چاہتا ہے تو راستے سے ہٹ جا۔
جٹایو۔ تو سیتا کو کہاں لیے جاتا ہے؟

راون۔ رام نے میری بہن کی پرکشٹا نفٹ کی ہے، اسی کا یہ بدلا ہے۔
جٹایو۔ یدی اہمان کا بدلا لینا تھا، تو مردوں کی طرح سامنے کیوں نہ آیا؟ معلوم ہوا
کہ توجہ اور کھٹی ہے؟ ابھی سیتا کو دھ پر سے اتار دے۔

راون بڑا ملی تھا۔ وہ بھلا بھارے جٹایو کی دھمکیوں کو کب بھلا دھیان میں لاتا تھا۔
لڑنے کو پرستوت ہوا۔ جٹایو کزور تھا۔ کتو جان پر کھیل گیا۔ بڑی دیر تک راون سے لڑتا رہا۔
یہاں تک کہ اس کا سمست شریر گھاؤں سے چھلنی ہو گیا۔ تب وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور
راون نے پھم گھوڑے بڑھا دیے۔

ادھر ٹھمن کنیا سے چلے تو، کتو دل میں پچھتا رہے تھے کہ کہیں سیتا پر کوئی آفت
آئی؟ تو میں رام کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ جیوہی جیوں آگے بڑھتے تھے، ان کی ہمت جواب دے
جاتی تھی۔ ایک ایک رام چندر دکھائی دیے۔ ٹھمن نے آگے بڑھ کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ کیا
آپ نے مجھے بلایا تھا؟

رام نے اس بات کا کوئی اثر نہ دے کر کہا۔ کیا تم سیتا کو اکیلی چھوڑ کر چلے آئے؟
غضب کیا۔ یہ ہرن نہ تھا۔ مارچ رامکس تھا۔ ہمیں دھوکا دینے کے لیے اس نے یہ بھیس بدلا
تھا، اور حصیں دھوکا دینے کے لیے میرا نام لے کر چلایا تھا۔ کیا تم نے میری آواز بھی نہ
پچپانی؟ میں نے تو حصیں آگیا دی تھی کہ سیتا کو اکیلی نہ چھوڑنا۔ مارچ کی کتھ کی کام کر گئی۔
اوشیہ۔ بیتل پر کوئی دچچی آئی۔ تم نے برا کیا۔

ٹھمن نے سر جھکا کر کہا۔ بھابھی نے مجھے بلات بھیج دیا۔ میں تو آتا ہی نہ تھا، پر
جب طعنہ دینے لگیں تو کیا کرتا!

رام نے ٹھمن درشتی سے دیکھ کر کہا۔ تم نے ان کے طعنوں پر دھیان دیا، کتو
میرے آدیش کا دھار نہ کیا۔ میں تو حصیں اتنا بدھی جن نہ سمجھتا تھا۔ اچھا چلو دیکھیں، بھابھی
میں کیا لکھا ہے۔

دونوں بھائی لپکے ہوئے اپنی کٹی پر آئے۔ دیکھا تو سیتا کا کہیں پہنچیں۔ دونوں کے
ہوش اڑ گئے۔ وکل ہو کر ادھر ادھر چاروں طرف دوڑ دوڑ کر سیتا کو ڈھونڈنے لگے۔ ان بیڑوں

کے نیچے جہاں پرایہ مور ناچتے تھے، عدوی کے کنارے جہاں ہرن کلبلیں کرتے تھے، سب کہیں چمان ڈالا، کھوکھیں کوئی چہ نہ ملا۔ لکھمن تو کئی کے دوڑ پر بیٹھ کر زور زور سے چیخ کر دھاڑے مار مار کر رونے لگے، کھو رام چندر کی دشا پاگلوں کی سی ہوگئی۔

سبھی دیکھوں سے پوچھتے، تم نے سیتا کو تو نہیں دیکھا؟ جڑیوں کے پیچھے دوڑتے اور پوچھتے، تم نے میری سیتا کو دیکھا ہو تو بتادو، گھواوں میں جا کر چلائے۔ کہاں گئی؟ سیتا کہاں گئی، مجھ ابھائے کو چھوڑ کر کہاں گئی؟ ہوا کے جھوکوں سے پوچھتے۔ تم کو بھی میری سیتا کی کچھ خبر نہیں! سیتا جی مجھے تینوں لوگ سے ادھک پر یہ تھی، جس کے ساتھ یہ بن بھی میرے لیے اپون بنا ہوا تھا، یہ کئی راج پرساد کو بھی بھت کرتی تھی، وہ میری پیاری سیتا کہاں چلی گئی۔

اس پرکار دیا گھٹنا کی دشا میں وہ بڑھتے چلے جاتے تھے۔ لکھمن ان کی دشا دیکھ کر اور بھی گھبراہٹ ہوئے تھے۔ رام چندر کی دشا ایسی تھی کہ مانو سیتا کے دیوگ میں جیوت نہ رہ سکے گئیں۔ لکھمن روتے تھے کہ لکھنی کے سریدی بنواس کا ابھوگ لگا تو میرے سرستیاناش کا ابھوگ آئے گا۔ یدی رام چندر کو سنبھالنے کی چٹا نہ ہوتی، تو سمجھو وہ اسی سے اپنے جیون کا انت کر دیتے۔ ایک ایک ایک درکھ کے نیچے جٹایو کو پڑے کراہتے دیکھ کر رام چندر رک گئے، بولے۔ جٹایو یہ تمہاری کیا دشا ہے؟ کس اتیا چاری نے تمہاری یہ گت بنا ڈالی؟

جٹایو رام چندر کو دیکھ کر بولا۔ آپ آگئے؟ بس اتنی ہی کامنا تھی، ابھا اب تک پران نکل گیا ہوتا۔ سیتا جی کو لٹکا کا رانکھس راون ہر لے گیا ہے۔ میں نے چاہا کہ ان کو اس کے ہاتھ سے چھین لوں۔ اسی کے ساتھ لڑنے میں میری یہ دشا ہوگئی۔ آہ! بڑی پیڑا ہو رہی ہے۔ اب چلا۔

رام نے جٹایو کا سراپنی گود میں رکھ لیا۔ لکھمن دوڑ کے پانی لاتے اور اس کا منہ تر کرتے۔ کھو اتنے میں جٹایو کے پران نکل گئے۔ اس بن میں ایک سہایک تھا وہ بھی مر گیا۔ رام کو اس کے مرنے کا بہت کھید ہوا۔ بہت دیر تک اس کے نشیر ان شریر کو گود میں لیے روتے رہے۔ ایشور سے بار بار یہی پراعتنا کرتے تھے کہ اسے سورگ میں سب سے اچھی جگہ دیجیے گا، کیونکہ اس دیر نے ایک دکھاری کو سہایا میں پران دیے ہیں۔ اور اوچھ کی سہایا کے لیے راون جیسے ہلی پرش کے سٹھ جانے سے بھی نہ سمجھکا۔ یہی مترتا کا دھرم ہے۔ یہی

مغیہ کا دھرم ہے۔ دیر جنا ہو کا نام اس سے تک جیوت رہے گا، جب تک رام کا نام جیوت رہے گا۔

نعمان نے ادھر ادھر سے لکڑی بٹور کر چتا تیار کی، رام چندر نے مرت شریہ اس پر رکھا، اور وید منترؤں کا پانٹھ کرتے ہوئے اس کی داہ کریا کی۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ اب انھیں سینا کا پھل مل گیا تھا، اس بات کی دیا کھتا نہ تھی کہ سینا کہاں گئی۔ یہ چتا تھی کہ راؤن سے سینا کو کیسے چھین لینا چاہیے۔ اس کام کے لیے سہایکوں کی آؤٹھیکا تھی۔ بہت بڑی سینا تیار کرنی پڑے گی۔ لٹکا پر آکر من کرنا پڑے گا۔ یہ چتا تھے پیدا ہوگئی تھیں۔ چلتے چلتے سورج ڈوب گیا۔ رام کو اب کسی بات کی سدھی نہ تھی۔ کتو نعمان کو یہ دھار ہو رہا تھا کہ رات کہاں کاٹی جائے۔ نہ کوئی گاؤں دکھائی دیتا تھا، نہ رشی کا آشرم۔ اسی چتا میں تھے کہ سامنے درکشوں کے چچ میں ایک جموہڑی دکھائی دی۔ دونوں آدمی اس جموہڑی کی اور چلے۔ یہ جموہڑی ایک بھیلی کی تھی جس کا نام شبری تھا۔ اسے جو گیات ہوا کہ یہ دونوں بھائی ابو دھیا کے راجا دھرتھ کے پتر ہیں تو مارے خوشی کے پھولی نہ سائی بولی۔ دھنیہ میرے بھائیہ کہ آپ لوگ میری جموہڑی تک آئے۔ آپ کے چڑوں سے میری جموہڑی پوتر ہوگئی۔ رات بھر یہیں دھرام کیجیے۔ یہ کہہ کر وہ جنگل میں گئی اور تازے پھل توڑ لائی۔ کچھ جنگلی بھرتے۔ کچھ کروندے، کچھ شریہ۔ شبری خوب ریلے، اور کچے ہوئے پھل ہی جن رہی تھی۔ اس سے سے کہ کوئی کھانا نہ نکل جائے، وہ پرایہ پھلوں کو کتر کر ان کا سواد لے لیتی۔ بھیلی کیا جانتی تھی کہ جموٹی چیز کھانے کے یوگیہ نہیں رہتی۔ اس پر کار وہ ایک ٹوکری پھلوں سے بھر لائی اور کھانے کو انورودھ کرنے لگی۔ اس سے دکھ کے مارے ان کا جی کچھ کھانے کو تو نہ چاہتا تھا، کتو شبری کا شکار سو یار تھا۔ وہ کتنے پریم سے جنگل سے پھل لائی ہے، اس کا دھار تو کرنا ہی پڑے گا۔ جب پھل کھانے آرمھ کیے تو کوئی کوئی پھل کترے ہوئے دکھائی دیے، کتو دونوں بھائیوں نے پھلوں کو اور بھی پریم سے کھایا، مانو وہ جو شے تھے، کتو ان میں پریم کا رس بھرا ہوا تھا۔ دونوں بھائی بیٹھے پھل کھا رہے تھے اور شبری کھڑی پٹکھا جھل رہی تھی۔ اسے یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں میرے پھل کھئے اور کچے نہ نکل آئیں۔ تو یہ لوگ بھوکے رہ جائیں گے۔ شاید مجھے گھڑکیاں بھی دیں۔ راجا ہیں ہی، کیا ٹھکانا کتو ان لوگوں نے خوب بکھان بکھان کے پھل کھائے، تو اسے مانو سورگ کا ٹھکانا مل گیا۔

دونوں بھائیوں نے رات وہیں وقیف کی پرانہ شہری سے وداع ہو کر آگے بڑھے۔

ادھر راون رتھ کو بھاگتا ہوا پنچاسر پہاڑ کے کٹ پہنچا، تو سیتا جی نے دیکھا کہ پہاڑ پر کئی بندروں کی سی صورت والے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیتا جی نے وہاں کیا کہ رام جی اوشیہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے اوشیہ ادھر آئیں گے۔ اس لیے انھوں نے اپنے کئی آجوشن اور چادر رتھ کے نیچے ڈال دیے کہ سمجھو ان لوگوں کی نظر ان چیزوں پر پڑ جائے اور وہ رام چندر کو میرا پتہ بتا سکیں۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہوگا کہ سیتا جی کی اس کھلتا سے رام چندر کو ان کا پتہ لگانے میں بڑی سہایا ملی۔

لنکا پہنچ کر راون نے سیتا جی کو اپنے محل باغ خزانے، سینائے سب دکھائیں وہ سمجھتا تھا کہ میرے المشوریے اور دھن کو دیکھ کر سیتا جی لالچ میں پڑ جائیں گی۔ اس کا محل کتنا سندر تھا۔ اپون کتنے غنا بھرام تھے، سینائیں اسٹکھ اور نئے نئے استر شستروں سے کتنی بھی ہوئی تھیں کوش کتنا اسیم تھا، اس میں کتنے ہیرے جواہر بھرے ہوئے تھے! کتو سیتا جی پر اس سینا کا بھی کچھ پرہماؤ نہ ہوا۔ انھیں دھواں تھا کہ رام چندر کے بانوں کے آگے یہ سینائیں کدانی نہ ٹھہر سکیں گی۔ جب راون نے دیکھا کہ سیتا نے میرے اس ٹھاٹ باٹ کی تنکے برابر بھی پرواہ نہ کی تو بولا۔ تم اب بھی میرے بل کا انومان نہیں ہوا؟ کیا تم اب بھی سمجھتی ہو کہ رام چندر تمہیں میرے ہاتھوں سے چھڑا لے جائیں گے؟ اس وچار کو من سے نکال ڈالو۔

سیتا جی نے گھربا کی درشتی سے اس کی اُور دیکھ کر کہا۔ اس وچار کو میں ہردے سے کسی پرکار نہیں نکال سکتی، رام چندر اوشیہ مجھے لے جائیں گے اور تجھے اس دھٹکا اور پتھا کا مرا بھی چکھائیں گے۔ تیری ساری سینا، تیرا سارا دھن اور سارے استر شستر سب دھرے کے دھرے رہے جائیں گے۔ ان کے ہان مرتیو کے ہان ہیں تو ان سے نہ بچ سکے گا۔ وہ آن کی آن میں تیری یہ سونے کی لنکا راہ اور کالی کردیں گے۔ تیرے دیش میں کوئی دپک جلانے والا نہ رہ جائے گا۔ یدی تجھے پانے جیون سے پریم ہے، تو مجھے ان کے پاس پہنچا دے اور ان کے چروں پر غمرا سے گر کر اپنی دھرہا کی چھما مانگ لے۔ وہ بڑے دیالو ہیں، تجھے چھما کر دیں گے، کتو یدی تو اپنی دھٹکا سے باز نہ آیا، تو تیرا ستیا ناش ہو جائے گا۔

راون کروڑھ سے جل اٹھا۔ محل کے سمپ ہی اشوک وایکا نام کا ایک اپون تھا، راون نے سیتا جی کو وہیں ٹھہرا دیا۔ اور کئی راہنسی استریوں کو اس کے لیے نیوکت کر دیا تاکہ

وہ بیٹا کو ستائیں اور ہر ہکار کشت پہنچا کر اُمیں اس کی اور آکر شٹ کرنے کے لیے دوش کریں، اوسر پا کر اس کی پر ہسسا سے بھی بیٹا جی کو آکر شٹ کریں۔ یہ پر بندھ کر کے وہ تو چلا گیا، کٹھو راہمسی استریاں تھوڑے ہی دنوں میں بیٹا جی کی نیکی اور سچپنا اور بچی کا سچا پریم دیکھ کر ان سے پریم کرنے لگ گئیں اور اُمیں کشت پہنچانے کے بدلے ہر طرح کا آرام دیئے گئیں۔ وہ بیٹا جی کو آشا سن بھی دیتی رہتی تھیں۔ ہاں، جب راون آجاتا تھا تو اسے دکھانے کے لیے بیٹا پر دو چار ٹھوکیاں جمادیتی تھیں۔

کشفِ حاکم

سیتا جی کی کھوج

رام اور لکشمی سیتا کی کھوج میں پروت اور بنوں کی خاک چھاننے چلے جاتے تھے کہ سامنے ریشہ موک پہاڑ دکھائی دیا۔ اس کی چوٹی پر شگرو اپنے کچھ نعلیادان ساتھیوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ منٹل کشفِ حاکم کے راجا بالی کا چھوٹا بھائی تھا۔ بالی نے ایک بات پر اسسکت ہو کر اسے راجہ سے نکال دیا تھا اور اس کی پتی تارا کو چھین لیا تھا۔ شگرو بھاگ کر اس پہاڑ پر چلا گیا اور یہی وہ چھپ کر رہتا تھا، پھر بھی اسے یہ ہنکا بنی رہتی تھی کہ کہیں بالی اس کا پتہ نہ لگا لے اور اسے مارنے کے لیے کسی کو بھیج دے۔ اس نے رام اور لکشمی کو دھنل اور بان لیے جاتے دیکھا، تو پران سوکھ گئے۔ دھار آیا کہ ہونہ ہو بالی نے ان دونوں دیر یوکوں کو مجھے مارنے بھیجا ہے۔ اپنے آگیا کاری متر بنومان سے بولا۔ بھائی مجھے ان دونوں آدمیوں سے بچے لگتا ہے۔ بالی نے انھیں مجھے مارنے کے لیے بھیجا ہے۔ اب بتاؤ کہاں جا کر چھپوں؟

بنومان شگرو کے بچے جیسی تھے۔ اس نزدعتا میں اور سب ساتھیوں نے شگرو سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس کی بات بھی نہ پوچھتے تھے، کتنو بنومان بڑے بدھیمان تھے اور جاننے تھے کہ سچا متر وہی ہے جو سکت میں ساتھ دے۔ اچھے دنوں میں تو شتروں بھی متر بن جاتے ہیں۔ انھوں نے شگرو کو سمجھایا۔ آپ اتنا ڈرتے کیوں ہو۔ مجھے ان دونوں آدمیوں کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بچن اور دیالو ہیں۔ میں ابھی ان کے پاس جا کر ان کا حال چال پوچھتا ہوں۔ یہ کہہ کر بنومان نے ایک براہمن کا بھیش بتایا، ماتھے پر تلک لگایا جینیو پہنا، پوتھی بغل میں دہائی اور لاٹھی ٹپکتے ہوئے رام چندر کے پاس جا کر بولے۔ آپ لوگ یہاں کہاں آرہے ہیں؟ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ پردیسی ہیں اور سمکھو آپ کا کوئی ساتھی کھو گیا ہے۔

رام چندر نے کہا۔ ہاں دیوتا جی! آپ کا دھار ٹھیک ہے۔ ہم لوگ پردہسی ہیں اور بھاگیہ کے کارن یہاں بنوں میں بھگ رہے ہیں۔ اس پر نئی دھاتی یہ پڑی، کہ کوئی میری سیتا کو اٹھا کر لے گیا۔ اس کی کھوج میں ادھر آکھلے۔ دیکھو ابھی کہاں کہاں ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

ہنومان نے سہانہ بھوتی پورن بھاء سے کہا۔ مہاراج گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ایودھیا کے راجیکار ہیں، تو ہم آپ کے سیوک ہیں میرے ساتھ پہاڑ پر چلیے یہاں راجا سگریو رہتے ہیں۔ انھیں بالی نے کھنڈھا پوری سے نکال دیا ہے۔ بڑے ہی نیک اور جتن پرش ہیں۔ یدی ان سے آپ کی مترتا ہوگئی، تو بڑی ہی سرتا سے آپ کا کام نکل جائے گا۔ وہ چاروں طرف اپنے آدی بھیج کر پتہ لگائیں گے اور جیوں ہی پتہ ملا، اپنی دشال سینا لے کر مہارانی جی کو چھڑلا لائیں گے۔ انھیں اپنا سیوک سمجھیے۔

رام نے پچھن سے کہا۔ مجھے تو یہ آدی ہردئے سے نکلیٹ اور جتن معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ کون جانے، سگریو سے ہی ہمارا کام نکلے۔ چلوں تک سگریو سے بھی مل لیں۔

دونوں بھائی ہنومان کے ساتھ پہاڑ پر پہنچے۔ سگریو نے دوڑ کر ان کی ابھیر تھنا کی اور لا کر اپنے برابر سنبھاسن پر بیٹھایا۔

ہنومان نے کہا۔ آج بڑا شہ دن ہے کہ ایودھیا کے دھرماتما رام کشیکندھا پوری کے راجا سگریو کے اتتھی ہوئے ہیں۔ آج دونوں مل کر اتنے بلوان ہو جائیں گے کہ کوئی سامنا نہ کر سکے گا۔ آپ کی دشال ایک سی ہے اور آپ دونوں کو ایک دوسرے کی سہایتا کی آدھیکتا ہے۔ راجا سگریو مہارانی سیتا کی کھوج کریں گے اور مہاراج رام چندر بالی کو مار کر سگریو کو راجا بنائیں گے اور رانی تارا کو واپس دلادیں گے۔ اس لیے آپ دونوں اگنی کو سانشی بنا کر پرن لیجیے کہ سدا ایک دوسرے کی سہایتا کرتے رہیں گے۔ چاہے اس میں کتنا ہی سکت ہو۔

آگ جلائی گئی۔ رام اور سگریو اس کے سامنے بیٹھے اور ایک دوسرے کی سہایتا کرنے کا نچے اور پرن کیا۔ پھر بات ہونے لگی۔ سگریو نے پوچھا۔ آپ کو گیات ہے کہ سیتا جی کو کون اٹھا لے گیا؟ یدی اس کا نام گیات ہو جائے، تو سمجھوتہ میں سیتا جی کا آسانی سے پتہ لگا سکوں گا۔

رام نے کہا۔ یہ تو جٹاؤ سے گیات ہو گیا ہے کہ وہ لنکا کے راجا راون کی دھٹکا ہے۔
اسی نے ہم لوگوں کو چھل کر سیتا کر ہر لیا اور اپنے رتھ پر بیٹھا کر لے گیا۔

اب سگریو کو ان آجوشنوں کی یاد آئی جو سیتا جی نے رتھ پر سے نیچے پھینکے تھے۔
اس نے ان آجوشن کو منگو کر رام چندر کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔ آپ ان آجوشنوں کو دیکھ کر پہنچایے کہ یہ آجوشن سیتا کے تو نہیں ہیں؟ کچھ سے ہوا ایک رتھ ادھر سے آرہا تھا۔ کسی استری نے اس رتھ پر سے یہ گہنے پھینک دیے تھے۔ مجھے تو پرتیت ہوتا ہے، وہ سیتا جی ہی تھیں راون انھیں لیے چلا جاتا تھا۔ جب کچھ دس نہ چلا، تو انھوں نے یہ آجوشن گرا دیے کہ شاید آپ لوگ ادھر آئیں اور ہم لوگ آپ کو ان کا پتہ بتا دیں۔

آجوشنوں کو دیکھ کر رام چندر کی آنکھوں میں آنسوں گرنے لگے۔ ایک دن وہ تھا کہ یہ گہنے سیتا جی کے تن پر شو بھا دیتے تھے۔ آج یہ پلاس پر کار مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مارے دکھ کے وہ ان گہنوں کو دیکھ نہ سکے، منہ پھیر کر بھمن سے کہا۔ بھیا، تک دیکھو تو، یہ تمھاری بھلی بھی کے آجوشن ہیں۔

بھمن نے کہا۔ بھائی صاحب، اس گلے کے ہار اور ہاتھوں کے نکلن کے دشنے میں تو کچھ نویدن نہیں کر سکتا، کیونکہ میں نے کبھی بھابھی کے چہرے کی اور دیکھنے کا ساہس نہیں کیا۔ ہاں پاؤں کے بھجھوئے اور پاؤں بھابھی ہی کے ہیں۔ میں ان کے چروں کو چھوٹے سے پرتی دن ان چیزوں کو دیکھتا رہا ہوں۔ سند یہ یہ چیزیں دیوی جی ہی کی ہیں۔

سگریو بولا۔ تو اس میں سند یہ نہیں کہ بھمن کی اور سیتا کا پتہ ملے گا۔ آپ جتنے شیکھر مجھے راجپہ دلادیں میں اتنے شیکھر آدمیوں کو وہاں بھیجے گا پر بندہ کروں۔ کتو یہ کچھ لیجے کہ بالی اتیت بلوان پرش ہے اور یدھ کے کوشل بھی خوب جانتا ہے۔ مجھے یہ سنتوش کیسے ہوگا کہ آپ اس پر وجہ پا سکیں گے۔ وہ ایک بان سے تین درکھوں کو ایک ہی ساتھ چھید ڈالتا ہے۔

پروت کے نیچے سات درکھ ایک ہی ہتکتی میں لگے ہوئے تھے۔ رام چندر نے بان کو دھنش پر لگا کر چھوڑا، تو وہ ساتوں درکھوں کو پار کرتا ہوا پھر ترکش میں آگیا۔ رام چندر کا یہ کوشل دیکھ کر سگریو کو یہ دشاں ہو گیا کہ یہ بالی کو مار سکیں گے۔ دوسرے دن اس نے ہتھیار ساجے اور بڑی ویرتا سے بالی کے سامنے جاکر بولا۔ او اتیاداری! باہر نکل آ آج میری اور

تیری اتم بارڈیکیز ہو جائے۔ تو نے مجھے اکاران ہی راجہ سے نکال دیا ہے۔ آج تجھے اس کا مزا چکھاؤں گا۔

بالی نے کئی بار سگریو کو پچھاڑ دیا تھا۔ پر ہر بار تارا کے سفارش کرنے سے اسے چھوڑ دیا تھا۔ یہ لکار سن کر رودھ سے لال ہو گیا اور بولا۔ معلوم ہوتا ہے تیرا کال آگیا ہے۔ کیوں دیر تمہ اپنی جان کا دشمن ہوا ہے؟ جا، چوروں کی طرح پہاڑوں پر چھپ کر بیٹھ۔ تیرے رکت سے کیا ہاتھ رنگوں۔

تارا نے بالی کو اکیلے میں بلا کر کہا۔ میں نے سنا ہے کہ سگریو نے ابودھیہا کے راجا رام چندر سے مترتا کر لی ہے۔ وہ بڑے دیر ہیں تم اس کا تھوڑا بہت بھاگ دے کر راضی کرلو۔ اس سے لڑنا اچٹ نہیں۔

کنتو بالی اپنے بل کے ابھیمان میں اندھا ہو رہا تھا۔ سگریو ایک نہیں سو راجاؤں کو اپنی سہایتا کے لیے بلا لائے، میں لیش ماتر پرواہ نہیں کرتا۔ جب میں نے راوٹ کی کچھ حقیقت نہیں سمجھی، تو رام چندر کی کیا ہستی ہے۔ میں نے سمجھا دیا ہے، کنتو وہ مجھے لڑنے پر دوش کرے گا تو اس کا در بھاگیے۔ اب کے ماری ڈالوں گا۔ سدو کے لیے جھگڑے کا انت کر دوں گا۔

بالی جب باہر آیا تو دیکھا سگریو ابھی تک کھڑا لکار رہا ہے۔ جب اس سے سہن نہ ہو سکا۔ اپنی گدا اٹھالی اور سگریو پر چھپا۔ شگریو پیچھے ہٹتا ہوا بالی کو اس استھان تک لایا، جہاں رام چندر وحش بان لیے گھات میں بیٹھے تھے۔ اسے آشتی کی کہ رام چندر بان چھوڑ کر بالی کا انت کر دیں گے۔ کنتو جب کوئی بان نہ آیا اور بالی اس پر وار کرتا ہی گیا، تب تو سگریو جان لے کر بھاگا اور پردت کی ایک گھما میں چھپ گیا۔ بالی نے بھاگے ہوئے شترو کا پچھا کرنا اپنی مریادا کے وردھ سمجھ کر مونچھوں پر تاد دیتے ہوئے گھر کا راستہ لیا۔

تھوڑی دیر کے پچھات جب رام چندر سگریو کے پاس آئے، گو وہ مجڑ کر بولا۔ واہ صاحب واہ! آپ نے تو آج میری جان ہی لے لی تھی۔ مجھ سے تو کہا کہ میں بیڑ کی آڑ سے بالی کو مار گراؤں گا ورنہ تیر کے نام ایک تنکا بھی نہ چھوڑا! جب آپ بالی سے اتنا ڈرتے تھے، تو مجھے لڑنے کے لیے بھیجا ہی کیوں تھا؟ میں بڑے آندھ سے یہاں چھپا بیٹھا تھا۔ میں نہ جانتا تھا کہ آپ وجہ سے اتنا منہ موڑنے والے ہیں۔ بھاگ نہ آتا تو اس نے آج مجھے

مار ہی ڈالا تھا۔

رام نے لبت ہو کر کہا۔ سگریو، میں اپنے دجن کو بھولا نہ تھا اور نہ ہالی سے ڈر رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ تم دونوں بھائی صورت شکل میں اتنا ملتے جلتے ہو کہ میں دور سے پہچان ہی نہ سکا کہ تم کون اور کون ہالی۔ ڈرتا تھا کہ ماروں تو ہالی کو اور تیر لگ جائے تمہیں۔ بس اتنی سی بات تھی۔ کل تم ایک مالا گلے میں پہن کر پھر اس سے لڑو۔ اس پر کار میں تمہیں پہچان جاؤں گا اور ایک بان میں ہالی کا انت کروں گا۔

دوسرے دن سگریو نے پھر جا کر ہالی کو لٹکارا۔ کل میں نے تمہیں بڑا سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ ابھی چاہتا تو چٹنی کر ڈالتا۔ مجھے آشنا تھی کہ تو میرے اس دیوہار سے کچھ نرم ہوگا اور میرے آدمے راجیہ کے ساتھ مہری جتنی کو مجھے واپس کر دے گا، کٹھو تو نے میرے دیوہار کا کوئی آدر نہ کیا۔ اس لیے آج میں پھر لڑنے آیا ہوں۔ آج فیصلہ ہی کر کے چھوڑوں گا۔

ہالی ترنت کھل آیا۔ سگریو کے ڈیک مارنے پر آج اسے بڑا کرودھ آیا۔ اس نے نیچے کر لیا تھا کہ آج اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ دونوں پھر اسی میدان میں آکر لڑنے لگے۔ ہالی نے ٹک دیو میں سگریو کو دے پٹکا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو کر چاہتا تھا کہ اس کا سر کاٹ لے کہ الٹا ایک کسی اور سے ایک ایسا تیر آکر اس کے سینے میں لگا کہ ترنت نیچے گر پڑا۔ سینے سے رو دھری دھارا بہنے لگی۔ اس کے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ تیر کس نے مارا! اس کے راجیہ میں تو کوئی ایسا پرش نہ تھا جس کے تیر میں اتنا طبع ہوتا۔

وہ اسی اسٹنچس میں پڑا چلا رہا تھا کہ رام اور بھمن وحش اور بان لیے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ہالی سمجھ گیا کہ رام چندر نے ہی اسے تیر مارا ہے۔ بولا۔ کیوں مہاراج! میں نے تو سنا تھا کہ تم بڑے دھرماتما اور دیو ہو۔ کیا تمہارے دلش میں اسی کو دیتا کہتے ہیں کہ کسی آدمی پر چھپ کر وار کیا جائے! میں نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا تھا!

رام چندر نے اتر دیا۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں مارا کہ تم میرے شترو ہو، کٹھو اس لیے کہ تم نے اپنے دلش پر اتنا چار کیا ہے، اور سگریو کی جتنی کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ ایسے آدمی کا دودھ کرنا پاپ نہیں ہے۔ تمہیں اپنے سگے بھائی کے ساتھ ایسا دیوہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم سمجھتے ہو کہ راجا سوتنر ہے، اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ راجا اسی سے تک سوتنر ہے، جب تک وہ سمجھنا اور نیائے کے مارگ پر چلا ہے۔ جب توہ نیائے کے مارگ

سے ہٹ جائے، تو پرتیک منٹس جو پریاپت مل رکھتا ہو اسے ڈنڈ دینے کا ادھکار ہے۔ اس کے اخیر کت سگریو میرا متر ہے اور متر کا شتر و میرا شتر و ہے۔ میرا کر تو یہ تھا کہ میں اپنے متر کی سہایت کروں۔

بالی کو گھانک گھاؤ لگا تھا۔ جب اسے دشا اس ہو گیا کہ میں اب کچھ نی چمنوں کا مہمان ہوں، تو اس نے اپنے پتر انگد کو بلا کر سپرد کیا اور بولا۔ سگریو اب میں اس سنار سے بدا ہو رہا ہوں۔ اس اناٹھ لڑکے کو اپنا پتر سمجھتا۔ یہی تم سے میری اتم وقتی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا، اس کا پھل پایا۔ تم سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔ جب دو بھائی لڑتے ہیں، تو دناش کے سوا در پھل کیا ہو سکتا ہے! برائیوں کو بھول جاؤ میری دُروہیہاروں کا بدلا اس اناٹھ لڑکے سے نہ لینا۔ اسے طعنے نہ دینا۔ میری دشا سے پاٹھ لو اور ستیہ کے راستے سے چلو۔ یہ کہتے کہتے بالی کے پران کل گئے۔ سگریو کشیکند حا پوری کا راجا ہوا اور انگد راجیہ کا اتر ادھکاری بنایا گیا۔ تارا پھر سگریو کی رانی ہو گئی۔

ہنومان

برسات کا موسم آیا۔ ندی نالے جمیل تالاب پانی سے بھر گئے۔ میدانوں میں ہریالی لہلہانے لگی۔ پہاڑیوں پر موروں نے شور مچانا پرارمھ کیا۔ آکاش پر کالے کالے بادل منڈلانے لگے۔ رام اور بھمن نے ساری برسات پہاڑ کی گھاٹی میں دھیت کی۔ یہاں تک کہ برسات گزر گئی اور جاڑا آیا۔ پہاڑی ندیوں کی دھارا دھبی پڑ گئی۔ کاس کے درجہ سفید پھولوں سے لد گئے۔ آکاش سُوتھ اور نیلا ہو گیا۔ چلندر کا پرکاش نکھر گیا۔ کتو سگریو نے اب تک سیتا کو ڈھونڈنے کا کوئی پر بندھ نہ کیا۔ نہ راما بھمن ہی کی سدھ لی۔ ایک سے تک وچتیاں جھیلنے کے بچت راجیہ کا سکھ پا کر دلہن میں ڈوب گیا۔ اپنا وچن یاد نہ رہا۔ انت میں رام چندر نے پرنیکشا سے نکھ آکر ایک دن بھمن سے کہا۔ دیکھتے ہو سگریو کی کرتکھٹا! جب تک بالی نہ مرا تھا تب تک تو رات دن خوشامد کیا کرتا تھا اور اب جب راجیہ مل گیا اور کسی شترو کا بھے نہ رہا تو ہماری اور سے بالکل نچھٹ ہو گیا۔ تم تک جا کر اسے ایک بار یاد تو دلاؤ۔ یدی مان جائے تو شہ، ایتھا جس بان سے بالی کو مارا اسی بان سے سگریو کا انت کردوں گل۔

بھمن ترنت کھینکدھا مگری میں پروٹھ ہوئے اور مگریو کے پاس جا کر کہا۔ کیوں صاحب! بھٹھا اور بھلمنی کے یہی ارتھ ہیں کہ جب تک اپنا سواتھ تھا، تب تک تو رات دن گھیرے رہتے تھے اور جب راجیہ ملا تو سارے وعدے بھول گئے؟ کھٹل چاہتے ہو تو فوراً اپنی سینا کو سیتا کی کھوج میں روانہ کرو۔ ایتھا پھل اچھا نہ ہوگا۔ جن ہاتھوں نے بالی کا ایک چمن میں انت کر دیا، انھیں تم کو مارنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ راستہ دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں تھک گئیں۔ کتو تمھاری نیند نہ ٹوٹی۔ تم اتنے شیل رہت اور سواتھی ہو؟ میں تمھیں ایک ماس کا سے دیتا ہوں۔ یدی اس اودھی کے اندر سیتا جی کا کوئی پتہ نہ چلا تو تمھاری کھٹل نہیں۔

سگریو کو مارے لجا کے سر اٹھانا مشکل ہو گیا۔ بھمن سے اپنی بھولوں کی چھانگی اور بولا۔ دیر بھمن میں اتھت لجت ہوں کہ اب تک اپنا وچن نہ پورا کر سکا۔ شری رام چندر نے مجھ پر جو احسان کیا اسے مرتے دم تک نہ بھول سکوں گا۔ اب تک میں راجیہ کی پریشانیوں

میں پھنسا ہوا تھا اب دل اور جان سے سیتا جی کی کھوج کروں گا۔ مجھے دشواں ہے کہ ایک مہینے میں ان کا پتہ لگ لوں گا۔

یہ کہہ کر وہ بھمن کے ساتھ رشید منوک پوت پر چلا آیا جہاں رام بھمن رجب تھے۔ اور یہیں سے سیتا جی کی تلاش کا پر بندہ کرنے لگا۔ دشواں اور پرکھا یکت آدمیوں کو جن جن کر دیش کے ہر ایک حصے میں بھیجتا شروع کیا۔ کوئی پنجاب اور قدحار کی طرف گیا، کوئی بنگال کی اور، کوئی ہمالیہ کی اور۔ ہنومان ان آدمیوں میں سب سے دیر اور انجھوی تھے۔ انہیں اس نے دشمن کی اور بھیجا۔ کیونکہ انومان تھا کہ راون سیتا کو لے کر لٹکا کی اور گیا ہوگا۔ ہنومان کی مدد کے لیے انگد، جامونت، نل، مل اتیادی دیروں کو تعینات کیا۔ رام چندر ہنومان سے بولے۔ مجھے آشا ہے کہ مھلتا کا سہرا تمہارے ہی سر ہوگا۔

ہنومان نے کہا۔ یدی آپ کا یہ آشرود ہے تو اوشیہ سھل ہوؤں گا۔ آپ مجھے کوئی ایسی نشانی دیجیے، جسے دیکھا کر میں سیتا جی کو دشواں دلا سکوں۔

رام چندر نے اپنی انگوٹھی نکال کر ہنومان کو دے دی اور بولے۔ یدی سیتا سے تمہاری ملاقات ہو، تو انہیں سمجھا کر کہنا کہ رام اور بھمن حصیں بہت فیکر چھڑانے آئیں گے۔ جس پر کار اسنے دن کا لے ہیں، اسی پر کار تھوڑے دن اور مبر کریں۔ ان کو خوب ڈھاؤں دینا کہ شوک نہ کریں۔ یہ سے کا الٹ پھیر ہے۔ نہ اس طرح رہا، نہ اس طرح رہے گا۔ یدی یہ دچپاں نہ جھیلنی ہوتیں تو ہمارا بن واس ہی کیوں ہوتا۔ راجیہ چھوڑ کر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے۔ ہر حالت میں البثور پر بھروسہ رکھنا چاہیے ہم سب اسی کی اچھا کے پتے ہیں۔

ہنومان انگوٹھی لے کر اپنے سہائیوں کے ساتھ چلے۔ کٹھوکنی دن کے بعد جب لٹکا کا کچھ ٹھیک پتا نہ چلا اور رسد کا سامان سب کا سب خرچ ہو گیا تو انگد اور ان کے کئی ساتھ واپس چلے کو تیار ہو گئے۔ انگد ان کا عیتا بن بیٹھا۔ یدی وہ سگریو کی آسمنا کا پالن کر رہا تھا، پر ابھی تک اپنے پتا کا شوک اس کے دل میں تازہ تھا۔ ایک دن اس نے کہا۔ بھائیوں، میں تو اب آگے نہیں جاسکتا نہ ہمارے پاس وہ رسد ہے، نہ یہی خبر ہے کہ ابھی لٹکا کتنی دور ہے۔ اس پر کار گھاس پات کھا کر ہم لوگ کتنے دن رہیں گے؟ مجھے تو ایسا پر تیت ہوتا ہے کہ چاچا سگریو نے ہمیں اھر اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگ بھوک پیاس سے مرجائیں اور اسے میری اور سے کوئی کھٹکا نہ رہے۔ اس کے سوائے اس کا اور کوئی ابھی پرانے نہیں۔ آپ تو وہاں آئند

سے بیٹھے راج کر رہے ہیں۔ اور ہمیں مرنے کے لیے ادھر بھیج دیا ہے۔ وہی رام چندر تو ہیں، جنہوں نے میرے پتا کو چھل سے قتل کیا۔ میں کیوں ان کی جتنی کی کھوج میں جان دوں۔ میں تو اب کھینکدھا گرجا جاتا ہوں اور آپ لوگوں کو بھی یہی صلاح دیتا ہوں۔

اور لوگ تو انگد کے ساتھ لوٹنے پر لگ بھگ پریست سے ہو گئے، کٹو ہنومان نے کہا۔ جن لوگوں کو اپنے وطن کا دھیان نہ ہو وہ لوٹ جائیں۔ میں نے تو پر ن کر لیا ہے کہ سیتا جی کا پتا لگائے بنا نہ لوٹوں گا، چاہے اس کوشش میں جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ پردشوں کی بات پر ان کے ساتھ ہے۔ وہ جو وعدہ کرتے ہیں، اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ ہم رام چندر کے ساتھ اپنے کرتویہ کا پالنہ نہ کر کے اپنی سمست جاتی کو کلبنت نہیں کر سکتے۔ آپ لوگ ہنومن کے کردہ سے ابھیکہ نہیں، میں ان کا کردہ دیکھ چکا ہوں۔ یہی آپ لوگ وعدہ پورا نہیں کر سکتے تو کبھی لپیچے کہ کھینکدھا کا راجیہ ٹھٹ ہو جائے گا۔

ہنومان کے سمجھانے کا سب کے اوپر پر بھاد ہوا۔ انگد نے دیکھا کہ میں اکیلا ہی رہ جاتا ہوں، تو اس نے بھی وپلو کا دھار چھوڑ دیا۔ ایک بار پھر سب نے مضبوط کر ہاندھی اور آگے بڑھے۔ پچھارے دن بھر ادھر ادھر بھٹکتے اور رات کو کسی گھا میں پڑے رہتے تھے۔ سیتا جی کا کچھ پتا نہ چلتا تھا۔ یہاں تک کہ بھٹکتے ہوئے ایک مینے کے قریب گزر گیا۔ راجا سگریو نے چلتے سے کہہ دیا تھا کہ یہی تم لوگ ایک مینے کے اندر سیتا جی کا پتا لگا کر نہ لوٹو گے تو میں کسی کو جیوت نہ چھوڑوں گا۔ اور یہاں یہ حال تھا کہ سیتا جی کی کچھ خبر ہی نہیں۔ سب کے سب جیون سے زراش ہو گئے۔ سمجھ گئے کہ اسی بہانے سے مرنا تھا۔ اس طرح لوٹ کر مارے جانے سے یہ کہیں اچھا ہے کہ یہیں کہیں ڈوب مریں۔

ایک دن وہی کے مارے یہ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کدھر جائیں کہ انہیں ایک یوڑھا سادھو آتا دکھائی دیا۔ بہت دنوں کے بعد ان لوگوں کو آدمی کی صورت دکھائی دی۔ سب نے دوڑ کر اسے گھیر لیا اور پوچھنے لگے۔ کیوں بابا، تم نے کہیں رانی سیتا کو دیکھا ہے، کچھ بتا سکتے ہو، وہ کہاں ہیں؟

اس سادھو کا نام سہاتی تھا۔ وہ اس جٹایو کا بھائی تھا، جس نے سیتا جی کو راون سے چھین لینے کی کوشش میں اپنی جان دی تھی۔ دونوں بھائی بہت دنوں سے الگ الگ رہتے تھے۔ بولا۔ ہاں بھائی، سیتا کو لٹکا کا راجا راون اپنے زہ پر لے گیا ہے۔ کئی پتا ہوئے،

میں نے سیتا جی کو روتے ہوئے رتھ پر جاتے دیکھا تھا۔ کیا کروں، بڑھاپے سے لاچار ہوں، ورنہ راون سے ضرور لڑتا۔ تب سے اسی فکر میں گھوم رہا ہوں کہ کوئی مل جائے تو اس سے یہ ساچار کہہ دوں۔ کون جانے کب مرتیو آجائے۔ تم لوگ خوب ملے۔ اب میں نے اپنا کرتویہ پورا کر دیا۔

ہنومان نے پوچھا۔ لٹکا کدھر ہے اور یہاں سے کتنی دور ہے، بابا؟
سہپاتی بولا۔ دھنن کی اور چلے جاؤ۔ وہاں تھیں ایک سمندر ملے گا۔ سمندر کے اس پار لٹکا ہے۔ یہاں کوئی سوکوس ہوگا۔

یہ ساچار سن کر اس دل کے لوگ بہت پرسن ہوئے۔ جیون کی کچھ آشا ہوئی۔ اسی سے چال تیز کر دی اور دو دنوں میں رات دن چل کر سوکوس کی منزل ملے کر لی۔ اب سمندر ان کے سامنے لہریں مار رہا تھا۔ چاروں اور پانی ہی پانی۔ جہاں تک نگاہ جاتی، پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ ان بھاروں نے اتنا چوڑا ند کہاں دیکھا تھا۔ کئی آدمی تو مارے بیسے کے کانپ اٹھے۔ نہ کوئی ناک تھی نہ ڈوگی۔ سمندر میں جاکیں تو کیسے جائیں۔ کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ تل اور نیل اچھے انجینئر تھے۔ مگر سمندر میں تیرنے یوگیہ ناک بتانے کے لیے نہ کوئی سامان تھا نہ سے۔ اس کے علاوہ کوئی یکتی نہ تھی کہ ان میں سے کوئی سمندر میں تیر کر لٹکا میں جائے اور سیتا جی کی خبر لائے۔ انت میں بوڑھے جامونت نے کہا۔ کیوں بھائیو، کب تک اس طرح سمندر کو سہی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے رہو گے؟ تم میں کوئی اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ سمندر کر تیر کر لٹکا تک جائے؟

انگد نے کہا۔ میں تیر کر جاسکتا ہوں۔ پر شاید لوٹ کر نہ آسکوں۔
تل نے کہا۔ میں تیر کر جاسکتا ہوں۔ پر شاید لونے وقت آدمی دور آتے آتے بے دم ہو جاؤں۔

نیل بولا۔ جا تو میں بھی سکتا ہوں اور شاید یہاں تک لوٹ بھی جاؤں۔ مگر لٹکا میں سیتا جی کا پتہ لگا سکوں اس کا مجھے دشواں نہیں۔

اس طرح سمکوں نے اپنے اپنے سانس اور بل کا انومان لگایا۔ کتھو ہنومان جی ابھی خاموش بیٹھے تھے۔ جامونت نے ان سے پوچھا۔ تم کیوں چپ ہو، بھگت جی؟ بولتے کیوں نہیں؟ کچھ تم سے بھی ہو سکے گا؟

ہنومان نے کہا۔ میں لٹکا تک حیر کر جاسکتا ہوں۔ تم لوگ یہیں بیٹھے ہوئے میری پرہیزگاری کرتے رہنا۔

جامونت نے ہنس کر کہا۔ اتنا سامس ہونے پر بھی تم اب تک چپ بیٹھے تھے۔ ہنومان نے اثر دیا۔ کیول اس لیے کہ میں اوروں کو اپنا گورو اور نیش بڑھانے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ میں بول اٹھتا تو شاید اوروں کو یہ کھید ہوتا کہ ہنومان نہ ہوتے تو میں اس کام کو پورا کر کے راجا سگریو اور راجا رام چندر دونوں کا پیارا بن جاتا۔ جب کوئی تیار نہ ہوا تو دوش ہو کر مجھے اس کام کا بیڑا اٹھانا پڑا۔ آپ لوگ نچھت ہو جائیں۔ مجھے دشواں ہے کہ میں بہت شکریہ سمجھ کر واپس آؤں گا۔

یہ کہہ کر ہنومان جی سمندر کی اُور پر دوشوچت درڑھ پگ اٹھاتے ہوئے چلے۔

سندر کاٹھ

لنکا میں ہنومان

راسکداری سے لنکا تک تیر کر جانا سرل کام نہ تھا۔ اس پر دریائی جانوروں سے بھی سامنا کرنا پڑا۔ کتو وہ ہنومان نے ہمت نہ ہاری سندھیا ہوتے ہوتے وہ اس پار جا پہنچے۔ دیکھا کہ لنکا کا مگر پہاڑ کی ایک چوٹی پر بسا ہوا ہے۔ اس کے محل آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ سڑکیں چوڑی اور صاف ہیں۔ ان پر طرح طرح کی سواریاں دوڑ رہی ہیں۔ پگ پگ پر جھٹ سپاہی کھڑے پہرا دے رہے ہیں۔ جدمر دیکھیے، ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگے ہیں۔ شہر میں ایک بھی غریب آدمی نہیں دکھائی دیتا۔ کسی کسی محل کے گلش سونے کے ہیں۔ دیواروں پر ایسی سندر چتر کاری کری گئی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سونے کی ہیں۔ ایسا جن پورن اور شری پورن مگر دیکھ کر ہنومان چکرا گئے۔ یہاں سیتا جی کا چہرہ لگانا لوہے کے چنے چبانا تھا۔ یہ تو اب معلوم ہی تھا کہ سیتا راوون کے محل میں ہوں گی۔ کتو محل میں پردیش کیسے ہو؟ نمکسہ دوار پر سنتریوں کا پہرا تھا۔ کسی سے پوچھتے تو ترنت لوگوں کو سندیدہ ہو جاتا۔ پکڑ لیے جاتے۔ سوچتے لگے، راج پر ساد کے اندر کیسے گھسوں؟ ایک ایک انہیں ایک بڑا چستار در کچھ دکھائی دیا، جس کی شاخیں محل کے اندر جھکی ہوئی تھیں۔ ہنومان پرستنا سے اچھل پڑے۔ پہاڑوں میں تو وہ پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے پہاڑوں پر چڑھنا اپنا کونسا سیکھا تھا۔ اتنی بھرتی سے بڑوں پر چڑھتے تھے کہ بند بھی دیکھ کر شرما جائے۔ پہرے داروں کی آنکھیں پھا کر ترنت اس بڑ پر چڑھ گئے اور پتوں میں چھپے رہے۔ جب آدمی رات ہوگئی اور چاروں اور سناٹا چھا گیا، راوون بھی اپنے محل میں آرام کرنے چلا گیا تو وہ دیرے سے ایک ڈال پکڑ کر محل کے اندر کود پڑے۔

محل کے اندر چمک دمک دیکھ کر ہنومان کی آنکھوں میں چکا چندہ ہوگئی۔ اسٹیک کی پار درشی بھوی تھی۔ اس پر قالوس کی کرن پڑتی تھی، تو وہ دم دم کرنے لگتی تھی۔ ہنومان نے

دبے پاؤں محلوں میں گھومتا شروع کیا۔ راون کو دیکھا، ایک سونے کے پتنگ پر پڑا سوراہا ہے۔ اس کے کمرے سے ملے ہوئے مندووری اور دوسری راتوں کے کمرے ہیں۔ مندووری کا سوندریہ دیکھ کر ہنومان کو سندیبہ ہوا کہ کہیں یہی سیتا جی نہ ہوں۔ کٹھو و چار آیا سیتا جی اس پر کار عطر اور جواہرات سے لدی ہوئی بھلا مٹھی نیند کے حرے لے سکتی ہیں؟ ایسا سمجھ نہیں۔ یہ سیتا جی نہیں ہو سکتیں۔ پر تیک محل میں انھوں نے سندر راتوں کو حرے سوتے ہوئے پایا۔ کوئی کوٹا ایسا نہ بچا، جسے انھوں نہ دیکھا ہو۔ پر سیتا جی کا کہیں نشان نہیں۔ وہ رنج و غم سے کھلی ہوئی سیتا کہیں دکھائی نہ دیں۔ ہنومان کو سندیبہ ہوا کہ کہیں راون نے سیتا جی کو مار تو نہیں ڈالا۔ جیوت ہوتیں تو کہاں جاتیں؟

ہنومان ساری رات آنکھیں میں پڑے رہے، جب سویرا ہونے لگا اور کوئے بولنے لگے، تو وہ اس پیڑ کی ڈال سے باہر نکل آئے۔ مگر اب انھیں کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی، جہاں وہ دن بھر چھپ سکیں۔ کل جب وہ وہاں آئے تو شام ہو گئی تھی۔ اندھیرے میں انھیں کسی نے انھیں دیکھا نہیں۔ مگر صبح کو ان کا لباس اور رنگ روپ دیکھ کر نچھے ہی لوگ بھڑکتے اور انھیں پکڑ لیتے۔ اس لیے ہنومان کسی ایسی جگہ کی تلاش کرنے لگے۔ جہاں وہ چھپ کر بیٹھ سکیں۔ کل سے کچھ کھایا نہ تھا۔ بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ باغ کے سوا اور مفت کے پھل کہاں ملتے۔ یہی سوچتے چلے جاتے تھے کہ کچھ دور پر ایک گھٹا باغ دکھائی دیا۔ اشوک کے بڑے بڑے پیڑ ہری ہری سندر پتیوں سے لدے کھڑے تھے۔ ہنومان نے اسی باغ میں بھوک مٹانے اور دن کاٹنے کا نچھے کیا۔ باغ میں پہنچتے ہی ایک پیڑ پر چڑھ کر پھل کھانے لگے۔

ایک ایک کئی استریوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ہنومان نے نگاہ دوڑائی تو ادھر دیکھا کہ پرم سندری استری میلے کپڑے پہنے سر کے بال کھولے، اس باغ میں بھوی کی اور تاک رہی ہے اور کئی راتیں اس کے سمپ پیٹھی ہوئی، اسے سمجھا رہی ہیں۔ ہنومان اس سندری کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہی سیتا جی ہیں۔ ان کا چہلا چہرہ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں اور چھیت ٹٹھکے دیکھ کر شواہس ہو گیا۔ ان کے جی میں آیا کہ چل کر اس دیوی کے چہلوں پر سر رکھ دوں۔ اور سارا حال کہہ سناؤں۔ وہ درخت سے اترا ہی چاہتے تھے کہ راون کو باغ میں آتے دیکھ کر رک گئے۔ راون گھمنڈ سے اکڑتا ہوا سیتا کے پاس جا کر بولا۔ سیتا دیکھو کیسا سہاوا سے ہے۔ پھولوں کی گندھ سے مست ہو کر ہوا مجوم رہی ہے! چڑیا گارہی ہی

ہے۔ بھولوں پر بھونے منڈلا رہے ہیں۔ کثرت آج بھی اسی پرکار اداس اور دکھت بیٹھی ہوئی ہو، تمہارے لیے جو بھومولید جوڑے اور آبخوش بیجے تھے، ان کی اور تم نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نہ سر میں تل ڈالا نہ مٹر ملا۔ اس کا کیا کارن ہے؟ کیا حصیں اب بھی میری دشا پر دیا نہ آئی۔

سیتا جی نے گھرنا کی درشتی سے اس کی اور دیکھ کر کہا۔ اتیا چاری راکھس، کیوں میرے گھاؤ پر نمک چمڑک رہا ہے میں تجھ سے ہزار بار کہہ چکی کہ جب تک میری جان رہے گی، اپنے پتی کے چروں کا دھیان کرتی رہوں گی۔ میرے جیتے جی تیرے اپوتہ دھار کبھی پورے نہ ہوں گے۔ میں تجھ سے اب بھی کہتی ہوں کہ یدی اپنی کفیل چاہتا ہے تو مجھے رام چندر کے پاس پہنچا دے، اور ان سے اپنے بھولوں کی چھما مانگ لے۔ اٹھا جس سے ان کی سینا آجائے گی، تجھے بھانگنے کی کہیں جگہ نہ ملے گی۔ ان کے کردھ کی جوالا تجھے اور تیرے سارے پریار کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اور خوب کان کھول کر سن لے کہ وہ اب یہاں آیا ہی چاہتے ہیں۔

راون یہ باتیں سن کر لال ہو گیا اور بولا۔ بس، زبان سنبھال مورکھ استری! مجھے معلوم ہو گیا کہ تیرے ساتھ نرمی سے کام نہ چلے گا۔ اگر تو ایک زبل استری ہو کر ضد ہو کر سکتی ہے تو میں اس لٹکا کا مہاراجا ہو کر کیا ضد نہیں کر سکتا۔ جس پڑش کے بل پر تجھے اتنا اہممان ہے۔ اُسے میں یوں منسل ڈالوں گا جیسے کوئی کیڑے کو منسل ہے۔ تو مجھے سختی کرنے پر دوش کر رہی ہے، تو میں بھی سختی کروں گا۔ بس، آج سے ایک ماس کا اداکش تجھے اور دیتا ہوں۔ اگر اس وقت بھی تیری آنکھ نہ کھولی تو پھر یا تو تو راون کی رانی ہوگی یا تیری لاش جیل کو لے لوچ لوچ کر کھائیں گے۔

راون چلا گیا، تو راکھس استریوں نے سیتا جی کو سمجھانا آرمھ کیا۔ تم بڑی نادان ہو سیتا، اتنا بڑا راجا تمہاری اتنی خوشامد کرتا ہے پھر بھی تم کان نہیں دیتیں۔ اگر وہ زبردستی کرنا چاہے تو آج ہی حصیں رانی بنا لے۔ مگر کتنا نیک ہے کہ تمہاری اچھا کے وردھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے ساتھ تمہاری بے پردہ اچت نہیں۔ دیرتھ رام چندر کے پیچھے جان دے رہی ہو۔ لٹکا کی رانی بن کر جیون کا سکھ اٹھاؤ۔ رام کو بھول جاؤ۔ وہ اب یہاں نہیں آسکتے اور اگر آجائیں تو راجا راون کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

بیٹا جی نے کرودھت ہو کر کہا۔ لاج نہیں آتی؟ ایسے پانی کو جو دوسرے کی استریوں کو بلات اٹھاتا ہے، اسے تم نیک اور دھرماتا کہتی ہو؟ اس سے بڑا پانی؟ سنار میں نہ ہوگا!

ہنومان اوپر بیٹھے ان استریوں کی باتیں سن رہے تھے۔ جب وہ سب وہاں سے چلی گئیں اور بیٹا جی اکیلی رہ گئیں تو ہنومان جی نے اوپر سے رام چندر کی انگوٹھی ان کے سامنے گرا دی۔ بیٹا جی نے انگوٹھی اٹھا کر دیکھی تو رام چندر جی کی تھی۔ شوک اور آہجیہ سے ان کا کلیجا ہڑکنے لگا۔ شوک اس بات کا ہوا کہیں راویں نے رام چندر کو مروا نہ ڈالا ہو۔ آہجیہ اس بات کا تھا کہ رام چندر کی انگوٹھی یہاں کیسے آئی۔ وہ انگوٹھی کو ہاتھ میں لیے اسی سوچ میں بیٹھی تھیں کہ ہنومان بیڑے اتر کر ان کے سامنے آئے اور ان کے چلوں پر سر جھکا دیا۔

بیٹا جی نے اور بھی آہجیہ میں آکر پوچھا۔ تم کون ہو؟ کیا یہ انگوٹھی تم ہی نے گرائی ہے؟ تمہاری صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بجن اور دیر ہو۔ کیا بتا سکتے ہو کہ تمہیں انگوٹھی کہاں ملی؟

ہنومان نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ماتا جی! میں شری رام چندر جی کے پاس سے آرہا ہوں۔ یہ انگوٹھی انھوں نے مجھے دی تھی۔ میں آپ کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپ ہی جاگتی جی ہے۔ آپ کی کھوج میں سینکڑوں سپاہی جھٹے ہوئے ہیں۔ میرا سو بھاگد ہے کہ آپ کے درشن ہوئے۔

بیٹا جی کا پیلا چہرہ کھل گیا۔ بولیں۔ کیا جج تم میرے سوا جی کے پاس سے آرہے ہو؟ ابھی تک وہ مجھے یاد کر رہے ہیں؟

ہنومان۔ آپ کی یاد انھیں سد یو ستایا کرتی ہے۔ سوتے جاگتے آپ ہی کے نام کی رٹ لگایا کرتے ہیں۔ آپ کا پچہ اب تک نہ تھا۔ اس کارن سے آپ کو چھڑا نہ سکتے تھے۔ اب جیوں ہی میں پہنچ کر انھیں آپ کا ساچار دوں گا، وہ ترنت لٹکا پر آکر من کرنے کی تیاری کریں گے۔

بیٹا جی نے چٹخت ہو کر پوچھا۔ ان کے پاس اتنی بڑی بیٹا ہے، جو راویں کے بل کا سامنا کر سکتے؟

ہنومان نے اتساہ کے ساتھ کہا۔ ان کے پاس جو سینا ہے، اس کا ایک ایک سینک ایک ایک سینا کا ودھ کر سکتا ہے! میں ایک مجھ سپاہی ہوں، پر میں دکھا دوں گا کہ لٹکا سمٹ سینا کس پر کار مجھ سے ہار مان لیتی ہے۔

سیتا جی۔ رام چندر کو یہ سینا کہاں سے مل گئی۔ مجھ سے دسترت ورن کر دو، تاکہ مجھ کو دشواں آئے۔

ہنومان۔ وہ سینا راجا سگریو کی ہے، جو رام چندر کے مژر اور سیوک ہیں۔ رام چندر نے سگریو کے بھائی بالی کو مار کر کھنڈھا کا راجہ سگریو کو دلا دیا ہے۔ اس لیے سگریو انھیں اپنا انکارک سمجھتے ہیں۔ انھوں نے آپ کا پتا لگا کر آپ کو چڑانے میں رام چندر کی سہایتا کرنے کا پرن کر لیا ہے۔ اب آپ کی دینیاں بہت فیکھر انت ہو جائیں گی۔

سیتا جی نے رو کر کہا۔ ہنومان! آج کا دن بڑا شہ ہے کہ مجھے اپنے سوامی کا ساچار ملا۔ تم نے یہاں کی ساری دشا دیکھی ہے۔ سوامی سے کہنا، سیتا کی دشا بہت دکھی ہے۔ یدی آپ اسے فیکھر نہ چڑا پائیں گے تو وہ جیوت نہ رہے گی۔ اب تک کیول اسی آشا پر جیوت ہے۔ کثو دن پرتی دن نراشا سے اس کا ہر دئے نرل ہوتا جا رہا ہے۔

ہنومان نے سیتا جی کو بہت آشواں دیا اور چلنے کو تیار ہوئے، کثو اسی سے وچار آیا کہ جس پر کار سیتا جی کے دشواں کے لیے رام چندر کی انگوٹھی لایا تھا اسی پر کار رام چندر کے دشواں کے لیے سیتا جی کی بھی کوئی نشانی لے چلنا چاہیے! بولے۔ ماتا! یدی آپ اُچت سمجھیں تو اپنی کوئی نشانی دیجیے۔ جس سے رام چندر کو دشواں آجائے کہ میں نے آپ کے درشن پائے ہیں۔ سیتا جی نے اپنے سر کی وینی اتار کر دے دی۔ ہنومان نے اسے کر میں باندھ لیا اور سیتا جی کو پرنام کر کے بدھا ہوئے۔

لنکا داہ

اشکوں کے باغ سے چلتے چلتے ہنومان کے جی میں آیا کہ تک ان راکھسوں کی دیرتا کی پرکھا بھی کرتا چلوں۔ دیکھوں یہ سب یدھ کی کلا میں کتنے مین ہیں۔ آخر رام چندر جی ان سسوں کا حال پوچھیں گے تو کیا بتاؤں گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے باغ کے پیڑوں کو اکھاڑنا شروع کیا۔ تمھیں آٹھر یہ ہوگا کہ انھوں نے درکھ کیسے اکھاڑے ہوں گے۔ ہم تو ایک پودھا بھی جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتے۔ کتو ہنومان جی اپنے سے کے اتیت بلوان پرش تھے۔ جب انھوں نے ہندوستان سے لنکا تک سمندر کو تیر کر پار کیا، تو چھوٹے موٹے پیڑوں کا اکھاڑنا کیا کٹھن تھا۔ پیڑ اکھاڑے، کئی پیڑوں کی شاخیں توڑ ڈالیں، اور پھل تو اتنے توڑ کر گردادیے کہ ان کا فرش سا بچھ گیا۔ باغ کے رکھنوں نے یہ حال دیکھا تو ایکڑت ہو کر ہنومان کو روکنے آئے۔ کتو یہ کس کی سنتے تھے! ان سسوں کو ڈالیوں سے مار مار کر بھگا دیا۔ کئی آدمیوں کو جان سے مار ڈالا۔ تب باہر سے اور کتنے ہی سپاہی آکر ہنومان کو پکڑنے لگے۔ مگر آپ نے انھیں مار بھگا دیا۔ دیرے دیرے راجا رادون کے پاس خبر پہنچی کہ ایک آدمی نہ جانے کدھر سے اشکوں کے بن میں گھس آیا ہے۔ اور بن کا ستیا ناش کیے ڈالتا ہے۔ کئی مالیوں اور سیکوں کو مار بھگا دیا ہے۔ کسی پرکار نہیں مانتا۔

رادون نے کرودھ سے دانت میں کر کہا۔ تم لوگ اسے پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ رکھک۔ حضور، وہ اتنا بلوان ہے کہ کوئی اس کے پاس جا ہی نہیں سکتا۔ رادون۔ چپ رہو نالائقوں! باہر کا ایک آدمی ہمارے باغ میں گھس کر یہ طوفان مچا رہا ہے اور تم لوگ اسے گرفتار نہیں کر سکتے؟ بڑے شرم کی بات ہے۔

یہ کہہ کر رادون اپنے لڑکے اکٹھے کمار کو ہنومان کو گرفتار کر لانے کے لیے بھیجا۔ اکٹھے کمار کئی سو دیروں کی سینا لے کر ہنومان سے لڑنے چلا۔ ہنومان انھیں آتے دیکھ ایک موٹا سا درکھ اٹھا لیا اور ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے ہی آکر من میں کئی آدمی گھاس ہو گئے۔ کچھ

بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب اچکھے کمار نے لٹکار کر کہا۔ یڑی دیر ہے تو سامنے آجا! یہ کیا مگنواؤں کی طرح سوکھی بیٹی لے کر گھما رہا ہے۔

ہنومان تال ٹھونک کر اچکھے کمار پر جھپٹے اور اس کی ٹانگ بکڑ کر اتنی زور سے پٹکا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا اور سب آدمی بڑ ہو گئے۔

راون کو جب اچکھے کمار کے مارے جانے کا سا چار ملا۔ تب اس کے کردہ کی سیما نہ رہی۔ ابھی تک اس نے ہنومان کو کوئی سادھارن سینک سمجھ رکھا تھا۔ اب اسے گیات ہوا کہ یہ کوئی اتھیت دیر پرش ہے۔ اوشیہ اسے رام چندر نے یہاں سینا کا پتا لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس آدمی کو ضرور دھڑ دینا چاہیے۔ کڑک کر بولا۔ اس دربار میں اتنے سورما موجود ہیں، کیا کسی میں بھی اتنا سامں نہیں کہ اس دُشت کو پکڑ کر میرے سامنے لائے؟ لٹکا کے اس راج میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں؟ میرے ہتھیار لاؤ، میں سو نیم جا کر اسے گرفتار کروں گا۔ دیکھوں، اس میں کتنا بل ہے!

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ راون کا دوسرا ہتھیار نہ بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اب تک اس نے ہنومان کا سامنا کرنا اپنی مریدہ کے وردہ سمجھا تھا۔ راون کو اودھت دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ اس کے دودھ کے لیے میں کیا کم ہوں، جو آپ جارہے ہیں؟ میں ابھی جا کر اسے باندھ لاتا ہوں۔ آپ یہیں بیٹھیں۔

میگہ ناد اتھیت دیر، سامی اور یدھ کی کلا میں اتھیت مین تھا۔ دھدش، بان ہاتھ میں لے کر اشوک دائیکا میں پہنچا اور ہنومان سے بولا۔ کیوں رے پٹکے، کیا تیرے کدن آئے ہیں جو یہاں ایسی اندھیر مچا رہا ہے؟ ہم لوگوں نے تجھے یاتری سمجھ کر جانے دیا اور تو شیر ہو گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، تیرے سر پر موت کھیل رہی ہے۔ آجا سامنے! باغ کے مالیوں اور میرے الپ ویک بھائی کو مار کر شاید تجھے گھمنڈ ہو گیا ہے اتیرا گھمنڈ توڑ دوں۔

ہنومان بل میں میگہ ناد سے کم نہ تھے، کتھو اس سے اس سے لڑنا اپنے بچوں کے وردہ سمجھا۔ میگہ ناد سادھارن پرش نہ تھا۔ برابر کا مقابلہ تھا۔ سوچا کہیں اس نے مجھے مار ڈالا تو رام چندر کے پاس سیتا جی کا سا چار بھی نہ لے جاسکوں گا۔ میگہ ناد کے سامنے تال ٹھونک کر کھڑے تو ہوئے، پر اسے پانے اوپر جان بوجھ کر وجے پالینے دیا۔ میگہ ناد نے سمجھا، میں نے اس دہالیا ترنت ہنومان کو رستیوں سے جکڑ دیا۔ اور موچھوں پر تاؤ دیتا ہوا راون کے

سامنے آکر بولا۔ مہاراج، یہ آپ کا بندی بہت صحت ہے۔

راون کروڑھ سے بھرا تو بیٹھا ہی تھا۔ ہنومان کو دیکھتے ہی بیٹے کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اس کی تلوار میان سے نکل پڑی۔ ٹکٹ تھا کہ رسیوں میں جکڑے ہوئے ہنومان کی گردن پر اس کی تلوار کا دار گرے کہ راون کے بھائی دبھین نے کھڑے ہو کر کہا۔ بھائی صاحب! پہلے اس سے پوچھیے کہ یہ کون ہیں اور یہاں کس لیے آیا ہے۔ سمجھو ہے کہ براہمن ہو تو ہمیں براہمن ہونا پڑتا ہے۔

ہنومان نے کہا۔ میں راجا سگریو کا دوت ہوں۔ رام چندر جی نے مجھے سیتا جی کا لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے یہاں سیتا جی کے درشن ہو گئے۔ تم نے بہت برا کیا کہ انھیں یہاں اٹھا لائے۔ اب تمھاری کٹھن اسی میں ہے کہ تم سیتا جی کو رام چندر جی کے پاس پہنچا دو۔ ابھی تمھارے لیے برا ہوگا۔ تم نے راجا بالی کا نام سنا ہوگا۔ اس نے تمھیں ایک بار نیچا بھی دکھایا تھا۔ اسی راجا بالی کو رام چندر جی نے ایک بان سے مار ڈالا۔ کھر، دوشن کی مرتیو کا حال تم نے سنا ہی ہوگا۔ ان سے تم کسی پرکار جیت نہیں سکتے۔

یہ سن کر کہ یہ رام چندر جی کا دوت ہے، اور سیتا جی کا پتا لگانے کے لیے آیا ہے، راون کا خون کھولنے لگا۔ اس نے تلوار اٹھائی، مگر دبھین نے پھر اسے سمجھایا۔ مہاراج! دوتوں کو مارنا سامراجیہ کی نیتی کی دودھ ہے۔ آپ اسے اور جو چاہیں دھڑ دیں کٹھو دودھ نہ کریں۔ اس سے آپ کی بڑی بدنامی ہوگی۔

دبھین بڑا دیا لو اور سچا اور ایماندار آدمی تھا۔ اُچت بات کہنے میں اس کی زبان کبھی نہیں رکتی تھی۔ وہ راون کو کئی بار سمجھا چکا تھا کہ سیتا جی کو رام چندر کے پاس بھیج دیجیے مگر راون ان کی باتوں کی کب پرواہ کرتا تھا۔ اس وقت بھی دبھین کی بات اسے بڑی لگی، کٹھو سامراجیہ کے شتم کو توڑنے کا اسے سامس نہ ہوا۔ دل میں ایشہ کر تلوار میان میں رکھ لی اور بولا۔ تو بڑا بھاگیہ وان ہے کہ اس سے میرے ہاتھ سے بچ گیا۔ تو اگر سگریو کا دوت نہ ہوتا تو اسی سے تیرے کھڑے کھڑے کر ڈالتا۔ تجھ سا حرشٹ آدمی کا بھی دھڑ ہے۔ کٹھو میں تجھے بالکل بے داغ نہ چھوڑوں گا۔ ایسا دھڑ دوں گا کہ تو بھی یاد کرے کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔

راون سوچنے لگا، اسے کون سا دھڑ دیا جائے کہ اس کی جان تو نہ نکلے پر یہ بھلی پرکار اہمات اور پرتھکت ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی سالت بھی ایسی ہو کہ جیون پرمت نہ

بھولے۔ پھر ادھر آنے کا سانس نہ ہو۔ سوچتے سوچتے سے ایک انوکھا ہایہ سوچا۔ وہ مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ اسے بندر بنا کر اس کی دُم میں آگ لگا دی جائے۔ وچر اور انوکھا تماشا ہوگا۔ راکھسوں نے ایسا تماشا کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ بڑا آئندہ رہے گا۔ ہزاروں آدمی اس کے پیچھے لینا لینا کر کے دوڑیں گے اور وہ ادھر ادھر اپنا پھرے گا۔ ترنٹ میٹھ ناد کو آگیا دی کہ اس آدمی کا منہ رنگ دو اس کے شریر پر بھورے بھورے رنگیں لگا دو اور ایک لمبی دم لگا کر اچھا خاصا لنگور بنادو۔ اس کی دم میں نئے ہاندھ کر تیل میں بھگو دو اور اس میں آگ لگا کر چھوڑ دو۔ شہر میں دوڑی پڑا دو کہ آج شام کو ایک نیا، انوکھا آئینہ یہ میں ڈالنے والا تماشا ہوگا۔ سب لوگ اپنی چھتوں پر سے تماشا دیکھیں۔

یہ آدیش پاتے ہی راکھسوں نے ہومان کو بندر بنانا آرمہہ کر دیا۔ کوئی منہ رنگتا تھا کوئی شریر پر روئیں چپکا تھا، کوئی دم لگاتا تھا۔ دم کے دم بندر کا سواگ بنا کر کھڑا ہو گیا۔ خوب لمبی دم تھی۔ پھر لوگ چاروں طرف سے نئے لالا کر اس میں ہاندھنے لگے۔ ادھر شہر میں دوڑی پٹ گئی۔ راکھس لوگ جلدی جلدی شام کو کھانا کھا، اچھے اچھے کپڑے پہن اپنی اپنی چھتوں پر ڈٹ گئے۔ راون کی سینکڑوں رانیاں تھیں۔ سب کی سب گہنے کپڑوں سے بخت ہو کر یہ تماشا دیکھنے کے لیے سب سے اونچی چھت پر جا بیٹھیں۔ اتنے میں شام بھی ہو گئی۔ ہومان کی دُم پر تیل چھڑکا جانے لگا، منوں تیل ڈال دیا گیا۔ جب دم خوب تر ہو گئی تو ایک آدمی نے اس میں آگ لگا دی۔ لپٹیں بھڑک اٹھیں۔ چاروں طرف تالیاں بجاتے لگیں۔ تماشا شروع ہو گیا۔

ہومان اپنے اس ایمان اور ہنسی پر دل میں خوب کڑھ رہے تھے۔ اس سے تو کہیں اچھا ہوتا اگر اس دشت نے مار ڈالا ہوتا۔ دل میں کہا۔ اگر اس ایمان کا بدلا نہ لیا تو کچھ نہ کیا۔ اور وہ بھی اسی وقت۔ ایسا تماشا دکھاؤں کہ آہو پر عینت نہ بھولے۔ سارے شہر کی ہولی ہو جائے۔ جب دم میں آگ لگ گئی تو وہ ایک بیڑ پر چڑھ گئے۔ اس کلا میں ان کا سان نہ تھا۔ بیڑ کی ایک شاخ راج محل میں جھکی ہوئی تھی۔ اس شاخ سے کود کر وہ رنوں میں پہنچ گئے اور ایک چھن میں سارا راج محل جلنے لگا۔ سب لوگ چھتوں پر تھے۔ کوئی روکنے والا نہ تھا۔ بھومولہ کپڑے اور سجاوٹ کے سامان، فرش، کدے، قالین، پردے، پچھے اس میں آگ لگتے کیا دہر تھی۔ ہومان جدھر سے اپنی جلتی ہوئی دُم لے کر گزر جاتے تھے ادھر ہی لپٹیں

اٹھنے لگتی تھیں۔

راج محل میں آگ لگا کر ہنومان بستی کی طرح بجکے۔ بھوتوں سے چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ ایک گھر سے دوسرے گھر میں کود جانا کھن نہ تھا۔ کھٹے بھر میں سارا شہر آگ کے پردے میں ڈھک گیا۔ چاروں طرف کھرام کچ گیا۔ کوئی اپنا اسباب نکالا، کوئی پانی پانی چلاتا تھا۔ کتنے ہی آدمی جو نیچے نہ اتر سکے۔ جل بھن گئے۔ سنیوگ سے اسی سے زور کی ہوا چلنے لگی، آگ اور بھی بھڑک اٹھی، مانو ہوا آگنی دیوتا کی سہایت کرنے آئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے آگ کے جھنڈے برس رہے ہیں۔

شہر کی ہولی متا کر ہنومان سمندر کی طرف بھاگے اور پانی میں کود کر دم کی آگ بجھائی۔ انھوں نے لکا داسیوں کو بچ بچ دھڑ اور انوکھا تماشا دکھا دیا۔

آکر من کی تیاری

ہنومان نے راتوں رات سمندر کو پار کیا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ یہ بھارے گھبراہٹ تھے کہ نہ جانے ہنومان پر کیا وحشی آئی۔ اب تک نہیں لوٹے۔ اب ہم لوگ سگریو کو کیا منہ دکھائیں گے۔ رام چندر کے سامنے کیسے جائیں گے۔ اس سے تو یہ کہیں اچھا ہے کہ یہیں ڈوب کر مر جائیں اتنے ہی میں ہنومان آپہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی سب کے سب خوشی سے اچھلنے لگے دوڑ دوڑ کر ان سے گلے ملے اور ان سے پوچھنے لگے کہ کب بھائی کیا کر آئے بیتا جی کا کچھ پتا چلا۔ راون سے کچھ بات چیت ہوئی۔ ہم لوگ تو بڑے دکھ تھے۔

ہنومان نے لٹکا کا سارا حال کہہ سنایا۔ راون کے محل میں جانا اشوک کے دن میں بیتا کے درشن پانا۔ وایکا کو اجاڑنا، راکھسوں کو مارنا، میگھ ناد کے ہاتھوں گرفتار ہونا پھر لٹکا کو جلانا۔ ساری باتیں دستار سے وزن کیں۔ سب نے ہنومان کی دیرتا اور کوشل کو سراہا اور گا بجا کر سوئے۔ منہ اندھیرے کھلندھا پوری کو روانہ ہوئے۔ میگزوں کو سوں کی یا تراجمی۔ پر یہ لوگ اپنی سہولت پر اتنے پرسن تھے کہ نہ دن کو آرام کرتے نہ رات کو سوتے۔ کھانے پینے کی کسی کو سدھ نہ تھی۔ ہیکھر رام چندر جی کے پاس پہنچ کر وہ شہہ سماچار سنانے کے لیے ادھیر ہو رہے تھے۔ آخر کئی دنوں کے بعد کھلندھا پہاڑ دکھائی دیا۔ اسی کے کٹ راجا سگریو کا ایک باغ تھا۔ اس کا نام مدھوبن تھا اس میں بہت سی شہد کی کھیاں پلئیں تھیں۔ سگریو کو جب شہد کی ضرورت پڑتی تو اسی باغ سے لیتا تھا۔

جب یہ لوگ مدھوبن کے پاس پہنچے، تو شہد کے چھتے کو دیکھ کر ان کی رال ٹپک پڑی۔ بھاروں نے کئی دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ترنت باغ میں کھس گئے۔ اور شہد چٹا آرمھ کر دیا۔ باغ کے مالیوں نے مانا کیا تو انہیں خوب چٹا شہد کی لوٹ بچ گئی۔ سگریو کو جب سماچار ملا کہ ہنومان، انگلہ، جامونت اتیادی مدھوبن میں لوٹ چائے ہوئے ہیں، تو سمجھ گیا کہ وہ لوگ مکمل ہو کر لوٹے ہیں۔ مکمل لوٹنے تو شرارت کب سوجھتی۔ ترنت ان کی

اکوئی کرنے چل کھڑا ہوا۔ ان لوگوں نے اسے آتے دیکھا تو اور بھی اُدھم مچانا شروع کر دیا۔
سگریو نے ہنس کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے، کہ تم لوگوں نے مارے خوشی کے کئی کئی دن
سے کھانا نہیں کھایا۔ آؤ، تمہیں گلے لگاؤں۔

جب سب لوگ سگریو سے گلے مل چکے تو ہنومان نے لٹکا کا سارا وزن اتار کر کہہ سنایا۔
سگریو خوشی سے پھولا نہ سہیا۔ اسی سے ان لوگوں کو ساتھ لے کر رام چدر کے پاس پہنچا۔ رام
چدر بھی ان کی ہمدردی سے ہنسی سے تڑپ اٹھا کہ یہ لوگ سیتا جی کا پتہ لگا لائے۔ ادھر کئی دنوں سے
دونوں بھائی بہت نراش ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر آشا کی کھیتی ہری ہو گئی۔

رام چدر نے پوچھا۔ کہو، کیا ساچار لائے؟ سیتا جی کہاں ہیں؟ ان کا کیا حال ہے؟
ہنومان نے دودھ کر کے کہا۔ مہاراج، کچھ انعام دلوائیے تو کہوں۔
رام۔ دھنیہ داد کے سوا میرے پاس اور کیا ہے جو تمہیں دوں۔ جب تک جیوت
رہوں گا، تمہارا اُنکار مانوں گا۔

ہنومان۔ وعدہ کیجیے کہ مجھے کبھی اپنے چڑلوں سے الگ نہ کیجیے گا۔
رام۔ واہ! یہ تو میرے ہی لایحہ کی بات ہے۔ تم جیسے نعلی دان مٹر کس کو سلہ
ہوتے ہیں! ہم اور تم سدیو ساتھ رہیں۔ اس سے بڑھ کر میرے لیے پرستیا کی بات اور کیا
ہو سکتی ہے۔ سیتا جی کیا لٹکا میں ہیں؟

ہنومان۔ ہاں مہاراج لٹکا، کے اتھا چاری راجا راوہ نے انہیں ایک باغ میں قید کر
رکھا ہے اور نانا پرکار کے کٹھ دے رہا ہے۔ کبھی دھمکتا ہے، کبھی پھسلاتا ہے، کثو وہ اس کی
نک بھی پرواہ نہیں کرتیں۔ جب میں نے آپ کی انگٹھی دی، تو اسے کیلیے سے لگایا اور دیر
تک روتی رہیں۔ چلنے سے مجھ سے کہا کہ پران ہاتھ سے کہنا کہ ٹھکڑ مجھے اس قید سے مکت
کریں۔ کیونکہ اب مجھ میں ادھک سہنے کا بل نہیں۔ یہ کہہ کر ہنومان نے سیتا جی کی وینی رام
چدر کے ہاتھ میں رکھ دی۔

رام چدر نے اس وینی کو دیکھا تو برہمن ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
اسے بار بار چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر بڑی دیر تک سیتا جی ہی کے سجدہ میں باتیں
پوچھتے رہے۔ ان باتوں سے ان کا جی نہ بھرتا تھا۔ وہ کیسے کپڑے پہنے ہوئے تھیں؟ بہت
دلی تو نہیں ہو گئی ہیں؟ بہت رویا تو نہیں کرتی؟ ہنومان جی پر تیک بات کا اثر دیتے جاتے

تھے اور من میں سوچتے تھے، ان استریوں اور پردش میں کتنا پریم ہے!
 تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد رام چندر نے سگریو سے کہا۔ اب آکر من کرنے
 میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ تم اپنی سینا کو کب تیار کر سکو گے؟
 سگریو نے کہا۔ مہاراج؟ میری سینا تو پہلے سے ہی تیار ہے۔ کیول آپ کے آدیش
 کی دیر ہے۔

رام۔ یدھ کے سوا اور کوئی چارا نہیں ہے۔
 شگریو۔ ایٹور نے چاہا تو ہماری جیت ہوگی۔
 رام۔ اوچیہ کی سدو جیت ہوتی ہے۔

وبھیشن

ہنومان کے چلے جانے کے بعد راکھسوں کو بڑی چتا ہوئی۔ انھوں نے سوچا۔ جس سینا کا ایک سینک اتنا بلوان اور ویر ہے۔ اس سینا سے بھلا کون لڑے گا! اس سینا کا نایک کتنا ویر ہوگا۔ ایک آدمی نے آکر ساری لٹکا میں ہل چل مچادی۔ یدی ویر میگھ نادرسیم نہ جاتا تو سمجھو۔ ہماری ساری سینا بھی مل کر اسے نہیں پکڑ سکتی۔ کتنا غضب کا چتر آدمی تھا؟ دم تو لگائی گئی اس کی ہنسی اڑانے کے لیے، اس کا بدلا اس نے یہ دیا کہ ساری لٹکا جلا ڈالی، اور کوئی بھی نہ پکڑ سکا۔ صاف نکل گیا۔ اب رام چندر کی سینا دو چار دن میں لٹکا پر چڑھ آئے گی۔ راجا راون اور راجیکار میگھ نادرکتے ہی ویر ہوں کتھو سینا کا سامنا نہیں کر سکتے۔ اس ایک استری کے لیے راون سارے دلش کو نھٹ کرنا چاہتا ہے۔ یدی وہ رام چندر کے پاس نہ بھیج دی گئی اور ان سے جھما نہ مانگی گئی تو اوشیہ لٹکا پر دھنکی آئے گی۔

دوسرے دن شہر سے خاص خاص آدمی راون کی سینا میں ہستھت ہوئے اور وٹنے کی۔ مہاراج! آپ کے راجیہ میں ہم لوگ اب تک بڑے آرام اور چھین سے رہے۔ اب ہمیں ایسا بھٹے ہو رہا ہے کہ اس دلش پر کوئی دھنکی آنے والی ہے۔ ہماری آپ سے یہی پراقتنا ہے کہ آپ بیتاجی کو رام چندر کے پاس پہنچا دیں اور دلش کو اس آنے والی دھنکی سے بچالیں۔

راون بھی کل رات سے اسی چتا میں پڑا ہوا تھا، کتھو اپنی ہرجا کے سامنے وہ اپنے دل کی کمزوری کو پرکٹ نہ کر سکا۔ اسے اس کا دھیریہ نہ تھا کہ کوئی اس کے کاریوں پر آہتی کرے۔ آہتی سنتے ہی وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اس کا دھار تھا کہ ہرجا کا کام ہے راجا کی آگیا ماننا نہ کہ اس کے کاموں پر آہتی کرنا۔ کہ وہ سے بولا۔ تمہیں ایسی ہراقتنا کرتے ہوئے لاج نہیں آتی؟ جس آدمی نے میری بہن کی مریادہ دھول میں ملائی، اس سے اس کا

بدلا نہ لوں! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ راون اتنا شیل ریت اور زنجیر نہیں ہے۔ سیتا میری ہے اور میری رہے گی۔ تم لوگ جا کر اپنا کام دیکھو۔ دلش کی رکھا کا میں اترا دانی ہوں۔ میں تم سے اس دشنے میں کوئی پرامش لینا نہیں چاہتا۔

یہ پتکار سن کر سب لوگ چپ ہو گئے۔ سبھی راون کے کردہ سے ڈرتے تھے۔ کفو و بھینن پر جا کا سچا متر تھا اور نیا بوجت بات کہنے میں اس کی زبان کبھی نہیں رکتی تھی۔ بولا۔ مہاراج، راجا کا دھرم ہے کہ جب پر جا کو پتہ بھرشت ہوتے دیکھے تو دغ دے۔ اسی پر کار پر جا کا بھی دھرم ہے کہ جب راجا کو پتہ بھرشت ہوتے دیکھے تو سمجھائے۔ آپ کو رام چندر سے ایمان کا بدلا لینا تھا۔ تو ان پر آکر سن کرتے۔ اس سے سارا دلش آپ کا ساتھ دیتا۔ سیتا جی کو یہاں لا کر قید کر رکھنے میں آپ نے انیائے کیا ہے اور ہمارا کر تو یہ ہے کہ ہم آپ کو سمجھائیں۔ اگر آپ نے سیتا جی کو نہ واپس کیا تو لکا پر اوشیہ وچٹی آئے گی۔

راون نے جب دیکھا کہ اس کا بھائی بھی پر جا کا کچھ لے رہا ہے، تو اور بھی کزدہ ہو کر بولا۔ و بھینن، تم پوجا کرنے والے، پوجی پران کے کیڑے ہو، راجیہ کے دشنے میں زبان کھولنے کا تمہیں ادھکار نہیں۔ چپ رہو، میں تم سے ادھک لگیے ہوں۔ و بھینن۔ میں آپ کو جتا دینا چاہتا ہوں کہ اس لڑائی میں آپ کا ساتھ پر جا کدانی نہ دے گی۔

راون کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ گرج کر بولا۔ میں جو کچھ کہوں یا کروں پر جا کو ماننا پڑے گا۔

و بھینن نے جوش میں آکر کہا۔ کدانی نہیں۔ پاپ کے کام میں پر جا آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

اب راون سے کہن نہ ہو سکا۔ اس نے اٹھ کر و بھینن کو اتنے زور سے لات ماری کہ وہ کئی پگ دور جا گرا۔ اور پھر بولا۔ کل جا میرے راجیہ سے! اسی وقت کل جا! میں تجھ جیسے دلش دروہی اور دھوکہ ہار کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ تو میرا بھائی نہیں، میرا شتر ہے۔ مجھے گیات نہ تھا کہ تو اپنی ٹٹنی میں بیٹھا ہو پر جا کو میرے دردہ بھڑکاتا رہتا ہے، ایتھا آج تو میرے سامنے اس طرح زبان نہ چلاتا۔ پھر کبھی میرے راجیہ میں غیر نہ رکھا، ورنہ جان سے ہاتھ دھوئے گا۔

دھیشن نے اٹھ کر کہا۔ مہاراج، آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ اس لیے میں نے
آپ کو سمجھانے کا سانس کیا تھا، اس کا آپ نے مجھے کہہ دیا۔ آپ کی آستیا سر آنگھوں
پر۔ میں جاتا ہوں۔ آپ پھر میرا منہ نہ دکھیں گے، کتواتا پھر کہتا ہوں کہ آپ کو ایک دن
بچھتا نا پڑے گا۔ اور اُس سے آپ کو آہماگے دھیشن کی بات یاد آئے گی۔

آکر من

دبھین یہاں سے ایمانت ہو کر سگریو کی سینا میں پہنچا اور سگریو سے اپنا سارا ورتانت کہا۔ سگریو نے رام چندر کو اس کے آنے کی سوچنا دی۔ رام چندر نے وچار کیا کہ کہیں یہ راون کا بھیدی نہ ہو۔ ہماری سینا کی دشا دیکھنے کے لیے آیا ہو۔ اسے ترنت سینا سے نکال دینا چاہیے۔ انگد، جامنت اور دوسرے نائیکوں نے بھی یہی پر امرش دیا۔ اس سے ہنومان بولے۔ آپ لوگ اس آدمی کے ہارے میں کسی پرکار سند یہ نہ کریں۔ لٹکا میں یدی کوئی سچا اور جن پرش ہے، تو وہ دبھین ہے۔ جس سے سارا دربار میرا شتر و تھا۔ اس سے اسی آدمی نے میری جان بچائی تھی۔ اسے اوشیہ راون نے راجیہ سے نکال دیا ہے۔ یہ اب آپ کی شرن میں آیا ہے۔ اس سے شیل روت ویو ہار کرنا اُچت نہیں۔ آخر رام چندر کا سند یہ دور ہو گیا۔ انھوں نے اسی سے دبھین کو بلایا اور بڑے تپاک سے ملے۔

دبھین بولا۔ مہاراج! آپ سے ملنے کی بہت دلوں سے آکا لکھا تھی، وہ آج پوری ہوئی۔ میں اپنے بھائی راون کے ہاتھوں بہت ایمانت ہو کر آپ کی شرن میں آیا ہوں۔ اب آپ ہی میرا بیڑا پار لگائیے۔ راون نے مجھے اتنی نزدیک سے نکالا ہے، جیسے کوئی ستنے کو بھی نہ نکالے گا۔ اب میں اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔

رام چندر نے کہا۔ کٹو ز پرادھ تو کوئی اپنے نوکر کو بھی نہیں نکالتا۔ مجھے بھائی کو کیسے

نکالے گا؟

دبھین۔ مہاراج! میرا اپرادھ کیول اتنا ہی تھا کہ میں نے راون سے وہ بات کہی، جو اسے پسند نہ تھی۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ بیتا جی کو رام چندر کے پاس پہنچا دو۔ یہ بات اسے تیر کی طرح لگ گئی۔ جو آدمی واسنا کا داس ہو جاتا ہے۔ اسے بھلے اور برے کا گیان نہیں رہتا۔ وہ اپنے ہارے میں جی بات سنتا کبھی پسند نہیں کرتا۔

رام چندر نے دبھین کو بہت آسوا سن دیا اور وعدہ کیا کہ راون کو مار کر لٹکا کا راجیہ تمہیں دوں گا۔ اسی سے دبھین کو راج تک بھی دے دیا۔ دبھین نے بھی ہر حالت میں

رام چندر کی سہايتا کرنے کا پکا وعدہ کیا۔

دوسرے دن لٹکا پر چڑھائی کرنے کی تيارياں شروع ہو گئیں۔ اور سینا سمندر کے کنارے جا کر سمندر کو پار کرنے کی کتھی سوچنے لگی۔ انت میں یہ نچے ہوا کہ ایک ہل بتایا جائے۔ مل اور نل بڑے ہوشيار انجینئر تھے۔ انھوں نے ہل بتانا پرامھہ کیا۔

اھر راون کو جب خبر ملی کی وبھيشن رام چندر سے جالماء، تو اس نے دو جاسوسوں کو سگریو کی سینا کا حال چال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک کا نام تھا ٹک، دوسرے کا سارن۔ دونوں ہمیش بدل کر سگریو کی سینا میں آئے اور پرتیک بات کی چھان بین کرنے لگے۔ سنیوگ سے ان پر وبھيشن کی درشنی پڑ گئی ترنت پہچان گئے۔ انھیں پکڑ کر رام چندر جی کے سامنے اہستھت کر دیا۔ دونوں جاسوس مارے بھے کے کا پنے لگے۔ کیونکہ ریتی کے انوسار انھیں مرتو دھڑ ملنا نچیت تھا۔ پر رام چندر کو ان پر دیا آگئی۔ انھیں بلا کر کہا۔ تم لوگ ڈرو مت، ہم تمھیں کوئی دھڑ نہ دیں گے۔ تم خوشی سے ہر ایک بات کی جانچ کر لو۔ کہو تو اپنی سینا کی ٹھیک ٹھیک کنتی بتلا دوں۔ اپنا رسد سامان دکھلا دوں۔ اگر دیکھ بھال چکے ہو تو لوٹ جاؤ اور یڈی ابھی دیکھنا شیش ہو تو میں تمھیں سہرش انوسمی دیتا ہوں، خوب بھلی پرکار دیکھ بھال کر لو۔

دونوں بہت لچت ہوئے اور راون سے جا کر بولے۔ مہاراج! آپ رام چندر سے جا کر لڑائی مت کریں۔ وہ بڑے ساهسی ہیں۔ آپ ان پر وجے نہیں پاسکتے۔ ان کی سینا کا ایک ایک ٹاک ہماری ایک ایک سینا کے لیے پریاہت ہے۔ کتو راون تو اپنے نل کے نشے میں اندھا ہو رہا تھا۔ وہ کسی کے پرامرش کو کب دھیان میں لاتا تھا۔ بولا۔ تم دونوں دیش دروہی ہو۔ میرے سامنے سے نکل جاؤ، میں ایسے ساهس ہینوں کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

کتو جب اسے گیات ہوا کہ رام چندر نے سمندر پر ہل باندھ لیا ہے، تو اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اس دن اسے ساری رات نیند نہیں آئی۔

لنکا کا ٹڈ

راون کے دربار میں انگد

رام چندر نے سمندر کو پار کر کے لنکا پر گھیرا ڈالا۔ ڈرگ کے چلہدوں دواؤں پر بڑے بڑے ٹائیکوں کو کھڑا کیا۔ سگریو کو ساری سینا کا سینا پتی بتایا۔ آپ اور ٹھمن سگریو کے ساتھ ہو گئے۔ تیز دوڑنے والوں کو جن جن کر سماچار لانے اور لے جانے کے لیے نيوکت کیا۔ جس ٹائیک کو کوئی آگیا دینی ہوتی۔ انھیں آدمیوں دواؤں کھلا بھیجتے تھے۔ مگر کے چاروں دواؤں بند ہو گئے۔ رانگھوس کا باہر ٹکٹا ڈرگ ہو گیا۔ رسد کا باہر کے دیہاتوں سے آنا بند ہو گیا۔ لوگ اندر بھوکوں مرنے لگیں۔

راون نے سوچا، اب تو رام چندر کی سینا لنکا پر چڑھ گئی۔ معلوم نہیں، لڑائی کا پھل کیا ہو۔ ایک بار سینا کو سمت کرنے کی اتم چھٹا کر لینی چاہیے۔ اب کی اس نے دھمکی کے بدلے پھل سے کام لینے کا نچے کیا۔ ایک کٹھن کارمگر سے رام کی تصویر سے ملتا جلتا ایک سر بنوایا۔ ویسے ہی دھنش اور بان بنوائے اور ان چیزوں کو سینا جی کے سامنے لے جا کر بولا۔ یہ لو، تمہارے پتی کا سر ہے، جس پر تم جان دیتی تھیں۔ میری سینا کے ایک آدمی نے انھیں لڑائی میں مار ڈالا ہے۔ اور ان کا سر کاٹ کر لایا ہے۔ راون کے بل کا انومان تم اسی سے کر سکتی ہو۔ اب میرا کہنا مانو میری رانی بن جاؤ۔

سینا دھوکے میں آگئیں۔ اور سر پیٹ پیٹ کر رونے لگیں۔ سنسار ان کی آنکھوں میں اندھیرا ہوگا۔ سینوگ سے بھیجن کی جتنی شرما اس سے اشوک وانیکا میں موجود تھی۔ سینا جی کا شوک سننا سن کر وہ دوڑی آئی اور پوچھنے لگی، کیا بات ہے؟ راون نے دیکھا اب بھید کھلنا چاہتا ہے، تو ترنت وہاں سے بتاؤنی سر اور دھنش بان لے کر چلتا ہوا۔ سینا جی نے رو رو کر شرما سے یہ درگھٹنا بیان کی۔ شرما ہنس کر بولی۔ بہن، یہ سب راون کی دغا بازی ہے۔ وہ سر بتاؤنی ہوگا۔ تمہیں چھٹنے کے لیے راون نے یہ چال چلی ہے۔ رام چندر تو درگ کے چاروں اور گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ لنکا میں کھلی جی ہوئی ہے۔ کوئی درگ کے باہر نہیں نکل سکتا۔

یہاں کس میں اتنا بیل ہے، جو رام چندر سے لڑ سکے۔ ان کے سادھارن دوت نے لٹکا والوں کے جھٹکے چمڑا دیے، بھلا انھیں کون مار سکتا ہے؟ شرما کی باتوں سے سیتا جی کو آشواں ملا۔ سمجھ گئیں یہ راون کی دھنسا تھی۔

ادھر دُرگ پر گھیرا ڈال کر کے رام چندر نے سگریو سے کہا۔ ایک بار پھر راون کو سمجھانے کی چوٹھا کرنی چاہیے۔ یدی سمجھانے سے مان جائے تو رکت پات کیوں ہو۔ وچار ہوا کہ انگد کو دوت بنا کر بھیجا جائے۔ انگد نے بڑی پرستیا سے یہ بات سوچا رکی۔ راون اپنے سب سادوں کے ساتھ دربار میں بیٹھا تھا کہ انگد آدھکے اور اونچی آواز میں بولے۔ اے راکھسوں کے راجا راون میں راجا رام چندر کا دوت ہوں۔ میرا نام انگد ہے۔ میں راجا بالی کا پتر ہوں۔ مجھے راجا رام چندر نے یہ کہنے کے لیے بھیجا ہے کہ تم آج ہی سیتا کو واپس کر دو، یا قلعے کے باہر نکل کر بیدہ کرو۔

راون گھمنڈ سے اکڑ کر بولا۔ جا کر اپنے چھوٹے راجا سے کہہ دو کہ راون اس سے لڑنے کو تیار بیٹھا ہوا ہے۔ سیتا اب یہاں سے نہیں جاسکتی۔ اس کا وچار چھوڑ دیں۔ اٹھنا ان کے لیے اچھا نہ ہوگا۔ راکھسوں کی سینا جس سے میدان میں آئے گی۔ سگریو اور ہنومان دُم دبا کر بھاگتے دکھائی دیں گے۔ راکھسوں سے ابھی رام چندر کا پالا نہیں پڑا ہے۔ ہم نے اندر تک سے لوہا منوالیا ہے۔ یہ پہاڑی چوہے کس گنتی میں ہیں۔

انگد۔ جن لوگوں کو تم پہاڑی چوہا کہتے ہو۔ وہ تمہاری ایک ایک سینا کے لیے اکیلے کافی ہیں۔ یدی تم ان کے بل کی پرکھنا لینا چاہتے ہو تو انہی پہاڑی چوہوں میں سے ایک سچھ چوہا تمہارے دربار میں کھڑا ہے۔ اس کی پرکھنا کر لو۔ کھید ہے کہ میں اس سے راج دوت ہوں۔ اور دوت ہتھیار سے کام نہیں لے سکتا، اٹھنا اسی سے دکھا دیتا کہ پہاڑی چوہے کس غضب کے ہوتے ہیں۔ اس دربار میں کوئی بڑا دھا ہے جو میرے پیر کو پرتھوی سے ہٹا دے؟ جسے دعویٰ ہو، نکل آئے۔

انگد کی یہ للکار سن کر کئی سورا اٹھے اور انگد کا پیر اٹھانے کے لیے ایزی چوٹی کا زور لگایا، کٹو جو بھر بھی نہ ہٹا سکے۔ اپنا سامنے لے کر اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ جب راون سوئم سنگھان سے اٹھا اور انگد کے پیر پر جھک کر اسے اٹھانا چاہتا تھا کہ انگد نے پیر کھینچ لیا اور بولے۔ اگر پیروں پر سر جھکانا ہے تو رام چندر کے پیروں کے پیروں پر سر جھکاؤ۔ میرے پیر چھونے سے

قصیں کوئی لایمہ نہ ہوگا۔ راون لخت ہو کر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔
انگلہ اپنا سندیش سنای چکے تھے۔ جب انھیں لگیا کہ ہو گیا کہ راون پر کسی کے
سمجھانے کا پرہاز نہ ہوگا، تو وہ رام چندر کے پاس لوٹ آیا۔ اور سارا درتانت کہہ سنایا۔

میگھ ناد

آخر دونوں سیناؤں میں یدھ چھڑ گیا۔ دن بھر تلواریں چلتی رہیں۔ رات کو بھی لڑنے والوں نے دم نہ لیا۔ مرت شہزادوں کے ڈھیر لگ گئے۔ رکت کی ندیاں بہہ گئیں۔ رام چندر کی سینا اتنی دیر تا سے لڑی کہ رانگھسوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ راون جس سینا کو بھیجتا، وہی گھٹنے دو گھٹنے میں جان لے کر بھاگتی۔ یہاں تک کہ اس نے جھلا کر اپنے لڑکے میگھ ناد کو بھیجا۔ میگھ ناد بڑا دیر تھا۔ اسے اندر جیت کا آپ نام ملا ہوا تھا۔ رانگھسوں کو اس پر گورو تھا۔

میگھ ناد کے چھتر میں آتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کہاں تو رانگھس لوگ میدان سے بھاگ رہے تھے۔ کہاں اسے رام چندر کی سینا میں بھلکڑ پڑ گئی۔ میگھ ناد نے بانوں کی ایسی درشا کی کہ آکاش کالا ہو گیا۔ چھمن نے اپنی سینا کو دبتے دیکھا تو وحش اور بان لے کر میدان میں نکل آئے۔ میگھ ناد چھمن کو دیکھ اور بھی اتساہ سے لڑنے لگا اور لٹکار کر بولا۔

آج تمھاری مرتج میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ تم سے لڑنے کی بہت دنوں سے کامنا تھی۔ آج وہ پوری ہو گئی۔ چھمن نے اتر دیا۔ ہار اور جیت المیہ کے ہاتھ ہے۔ ڈینگ مارنا دیروں کا کام نہیں۔ کفو سمجھو۔ تم بھی جیوت قح کر نہ لو گے۔ میگھ ناد نے جوش میں آکر کرنا پرکار کے استھ شستر کام میں لانے پر ارمھ کیے۔ کبھی کوئی ویشلا بان چلا دیتا، کبھی گدا لے کر ہل پڑتا۔ کفو چھمن بھی کم ویر نہ تھے۔ وہ اس کے سارے آکرمنوں کو اپنے بانوں سے دیرتھ کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس کے رتھوان گھوڑے سب کو بانوں سے چھید ڈالا۔ میگھ ناد پیدل لڑنے لگا۔ اب اسے اپنی جان بچانا کٹھن ہو گیا۔ چاہتا تھا کہ تک دم لینے کا اوکاش ملے تو دوسرا رتھ لاؤں۔ مگر چھمن اتنی تیزی سے بان چلاتے تھے کہ اسے ہلنے کا اوکاش نہ ملتا تھا۔ آخر اس نے ہسیاک ہو کر شکتی بان چلا دیا۔ یہ بان اتنا گھانک تھا کہ اس سے گھائل ترنت مرجاتا تھا۔ یہ بان لکتے ہی چھمن مرچھت ہو کر بھومی پر گر پڑے۔ میگھ ناد پرشتا سے متوالا ہو گیا۔ اسی سے بھاگا ہوا راون کے پاس آیا اور بولا۔ دونوں بھائیوں میں

سے ایک کو تو میں نے ٹھنڈا کر دیا۔ ایسا فطقی بان مارا ہے کہ بچ نہیں سکتا۔ کل دوسرے بھائی کو مار لوں گا۔ بس یدھ کا انت ہو جائے گا۔ راون نے بیٹے کو چھاتی سے لگا لیا۔

ادھر رام چندر کی سینا میں کہلایم بچ گیا۔ ہنومان نے مورچت ٹھمن کو گود میں اٹھایا اور رام چندر کے پاس لائے۔ رام نے ٹھمن کی یہ دشا دیکھی تو بلات آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رو رو کر کہنے لگے۔ ہائے ٹھمن! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟ ہائے! مجھے کیا گیمات تھا کہ تم یوں میرا ساتھ چھوڑ دو گے، نہیں تو میں ہتا کی آگیا کو رد کر دیتا، کبھی بن کی اور پگ نہ اٹھاتا۔ اب میں کون سا منہ لے کر ایو دھیا جاؤں گا۔ جتنی کے پیچھے بھائی کی جان گنوا کر کس کو منہ دکھاؤں گا۔ جتنی تو پھر بھی مل سکتی ہے، پر بھائی کہاں ملے گا۔ ہائے میں نے سد یو کے لیے اپنے ماتھے پر کلک لگا لیا۔ جامونت ابھی تک کہیں لڑ رہا تھا۔ رام کا ولاپ سن کر دوڑا ہوا آیا اور ٹھمن کو دھیان سے دیکھنے لگا۔ بوڑھا انو بھی آدی تھا۔ کتنی ہی لڑائیاں دیکھ چکا تھا۔ بولا۔ مہاراج! آپ اتنے زراش کیوں ہوتے ہیں۔ ٹھمن جی ابھی جیوت ہیں۔ کیول مورچت ہو گئے ہیں۔ وش سارے شریر میں دوڑ گیا ہے۔ یدی کوئی چڑ وید مل جائے تو ابھی زہر اتر جائے اور یہ اٹھ بیٹھیں۔ وید کی تلاش کرنی چاہیے۔ دھیش نے کہا۔ شہر میں سکھین نام کا ایک وید رہتا ہے۔ وش کی چکسا کرنے میں وہ بہت دیکھ ہے۔ اسے کسی پرکار بلانا چاہیے۔ ہنومان نے کہا۔ میں جاتا ہوں، اسے لیے آتا ہوں۔ دھیش سے سکھین کے مکان کا پتہ پوچھ کر وہ دھیش بدل کر شہر میں جا پہنچے اور سکھین سے یہ حال کہا۔ سکھین نے کہا بھائی! میں وید ہوں ہی راون کے دربار سے میرا بھرن پوٹن ہوتا ہے۔ اسے یدی گیات ہو جائے گا کہ میں نے ٹھمن کی چکسا کی ہے، تو وہ مجھے جیوت نہ چھوڑے گا۔

ہنومان نے کہا۔ آپ کو ایٹور نے جو نپٹا پرمان کی ہے، اس سے ہر آدمی کو لایہ پہچانا آپ کا کرتویہ ہے۔ مجھے کے کارن کرتویہ سے منہ موڑنا آپ جیسے ویو دردھ کے لیے اچت نہیں۔

سکھین زور ہو گیا۔ اسی سے ہنومان کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ بڑھاپے کے کارن وہ تیز نہ چل سکتا تھا اس لیے اسے ہنومان نے گود میں اٹھالیا اور بھاگتے ہوئے اپنی سینا میں آپیچے۔ سکھین نے ٹھمن کی ناڑی دیکھی، شریر دیکھا اور بولا۔ ابھی نیچے کی آشا ہے۔ نیچوئی بوئی مل جائے تو بچ سکتے ہیں۔ کتو سو یہ نکلنے کے پہلے بوئی یہاں آجانی چاہیے۔ ایتھا جان

نہ بچے گی۔

جامنٹ نے پوچھا۔ سنجیونی بوٹی ملے گی کہاں؟
سکھین بولا۔ اتر کی اور ایک پہاڑ ملے گا۔ وہیں یہ بوٹی ہے۔

بارہ گھنٹے کے اندر وہاں جانا اور بوٹی کھوج کر لانا سرل کام نہ تھا۔ سب ایک دوسرے کا منہ تاکتے تھے۔ کسی کا سامن نہ ہوتا تھا کہ جانے کو تیار ہوں۔ آخر رام چندر نے ہنومان سے کہا۔ متر! کشنائی تمہیں سرل بنا سکتے ہو۔ تمہارے سوا مجھے دوسرا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ ہنومان کو آگیا ملنے کی دیر تھی۔ سکھین سے بوٹی کا پتا پوچھا اور آندھی کی طرح دوڑے۔ کئی گھنٹوں میں وہ اس پہاڑ پر جا پہنچے۔ کتو رات کے سے بوٹی کی پہچان نہ ہو سکی۔ بہت سی گھاس پات ایک ساتھ تھی۔ ہنومان نے ان سب کو اکھاڑ لیا اور اگلے ہی دن لوٹے۔

ادھر سب لوگ بیٹھے ہنومان کی پرتیگھا کر رہے تھے۔ ایک ایک ہل کی گنتی کی جارہی تھی۔ اب ہنومان اکھ استھان پر پہنچے ہوں گے۔ اب وہاں سے چلے ہوں گے، اب پہاڑ پر پہنچیں گے، اس طرح انومان کرتے کرتے تڑکا ہو گیا، کتو ہنومان کا کہیں پتا نہیں۔ رام چندر گھبرانے لگے۔ ایک گھنٹے میں اگر ہنومان نہ آئے تو ازتھ ہو جائے گا۔ کئی آدمی انہیں دیکھنے کے لیے چھوٹے، کئی آدمی ور پکھوں پر چڑھ کر اتر کی اوپر درشتی دوڑانے لگے، پر ہنومان کا کہیں نشان نہیں! اب کیول آدھ گھنٹے کی اور اوڈھی ہے۔ ادھر پھمن کی دشاپل ہل پر خراب ہوتی جاتی تھی۔ رام چندر زراش ہو کر پھر رونے لگے کہ ایک ایک انگد نے آکر کہا۔ مہاراج! ہنومان دوڑا چلا آ رہا ہے، بس آیا ہی چاہتا ہے۔ رام چندر کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ ادھر ہو کر سویم ہنومان کی اور دوڑے اور اسے چھاتی سے لگا لیا۔ ہنومان نے گھاس پات کا ایک ڈھیر سکھین کے سامنے رکھ دیا۔ سکھین نے اس میں سنجیونی بوٹی نکالی اور ترنت پھمن کے گھاؤ پر اس کا لیپ کیا۔ بوٹی نے اکسیر کا کام کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھاؤ بھرنے لگا۔ پھمن کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک گھنٹے میں اٹھ بیٹھے اور دوپہر تک تو باتیں کرنے لگے۔ سینا میں ہرش کے نعرے لگائے گئے۔

کبھہ کرن

راون نے جب سنا کہ لکھنم سوسھ ہو گئے تو میگھ ناد سے بولا۔ لکھنم تو شکتی بان سے بھی نہ مرا۔ اب کیا یوکتی کی جائے؟ میں نے تو سمجھا تھا، ایک کا کام تمام ہو گیا، اب ایک ہی اور باقی ہے، کلتو دونوں کے دونوں پھر سے سنبھل گئے۔

میگھ ناد نے کہا۔ مجھے بھی بڑا آچر یہ ہو رہا ہے۔ شکتی بان کا گھاء تو گھانک ہوتا ہے۔ اکیس گھنٹے کے اندر آدمی مرجاتا ہے۔ اوشیہ ان لوگوں کو سنجیونی بوٹی مل گئی۔ خبر، پھر سمجھوں گا، جاتے کہاں ہیں۔ آج ہی دونوں کو ڈھیر کر دیتا، لیکن کل کا تھکا ہوا ہوں۔ میدان میں نہ جاسکوں گا۔ آج چاچا کبھہ کرن کو بھیج دیجیے۔

کبھہ کرن راون کا بھائی تھا۔ ایسا ذلیل ڈول دوسرے سورما راکھسوں میں نہ تھا۔ اسے دیکھ ہاتھی کا سا آہاس ہوتا تھا۔ دیر ایسا تھا کہ کوئی اس کا سامنا کرنے کا ساہس نہ کر سکتا تھا۔ کلتو جتنا ہی وہ دیر تھا، اتنا ہی پر مادی اور دلائی تھا۔ رات دن شراب کے نشے میں مست پڑا رہتا۔ لٹکا پر آکر من ہو گیا۔ لاکھوں آدمی مارے جا چکے پر اسے اب تک کچھ خبر نہ تھی کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ راون اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس سے بھی بے ہوش پڑا ہے۔ شراب کی بوتل سامنے پڑی ہوئی تھی۔ راون نے اس کا کندھا پکڑ کر زور سے ہلایا، تب اس کی آنکھیں کھولیں۔ بولا۔ کیسے آرام کی نیند لے رہا تھا، آپ نے دیرتھ جگا دیا۔

راون نے کہا۔ بھیا، اب سونے کا سہ نہیں رہا۔ رام چندر نے لٹکا پر گھیرا ڈال لیا۔ ہمارے کتنے ہی آدمی کام آچکے۔ میگھ ناد کل لڑا تھا، پر آج تھکا ہوا ہے۔ اب تمہارے سوا اور کوئی دوسرا سہایک نہیں دکھائی دیتا۔

یہ سنتے ہی کبھہ کرم سنبھل کر اٹھ بیٹھا۔ ہتیار باندھے اور میدان کی اور چل کھڑا ہوا۔ اسے میدان میں دیکھ کر ہنومان، انگد، سگریو سب کے سب دہل اٹھے۔ آدمی کیا پورا دیو

تھا۔ سادھارن سینک تو اس کی بھیانک آکرتی ہی دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کتنے ہی نائگوں کو اس نے آہٹ کر دیا۔ آخر رام چندر سویم اس سے لڑنے کو تیار ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی ٹکمرہ کرن نے بھالے کا وار کیا۔ مگر رام چندر نے بھالے کا وار خالی کر دیا اور دو تیر اتنی پھرتی سے چلائے کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ تیسرا تیر اس کے سینے میں لگا۔ کام تمام ہو گیا۔ راکھشش سینا نے اپنے نائک کو گرتے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر رام چندر کی سینا میں خوشی منائی جانے لگی۔

راون کو جب یہ ساچار ملا تو سر پیٹ کر رونے لگا۔ کبھہ کرن سے اسے بڑی آشا تھی۔ وہ زہول میں مل گیا۔ بھائی کے شوک میں بڑی دیر تک ولاپ کرتا رہا۔

میگھ ناد کا مارا جانا

دوسرے دن میگھ ناد بڑے سج دج سے میدان میں آیا۔ اس نے دونوں بھائیوں کو مار گرانے کا نچے کر لیا تھا۔ ساری رات دیوی کی پوجا کرتا رہا تھا۔ اسے اپنے بل اور شوریہ کا بڑا اہمیان تھا۔ راون کی ساری آشنائیں آج ہی کی لڑائی پر برہم تھیں۔ لٹکا میں پہلے ہی سے وجے کا اتو منانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ میگھ ناد نے میدان میں آکر ڈنگے پر چوٹ دلوائی تو بھیجن نے اس کے سامنے جا کر کہا۔ میگھ ناد، میں جانتا ہوں کہ بل اور ساہس میں تم اپنا سامن نہیں رکھتے، کتھو اوچیہ کی سد یو جیت ہوئی ہے اور سد یو ہوگی۔ میرا کہنا مانو، چل کر رام چندر سے سدھی کرلو۔ وہ تمہیں چھما کر دیں گے۔

میگھ ناد نے کرودھ سے آنکھیں نکال کر کہا۔ چچا صاحب، تمہیں لاج نہیں آتی کہ مجھے سمجھانے آئے ہو! دلش دڑوہ سے بڑھ کر سنسار میں دوسرا اپرا دھ نہیں۔ جو آدمی شترو سے مل کر اپنے گھر اور اپنے دلش کا آہت کرتا ہے۔ اس کی صورت دیکھنا بھی پاپ ہے۔ آپ میرے سامنے سے جائیں۔

بھیجن تو ادھر بھت ہو کر چلا گیا، ادھر لکھمن نے سامنے آکر میگھ ناد کو یدھ کا نمترن دیا۔ لکھمن کو دیکھ میگھ ناد بولا۔ ابھی دو چار دن گھاو کی مرہم پٹی اور کروا لیتے، کہیں آج گھاو پھر نہ تازہ ہو جائے۔ جا کر اپنے بڑے بھائی کو بھیج دو۔

لکھمن نے وحش پر بان چڑھا کر کہا۔ ایسے ایسے گھاو کی دیر لوگ لیش ماتر چتا نہیں کرتے۔ آج ایک بار پھر ہماری اور تمہاری ہو جائے۔ تک دیکھ لو کہ شیر گھائل ہو کر کتنا بھیاونا ہو جاتا ہے۔ بڑے بھائی صاحب کا مقابلہ تو تمہارے پتا سے ہی ہوگا۔

دونوں دیروں نے تھیں چلانے شروع کر دیے۔ دھن دھن تن تن کی آوازیں آنے لگیں۔ میگھ ناد پہلے تو وجے ہوا، لکھمن کا اس کے واروں کا کاٹنا کشن ہو گیا۔ جیوں جیوں سے

بیٹتا گیا۔ لکھن سنھلے گئے، اور میکہ ناد کزور پڑتا جاتا تھا، یہاں تک کہ لکھن اس پر دبے ہوئے اور ایک بان اس کی گردن پر ایسا مارا کہ اس کا سر کٹ کر الگ جاگرا۔

میکہ ناد کے گرتے ہی رانجھوس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بھگدڑ پڑ گئی۔ راون نے یہ ساچا سنا تو اس کے منہ سے شندھی سانس نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ پرتی شودھ کی جوالا سے پاگل ہو گیا۔ رام اور لکھن تو اس کے بس کے باہر تھے۔ سیتا جی کا ودھ کر ڈالنے کے لیے تیار ہو گیا۔ تلوار لے کر دوڑتا ہوا اشوک والکا میں پہنچا۔ سیتا جی نے اس کے ہاتھ میں تنگی تلوار دیکھی تو سہم اٹھیں، کتھو راون کا منتری بڑا بدھمان تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا گیا تھا۔ راون کی ایک ابلا استری کی جان پر اذیت دیکھ کر بولا مہاراج، گھر ہٹا چھا ہو، استری پر ہاتھ اٹھانا آپ کی مریدہ کے وردھ ہے۔ آپ دیدوں کے پنڈت ہیں۔ سانس اور دیرتا میں آج سنار میں آپ کے سان نہیں۔ اپنے پد اور گیان کا دھیان کیجیے اور اس کرم سے دکھ ہوئے۔ ان باتوں نے راون کا کردھ شندا کر دیا۔ تلوار میان میں رکھ لی اور لوٹ آیا۔

اس سے میکہ ناد کی پتی ورتا استری سلوچنا نے آکر کہا۔ مہاراج اب جیوت رہ کر کیا کروں گی۔ میرے پتی کا سر منکواد بیجیے۔ اسے لے کر میں ستی ہو جاؤں گی۔ راون نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیٹی، تیرے پتی کا سر تجھے اسی سے ملے گا، جب میں دونوں بھائیوں کا سر کاٹ لوں گا۔ دھیریہ رکھ۔

سلوچنا اپنی ساس مندوری کی پاس آئی۔ دونوں ساس بھویں گلے مل کر خوب روئیں۔ تب سلوچنا بولی۔ ماما جی میں اب اتھھ ہو گئی میرے پتی کا سر منکواد بیجیے تو میں ستی ہو جاؤں۔ اب جی کر کیا کروں گی جہاں سوامی ہیں، وہیں میں بھی جاؤں گی یہ دیوگ اب مجھ سے نہیں سہا جاتا۔

مندوری نے بھوکو پیار کر کے کہا۔ بیٹی، یدی تم نے بھی نشے کیا ہے تو شبھ ہو۔ میکہ ناد کا سراور تو کیس پر کار نہ ملے گا۔ تم جا کر سو نیم مانگو تو بھلے ہی مل سکتا ہے۔ رام چندر بڑے نیک آدمی ہیں۔ مجھے دشواس ہے کہ وہ تمھاری مانگ کو اسویکار نہ کریں گے۔

سلوچنا اسی سے رانج محل سے نکل کر رام چندر کی سینا میں آئی اور رام چندر کے سٹکھ جا کر بولی۔ مہاراج! ایک اتھھ دھوا آپ سے ایک پرا تھنا کرنے آئی ہے، اسے سوکار

کچھے۔ میرے ہتی در میکہ نادکا سر مجھے دیے دیجیے۔

رام چندر نے ترنت میکہ نادکا سر سلوچتا کو دلوادیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد
سلوچتاسی ہوگئی۔ چتا کی لپٹ آکاش تک پہنچی۔ کسی نے چاہے سلوچتا کو جاتے نہ دیکھا پر
سورگ میں پردشت ہوگئی۔

راون یدھ چھیتڑ میں

رات بھر تو راون شوک اور کرودھ سے جلتا رہا۔ سویرا ہوتے ہی میدان کی طرف چلا۔ لٹکا کی ساری سینا اس کے ساتھ تھی۔ آج یدھ کا زرنے ہو جائے گا، اس لیے دونوں اور کے لوگ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے بیٹھے تھے۔ راون کو میدان میں دیکھتے ہی رام چندر سو نیم تیر کمان لیے نکل آئے۔ اب تک انھوں نے کیول نام سنا تھا۔ اس کی صورت دیکھی تو مارے کرودھ کے آنکھوں سے جولا نکلنے لگی۔ ادھر راون کو بھی اپنے دو بیٹوں کے رکت کا اور اپنی بہن کے اپمان کا بدلا لینا تھا۔ گھمسان یدھ ہونے لگا۔ راون کی برابری کرنے والا لٹکا میں تو کیا، رام چندر کی سینا میں بھی کوئی نہ تھا۔ سگریو، انگد، ہنومان اتیادی اس پر ایک ساتھ بھالے، گدھا اور تیر چلاتے تھے۔ نیل اور قل اس پر پتھر مارتے تھے، پر اس نے اتنی تیزی سے تیر چلائے کہ کوئی سامنے نہ ٹھہر سکا۔ بھمن نے دیکھا کہ رام چندر اس کے مقابلے میں اکیلے رہے جاتے ہیں تو وہ بھی آکھڑے ہوئے اور تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ کٹھو راون پہاڑ کی طرح ٹپل کھڑا سب کے آکرموں کا جواب دے رہا تھا۔ آخر اس نے دوسرے پا کر ایک تیر ایسا چلایا کہ بھمن مورچھت ہو کر گر پڑے۔ دوسرا تیر رام چندر پر پڑا، وہ بھی گر پڑے، راون نے ترنت کھوار نکالی اور چاہتا تھا کہ رام چندر کا دودھ کر دے کہ ہنومان لپک کھٹاس کے سینے میں ایک گدا اتنی زور سے ماری کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ اس کا گرنا تھا کہ رام اور بھمن اٹھ بیٹھے۔ راون بھی ہوش میں آ گیا۔ پھر لڑائی ہونے لگی۔ آخر رام چندر کا ایک تیر راون کے سینے میں ٹکس گیا۔ رکت کی دھارا بہہ نکلی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ رتھ دان نے سمجھا کہ راون کا کام تمام ہو گیا۔ رتھ کو بھگا کر نگر کی اور چلا۔ راستے میں راون کو ہوش آ گیا۔ رتھ کو نگر کی اور جاتے دیکھ کرودھ سے آگ بھولا ہو گیا۔ اسی سے رتھ کو میدان کی اور چلنے کی آگیاں دی۔

سینوگ سے اسی سے دھمیں سامنے آ گیا۔ راون نے اسے دیکھتے ہی بھالے سے

دار کیا۔ چاہتا تھا کہ اس کو دھوکے بازی کا ڈنڈ دے دے۔ کتو لکھمن نے ایک تیر چلا کر بھالے کو کاٹ ڈالا۔ دھبیشن کی جان بچ گئی۔ اب کی راون نے آگنی بان چھوڑنے شروع کیے۔ ان بانوں سے آگ کی لپٹیں نکلتی تھیں۔ رام چندر کی سینا میں کھلبلی پڑ گئی۔ کتو راون کے سینے میں جو گھاؤ لگا تھا اس سے وہ پرتیک چمن نریل ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے دھنش چھوٹ کر گر پڑا اس سے رام چندر نے کہا۔ راجا راون اب تمہیں گمیاں ہو گیا کہ ہم لوگ اتنے برقی نہیں جتنا تم سمجھتے تھے؟ تمہارا سارا پر یوار تمہاری مورکھتا کا شکار ہو گیا۔ کیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں۔ اب بھی یدی تم اپنا دھنشا چھوڑ دو تو ہم تمہیں چھما کر دیں گے۔

راون نے سنبل کر دھنش اٹھالیا اور بولا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کبھ کرن اور میٹھ ناد کے مارے جانے سے میں ڈر گیا ہوں؟ راون کو اپنے ساہس اور بل کا بھروسہ ہے۔ وہ دوسروں کے بل پر نہیں لڑتا۔ دیروں کی ستان لڑائی میں مرنے کے سوا اور ہوتی ہی کس لیے ہے۔ اب سنبل جاؤ، میں پھر وار کرتا ہوں۔

کتو یہ کیول گیدڑ بھیگی تھی۔ رام چندر نے اب کی جو تیر مارا وہ پھر راون کے سینے میں جا لگا۔ ایک گھاؤ پہلے لگ چکا تھا، اس دوسرے گھاؤ نے انت کر دیا۔ راون رتھ کے نیچے گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اتنا چاری تھا، اتنیائی تھا، نیچ تھا، کتو دیر بھی تھا۔ مرتے سے بھی دھنش اس کے ہاتھ میں تھا۔

راون کے رتھ سے نیچے گرتے دیکھ دھبیشن دوڑ کر اس کے پاس آ گیا، دیکھا تو وہ دم توڑ رہا تھا اس سے بھائی کے رکت نے جوش مارا۔ دھبیشن راون کے رکت لطف مرت شریر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اتنے میں راون کی رانی مندودری اور دوسری رانیاں بھی آکر ولاپ کرنے لگیں۔ رام چندر نے انہیں سمجھا کر بدا کیا۔ سینکوں نے چاہا کہ جل کر لٹکا کو لوٹیں۔ کتو رام چندر نے انہیں منع کیا۔ ہارے ہوئے شترو کے ساتھ وہ کسی پرکار کی زیادتی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دبھیشن کا راجیہ ابھیشیک

ایک دن وہ تھا کہ دبھیشن ایمانت ہو کر روتا ہو الکا تھا، آج وہ وجے ہو کر لکا میں پروٹت ہوا۔ سامنے سواروں کا ایک سوہ تھا۔ پرکار پرکار کے باجے بج رہے تھے۔ دبھیشن ایک سندرتھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بھمن بھی ان کے ساتھ تھے۔ پیچھے سینا کے نامی سورما اپنے اپنے رتھوں پر شان سے بیٹھے ہوئے چلے جارہے تھے۔ آج دبھیشن کا نیا نوسار راجیہ ابھیشیک ہوگا۔ وہ لکا کی گدی پر بیٹھیں گے۔ رام چندر نے ان کو وجن دیا تھا۔ اسے پورا کرنے کے لیے بھمن ان کے ساتھ جارہے ہیں۔ شرمس ڈھنڈورا پٹ گیا ہے کہ اب راجا دبھیشن لکا کے راجا ہوئے۔ دونوں اور چھتوں سے ان پر پھولوں کی درشا ہو رہی ہے۔ جنی مانی نظریں ہستت کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ سب بندیوں کی مکتی کی گھوٹا کردی گئی ہے۔ راون کا کوئی شوک نہیں کرتا۔ سبھی اس کے اتیاچار سے بیڑت تھے۔ دبھیشن کا سبھی لیش گارہے ہیں۔

دبھیشن کو گدی پر بٹھا کر رام چندر نے ہنومان کو سیتا کے پاس بھیجا۔ دبھیشن پاکی لے کر پہلے ہی سے ہستت تھے۔ سیتا جی کے ہرش کا کون الومان کر سکتا ہے۔ اتنے دنوں کی قید کے بعد انھیں آزادی ملی ہے۔ مارے ہرش کے انھیں مورچھا آگئی، جب چیتنا آئی تو ہنومان نے ان کے جلوں پر سر جھکا کر کہا۔ ماتا! شری رام چندر جی آپ کی پرکھا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ سویم آتے، کتو مگر میں آنے سے بے بس ہیں۔ سیتا جی خوشی خوشی پاکی پر بیٹھیں۔ رام چندر سے ملنے کی خوشی میں انھیں کپڑوں کی بھی پتا نہ تھی۔ کتو دبھیشن کی رانی شرماتے ان کے شرم پر اٹھن ملا، سرمیں تیل ڈالا، بال مٹھے، بہو مولیہ ساڑی پہنائی اور دوا کیا۔ سواری روانہ ہوئی۔ ہزاروں آدمی ساتھ تھے۔

رام چندر کو دیکھتے ہی سیتا جی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ وہ پاکی سے

اتر کر ان کی اور چلیں۔ رام چندر اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ ان کے چہرے سے خوشی نہیں ظاہر ہو رہی تھی، بلکہ رنج ظاہر ہوتا تھا۔ بیٹا جی نکٹ آگئیں۔ پھر بھی وہ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ تب بیٹا جی ان کے ہر دے کی بات سمجھ گئیں۔ وہ ان کے پیروں پر نہیں گریں، سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ایک منٹ کے بعد بیٹا جی نے پچھمن سے کہا۔ بھیا، کھڑے کیا دیکھتے ہو۔ میرے لیے ایک چٹا تیار کراؤ۔ جب سوامی جی کو مجھ سے گھرنا ہے، تو میرے لیے آگ کی گود کے سوا اور کوئی استھان نہیں۔ درشن ہو گئے، میرے لیے یہی سو بھاگیہ کی بات ہے۔ ہائے! کیا سوچ رہی تھی، اور کیا ہوا۔

یہ بات نہ تھی کہ رام چندر جی کو بیٹا جی پر کسی پرکار کا سندبہ تھا۔ وہ بھلی پرکار جانتے تھے کہ بیٹا جی نے کبھی راون سے سیدھے منہ بات نہیں کی۔ سدیو اس سے گھرنا کرتی رہیں۔ کتو سنسار کو نزل ہر دیتا پر کیسے دشواس آتا؟ بیٹا جی بھی من میں یہ بات بھلی پرکار سمجھتی تھیں۔ اس لیے انھوں نے اپنے دشنے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ جان دینے کے لیے تیار ہو گئیں۔ رام چندر کا کلیجا پھٹا جاتا تھا، کتو دوش تھے۔

نکٹ دیر میں چٹا تیار ہو گئی۔ اس میں آگ دی گئی، لپٹیں اٹھنے لگیں۔ بیٹا جی نے رام چندر کو پرنام کیا اور چٹا میں کودنے چلیں۔ وہاں ساری سینا اکھڑت تھی۔ بیٹا جی کو آگ کی اور بڑھتے دیکھ کر چاروں اور شور مچ گیا۔ سب لوگ جلا جلا کر کہنے لگے۔ ہم کو بیٹا جی پر کسی پرکار کا سندبہ نہیں ہے! وہ دیوی ہیں، ہماری ماما ہیں، ہم ان کی پوجا کرتے ہیں۔ ہنومان، انگد، سگریو ایتادی بیٹا جی کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اس سے رام چندر کو دشواس ہوا کہ اب بیٹا جی کی پوترتا پر کسی کو سندبہ نہیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر بیٹا جی کو چھاتی سے لگا لیا۔ سارا جمیر ہرش دھونی سے گونج اٹھا۔

ایودھیا کو واپسی

رام چندر نے لکا پر جس آشیہ سے آکر سن کیا تھا، وہ پورا ہو گیا۔ سیتا جی چھڑائی گئیں، راوَن کو دھڑ دیا جا چکا۔ اب لکا میں رہنے کی آدھیکا نہ تھی۔ رام چندر نے چلنے کی تیاری کرنے کا آدیش دیا۔ دھیش نے جب سنا کہ رام چندر جا رہے ہیں تو آکر بولا۔ مہاراج! مجھ سے کون سا اہرادھ ہوا جو آپ نے اتنے فکھر چلنے کی ٹھان لی؟ بھلا دس پانچ دن تو مجھے سبھا کرنے کا اور دہیچے۔ ابھی تو میں آپ کا کچھ اٹھایہ کر ہی نہ سکا۔

رام چندر نے کہا۔ دھیش! میرے لیے اس سے ادھک پرنتا کی اور کون سی بات ہو سکتی تھی کہ کچھ دن تمہارے سرگرم کا آئند اٹھاؤں۔ تم جیسے نزل ہردئے پڑش بڑے بھاگیہ سے ملتے ہیں۔ کٹھو بات یہ ہے کہ میں نے مہرت سے چودھویں ورش پورے ہوتے ہی لوٹ جانے کا پرن کیا تھا۔ اب چودھ ورش پورے ہونے میں دو ہی چار دن کا دلہب ہے۔ یدی مجھے ایک دن کی بھی دیر ہو گئی تو مہرت کو بڑا دکھ ہوگا۔ یدی جیوت رہا تو پھر کبھی بھینٹ ہوگی۔ ابھی تو ایودھیا تک پہنچنے میں مہینوں لگیں گے۔

دھیش۔ مہاراج ایودھیا تو آپ دو دن میں پہنچ جائیں گے۔

رام چندر۔ کیول دو دن میں؟ یہ کیسے سمجھو ہے؟

دھیش۔ میرے بھائی راوَن نے اپنے لیے ایک وایویان بنوایا تھا۔ اسے چپک دمان کہتے ہیں! اس کی چال ایک ہزار میل پرتی دن ہے۔ بڑے آرام کی چیز ہے۔ دس بارہ آدی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔ البشور نے چاہا تو آج کے تیرے دن آپ ایودھیا میں ہوں گے۔ کٹھو میری پراعتنا آپ کو سویکار کرنی پڑے گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ جہاں آپ کے ہزاروں چاکر ہیں وہاں مجھے بھی ایک چاکر کھیے۔

اسی دن چپک دمان آگیا۔ دچر اور آٹھر یہ جگ چیز تھی۔ کل گھماتے ہی ہوا میں اٹھ کر اڑنے لگی تھی۔ بیٹھنے کی جگہ آگ، سونے کی جگہ آگ، ہیرے جواہرات جڑے ہوئے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اڑنے والا عمل ہے۔ رام چندر اسے دیکھ کر بہت پرسن ہوئے۔ کفو جب چلنے کو تیار ہوئے تو ہومان، سگریو، انگد، نل جامونت، سبھی ناکوں نے کہا۔ مہاراج آپ کی سیوا میں اتنے دنوں سے رہنے کے بعد اب یہ دیوگ نہیں سہا جاتا۔ بڑی آپ یہاں نہیں رہتے ہیں تو ہم لوگوں کو ہی ساتھ لیتے چلیے۔ وہاں آپ کے راجہ بھیشک کا آسو منائیں گے، کوشلیا ماتا کے درشن کریں گے، گرد و ششٹ، دھواستر، بھردواج اتیادی کے اپدیش سنیں گے اور آپ کی سیوا کریں گے۔

رام چندر نے پہلے تو انھیں بہت سمجھایا کہ آپ لوگوں نے میرے اوپر جو مجھ پر اپکار کیے ہیں، وہی کافی ہیں، اب اور ادھک اپکاروں کے بوجھ سے نہ دبائیے۔ کفو جب ان لوگوں نے بہت آگہ بہ کیا تو دوش ہو کر ان لوگوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ سب کے سب دمان میں بیٹھے اور دمان ہوا میں اڑ چلا۔ رام چندر اور سیتا میں باتیں ہونے لگیں۔ دونوں نے اپنے اپنے رتانت ورن کیے۔ دمان ہوا میں اڑتا چلا جاتا تھا۔ جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے جا رہے تھے۔ راستے میں جو پرسدھ استھان آتے تھے، انھیں رام چندر جی سیتا جی کو دکھا دیتے تھے۔ پہلے سمندر دکھائی دیا۔ اس پر بندھا ہو پل دیکھ کر سیتا جی کو بڑا آٹھر یہ ہوا۔ پھر وہ استھان آیا، جہاں رام چندر نے ہالی کو مارا تھا۔ اس کے بعد کھینکندھا پوری دکھائی دی۔ رام چندر نے کہا۔ جس راجا سگریو کی سہایتا سے ہم نے لکا دے گی، ان کا مکان یہی ہے۔ سیتا جی نے سگریو کی رانی سے بھینٹ کرنے کی اچھا پرکٹ کی۔ اسی لیے دمان روک دیا گیا اور لوگ سگریو کے گھر اترے۔ تارائن سیتا جی کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی اور اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔ سگریو نے اپنے پر تھکے جسموں کی ابھیر تھنا کی اور انھیں دو چار دن روکنا چاہا، کفو رام چندر کیسے رک سکتے تھے۔ دوسرے دن دمان پھر روانہ ہوا۔ سگریو اتیادی بھی اس پر بیٹھ کر چلے۔ رام چندر جی سے ان لوگوں کو اتنا پریم ہو گیا کہ ان کو چھوڑتے ہوئے ان لوگوں کو دکھ ہوتا تھا۔

رام چندر نے پھر سیتا جی کو ٹکھیر ٹکھیر استھان دکھانا پرارمھ کیا۔ دیکھو، یہ وہ بن ہے جہاں ہم تھیں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ آہا دیکھو وہ چھوٹی سی جمو نیڑی جو دکھائی دے رہی ہے۔ وہی شبری کا گھر ہے۔ یہاں رات بھر ہم نے جو آرام پایا۔ اتنا کبھی اپنے گھر میں بھی نہ پایا تھا۔ یہ لوہہ استھان آگیا جہاں پوتر جٹاپو سے ہماری بھینٹ ہوئی تھی۔ وہ اس کی

کئی ہے۔ کیول دیواریں شیش رہ گئی ہیں۔ بنایو نے ہمیں تمہارا پتہ نہ بتایا ہوتا، تو گمیا ت نہیں کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے۔ وہ دیکھو بیچ پوٹی ہے۔ وہ ہماری کئی ہے۔ کتنا جی چاہتا ہے کہ ایک بار چل کر اس کئی کے درشن کر لوں۔ سیتا جی اس کئی کو دیکھ کر رونے لگیں۔ آہ! یہاں سے انھیں راون ہر لے گیا تھا۔ وہ دن، وہ گھڑی کتنی شبہ تھی کہ اتنے دنوں تک انھیں ایک اتیاچار کی قید میں رہنا پڑا۔ راون کا وہ سادھوؤں کا سا بھیش ان کی آنکھوں میں پھر گیا۔ آنسو کسی پرکار نہ تھمتے تھے۔ کھنٹھا سے رام چندر نے انھیں سمجھا کر چپ کیا۔ دمان اور آگے بڑھا۔ اگستہ مٹی کا آشرم دکھائی دیا۔ رام چندر نے ان کے درشن کیے، کتو رکنے کا ادکاش نہ تھا، اس لیے تھوڑی دیر کے بعد پھر دمان روانہ ہوا چڑ کوٹ دکھائی دیا۔ سیتا جی اپنی کئی دیکھ کر بہت پرسن ہوئیں۔ کچھ دیر بعد پریاگ دکھائی دیا۔ یہاں بھردواج مٹی کا آشرم تھا۔ رام چندر نے دمان کو اتارنے کا آدیش دیا اور مٹی جی کی سیوا میں مستمت ہوئے۔ مٹی جی ان سے مل کر بہت پرسن ہوئے۔ بڑی دیر تک رام چندر انھیں اپنے درنات سناتے رہے۔ پھر اور باتیں ہونے لگیں رام چندر نے کہا۔ مہاراج! مجھے تو آشنا نہ تھی کہ پھر آپ کے درشن ہوں گے۔ کتو آپ کے آشیرواد سے آج پھر آپ کے چرن اسپرش کا اوسر مل گیا۔

بھردواج بولے۔ بیٹا! جب تم یہاں سے جا رہے تھے، اس بے مجھے کتنا دکھ ہوا تھا اس سے کہیں ادھک پرشتا آج تمہاری واپسی پر پھر ہو رہی ہے۔

رام۔ آپ کو ایودھیا کے ساچار تو ملتے ہوں گے؟

بھردواج۔ ہاں بیٹا، وہاں کے ساچار تو ملتے رہتے ہیں، بھرت ایودھیا سے دور ایک گاؤں میں کئی بنا کر رہتے ہیں، کتو شروگمن کی سہایتا سے انھوں نے بھی بہت اچھی طرح راجیہ کا کام سنبالا ہے۔ پر جا پرسن ہے۔ اتیاچار کا نام بھی نہیں ہے۔ کتو سب لوگ تمہارے لیے ادھیر ہو رہے ہیں۔ بھرت تو اتنے ادھیر ہیں کہ یدی تھیں ایک دن کی دیر ہوگئی تو شاید تم انھیں جیوت نہ پاؤ۔

رام چندر نے اسی سے ہنومان کو بلا کر کہا۔ تم ابھی بھرت کے پاس جاؤ، اور انھیں میرے آنے کی سوچنا دو۔ وہ بہت گھبراہے ہوں گے۔ میں کل سویرے یہاں سے چلوں گا۔ یہ آگیا پاتے ہی ہنومان ایودھیا کی اور روانہ ہوئے اور بھرت کا پتہ پوچھتے ہوئے ندی گرام پہنچے۔ بھرت نے جیوں ہی یہ شہ ساچار سنا انھیں مارے ہرش کے مور چھا آگئی۔ اسی سے ایک

آدی بھیج کر شتر و گھن کو بلوایا اور کہا۔ بھائی، آج کا دن بڑا شہ ہے کہ ہمارے بھائی صاحب چودہ درش کے دیش لالے کے بعد ایودھیا آرہے ہیں۔ مگر میں ڈھنڈورا پٹوایا کہ لوگ اپنے اپنے گھر دیپ جلائیں اور اس پرستیا میں آسو مناویں۔ سویرے تم ان کے آسو کا پر بندھ کر کے یہاں آجانا ہم سب لوگ بھائی صاحب کی آگواہی کوئے چلیں گے۔

دوسرے دن سویرے رام چندر جی بھر دواج منی کے آشرم سے روانہ ہوئے۔ جس ایودھیا کی گود میں پلے اور کھیلے، اس ایودھیا کے آج پھر درشن ہوئے۔ جب ایودھیا کے بڑے بڑے ایٹوریہ شالی پر اساد دکھائی دینے لگے، تو رام چندر کا کھ مارے پرستیا کے چمک اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہومان سے بولے۔ متر مجھے سنار میں کوئی استھان اپنی ایودھیا سے ادھیک پر یہ نہیں۔ مجھے یہاں کے کانٹے بھی دوسری جگہ کی پھولوں سے ادھیک سندر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دیکھو، سر یو ندی مگر کو اپنی گود میں لیے کیسے بچوں کی طرح کھلا رہی ہے۔ یہی مجھے بھکھک بن کر بھی یہاں رہتا پڑے۔ تو دوسری جگہ راجیہ کرنے سے ادھک پرسن رہوں گا۔ ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ نیچے ہاتھی، گھوڑوں، رتھوں کا جلوس دکھائی دیا۔ سب کے آگے بھرت گيروے رنگ کی چادر اوڑھے، جٹا بڑھائے، نچے پاؤں ایک ہاتھ میں رام چندر کی کھڑاؤں لیے چلے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے شتر و گھن تھے۔ پالکیوں میں کوشلیا، سومترا اور لکئی تھیں۔ جلوس کے پیچھے ایودھیا کے لاکھوں آدی اچھے اچھے کپڑے پہنے چلے آرہے تھے۔ جلوس کو دیکھتے ہی رام چندر نے دمان کو نیچے اتارا۔ نیچے کے آدمیوں کو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی بڑا کچھلی پر جوڑنے اتر رہا ہے۔ کبھی ایسا دمان ان کی درشی کے سامنے نہ آیا تھا، کتھو جب دمان نیچے اتر آیا، تو لوگوں نے بڑے آٹھریہ سے دیکھا کہ اس پر رام چندر، سیتا، بھگمن اور ان کے نایک بیٹھے ہوئے ہیں۔ بے بے کی ہر ش دھونی سے آکاش مل اٹھا۔

جیوں ہی رام چندر دمان سے اترے۔ بھرت دوڑ کر ان کے چروں سے لپٹ گئے۔ ان کے منہ سے شہد نہ لکھا تھا۔ بس آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ رام چندر انھیں اٹھا کر چھاتی سے لگانا چاہتے تھے، کتھو بھرت ان کے پیروں کو نہ چھوڑتے تھے۔ کتھو پوتر درشہ تھا! رام چندر نے تو پا کی آکھیا کو مان کر بنواس لیا تھا، کتھو بھرت نے راجیہ ملنے پر بھی سویکار نہ کیا، اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ رام چندر کے رہنے راجیہ پر میرا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔ انھوں

نے راجہ ہی نہ چھوڑا، سادھوؤں کا ساجیون معص کیا، کیونکہ کیکئی نے انہیں کے لیے رام چندر کو بنواس دیا تھا۔ وہ سادھوؤں کی طرح رہ کر اپنی ماما کے انیاہنے کا بدلا چکانا چاہتے تھے۔ رام چندر نے بڑی کھنائی سے اٹھایا اور چھاتی سے لگا لیا۔ پھر مہمن بھی بھرت سے گلے لے۔ ادھر بیتا جی نے جاکر کوشلیا اور دوسری ماماؤں کے چلوں پر سر جھکایا۔ کیکئی رانی بھی وہاں ہستھتھ تھیں۔ تینوں ساسوں نے بیتا کو آشیرداد دیا۔ کیکئی اب اپنے کئے پر بوجھ تھیں۔ اب ان کا ہر دے رام چندر اور کوشلیا کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔

رام چندر کی راج گدی

آج رام چندر کے راجا اہلیک کا شہ دن ہے۔ سریوں کے کنارے ایک وصال تہو کھڑا ہے۔ اس کی چوٹیں چاندی کی ہیں اور ریاں ریشم کی۔ بہو مولہ تلچے بچے ہوئے ہیں۔ تہو کے باہر سندر گیلے رکھے ہوئے ہیں۔ تہو کی چھت شیشے کے بہو مولہ سامانوں سے سجی ہوئی ہے۔ دور دور سے رشی منی بلائے گئے ہیں۔ دربار کے دفی مانی اور پرتھوٹ راجے آدر سے بیٹھے ہیں۔ سامنے ایک سونے کا جڑاؤ سنہان رکھا ہوا ہے۔

ایک ایک توپیں دگیں، سب لوگ سنبھل گئے۔ دوت ہو گیا کہ شری رام چندر راج بھون سے روانہ ہو گئے، اور ان کے سامنے گھنٹہ اور ہتھکھ بھایا جارہا تھا۔ بھمن، بھرت، شتر دگن، ہنومان، سگر یو اتیادی پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ رام چندر نے آج راجسی پوشاک پہنی ہے اور سیتا جی کے ہاتھ سنگار کی پرھسا تو ہوئی نہیں سکتی۔

جیوں ہی یہ لوگ تہو میں پہنچے گرد و دھوٹ نے انھیں ہون کڈ کے سامنے بیٹھایا، براہمن نے دید منتر پڑھنا آرمھ کر دیا۔ ہون ہونے لگا۔ ادھر راج محل میں منگل کے گیت گائے جانے لگے۔ ہون ساہت ہونے پر گرد و دھوٹ نے رام چندر کے ماتھے پر کیشر کا تلک لگا دیا۔ اس سے توپوں نے سلامیاں داگیں۔ دھنیکوں نے نظریں بستھت کیں، کویشوروں نے کویت پڑھنا پرامھ کر دیا۔ رام چندر اور سیتا جی سنہان پر شوہایمان ہو گئے۔ دھیشن موہر چل جھلنے لگا۔ سگر یو نے چوب داروں کا کام سنبھال لیا اور ہنومان پکھا جھلنے لگے۔ نطھادان ہنومان کی پرستیا کی قہا نہ تھی جس راجکار کو بہت دن پہلے انھوں نے رشیہ ڈک پر بت پر ادھر ادھر سیتا کی تلاش کرتے پایا تھا، آج سیتا جی کو اسی کے ساتھ سنہان پر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ انھیں اس ادشت استھان پر پہچانے میں انھوں نے کتنا بھاگ لیا تھا، اہمان پڑر گدو سے وہ پھولے نہ ساتے تھے۔

بھرت بڑے بڑے تھالوں میں میوے، اناج بھرے بیٹھے ہوئے تھے۔ روپیوں کے ڈھیر ان کے سامنے لگا تھا۔ جیوں ہی رام چندر اور بیتا سنہاسن پر بیٹھے، بھرت نے دان دینا پر اصرار کر دیا۔ ان چودہ برسوں میں انھوں نے بچت کر کے راجکوش میں جو کچھ اکثرت کیا تھا، وہ سب کسی نہ کسی روپ میں پھر پر جا کے پاس پہنچ گیا۔ زردھنوں کو بھی اشرافیوں کی صورت دکھائی دے گئی۔ جنگوں کو شال دو شالیں پراپت ہو گئے اور بھوکوں کو میووں اور مٹھائیوں سے سنبھلایا ہو گئی۔ چاروں طرف بھرت کی دان فیلچا کی دھوم مچ گئی۔ سارے راجپہ میں کوئی زردھن نہ رہ گیا۔ کسانوں کے ساتھ ویش چھوٹ کی گئی۔ ایک سال کا لگان معاف کر دیا گیا۔ جگہ جگہ کوئیں کھدوا دیے گئے۔ بندیوں کو مکت کر دیا گیا۔ کیول وہی مکت نہ کیے گئے جو جھل اور کپٹ کے اہمیت تھے۔ دھنکوں اور پرتھوؤں کو پدویاں دی گئیں اور تھیلیاں بانٹیں گئیں۔

اُتر کاٹ

رام کا راج

راجا بھشک کا اتلو ساہت ہونے کے اُپرانت سرگرو، دبھیشن، انگد اتیادی تو دوا ہوئے کتو ہومان کو رام چندر سے اتنا پریم ہو گیا تھا کہ وہ انھیں چھوڑ کر جانے پر سمیت نہ ہوئے۔ بھمن، بھرت اتیادی نے انھیں بہت سبھایا کتو وہ ایدھیا سے نہ گئے۔ ان کا سارا جیون رام چندر کے ساتھ ہی ساہت ہوا۔ وہ سدو رام چندر کی سیدا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بڑے سے بڑا کٹھن کام دیکھ کر بھی ان کا ساہس مند نہ ہوتا تھا۔

رام چندر کے سے میں ایدھیا کے راجیہ کی اتی اتی ہوئی، پر جاتی پر سن تھی کہ رام راجیہ ایک کھاوت ہوگی ہے۔ جب کسی سے کی بہت پرھنسا کرنی ہوتی ہے تو اسے رام راجیہ کہتے ہیں اس سے میں چھوٹے بڑے سب پر سن تھے، اس لیے کوئی چوری نہ کرتا تھا۔ ہکھا اوار یہ تھی، بڑے بڑے رشی لڑکوں کو پڑھاتے تھے، اسی لیے انوچت کرم نہ ہوتے تھے۔ وڈوان لوگ نیائے کرتے تھے۔ اس لیے جھوٹی گواہیاں نہ بتائی جاتی تھیں۔ کسانوں پر سختی نہ کی جاتی تھی۔ اس لیے وہ من لگا کر کھیتی کرتے تھے۔ اناج بھایت سے پیدا ہوتا تھا۔ ہر ایک گاؤں میں تالاب اور کنوئیں کھلوا دیے گئے تھے۔ نہریں بنوا دی گئی تھیں، اس لیے کسان لوگ آکاش ورشا پر ہی زبھر نہ رہتے تھے صفائی کا بہت اچھا پر بندھ تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہ تھی۔ دودھ کھی وپلا سے پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک گاؤں میں صاف چارا گاہیں تھیں، اس لیے دیش میں بیماریاں نہ تھیں۔ پلگ، ہیڈ، چچک اتیادی بیماریوں کے نام بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ سوسھ رہنے کے کارن سبھی سندر تھے۔ کروپ آدمی کھٹائی سے ملتا تھا، کیونکہ سوسھ ہی سندر تھا۔ سوسھ رہنے کا مہید ہے۔ یو مرتیوں بہت کم ہوتی تھیں۔ اس لیے اپنی پوری آئیوں تک جیتے تھے۔ گلی گلی انا تھا لے نہ تھے، اس لیے کہ دیش میں انا تھ اور دھوا نہیں ہی نہیں۔

اس سے میں آدمی کی پرغصا اس کے دمن یا پردھی کے اوسار نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ دھرم اور گیان کے اوسار۔ دھنک لوگ نروہنوں کا رکت چھنے کی ہمت میں نہ رہتے تھے، نہ نروہن لوگ دھنکوں کو دھوکا دیتے تھے۔ دھرم اور کرتویہ کی تلم میں سوار تھے اور پریوجن کو لوگ ٹھٹھہ سمجھتے تھے۔ رام چندر پر جا کو اپنے لڑکے کی طرح مانتے تھے۔ پر جا بھی انہیں اپنا پتا سمجھتی تھی۔ گھر گھر یکہ اور ہون ہوتا تھا۔

رام چندر کیول اپنے پرامرش داتاؤں کی ہی بات نہ سنتے تھے۔ وہ سیموم بھی پرایہ ہمیش بدل کر ایودھیا اور راجہ کے دھرے گروں میں گھومتے رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پر جا کا ٹھیک ٹھاک سا چار انہیں ملتا رہے۔ جیوں ہی وہ کسی سرکاری پداکار کی برائی سنتے، ترنت اس سے اتر مانگتے اور کڑا دھڑ دیتے۔ سمکو نہ تھا کہ پر جا پر کوئی اتیاچار کرے اور رام چندر کو اس کی سوچنا نہ ملے۔ جس براہمن کو دمن کی اور ٹھٹھتے دیکھتے، ترنت اس کا نام دیشیوں میں لکھا دیتے۔ ان کے راجہ میں سمکو نہ تھا کہ کوئی تو دمن اور پرغصا دونوں ہی لوٹے اور کوئی دلوں میں سے ایک بھی نہ پائے۔

کئی سال اسی طرح بیت گئے۔ ایک دن رام چندر رات کو ایودھیا کی گلیوں میں ہمیش بدلے گھوم رہے تھے کہ ایک دھوبی کے گھر میں جھگڑے کی آواز سن کر رک گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ گیات ہوا کہ دھوبن آدمی رات کو باہر سے لوٹی ہے اور اس کا پتی اس سے پوچھ رہا ہے کہ تو اتنی رات تک کہاں رہی۔ استری کہہ رہی تھی، یہیں پڑوس میں تو کام سے گئی تھی۔ کیا قیدی بن کر تیرے گھر میں رہوں؟ اس پر پتی نے کہا۔ میرے پاس رہو گی تو تجھے قیدی بن کر ہی رہنا پڑے گا، نہیں کوئی دھرا گھر دھوڑ لے۔ میں راجا نہیں ہوں کہ تو جو چاہے اوگن کرے، اور اس پر پردہ پڑ جائے۔ یہاں تو ٹھک بھی ایسی ویسی بات ہوئی تو برادری سے نکال دیا جاؤں گا۔ تھ پانی بند ہو جائے گا۔ برادری کو بھوج دینا پڑ جائے گا۔ اتنا کس کے گھر سے لاؤں گا۔ تجھے اگر سیر سپاٹا کرنا ہے، تو میرے گھر سے چلی جا۔ اتنا سنتا تھا کہ رام چندر کے ہوش اڑ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے زمین نیچے دھنسی جا رہی ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے لوگ بھی میری برائی کر رہے ہیں! میں اپنی پر جا کی درشتی میں اتنا گر گیا ہوں! جب ایک دھوبی کے دل میں ایسے دھار پیدا ہو رہے ہیں، تو بھلے آدمی میرا چھو ہوا پانی بھی نہ ٹھیں۔ اسی سے رام چندر گھر کی اور چلے اور ساری رات اسی بات پر دھار کرتے

رہے۔ کچھ بڑی کام نہ کرتی تھی کہ کیا کرنا چاہیے! اس کے سوا کوئی کچھ نہ تھی کہ سیتا جی کو اپنے پاس سے الگ کر دیں۔ کفو اس پھرتا کی دیوی کے ساتھ اتنی زیادہ کرتے ہوئے انہیں اٹھک ڈکھ ہو رہا تھا۔

سوچے رام چندر نے عموں بھائیوں کو بلوایا اور رات کی گھٹنا کی چڑچا کر کے ان کی صلاح پوچھی۔ بھگمن نے کہا۔ اس بچے دھوپ کو پھانسی دے دینی چاہیے، جس سے کہ پھر کسی کو ایسی برائی کرنے کا سامن نہ ہو۔

شتر دھگمن نے کہا۔ اسے راجہ سے نکال دیا جائے۔ اس کی بدزبانی کی بھی سزا ہے۔ بھرت بولے۔ بکے دیجیے۔ ان بچے آدمیوں کے بکے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ سیتا سے ادھک پتھر دیوی سنسار میں تو کیا، دیو لوک میں بھی نہ ہوگی۔

بھگمن نے جوش سے کہا۔ آپ کیا کہتے ہیں، بھائی صاحب ان بکے کے آدمیوں کو اتنا سامن کہ سیتا جی کے دشمن میں ایسا استغوش پرکٹ کریں؟ ایسے آدمی کو اوشیہ ہی پھانسی دینی چاہیے۔ سیتا جی نے اپنی پھرتا کا پرمان اسی سے دے دیا جب وہ چتا میں کودنے کو تیار ہو گئیں۔

رام چندر نے دیر تک وچار میں ڈوبے رہنے کے بعد سر اٹھایا اور بولے۔ آپ لوگوں نے سوچ کر پرامش نہیں دیا۔ کرودھ میں آگئے۔ دھوپ کو مار ڈالنے سے ہماری بدنامی دور نہ ہوگی بلکہ اور بھی پھیلے گی۔ بدنامی کو دور کرنے کا کیل ایک ہی علاج ہے، اور وہ ہے کہ سیتا جی کا پر تیاگ کر دیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ سیتا جی پھرتا اور لہجہ کی دیوی ہیں۔ مجھے پورا دشواں ہے کہ انھوں نے سو پن میں بھی میرے اثر کت اور کسی کا دھیان نہیں کیا۔ کفو میرا دشواں جب پر جا کے دلوں میں دشواں پیدا نہیں کر سکتا، تو اس سے کیا لایبھ ہوگا۔ میں اپنے دلش میں ٹھک لگتے نہیں دیکھ سکتا۔ میرا دھرم ہے کہ پر جا کے سانے جیون کا ایسا اداہرن استھت کروں جو ساج کو اور بھی اونچا اور پھرتا بنائے۔ یدی میں ہی لوک مندرا اور بدنامی سے نہ ڈروں گا تو پر جا اس کی کب پرواہ کرے گی۔ اور اس پر کار جن سادھارن کو سچے اور سیدھے مارگ سے ہٹ جانا سرل ہو جائے گا۔ بدنامی سے بڑھ کر ہمارے جیون کو سدھارنے کی دوسری طاقت نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ بتلائی اس کے سوائے کوئی دوسری کچھ نہیں ہے۔

تینوں بھائی رام چندر کا یہ وار تالاپ سن کر گم سم ہو گئے۔ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور دل میں ان کے بلیدان کی پڑھنا کرنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ بیٹا جی ز پرادھ ہیں۔ پھر بھی سماج کی بھلائی کے دھار سے اپنے ہر دے پر اتنا ہتیا چار کر رہے ہیں۔ کر توے کے سامنے، پر جا کی بھلائی کے سامنے انھیں اس کی بھی پرواہ نہیں ہے، جو انھیں دنیا میں سب سے پرے ہے۔ شاید یہ اپنی برائی سن کر اتنی ہی حیرتا سے اپنی جان دے دیے۔

رام چندر نے ایک چمن کے بعد پھر کہا۔ ہاں! اس کے سوا اب کوئی دوسری یکتی نہیں ہے۔ آج مجھے ایک دھوبی سے لکھت ہونا پڑ رہا ہے۔ میں اسے سہن نہیں کر سکتا۔ بیٹا بھگمن، تم نے بڑے کٹھن اوروں پر میری سہایت کی ہے یہ کام بھی تمہیں کرنا ہوگا۔ مجھے بیٹا سے بات کرنے کا سامس نہیں ہے۔ میں ان کے سامنے جانے کا سامس نہیں کر سکتا۔ میں ان کے سامنے جا کر میں اپنے راشٹر کر تو یہ سے ہٹ جاؤں گا۔ اس لیے آج ہی تم کسی بہانے سے بیٹا کو لے کر چلے جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ نزدیک کرتے ہوئے تمہارا سن تم کو کو سے گا، کفو تم یاد رکھو۔ کر تو یہ کا مارگ کٹھن ہے۔ جو آدمی تلوار کی ڈھال پر چل سکے، وہی کر تو یہ کے راستے پر چل سکتا ہے۔

یہ آہٹا دے کر رام چندر جی دوبار میں چلے گئے۔ بھگمن جانتے تھے کہ اگر رام چندر کی آہٹا کا پالن نہ کیا گیا تو وہ لوہیہ آتم بھیا کر لیں گے۔ وہ اپنی بدنامی کدانی نہیں سہ سکتے۔ بیٹا جی کے ساتھ چھل کرتے ہوئے ان کا ہر دے ان کو دھکار رہا تھا۔ کفو دوش تھے۔ جا کر بیٹا جی سے بولے۔ بھابھی آپ جنگلوں کی سیر کا کئی بار تقاضا کر چکی ہیں۔ میں آج سیر کرنے جا رہا ہوں۔ چلیے آپ کو بھی لے چلوں۔

بھاری بیٹا کیا جانتی تھیں کہ آج یہ گھر مجھ سے سدو کے لیے چھوٹ رہا ہے! میرے سوا مجھے سہو کے لیے بھاس دے رہے ہیں! بڑی پرستنا سے چلنے کو تیار ہو گئیں۔ اسی سے رتھ تیار ہوا۔ بھگمن اور بیٹا اس پر بیٹھ کر چلے۔ بیٹا جی بھگمن پر سن تھیں۔ ہر ایک نئی چیز کو دیکھ کر پر سن کرنے لگی تھیں، یہ کیا چیز ہے وہ کیا چیز ہے؟ کفو بھگمن اتنے شوک گرسو تھے کہ ہوں ہاں کر کے ٹال دیتے تھے۔ ان کے منہ سے شہ نہ نکلا تھا۔ باتیں کرتے تو ترت پر دھ کل جاتا، کیونکہ ان کی آنکھوں میں بار بار آنسو بھر آتے تھے۔ آخر رتھ گھٹک کے کنارے جا پہنچا۔

سیتا جی بولیں۔ تو کیا ہم لوگ آج جنگلوں میں ہی رہیں گے؟ شام ہونے کو آئی،
 ابھی تو کسی رشی منی کے آشرم میں بھی نہیں گئے۔ لوٹیں گے کب تک؟
 چھمن نے منہ پھیرے ہوئے اتر دیا۔ دیکھیے کب تک لوٹیں۔
 ماجھی کو جوں ہی رانی سیتا کے آنے کی سوچنا ملی، وہ راجپہ کی ناک کھیتا ہوا آیا۔ سیتا
 رتھ سے اتر کر ناول میں جا بیٹھیں اور پانی سے کھینے لگیں۔ جنگل کی تازی ہوا نے انہیں
 پریشان کر دیا تھا۔

سیتا بنواس

ندی کے پار پہنچ کر سیتا جی کی درشنی ایک لمحہ کے چہرے پر پڑی تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ دیر لمبے نے اب تک تو اپنے کو روکا تھا، پر اب آنسو نہ رک سکے۔ میدان میں جہڑوں کو روکنا سرل ہے، آنسو کو کون دیر روک سکتا ہے! سیتا آہستہ سے بولیں۔ ”لمبے، تم رو کیوں رہے ہو؟ آج بن کو دیکھ کر پھر بنواس کے دن یاد آ رہے ہیں؟“

”لمبے اور بھی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سیتا جی کے جہڑوں پر گر پڑے اور بولے۔ نہیں دیوی! اس لیے کہ مجھ سے ادھک بھاگیہ بن، زوئی پرش سنسار میں نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا مجھے موت آجاتی۔ سیکھ نا کی فلتی ہی نے کام تمام کر دیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ جس دیوی کے درشتوں سے جیون پوتر ہو جاتا ہے، اسے میں آج بنواس دینے آیا ہوں۔ ہائے! سد یو کے لیے۔“

سیتا جی اب بھی کچھ صاف صاف نہ سمجھ سکیں۔ گھبرا کر بولیں۔ ”بھیا، تم کیا کہہ رہے ہو، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہاری طبیعت تو اچھی ہے؟ آج تم راستے بھرا داس رہے۔ ہور تو نہیں آتا؟“

”لمبے نے سیتا جی کے جہڑوں پر سر رگڑتے ہوئے کہا۔ ”ماتا! میرا اپرادھ چھما کرو۔ میں بالکل زرا پرادھ ہوں۔ بھائی صاحب نے جو آسمیا دی ہے، اس کا پالنہ کر رہا ہوں۔ شاید اسی دن کے لیے میں ابھی تک جیوت تھا۔ مجھ سے البتہ کو یہ بدھک کا کام لینا تھا۔ ہائے!“

سیتا جی اب پوری پرستھتی سمجھ گئیں۔ اسمان سے گردن اٹھا کر بولیں۔ ”تو کیا سوامی جی نے مجھے بنواس دے دیا ہے؟ میرا کوئی اپرادھ، کوئی دوش؟ ابھی رات کو گھر میں بھرمیں کرنے کے پہلے وہ میرے ہی پاس تھے۔ ان کے چہرے پر کرودھ کا نشان تک نہ تھا۔ پھر

کیا بات ہوگئی؟ صاف صاف کہو، میں سننا چاہتی ہوں! اور اگر سننے والا ہو تو اس کا اثر بھی دینا چاہتی ہوں۔

مجھمن نے ہسٹکوں کی طرح سر جھکا کر کہا۔ ماما! کیا تلاؤں، ایسی بات ہے جو میرے منہ سے نکل نہیں سکتی۔ ابودھیا میں آپ کے بارے میں لوگ مجھمن پرکاری کی باتیں کہہ رہے ہیں۔ بھائی صاحب کو آپ جانتی ہیں، بدنامی سے کتنا ڈرتے ہیں۔ اور میں آپ سے کیا کہوں۔

بیٹا جی کی آنکھوں میں نہ آنسو تھے، اور نہ گھبراہٹ، وہ چپ چاپ تک ٹکی لگائے گنگا کی اوپر دیکھ رہی تھی، پھر بولیں۔ کیا سواری کو بھی مجھ پر سند یہ ہے؟
مجھمن نے زبان کو داغوں سے دبا کر کہا۔ نہیں بھابھی جی، کساہی نہیں۔ انھیں آپ کے اوپر کمن برابر بھی شک نہیں ہے۔ انھیں آپ کی پڑتا کا اتنا ہی دشواں ہے، کہ جتنا اپنے اسٹو کا۔ یہ دشواں کسی پرکاری نہیں مٹ سکتا، چاہے ساری دنیا آپ پر اٹھلی اٹھائے۔ کتو جن سادھارن کی زبان کو وہ کیسے روک سکتے ہیں۔ ان کے دل میں آپ کا جتنا پریم ہے، وہ میں دیکھ چکا ہوں۔ جس سے انھوں نے مجھے یہ آسپا دی، ان کا چہرہ چلا پڑ گیا تھا، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ایسا پریت ہو رہا تھا کہ کوئی ان کے سینے کے اندر بیٹھا ہوا جھرملا مار رہا ہے۔ بدنامی کے سوا انھیں کوئی دھار نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

بیٹا جی کی آنکھوں سے آنسو کی دو پٹی بڑی بوندیں ٹپ ٹپ گر پڑیں۔ کتو انھوں نے اپنے آپ کو سنبالا۔ اور بولیں۔ پیارے مجھمن، اگر یہ سواری کا آدیش ہے تو میں ان کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔ میں انھیں کچھ نہیں کہتی۔ میرے لیے یہی دھار پر پاپت ہے کہ ان کا ہر دے میری اور سے صاف ہے میں اور کسی بات کی چٹا نہیں کرتی تم نہ روڈ بھیا، تمھارا کوئی دوش نہیں، تم کیا کر سکتے ہو۔ میں مر کر بھی تمھارے اٹکاروں کو نہیں بھول سکتی۔ یہ سب بڑے کرموں کا پھل ہے، نہیں تو جس آدمی نے کبھی کسی جانور کے ساتھ بھی انیائے نہیں کیا جو شیل اور دیا کا دیتا ہے، جس کی ایک ایک بات میرے ہر دے میں پریم کی لہریں پیدا کر دیتی تھی۔ اس کے ہاتھوں میری یہ ددگئی ہوئی؟ جس کے لیے میں نے چودہ سال رو رو کر کائے، وہ آج مجھے تیاگ دیتا؟ یہ سب میرے کھوئے کرموں کا بھوگ ہے۔ تمھارا کوئی دوش نہیں۔ کتو قصیں دل میں سوچ، کیا میرے ساتھ یہ نیائے ہوا۔ کیا بدنامی سے بچنے کے

لیے کسی نزدوش کی جھپٹا کر دینا بنائے ہے؟ اب اور کچھ نہ کہوں گی بھیا۔ اس شوک اور کردودھ کی دشا میں سمجھو ہے کہ منہ سے ایسا کوئی شبد نکل جائے جو نہ لکھنا چاہیے اودا کیسے سہن کروں؟ ایسا جی چاہتا ہے کہ اسی سے گنگا میں جا کر ڈوب مروں۔ ہائے! کیسے دل کو سمجھاؤں؟ کس آشا پر جیوت رہوں؟ کس لیے جیوت رہوں یہ پہاڑ سا جیون کیا رو رو کر کاٹوں؟ استری کیا پریم کے بنا جیوت رہ سکتی ہے؟ کھاپی نہیں۔ بیتا آج سے مر گئی۔

گنگا کے کنارے لے لے در کچھ سردھن رہے تھے۔ گنگا کی لہروں مالو رو رہی تھیں۔ اندھیرا بھیا تک آ کرتی دھارن کیے دوڑا چلا آتا تھا۔ ٹھمن پھر کی مورتی بنے، نچیل کھڑے تھے مالو پھر میں پران ہی نہیں۔ بیتا دو تین منٹ تک کسی دھار میں ڈوبی رہیں۔ پھر بولی۔ نہیں در ٹھمن، ابھی جان نہ دوں گی۔ مجھے ابھی ایک بیٹ بڑا کر تو یہ پورا کرنا ہے۔ اپنے بچے کے لیے جیوں گی۔ وہ تمھارے بھائی کی تھاتی ہے۔ اسے ان کو سوئپ کر ہی میرا کر تو یہ پورا ہوگا۔ اب یہی میرا جیون کا ادھار ہوگا۔ سواہی نہیں ہیں تو ان کی اسمرتی سے ہی جیون کو آسوان دوں گی! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اپنے بھائی سے کہہ دینا، میرے بردے میں ان کے پرتی کوئی در بھادنا نہیں ہے۔ جب تک جیوں گی، ان کے پریم کو یاد کرتی رہوں گی۔ بھیا بردے بہت در بل ہو رہا ہے کتنا ہی روکتی پر رکا نہیں جاتا میری کچھ میں نہیں آتا کہ اس تھون کے رشی منی مجھ سے پوچھیں گے، تیرے سواہی نے تجھے کیوں بنواس دیا تو کیا کہوں گی۔ کم سے کم تمھارے بھائی صاحب کو اتنا تو بتلا دینا ہی چاہیے تھا۔ الٹور کی بھی کیسی دھڑلہ لیا ہے کہ وہ کچھ آدمیوں کو کیول رونے کے لیے پیدا کرتا ہے۔ ایک بار کے آنسو ابھی سوکھے بھی نہ پائے تھے کہ یہ رونے کا نیا سامان پیدا ہو گیا ہے۔ ہائے! انھیں جنگلوں میں جیون کے کتنے دن آرام سے وقیعت کرے ہیں۔ کٹو اب رونا اور سدھو کے لیے رونا ہے۔ بھیا تم اب جاؤ۔ میرا دلاپ کب تک سنتے رہو گے! یہ تو جیون بھر ساہت نہ ہوگا۔ ماتاؤں سے میرا نمسکار کہہ دینا! اور مجھ سے جو کچھ اسٹھٹنا ہوئی، اسے چھما کریں۔ ہاں میرے پالے ہوئے ہرن کے بچوں کی کھون خبر لیتے رہنا۔ منجیرے میں میرا ہر امن طوطا پڑا ہوا ہے۔ اس کے دانے پانی کا دھیان رکھنا۔ اور کیا کہوں الٹور تھیں سدھو کھل سے رکھے۔ میرے رونے دھونے کی چرچا اپنے بھائی صاحب سے نہ کرنا۔ نہیں شاید انھیں دکھ ہو۔ تم جاؤ۔ اندھیرا ہوا جاتا ہے۔ ابھی تھیں بہت دور جانا ہے۔

انھیں یہاں سے چلے، تو انھیں ایسا پرہیز ہو رہا تھا کہ ان کے ہر دے میں آگ
 سی جل رہی ہے۔ یہ بھی جی چاہتا تھا کہ بیٹا جی کے ساتھ رہ کر سارا جیون ان کی سیوا کرتا
 رہوں۔ پگ پگ مڑ مڑ کر بیٹا جی کو دیکھ لیتے تھے۔ وہ اب تک وہیں سر جھکائے بیٹھی تھی۔
 جب اندھیرے نے انھیں اپنے ہر دے میں چھپا لیا تو انھیں دھرتی پر بیٹھ گئے اور بڑی دیر
 تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ ایک ایک نریشا سے ایک آشنا کی کرن دکھائی دی! شاید
 رام چندر نے اس پرشن پر پھر دھار کیا ہو اور وہ بیٹا جی کو واپس لانے کو تیار ہوں۔ شاید وہ
 انھیں کل ہی یہ آسنا دیں کہ جا کر بیٹا کو لولا لاد۔ اس آشنا نے نریشا اور کھنکھن کو بڑی
 سانسوٹا دی۔ وہ ویک سے پگ اٹھاتے ہوئے نوکا کی اور چلے۔

لو اور کش

جہاں سیتا جی نراش اور شوک میں ڈوبی ہوئی رو رہی تھیں، تھوڑی ہی دور رشی والہنکی کا آشرم تھا۔ اس سے رشی سندھیا کرنے کے لیے گنگا کی اور جایا کرتے تھے۔ آج بھی وہ جب نیا لوسار چلے تو مارگ میں کسی استری کے سسکنے کی آواز کان میں پڑی! آٹھر یہ ہوا کہ اس سے کون استری رو رہی ہے۔ سمجھے، شاید کوئی لکڑی بنورنے والی عورت راستہ بھول گئی ہو۔ سسکیوں کی آہٹ پلٹے پلٹے ہوئے کٹ آئے تو دیکھا کہ ایک استری بہو مولیہ کپڑے اور آجھوشن پہنے اکیلی رو رہی ہے۔ پوچھا۔ بیٹی، تو کون ہے اور یہاں اکیلی بیٹی کیوں رو رہی ہے؟ سیتا رشی والہنکی کو پہچانتی تھیں۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر ان کے چروں سے لپٹ گئیں اور بولیں۔ بھگون میں ایدھیا کی ابھاتی رانی سیتا ہوں۔ سوامی نے بدنامی کے ڈر سے مجھے تیاگ دیا ہے! انھن مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔

والہنکی نے پریم سے سیتا کو اپنے حیدوں سے اٹھالیا اور بولے۔ بیٹی، اپنے کو ابھاتی نہ کہو۔ تم اس راجا کی بیٹی ہو، جس کے اپدیش سے ہم نے گیان سیکھا ہے۔ تمہارے پتا میرے متر تھے۔ جب تک میں جیتا ہوں، یہاں تمہیں کسی بات کا کٹ نہ ہوگا۔ چل کر میرے آشرم میں رہو۔ رام چندر نے تمہاری پوترا پر دشواس رکھتے ہوئے بھی کیول بدنامی کے لیے تمہیں تیاگ دیا۔ یہ ان کا انیائے ہے۔ لیکن اس کا شوک نہ کرو۔ سب سے سسکی وہی آدی ہے جو پرتیک دشا میں اپنے کر تو یہ کو پورا کرتا رہے۔ یہ بڑے سوندریہ کی جگہ ہے۔ یہاں تمہاری طبیعت خوش ہوگی۔ رشیوں کی لڑکیوں کے ساتھ رہ کر تم اپنے سب دکھ بھول جاؤ گی۔ راج محل میں تمہیں وہی چیزیں مل سکتی تھیں۔ جن سے تمہیں آرام پہنچتا ہے، یہاں تمہیں وہ چیزیں ملیں گی، جس سے آتما کو شانی اور آرام پراپت ہوتا ہے اٹھو، میرے ساتھ چلو۔ کیا ہی اچھا ہوتا، بیدی مجھے پہلے معلوم ہو جاتا، تو تمہیں اتنا کٹ نہ ہوتا۔

سیتا جی کو رشی والہنکی کی اس باتوں سے بڑا سنتوش ہوا۔ اٹھ کر ان کے ساتھ ان کی

کوٹیا میں آئی۔ وہاں اور بھی کئی رشیوں کی کنیاں تھیں۔ سیتا ان کی استریوں اور لڑکیوں کے
 ساتھ رہنے لگیں۔ اس پرکار کئی مہینے کے بعد ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ رشی والہکی نے
 بڑے کا نام لو اور چھوٹے کا نام کش رکھا۔ دونوں ہی بیٹے رام چندر سے بہت ملتے تھے۔
 ذہین اور تیز اچھے تھے کہ جو بات ایک بار سن لیتے تھے سدھو کے لیے ہردے پر اگت
 ہو جاتی۔ وہ اپنی بھولی بھالی قوتی باتوں سے سیتا کو ہر شت کیا کرتے تھے۔ رشی والہکی دونوں
 بچوں کو بہت پیار کرتے تھے۔ ان دونوں بچوں کو پالنے پونے میں سیتا اپنا شوک بھول گئیں۔
 جب دونوں بیٹے ذرا بڑے ہوئے تو رشی والہکی نے انھیں پڑھانا آرمھہ کیا۔ اپنے
 ساتھ بن میں لے جاتے اور نانا پرکار کے پھل پھول دکھاتے۔ بچپن ہی سے سب سے پریم
 اور جھوٹ سے گھرنا کرنا سکھایا۔ یدھ کی کلا بھی خوب سن لگا کر سکھائی۔ دونوں اچھے دیر تھے
 کہ بڑے بڑے بھیا نک جانوروں کو بھی مار گراتے تھے۔ ان کا گلا بہت اچھا تھا۔ ان کا گانا
 سن کر رشی لوگ بھی مست ہو جاتے تھے۔ والہکی نے رام چندر کے جیون کا ورتانت پد میں لکھ
 کر دونوں راجکاروں کو یاد کرا دیا تھا۔ جو دونوں گاکا کر سنا تے تو سیتا جی ابھمان اور گورو کی
 لہروں میں بہنے لگتی تھیں۔

اشومیکھ یکیہ

سیتا جی کو تیاگ دینے کے بعد رام چندر بہت دکھت اور شوکا کل رہنے لگے۔ سیتا جی کی یاد ہمیشہ انہیں ستاتی رہتی تھی۔ اور سوچا کرتے کہ بھاری نہ جانے کہاں ہوگی، نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی! اس سے کو یاد کر کے جو انھوں نے سیتا جی کے ساتھ وقعت کیا تھا، وہ پرایہ رونے لگتے تھے۔ مگر کی ہر ایک چیز انہیں سیتا جی کی یاد دلاتی تھی۔ ان کے کمرے کی تصویریں سیتا جی کی بنوائی ہوئی تھیں۔ باغ کے کتنے ہی پودے سیتا جی کے ہاتھوں لگائے گئے تھے۔ سیتا جی کا سوہنر بھی یاد کرتے کہ کبھی سیتا جی کا جنگلوں کا ساتھ جیون کا دھار یاد آتا۔ ان باتوں کو یاد کر کے وہ تڑپنے لگے۔ آنند و سون میں سنت ہوئے انھوں نے بالکل چھوڑ دیا۔ بالکل تپسویوں کی طرح جیون وقعت کرنے لگے۔ دربار کے سہا سدون اور منتریوں نے سمجھایا کہ آپ دوسرا وواہ کر لیں۔ کسی پرکار نام تو چلے۔ کب تک اس پرکار تپسیا کیجیے گا؟ کتنو رام چندر وواہ کرنے پر سمٹ نہ ہوئے۔ یہاں تک کے کئی سال بیت گئے۔

اس سے کئی پرکار کے یکیہ ہوتے تھے۔ اسی میں ایک اشومیکھ یکیہ بھی تھا۔ اشو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ جو راجا یہ آکا کچھا رکھتا تھا کہ وہ سارے دیش کا مہاراجا ہو جائے اور سبھی راجیہ اس کی آسمیا پالک بن جائیں۔ وہ ایک گھوڑے کو چھوڑ دیتا تھا۔ گھوڑا چاروں اور گھومتا تھا۔ بڑی کوئی راجا اس گھوڑے کو پکڑ لیتا تھا تو اس کا ارٹھ یہ ہوتا تھا کہ اُسے سبک بنا سو پکار نہیں۔ تب یہ سہ سے اس کا نرٹن ہوتا تھا۔ راجا رام چندر کا بل اور سامراجیہ اتنا بڑھ گیا کہ انھوں نے اشومیکھ یکیہ کرنے کا نچے کیا۔ دور دور کے راجا، مہاراجوں اور دودانوں

کے پاس نوید بھیجے گئے۔ سگریو، دھینن، انگد سب اس یکہ میں سنبھلتے ہوئے کو آپہنچے۔ رشی والہکی کو بھی یہ نوید ملا۔ وہ لو اور کش کے ساتھ آگئے۔ یکہ کی بڑی دھوم دھام سے تیاریاں ہونے لگیں۔ انھوں نے من بھلاؤ کے لیے نانا پرکار کے آجیون کیے گئے تھے۔ کئی پہلوانوں کے دھگ تھے، کہیں راگ رنگ کی سہائیں۔ کتھو جو آنند لوگوں کو لو اور کش کے منہ سے رام چندر کی چمچا سننے میں آتا تھا وہ اور کسی بات میں نہ آتا تھا۔ دونوں لڑکے سر ہلا کر اتنے پر یہ بھلاؤ سے یہ کا دیہ گاتے تھے کہ سننے والے موہت ہو جاتے تھے۔ چاروں اور ان کی واہ واہ مچی ہوئی تھی۔ دیرے دیرے رانٹوں کو بھی ان کا گانا سننے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک آدمی دونوں برہمچاریوں کو رانٹوں میں لے گیا۔ یہاں تین بڑی رانٹیاں، ان کی تینوں بہوئیں اور بہت سی استریاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رام چندر بھی ہستھ تھے۔ ان لڑکوں کے لیے بے کیش بن کی سواستھیہ کر ہوا میں نکھرا ہوا لال رنگ اور سند رکھ منڈل دیکھ کر سب کے سب دھگ ہو گئے۔ دونوں کی صورت رام چندر سے بہت ملتی تھی۔ وہی اونچا لٹاٹ تھا، وہی لمبی ناک، وہی چوڑا دیکھ بن میں ایسے لڑکے کہاں سے آگئے۔ سب کو یہی آٹھریہ ہو رہا تھا۔ کوشلیا من میں سوچ رہی تھیں اگر رام چندر کے لڑکے ہوتے تو وہ بالکل ایسے ہی ہوتے۔ جب لڑکوں نے کوت گانا پرارمھ کیا، تو سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ لڑکوں کا سر جتنا پیارا تھا، اتنی ہی پیاری اور دل کو ہلا دینے والی کویتا تھی۔ گانا سننے کے بعد رام چندر نے بہت چاہا کہ ان لڑکوں کو کچھ پرسکار دیں کتھو انھوں نے لینا سوچا کہ نہ کیا۔ آخر انھوں نے پوچھا۔ تم دونوں کو گانا کس نے سکھایا اور تم کہاں رہتے ہو؟

لو نے کہا۔ ہم لوگ رشی والہکی کے آشرم میں رہتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں گانا سکھایا ہے۔

رام چندر نے پھر پوچھا۔ اور یہ کویتا کس نے بتائی؟

لو نے اتر دیا۔ رشی والہکی نے ہی یہ کویتا بتائی ہے۔

رام چندر کو ان لڑکوں سے اتنا پریم ہو گیا تھا کہ وہ اسی وقت رشی والہکی کے پاس گئے اور ان سے کہا۔ مہاراج! آپ سے ایک پرشن کرنے آیا ہوں، دیا کیجیے گا۔

رشی نے مسکرا کر کہا۔ راجا رنگ سے پرشن کرنے آیا ہے؟ آٹھریہ ہے کہیے۔

رام چندر نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکوں کو جنھوں نے آپ کے رچے

ہوئے پد سنائے ہیں۔ اپنے پاس رکھ لوں۔ میرے اندھیرے گھر کے دچک ہوں گے۔ ہیں تو کسی اچھے دیش کے لڑکے؟

والہکی نے کہا۔ ہاں بڑے اونچے دیش کے لڑکے ہیں۔ ایسا دیش بھارت میں دوسرا نہیں ہے۔

رام چندر نے کہا۔ تب تو اور بھی اچھا ہے۔ میرے بعد یہی میرے اترا دھکاری ہوں گے۔ ان کے ماما پتا کو اس میں کوئی آجٹی تو نہ ہوگی؟

والہکی۔ کہہ نہیں سکتا۔ سمجھو ہے آجٹی ہو۔ پتا کو تو لیش ماتر بھی نہ ہوگی۔ کفو ماما کے دشنے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اپنی مریدا پر جان دینے والی استری ہے۔

رام۔ یدی آپ اس دیوی کو کسی پرکار سنت کر سکیں تو مجھ پر بڑی کرپا ہوگی۔
والہکی۔ چھٹا کروں گا، لیکن میں نے ایسی جن لچا شیل اور سستی استری نہیں دیکھی۔
یدی
اس کے پتی نے اسے زرا پرادھ اکارن تیاگ دیا ہے، کفو سد یو اسی پتی کی پوجا کرتی ہے۔

رام چندر کی چھاتی دھڑکنے لگی۔ کہیں یہ میری بیٹا نہ ہو۔ آہ دیو، یہ لڑکے میرے ہوتے! تب تو بھاگیہ ہی کھل جاتا۔

والہکی پھر بولے۔ بیٹا! اب تو تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں کس اور سنگیت کر رہا ہوں۔
رام چندر کا چہرہ آئندہ سے کھل اٹھا۔ بولے ہاں، مہاراج سمجھ گیا۔

والہکی۔ جب سے تم نے بیٹا کو تیاگ دیا ہے وہ میرے ہی آشرم میں ہے۔ میرے آشرم میں آنے کے دو تین مہینے کے بعد یہ لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ وہ تمہارے لڑکے ہیں۔ ان کا چہرہ آپ کہہ رہا ہے۔ کیا اب بھی تم بیٹا کو گھر نہ لے جاؤ گے؟ تم نے اس کے ساتھ بڑا انیائے کیا ہے۔ میں اس دیوی کو پندرہ سالوں سے دیکھ رہا ہوں۔ ایسی پوتر استری سنسار میں کشنائی سے ملے گی۔ تمہارے وُردھ کبھی ایک شبد بھی اس کے منہ سے نہیں سنا۔ تمہاری چچا سد یو پریم اور آدر سے کرتی ہے۔ اس کی دشا دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ بہت رلا چکے، اب اسے اپنے گھر لے جاؤ وہ بھی ہے۔

رام چندر بولے۔ منی جی، مجھے تو بیٹا پر کسی پرکار کا سند یہہ کبھی نہیں ہوا۔ میں ان کو اب بھی پوتر سمجھتا ہوں۔ کفو اپنی پرچا کا کیا کروں؟ ان کی زبان کیسے بند کروں؟ رام چندر

کی جتنی کو سندھیہ سے پوتر ہونا چاہیے، یدی بیتا میری پر جا کو اپنے وشے میں دشواں دلادے تو وہ اب بھی میری رانی بن سکتی ہے۔ یہ میرے لیے اتھت ہرش کی بات ہوگی۔

والہیکی نے فوراً اپنے دو چیلوں کو آدیش دیا کہ جا کر بیتا کو لے آؤ۔ رام چندر نے انہیں اپنے چپک دمان پر بھیجا، جن سے وہ ٹھکڑ لوٹ آئے۔ دونوں چیلے بیتا جی کو ساتھ لے کر آ پہنچے۔ سارے نگر میں یہ ساچار پھیل گیا کہ بیتا جی آ رہی ہیں۔ راج بھون کے سامنے ٹیک شالا کے کٹ لاکھوں آدی جمع تھے۔ بیتا جی کے آنے کی خبر پا کر رام چندر بھی بھائیوں کے ساتھ آ گئے۔ ایک چمن میں بیتا جی بھی آئیں۔ وہ بہت دلی ہو گئی تھیں۔ ایک لال ساڑی کے علاوہ ان کے شریر پر اور کوئی آجوش نہ تھا۔ کتو ان کے پیلے مرجھائے ہوئے چہرے سے پرکاش کی کرنیں سی نکل رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے ہوئے مہارشی کے پیچھے پیچھے اس سموہ کے چم میں کھڑی ہو گئیں۔

مہارشی ایک ٹکس کے آسن پر بیٹھ گئے اور بڑے ڈڑھ بھاؤ سے بولے۔ دیوی! تیرے پتی وہ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایودھیا کے لوگ چاروں اور کھڑے ہوئے ہیں۔ تو بجا اور شرم کو چھوڑ کر اپنے پوتر اور نزل ہونے کا پرمان ان لوگوں کو دے اور ان کے من سے سندھیہ کو دور کر۔

بیتا جی کا پیلا چہرہ لال ہو گیا۔ انھوں نے بھیڑ کو اڑتی ہوئی درشتی سے دیکھا، پھر آکاش کی اور دیکھ کر بولیں۔ المیور اس وقت مجھے زہرا دھ سدھ کرنا تمھاری ہی دیا کا کام ہے۔ تمھیں آدمیوں کے دلوں کے اس سندھیہ کو دور کر سکتے ہو۔ میں تم ہی سے وئی کرتی ہوں! تم ہی سب کے دلوں کا حال جانتے ہو۔ تم انتر یای ہو، یدی میں نے سد یو پرکٹ اور گپت روپ میں اپنے پتی کی پوجا نہ کی ہو، یدی میں نے اپنے پتی کے ساتھ اپنے کرتویہ کو بھرن نہ کیا ہو، یدی میں پوتر اور ٹھکڑ نہ ہوں تو تم اسی سے مجھے اس سنسار سے اٹھالو۔ یہی میری زہتا کا پرمان ہوگا۔

اتم شبد منھ سے نکلتے ہی بیتا بھوی پر گر پڑی۔ رام چندر گھبرائے ہوئے ان کے پاس گئے، پر وہاں اب کیا تھا؟ دیوی کی آتما المیور کے پاس پہنچ چکی تھی۔ بیتا جی زتر شوک میں گھلتے گھلتے یوں ہی مرت پرائے ہو رہی تھیں، اتنے بڑے جن سموہ کے سنگھ اپنی پوترتا کا پرمان دینا اتنا بڑا دکھ تھا، جو وہ سن نہ کر سکتی تھیں۔ چاروں اور کھرام مچ گیا۔

سب لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سب کی زبان پر یہی شہد تھے۔ یہ بچ بچ لکھمی تھی۔ پھر ایسی استری نہ پیدا ہوگی۔ کوشلیا، کیکئی، سومترا، چھاتی پٹنے لگیں اور رام چندر تو ہورجھت ہو کر گر پڑے۔ جب کہیں انھیں کھٹخٹا سے چیتا آئی تو روتے ہوئے بولے۔ مری لکھمی مری پیاری بیٹا، جا سورگ کی دیویاں تیرے چوں پر سر جھکانے کے لیے کھڑی ہیں۔ یہ سنار تیرے رہنے کے یوگیہ نہ تھا۔ مجھ جیسا نل پن پرش تیرا بچی بننے یوگیہ نہیں تھا۔ مجھ پر دیا کر، مجھے چھاکر، میں بھی فیکھر تیرے پاس آتا ہوں۔ مری یہی المشور سے پراستھنا ہے کہ یدی میں نے کبھی کسی پرانی استری کا سوپن میں دھیان کیا ہو، یدی میں نے سدیو تجھے دیوی کی طرح ہردے میں نہ پوجا ہو، یدی میرے ہردے میں کبھی تیری اور سے سندیدہ ہوا ہو، تو بچی دوتا استریوں میں تیرا نام سب سے بڑھ کر ہو۔ آنے والی بیڑھیاں سدیو آدر سے تیرے نام کی پوجا کریں۔ بھارت کی دیویاں سدیو تیرے لیش کے گیت گائیں۔ آشومیگھ یکیہ۔ کشل سے ساپت ہوا۔ رام چندر بھارت ورش کے سب سے بڑے مہاراج مان لیے گئے۔ دو یوگیہ ویر اور بدمی مان پتر بھی ان کے تھے۔ سارے دیش میں کوئی شترو نہ تھا۔ ساری پر جان پر جان دیتی تھی۔ کسی بات کی نہ تھی۔ کتو اس دن سے اس کے ہونٹوں پر ہنسی نہ آئی۔ شوکا کل تو وہ پہلے بھی رہا کرتے تھے، اب جیون انھیں بھار پریت ہونے لگا۔ راج کاج میں شک بھی جی نہ لگتا۔ بس یہی جی چاہتا کہ کسی سنسان جگہ میں جا کر المشور کو یاد کریں شوک اور کھید سے بچیں ہردے کو المشور کے اثر کرت اور کون سانٹو نا دے سکتا تھا!

لکچھمن کی مرتیو

کنو ابھی رام چندر کی دہتیوں کا انت نہ ہوا تھا۔ ان پر ایک بڑی بجلی اور گرنے والی تھی۔ ایک دن ایک سادھو ان سے ملنے آیا اور بولا۔ میں آپ سے اکیلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جب تک میں باتیں کرتا رہوں کوئی دوسرا کمرے میں نہ آنے پائے۔ رام چندر مہاتماؤں کا بڑا ستان کرتے تھے۔ اس وچار سے کہ سادھارن دوار پال کو دوار پر بیٹھا دوں گا تو سمجھو ہے کہ وہ کسی بڑے دھنی مانی کو اندر آنے سے روک نہ سکے، انھوں نے لکچھمن کو دوار پر بیٹھا دیا اور چٹاونی دے دی کہ سادھارن رہتا، کوئی اندر نہ آنے پائے۔ یہ کہہ کر رام چندر اس سادھو سے کمرے میں باتیں کرنے لگے۔ سنیوگ سے اسی سے درواسا رشی آپہنچے اور رام چندر سے ملنے کی ہمتا پرکٹ کی۔ لکچھمن نے کہا۔ ابھی تو مہاراج ایک مہاتما سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ تک ٹھہر جائیں تو میں ملا دوں گا۔ درواسا اتھیت کر دوگی تھے۔ کرودھ ان کی ناک پر رہتا تھا۔ بولے..... مجھے اوکاش نہیں ہے۔ میں اسی سے رام چندر سے ملوں گا۔ یدی مجھے اندر جانے سے روکو گے تو تمہیں ایسا شاپ دے دوں گا کہ تمہارے دلش کا ستیا ناش ہو جائے گا۔

پچارے لکچھمن بڑی دودھ میں پڑے۔ یدی درواسا کو اندر جانے دیتے ہیں تو رام چندر اپن ہوتے ہیں، نہیں جانے دیتے تو بمیا تک شاپ ملتا ہے۔ آخر انھیں رام چندر کی اپرستا ادھک سرل پر تھیت ہوئی۔ درواسا کو اندر جانے کی التومتی دے دی۔ درواسا اندر پہنچے۔ انھیں دیکھتے ہی سادھو بہت مگڑا اور رام چندر کو سخت ست کہتا چلا گیا۔ درواسا بھی آدھک

ہاتھیں کر کے چلے گئے۔ کٹھن رام چندر کو بھمن کا یہ کاریہ بہت برا معلوم ہوا۔ باہر آتے ہی بھمن سے پوچھا۔ جب میں نے تم سے اگر ہر پوروک کہہ دیا تھا تو تم نے درواسا کو کیوں اندر جانے دیا؟ کیوں اس بھے سے کہ درواسا تمہیں شاپ دے دیتے۔
بھمن نے لبت ہو کر کہا۔ مہاراج! میں کیا کرتا۔ وہ بڑا بھیا تک شاپ دینے کی دمکی دے رہے تھے۔

رام۔ تو تم نے ایک سادھو کے شاپ کے سامنے راجا کی آسمیتا کی چتا نہیں کی۔ سوچو، یہ اچھا تھا! میں راجا پہلے ہوں۔ بھائی، پتی، یا پتر پیچھے۔ تم نے اپنے بڑے بھائی کی اچھا کے وردھ کام نہیں کیا ہے بلکہ تم نے اپنے راجا کی آسمیتا توڑی ہے۔ اس دھڑ سے تم کسی پرکار نہیں بچ سکتے۔ یدی تمہارے استھان پر کوئی دوار پال ہوتا تو تم سمجھتے ہو، میں اسے کیا دھڑ دیتا؟ میں اس پر جرمانہ کرتا۔ لیکن تم اتنے سمجھدار اثر راجو کے گیان سے اتنے پورن ہو۔ اس لیے وہ اپرادھ اور بھی بڑا ہو گیا ہے اور اس کا دھڑ بھی بڑا ہونا چاہیے۔ میں تمہیں آسمیتا دیتا ہوں کی آج ایودھیا کا راجہ چھوڑ کر کل جاؤ۔ نیائے سب کے لیے ایک ہے۔ یہ کچھ بات نہیں جانتا۔

یہ تھا رام چندر کی کر تو یہ پرلیٹا کا اداہرن! جس نزدیتا سے کر تو یہ کے لیے پرانوں سے پر یہ اپنی پتی کو تیاگ دیا۔ اسی نزدیتا سے اپنے پرانوں سے پیارے بھائی کو تیاگ دیا۔ بھمن نے کوئی آہی نہیں کی۔ آہی کے لیے استھان ہی نہ تھا۔ اسی سے بنا کسی سے کچھ کہے سنے راج محل کے باہر چلے گئے اور سریو کے کنارے پہنچ کر جان دے دی۔

انت

رام چندر کو بھمن کے مرنے کی سچا سچا خبر ملے تو مامو سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سنسار میں بیٹا جی کے بعد انہیں سب سے ادھک پریم بھمن سے ہی تھا۔ بھمن ان کے داہنے ہاتھ تھے۔ کمر ٹوٹ گئی۔ کچھ دن تک تو انہوں نے جیوں جیوں کر کے راجیہ کیا۔ آخر ایک دن سامراجیہ بیٹوں کو دے کر آپ تینوں بھائیوں کے ساتھ جنگل میں الٹور کی اپنا سنا کرنے چلے گئے۔

یہ ہے رام چندر کے جیوں کی سنگمیت کہانی۔ ان کے جیوں کا ارٹھ کیول ایک شہد ہے، اور اس کا نام ہے ”کرتویہ“۔ انہوں نے سدو کرتویہ کو پردھان سمجھا۔ جیوں بھر کرتویہ کے راستے سے جو بھر بھی نہیں بٹے۔ کرتویہ کے لیے چودہ برس تک جنگلوں میں رہے، اپنی جان سے پیاری جتنی کو کرتویہ پر بلدان کر دیا اور انت میں اپنے پریم بھائی بھمن سے بھی ہاتھ دھویا۔ پریم بھمن پات اور شیل کو کبھی کرتویہ کے مارگ میں نہیں آنے دیا۔ یہ ان کے کرتویہ پر لپٹا کا پرساد ہے کہ سارا بھارت دلش ان کا نام رٹتا ہے اور ان کے اسمو کو پوتر سمجھتا ہے۔ اسی کرتویہ پر لپٹا نے انہیں آدمیوں کے سمو سے اٹھا کر دیوتاؤں کے سکھ بیٹھا دیا۔ یہاں تک کہ آج خیالوے پر تیش ہندو انہیں ارادھیہ اور الٹور کا اوتار سمجھتے ہیں۔

لڑکوں! تم بھی کرتویہ کو پردھان سمجھو۔ کرتویہ سے کبھی منہ نہ موڑو۔ یہ راستہ بڑا کٹھن ہے۔ کرتویہ پورا کرنے میں قصص بڑی بڑی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا کٹھو کرتویہ پورا کرنے کے بعد قصص جو پرستنا پراہت ہوگی، وہ تمہارا پڑسکار ہوگا۔

جنگل کی کہانیاں

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1-	شیر اور لڑکا	492
2-	بن مانس کی دردناک کہانی	496
3-	دکھنی افریقہ میں شیر کا فکار	501
4-	غبارے پر چیتا	503
5-	پاگل ہاتھی	506
6-	سانپ کا مڑی	509
7-	بن مانس خانساماں	512
8-	مقبرہ	514
9-	پالتو بھالو	517
10-	ہاکم کی کھال	519
11-	گمر کا فکار	522
12-	جڑواں بھائی	524

شیر اور لڑکا

بچوں! شیر تو شاید تم نے نہ دیکھا ہو، لیکن اس کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ شاید اس کی تصویر دیکھی ہو اور اس کا حال بھی پڑھا ہو۔ شیر اکثر جنگلوں اور کھاروں میں رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ ان جنگلوں کے آس پاس کے گاؤں میں آجاتا ہے اور آدمی اور جانوروں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان جانوروں کو مار کر کھا جاتا ہے جو جنگلوں میں چرنے جایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ ایک گڈریے کا لڑکا گائے، بیلوں کو لے کر جنگل میں گیا اور انھیں جنگل میں چھوڑ کر آپ ایک جھرنے کے کنارے پھلیوں کا شکار کھینے لگا۔ جب شام ہونے کو آئی تو اس نے اپنے جانوروں کو اکٹھا کیا، مگر ایک گائے کا پتہ نہ تھا۔ اس نے ادھر ادھر دوڑ دھوپ کی مگر گائے کا پتہ نہ چلا۔ بے چارا بہت گھبرایا۔ مالک اب مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔ اس وقت ڈھونڈنے کا موقع نہ تھا کیونکہ جانور پھر ادھر ادھر چلے جاتے۔ اس لیے وہ انھیں لے کر گھر لوٹا اور انھیں باڑے میں باندھ کر بنا کسی سے کچھ کہے ہوئے گائے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس چھوٹے لڑکے کی یہ ہمت دیکھو، اندھیرا ہو رہا ہے، چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہے جنگل بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ گیدڑوں کا ہونا سناٹی دے رہا ہے، پر وہ بے خوف جنگل میں بڑھا چلا جاتا ہے۔

کچھ دیر تک وہ گائے کو ڈھونڈتا رہا لیکن جب اور اندھیرا ہو گیا تو اسے ڈر معلوم ہونے لگا۔ جنگل میں اچھے اچھے آدمی ڈر جاتے ہیں، اس چھوٹے سے بچے کا کہنا ہی کیا۔ مگر جائے کہاں؟ جب کچھ نہ سوچیں تو ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گیا اور اسی پر رات کاٹنے کی ٹھان

لی۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ بغیر گائے کو لیے گھر نہ لوٹوں گا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ تو تھا ہی، اسے جلد ہی نیند آگئی۔ نیند چار پائی اور بچاؤ نہیں ڈھونڈتی۔

اچانک بیڑا اتنی زور سے ہلنے لگا کہ اس کی نیند کھل گئی۔ وہ گرتے گرتے بچ گیا۔ سوچنے لگا کہ بیڑا کون ہلا رہا ہے؟ آنکھیں مل کر نیچے کی طرف دیکھا تو اس کے روئیں کھڑے ہو گئے۔ ایک شیر بیڑے کے نیچے کھڑا اس کی طرف لپٹائی ہوئی آنکھوں سے تاک رہا تھا۔ اس کی جان سوکھ گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ڈال سے چٹ گیا۔ نیند بھاگ گئی۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ پر شیر وہاں سے ذرا بھی نہ ہلا۔ وہ بار بار غراتا اور اچھل اچھل کر لڑکے کو پکڑنے کی کوشش کرتا۔ کبھی کبھی تو وہ اتنے نزدیک آ جاتا کہ لڑکا زور سے چلا اٹھتا۔ رات جیوں جیوں کر کے کٹی۔ سویرا ہوا لڑکے کو کچھ بھروسہ ہوا کہ شاید شیر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔ مگر شیر نے ہلنے کا نام تک نہ لیا۔ سارے دن وہ اسی بیڑے کے نیچے بیٹھا رہا۔ شکار سامنے دیکھ کر وہ کہاں جاتا۔ بیڑے پر بیٹھے بیٹھے لڑکے کی دیہہ اڑ گئی تھی۔ بھوک کے مارے برا حال تھا، مگر شیر تھا کہ وہاں سے جو بھر بھی نہ ہٹتا تھا اس جگہ سے تھوڑی دور پر ایک چھوٹا سا جھرنہ تھا۔ شیر کبھی کبھی اس طرف تاکنے لگتا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ شیر بچا سا ہے۔ اس سے کچھ آس بندھی کہ جوں ہی وہ پانی پینے جائے گا میں بھی یہاں سے کھسک چلوں گا۔ آخر شیر ادھر چلا۔ لڑکا بیڑے پر سے اترنے کی فکر کرتی رہا تھا کہ شیر پانی پی کر لوٹ آیا شاید اس نے بھی لڑکے کے مطلب سمجھ لیا تھا۔ وہ آتے ہی اتنے زور سے چلایا اور ایسا اچھلا کہ لڑکے کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے جیسے وہ نیچے گرا جا رہا ہو۔ معلوم ہوتا تھا ہاتھ پاؤں پیٹ میں گھسے جا رہے ہیں۔ جیوں تپوں کر کے وہ دن بھی بیت گیا۔ جیوں جیوں رات ہوتی جاتی تھی، شیر کی بھوک بھی تیز ہوتی جاتی تھی۔ شاید اسے یہ سوچ سوچ کر غصہ آ رہا تھا کہ کھانے کی چیز سامنے رکھی ہے اور میں دو دن سے بھوکا بیٹھا ہوں۔ کیا آج بھی ایکادشی رہے گی۔ وہ رات بھی اسے تاکتے ہی بیت گئی۔

تیسرا دن بھی کھل آیا۔ مارے بھوک کے اس کی آنکھوں میں تھلیاں سی اڑنے لگیں۔ ڈال پر بیٹھنا بھی اسے مشکل معلوم ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کے جی میں آتا کہ شیر مجھے پکڑ لے اور کھا جائے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر ایشور سے دنے کی، بھگوان کیا تم مجھ غریب پر دیا نہ کرو گے۔

شیر کو بھی تھکاوٹ معلوم ہو رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس کا جی ادب گیا۔ وہ چاہتا تھا کسی طرح جلدی سے شکار مل جائے۔ لڑکے نے ادھر ادھر بہت نگاہ دوڑائی کہ کوئی نظر آجائے، مگر کوئی نظر نہ آیا۔ جب وہ چلا چلا کر رونے لگا۔ مگر وہاں اس کا رونا کون سنتا تھا۔

آخر اسے ایک تدبیر سوچی۔ وہ بیڑ کی پھنگی پر چڑھ گیا اور اپنی دھوتی کھول کر اسے ہوا میں اڑانے لگا کہ شاید کسی شکاری کی نظر پڑ جائے۔ ایسا ایک وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کی ساری بھوک، ساری کمزوری غائب ہو گئی۔ کئی آدمی جھرنے کے پاس کھڑے اس اڑتی ہوئی جھنڈی کو دیکھ رہے تھے۔ شاید انہیں اچنبھا ہو رہا تھا کہ جنگل کے اس بیڑ پر جھنڈی کہاں سے آئی۔ لڑکے نے ان آدمیوں کو گنا ایک، دو، تین، چار۔

جس بیڑ پر لڑکا بیٹھا تھا، وہاں کی زمین کچھ نیچی تھی۔ اسے خیال آیا کہ دل لوگ مجھے دیکھ بھی لیں تو ان کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کے پیچھے تین دن کا بھوکا شیر بیٹھا ہوا ہے۔ اگر میں انہیں ہوشیار نہ کر دوں تو یہ دشت کسی نہ کسی کو ضرور چٹ کر جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ پوری طاقت سے چلانے لگا۔ اس کی آواز سننے ہی وہ لوگ رک گئے اور اپنی اپنی بندوقیں سنبھال کر اس کی طرف تارکے لگے۔

لڑکے نے چلا کر کہا۔ ہوشیار رہو! ہوشیار رہو! اس بیڑ کے پیچھے ایک شیر بیٹھا ہوا ہے۔ شیر کا نام سننے ہی وہ لگ سنبھل گئے، چٹ پٹ بندوقوں میں گولیاں بھریں اور چوکنے ہو کر آگے بڑھنے لگے۔

شیر کو کیا خبر کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو اپنے شکار کی تاک میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ یکا یک عیروں کی آہٹ پاتے ہی وہ چونک اٹھا اور ان چاروں آدمیوں کو ایک نیلے کی آڑ میں دیکھا۔ پھر کیا کہنا تھا اسے منہ مانگی مراد ملی۔ بھوک میں مبرا کہاں۔ اتنے زور سے گر جا کہ سارا جنگل ہل گیا اور ان آدمیوں کی طرف زور سے حسرت ماری۔ مگر وہ لوگ پہلے ہی سے تیار تھے۔ چاروں نے ایک ساتھ گولی چلائی۔ دن! دن! دن! آواز ہوئی چڑیاں بیڑوں سے اڑ اڑ کر بھاگنے لگیں۔ لڑکے نے پیچھے دیکھا۔ شیر زمین پر گر پڑا تھا۔ وہ ایک بار پھر اچھلا اور پھر گر پڑا۔ پھر وہ ہلا تک نہیں۔

لڑکے کی خوشی کا کیا پوچھو۔ بھوک پیاس کا نام تک نہ تھا۔ چٹ پٹ بیڑ سے اترا تو دیکھا سامنے اس کا مالک کھڑا ہے۔ وہ روتا ہوا اس کے عیروں گر پڑا۔ مالک نے اسے اٹھا کر

چھاتی سے لگا لیا۔ اور بولا۔ کیا تو تین دن سے اسی عطر پر تھا۔
 لڑکے نے کہا۔ ہاں، اترتا کیسے؟ شیر تو مجھے بیٹھا ہوا تھا۔
 مالک۔ ہم نے تو سمجھا تھا کہ کسی شیر نے تجھے مار کر کھالیا۔ ہم چاروں آدمی تین دن
 سے تجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔ تو نے ہم سے کہا تک نہیں اور کل کھڑا ہوا۔
 لڑکا۔ میں ڈرتا تھا گائے جو کھو گئی تھی۔
 مالک۔ ارے پاگل گائے تو اسی دن آپ ہی چلی آئی تھی۔ بھوک پیاس سے تھکتی
 تک نہ رہنے پر بھی لڑکا ہنس پڑا۔

بن مانس کی دردناک کہانی

آج ہم تمہیں ایک بن مانس کا حال سناتے ہیں۔ سامنے جو تصویر ہے اس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ بن مانس نہ تو پرا بندر ہے، نہ پورا آدمی۔ وہ آدمی اور بندر کے بیچ ایک جانور ہے۔ مگر وہ بڑا بلوان ہوتا ہے اور آدمیوں کو بڑی آسانی سے مار ڈالتا ہے۔ وہ ادھک تر افریقہ کے جنگل میں پایا جاتا ہے۔

ایک دن ایک شکاری افریقہ کے کلب میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس کا ایک دوست گھیرایا ہوا کمرے میں آیا اور بولا۔ ایک جھٹی بہت دور سے یہاں آیا ہے اور کہتا ہے کہ پاس کے جنگل میں ایک نر بن مانس نکلا ہے، جو صرف آدمیوں کو مار رہا ہے۔ شکاری نے اس جھٹی کو بلا کر پوچھنا چاہا کہ تو معلوم ہو کہ کہاں جاتی ہے ایک آدمی نے اس مانس کے جوڑے کو مار ڈالا ہے۔ شاید اسی لیے وہ آدمیوں کو مار رہا ہے۔ جھٹی نے کہا۔ صاحب ایسے ڈیل ڈول کا بن مانس کہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ بڑے بڑے جوانوں کو بات ہی بات میں مار ڈالتا ہے۔ تعجب تو یہ کہ وہ چن چن کر اسی جاتی کے آدمیوں کو مارتا ہے۔ اب تک قریب دس اُبائھیوں کو مار چکا ہے۔ شکاری شیر کا شکار کرنے آیا تھا پر اس نے دل میں سوچا یہ بن مانس تو شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ پہلے اسی کو کیوں نہ ماروں۔

دوسرے دن اس نے نر کے ہی شکار کا سامان ٹھیک ٹھاک کیا اور اسی جھٹی کو لے کر جنگل کی طرف چل کھڑا ہوا۔ کئی سپاہی بھی موجود تھے۔ وہ بھی اپنی چھوٹا دیو اور بندوقیں لے کر چلنے کو تیار ہو گئے۔ جھٹی راہ دکھاتا ہوا آگے آگے چلنے لگا۔

دن بھر لٹاتا چلنے کے بعد وہ لوگ اُٹھیں کے گاؤں میں پہنچے۔ راستے میں بہت سے جانور ملے پر بن مانس کا کہیں نشان تک نہ ملا۔ افریقہ کے سب گاؤں قریب قریب ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے بیچ میں اُٹھیں کے سردار کا جمونپڑا تھا۔ چاروں اُور ہانسون سے گھرا ہوا تھا۔ ایک بڑے ڈیل ڈول کا آدمی کندھے پر بندوق رکھے جمونپڑے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔

شکاریوں کی خبر پا کر اباٹھی سردار ان سے ملنے آیا اور فوجی سلام کر کے بولا آپ لوگ خوب آئے، اب مجھے امید ہے کہ بن مانس ضرور مارا جائے گا۔ ہم لوگوں کا تو گھر سے لٹانا مشکل ہو گیا ہے۔ شکاری نے غرور کے ساتھ کہا۔ ہاں دیکھو کیا ہوتا ہے آئے تو اسی ارادے سے ہیں۔

شکاریوں نے سردار کے جمونپڑے کے پاس ہی اپنی مچھلداریاں لگا دیں اور پیٹ دیوتا کی پوجا کرنے کی فکر کرنے لگے کہ اچانک کسی کے کراہنے کی آواز آئی جیسے اس کا کوئی مر گیا ہو۔ شکاری نے پوچھا یہ کون رو رہا ہے؟

جیٹی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا حضور یہ وہی بن مانس ہے۔ دن بھر اپنے مردہ جوڑے کے پاس بیٹھا روتا ہے اور رات ہوتے ہی ادھر ادھر گھومنے لگتا ہے۔ نہ معلوم کس وقت چپکے سے گاؤں میں گھس آتا ہے اور کسی نہ کسی اباٹھی کو مار ڈالتا ہے۔ اور کسی جاتی کے آدمی سے نہیں بولتا۔

لوگ دن بھر کے تھکے ماندے بھوکے پیاسے تھے۔ بن مانس کا شکار کرنے کی کسے سوجھتی تھی جب لوگ کھاپی کر فارغ ہوئے تو صلاح ہونے لگی کہ بن مانس کا شکار کیسے کیا جائے۔ اباٹھی سردار نے کہا رات کو آپ لوگ نہیں اسے پاسکتے۔ دن کو ہی اس کا شکار ہو سکتا ہے۔

شکاریوں کو بھی اس کی صلاح پسند آئی۔ سب اپنی اپنی مچھلداریوں میں گھس گئے اور باہر پہرے کا وہ بندوبست کر دیا کہ دو دو گھنٹے کے بعد پہرا بدل دیا جائے۔ شکاری تھکا تھا جلدی ہی سو گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر سو یا تھا کہ اس کی نیند ٹوٹ گئی اور سامنے ایک پرچھائیں سی کھڑی دکھائی دی۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح جل رہی تھیں۔ اس نے فوراً آواز دی سنتری!

پر کوئی جواب نہ ملا نہ معلوم یہ آواز سنتری کے کالوں تک پہنچی بھی یا نہیں۔
 افسر نے عزت بجلی کی غی جلائی، اس کا کلیجہ سن ہو گیا۔ سامنے چھ فٹ کا بن مانس
 کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں سنتری کی بندوق تھی۔ جس کی ٹلی بالکل بیڑھی میڑھی ہو گئی تھی۔
 وہ شکاری کی اُور آگئیں جمائے ہوئے تھا۔ جیسے سوچ رہا ہو کہ اسے ماروں یا چھوڑ دوں۔
 اس کا ڈرانا چہرہ دیکھ کر شکاری کی کھٹکھی بندھ گئی منہ سے آواز تک نہ نکلی۔

اچانک باہر کسی چیز کے گرنے کا دھماکہ ہوا۔ شاید کوئی سنتری اندھیرے میں ٹھوکر کھا
 کر گر پڑا تھا۔ بن مانس نے سمٹ بندوق پھینک دی اور اچھل کر چھو لمداری سے باہر نکل
 گیا۔ اب افسر صاحب کے ہوش ٹھکانے ہوئے۔ بچاؤن اٹھا، بندوق سنبھالی و باہر نکلے اور
 بجلی کی لائین لے کر بن مانس کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن وہ وہاں کہاں تھا۔ مگر اس سے زیادہ
 تعجب کی بات یہ تھی کہ اس سنتری کا بھی کہیں پتا نہ تھا جو پہرا دے رہا تھا۔

شکاری نے اب کی سنتریوں کو تاکید کر دی کہ خوب ہوشیار رہیں مگر سونے کی ہمت نہ
 پڑی۔ بجلی کی روشنی میں بیٹھے بیٹھے کپ شپ کر کے رات کاٹتی۔ دوسرے دن ترکے سب لوگ
 شکار کرنے چلے۔ گاؤں کے آدمی انیس پدا کرنے کے لیے گاؤں کے باہر تک آئے۔ اچھی
 خاصی بھیڑ جمع ہو گئی۔ شکاری لوگ جھاڑیوں کی آڑ میں چلے گئے، جس میں بن مانس ان کی
 آہٹ پا کر کہیں بھاگ نہ جائے۔ جیٹی کو وہ جگہ معلوم نہ تھی، جہاں مادہ بن مانس مری پڑی
 تھی۔ اسی کے پیچھے پیچھے لوگ چلے جا رہے تھے۔ جاتے جاتے راستے میں ایک جگہ بڑی بدبو
 آنے لگی۔ جیٹی سہم کر ٹھٹھک گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ وہیں رونے کی آواز سنائی دی۔
 شکاری نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ تم لوگ بندوقیں تیار رکھو میں آگے آگے چلتا ہوں۔ مگر
 ابھی دو سو قدم بھی نہ گیا تھا کہ اسے وہ بن مانس نظر آیا۔ مگر وہ اکیلا نہ تھا اس کے جوڑے کی
 لاش بھی وہیں پڑی ہوئی تھی۔ بن مانس اس لاش پر جھکا ہوا اپنے دونوں ہاتھوں سے چھاتی
 پیٹ کر رو رہا تھا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا، مانو وہ اپنے جوڑے سے
 کہہ رہا تھا کہ ایک بار پھر اٹھو، چلو یہ دلش چھوڑ کر اس دلش میں جا کر بیس، جہاں کے آدمی
 اتنے بردتی، اتنے کٹھور نہیں ہیں۔ جب وہ دیکھتا تھا کہ اس کے اتنا سمجھانے پر بھی مادہ نہ تو
 بولتی ہے اور نہ ہنسی ہے تو وہ چھاتی پیٹ کر رونے لگتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر شکاری کا دل درد سے پکھل گیا۔ بندوق اس کے ہاتھ سے گر پڑی،

شکار کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ ساتھیوں کو لے کر وہ ڈیرے پر لوٹ آیا۔ سب لوگ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ دیکھو جانوروں میں بھی کتنی محبت ہوتی ہے۔ لاش سڑ گئی ہے، مگر نر ابھی تک اسے نہیں چھوڑ رہا ہے۔ لہٰذا انہیں نے یہ بہت بڑا کام کیا کہ اس کے جھڑے کو مار ڈالا۔

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ دیکھا کئی آدمی ایک لاش لیے چلے آ رہے ہیں۔ شکاری لاش کو فوراً پہچان گیا۔ یہ اس سنتری کی لاش تھی۔ معلوم ہو گیا کہ اسی بان مانس نے رات کو اسے مار ڈالا ہے۔ شکاری کروڑہ سے اندھا ہو گیا، بولا اب اس دُشت کو کسی طرح نہ چھوڑوں گا۔ ایسے خونی جانوروں پر دیا کرنا پاپ ہے آج اس کا کام تمام کر کے ہی دم لوں گا۔

یہ کہہ کر اسی جگہ جا پہنچا۔ جہاں مادہ مردہ پڑی تھی مگر اب کی بن مانس وہاں نہ دکھائی دیا۔ تب وہ لوگ اس کے حیر کا نشان دیکھتے ہوئے اس کی کھوج میں چلے۔ آخر ایک پہاڑی کے نیچے سے جہاں ایک پہاڑی ندی بہتی تھی، بن مانس آتا دکھائی دیا۔ اس کی دیہ سے بوند بوند پانی ٹپک رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا ابھی نہا کر نکلا ہے۔ شکاریوں کو دیکھتے ہی پہلے تو وہ گرج اٹھا، پھر کسی شوک میں ڈوبے ہوئے آدمی کی طرح چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگا۔ وہ لوگ چپ چاپ کھڑے رہے۔ جب وہ بالکل پاس آ گیا تو افسر نے اس کے کندھے پر نشانہ لگا کر گولی چلائی وہ زور سے چیخا اور گر پڑا۔ اس کا ایک کندھا زخمی ہو گیا تھا۔ پر وہ غرت ہی دوسرے ہاتھ کے سہارے افسر کی طرف دوڑا۔ افسر نے اب کی اس کی چھاتی پر گولی چلائی شکاریوں نے سمجھا، اسے مار لیا، مگر وہ جھٹ ایک چٹان پر پھانسی کر بھاگا اور جنگل میں گھس گیا۔

شام ہونے کو تھی۔ اب اسے ڈھونڈنا بیکار سمجھ کر شکاری ڈیرے کی طرف لوٹے۔ گو کہ یہ معلوم تھا کہ وہ گھایل ہو گیا ہے، پھر بھی لوگوں نے پہرے کا بندوبست کیا اور کھائی کر سوئے۔ رات بھر سب لوگ آرام سے سوتے رہے۔ افسر صاحب کی نیند کھلی ہی تھی کہ ایک جھٹی دوڑا ہوا آیا اور بولا صاحب وہ تو پھر رو رہا ہے افسر نے دھیان سے سنا، ہاں یہ تو وہی رونے کی آواز ہے۔

لوگوں نے جھٹ پٹ کپڑے پہنے اور بندوقیں لے کر روانہ ہو گئے۔ اس جگہ پہنچ کر یہ لوگ جھاڑیوں کے آڑ سے دونوں بن مانسوں کی آتم پریم لیلیا کا تماشہ دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ وہ اپنے جھڑے کی لاش کو اپنے خون سے رنگی ہوئی چھاتی سے دبا کر رو رہا ہے۔ اس کی

آنکھوں میں نشہ سا چھلایا ہوا معلوم ہوتا تھا، جیسے کوئی شراب کے نشے میں چور ہو۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر شکاریوں کی آنکھیں آنسو سے تر ہو گئیں۔ یہ تو معلوم ہی تھا کہ وہ اب چوٹ نہیں کر سکتا۔ شکاری اس کے ہانکل پاس چلا گیا کہ اگر ہو سکے تو اسے جیتا پکڑ کر مرہم پٹی کی جائے۔ اسے دیکھتے ہی بن مانس نے بڑی دردناک آنکھوں سے اس کی اور دیکھا۔ مانو کہ رہا تھا۔ کیوں دیری کرتے ہو ایک گولی اور چلا دو کہ جلدی اس دکھ بھرے سنسار سے جدا ہو جاؤں؟

شکاری نے ایسا ہی کیا۔ ایک گولی سے اس کا کام تمام کر دیا اور بندوق کی آواز ہوئی اور بن مانس چت ہو گیا۔ مگر آواز کے ساتھ ہی شکاری کا دل بھی کانپ اٹھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا، میں نے خون کیا ہے میں خونی ہوں۔

دکھنی افریقہ میں شیر کا شکار

ایک مشہور شکاری نے ایک شیر کا شکار کا حال لکھا ہے، آج ہم اس کی کھانی کی زبان سے سناتے ہیں۔ کئی سال ہوئے ایک دن میں نیروبی کی ایک چڑی گلی سے جا رہا تھا کہ ایک شیرنی پر نظر پڑی جو اپنے دو بچوں سمیت جھاڑیوں کی طرف چلی جا رہی تھی۔ شاید شکار کی تلاش میں بستی میں گھس آئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں لپک کر اپنے گھر آیا اور ایک رائفل لے کر پھر اسی طرف چلا۔ سنیوگ سے چاندنی رات تھی۔ میں نے آسانی سے شیرنی کو مار ڈالا اور اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا۔ ان بچوں کی عمر زیادہ نہ تھی۔ صرف تین ہفتے کے معلوم ہوتے تھے۔ ایک نر تھا، دوسرا مادہ، میں نے نر کا نام جیک اور مادہ کا نام جل رکھا۔ جیک تو جلدی بیمار ہو کر مر گیا۔ جل بچ رہی۔ جل اپنا نام سمجھتی تھی اور میری آواز پہچانتی تھی۔ میں جہاں جاتا، وہاں کتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلتی۔ میرے کمرے میں فرش پر لیٹی رہتی تھی۔ اکثر میرے بچوں پر سوجاتی اور جاگنے کے بعد اپنے پنچے میرے گھٹنوں پر رکھ کر لمبی کی طرح میرا سراپے چدے پر ملتی۔

ایک دن چاندنی رات میں جل کو ساتھ لے کر سیر کے لیے نکلا۔ ہم دونوں خوشی کے ساتھ سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ میں یہ بالکل بھول گیا تھا کہ اس دن ہوٹل میں ناچ ہونے والا ہے۔ سنیوگ دیکھے کہ میں اور جل اس وقت ہوٹل کے پاس پہنچے۔ جب کوئی مہمان سواری کی تلاش میں باہر کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا، ایک شیرنی سڑک کے پھوس چا اس کی طرف چلی آ رہی ہے تو وہ اتنا گھبرایا کہ بیان سے باہر ہے اور سامنے کی طرف بے

تھا۔ بھاگا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر اور بھی دو تین آدمی بھاگ چلے۔ جل نے سمجھا یہ بھی کوئی کھیل ہے، وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑی۔ جتنے جتنے میرے پیٹ میں تل پڑ گئے۔ آخر میں بھی جل کے پیچھے دوڑا اور بڑی مشکل سے جل کو پکڑ پایا۔ یہ بھی اس نے کسی کو گھائل نہیں کیا، مگر آئندہ کے زندگی بنانے والوں کی بہادری کی قلمی کھل گئی۔ پھر میں جل کو لے کر چاندنی رات میں کبھی باہر نہ نکلا۔

ایک دن میں ایک جگہ دعوت کھانے گیا۔ وہاں سے اپنے بچکے کی طرف چلا تو اندھیری رات ہو گئی تھی۔ آدھا راستہ طے کر چکا تھا کہ یکا یک بندوق چلنے کی آواز سنائی دی ایسا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی گھبراہٹ میں شو شو کر رہا ہے۔ ذرا اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک سکے سنتری لائین کے کھمبے پر چڑھا بدحواسی کی حالت میں شو شو کر رہا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا صاحب، ذرا بچے رہیے گا۔ ایک شیر بالکل پاس کھڑا ہے اور گھوڑے کو کھا رہا ہے۔ میں نے ادھر ادھر گاہ دوڑائی تو پچاس قدم کے فاصلے پر شیر دکھائی دیا۔ وہ بچ بچ ایک گھوڑے کو چٹ کر رہا تھا۔ سنتری کی شور و غل کی اسے بالکل پرواہ نہ تھی۔

میں نے سکے سنتری کو آواز دی کہ وہ جہاں ہے وہیں ٹھہرا رہے اور میں اس کے لیے ایک دوست کے پاس بندوق لینے گیا۔ جب رائفل لے کر لوٹا تو دیکھا کہ شیر بیٹھا ادھ چاٹ رہا ہے۔ اور سنتری جیوں کا تپوں کھمبے سے چمٹا کھڑا ہے۔ میں نے فوراً شیر پر بندوق چلائی وہ زخمی تو ہو گیا مگر مرا نہیں۔ وہ بڑے زور سے گر جا اور ایک طرف کو چل دیا۔ لیکن میں اسے کب چھوڑنے والا تھا۔ میں خون کا نشان دیکھتا ہوا اس کے پیچھے چلا۔ آخر میں نے اسے کھاڑی کے کنارے کھڑے دیکھا۔ اب کے میری گولی کام کر گئی۔ شیر گر پڑا۔ میں خوش خوش شیر کے پاس گیا اور اسے دیکھتے ہی پہچان گیا، وہ میری شیرنی جل تھی۔

غبارے پر چیتا

”میں تو جاؤں گا، ضرور جاؤں گا، چاہے کوئی چھٹی دے یا نہ دے۔“

ایک اسکول کے سامنے ایک بڑا میدان ہے۔ کئی لڑکے کھڑے ہیں اور بلد یو اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے سب لڑکوں کو سرکس دیکھنے کے لیے چلنے کی صلاح دے رہا ہے۔ بات یہ تھی کہ اسکول کے پاس ہی ایک میدان میں سرکس پارٹی آئی ہوئی تھی۔ سارے شہر کی دیواروں پر اس کے دیکھائیں چکا دیے گئے تھے۔ دیکھائیں میں طرح طرح کی جنگلی جانور عجیب عجیب کام کرتے دکھائے گئے تھے۔ لڑکے تماشا دیکھنے کے لیے لپارہے تھے۔ پہلا تماشا رات کو شروع ہونے والا تھا مگر ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکوں کو وہاں جانے کی منہای کردی تھی۔ اشتہار بڑا آکر شک تھا۔

آگیا ہے آگیا ہے!!

جس تماشے کا آپ لوگ بھوک پیاس چھوڑ کر انتظار کر رہے تھے، وہی، بھئی سرکس

آگیا ہے۔

آئیے اور تماشے کا آئندہ اٹھائیے۔ بڑے بڑے کھیلوں کے سوا ایک کھیل اور بھی

دکھایا جائے گا، جو نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔

لڑکوں کا من تو سرکس میں لگا ہوا تھا۔ سامنے کتنا کھولے جانوروں کی چرچا کر رہے تھے۔ کیونکہ شیر لور بکری ایک برتن میں پانی پیتے گئے؟ اور اتنا بڑا ہتھی ہر گاڑی پر کیسے بیٹھے گا۔ ہر گاڑی کے پیچے بہت بڑے بڑے ہوں گے؟ لور تو تباہی دھونے گا؟ اور بن ماس ہالو بن کر میز پر بیٹھے گا۔

بلدیو سب سے پیچھے بیٹا ہوا اپنی حساب کی کاپی پر شیر کی تصویر کھینچ رہا تھا اور سوچ

رہا تھا کہ کل سنچر نہیں، اتوار ہوتا تو کیسا مزہ آتا۔

بلدیو نے بڑی مشکل سے کچھ پیسے جمع کیے تھے۔ منارہا تھا کہ کب چھٹی ہو اور کب بھاگوں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کا حکم سن کر وہ جاے سے باہر ہو گیا۔ چھٹی ہوتے ہی وہ باہر میدان میں نکل آیا اور لڑکوں سے بولا۔ میں تو جاؤں گا، ضرور جاؤں گا۔ چاہے کوئی چھٹی دے یا نہ دے۔ مگر اور لڑکے اتنے سہاسی نہ تھے۔ کوئی اس کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوا۔ بلدیو اب اکیلا پڑ گیا۔ مگر وہ بڑا ضدی تھا، دل میں جو بات بیٹھ جاتی ہے، اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا تھا۔ سنچر کو اور لڑکے تو ماسٹر کے ساتھ گیند کھیلنے چلے گئے، بلدیو چپکے سے کھسک کر سرکس کی اور چلا۔ وہاں پہنچے ہی اس نے جانوروں کو دیکھنے کے لیے ایک آنے کا ٹکٹ خریدا اور جانوروں کو دیکھنے لگا۔ ان جانوروں کو دیکھ کر بلدیو من میں بہت جھنجھلایا۔ یہ شیر ہے! معلوم ہوتا ہے میٹنوں سے اسے طیر یا بخار آرہا ہو۔ یہ بھلا کیا ہیں ہاتھ اونچا اچھلے گا۔ اور یہ سندر دن کا باگھ ہے۔ جیسے کسی نے اس کا خون چوس لیا ہو۔ مردے کی طرح پڑا ہے واہ رے بھالو! یہ بھالو ہے یا سور اور وہ بھی کانا جیسے موت کے چنگل سے نکل بھاگا ہو! البتہ یہ چیتا کچھ جاندار ہے اور ایک تین ٹانگ کا کتا بھی۔

یہ کہہ کر بڑے زور سے ہنسا۔ اس کی ایک ٹانگ کس نے کاٹ لی۔ دُم کٹے کتے تو دیکھے تھے، بچر کتا کتا آج ہی دیکھا۔ اور یہ دوڑے گا کیسے؟ اسے انہوں ہوا کہ گیند چھوڑ کر یہاں ناحق آیا۔ ایک آنے پیسے بھی گئے ایسے جانوروں کو تو میں سنت سمیت بھی نہ دیکھتا۔

اتنے میں ایک بڑا ہماری غبارہ دکھائی دیا۔ اس کے پاس ایک آدمی کھڑا چلا رہا تھا۔ ”آؤ، چلے آؤ۔ چار آنے میں آسمان کی سیر کرو۔“

ابھی وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک شور سن کر وہ چونک پڑا۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو مارے ڈر کے اس کا دل کانپ اٹھا۔ وہی چیتا نہ جانے کس طرح پنجرے سے نکل اسی کی طرف دوڑا چلا آرہا تھا۔ بلدیو جان لے کر بھاگا۔

اتنے میں ایک اور تماشا ہوا۔ ادھر سے چیتا غبارے کی طرف دوڑا جو آدمی غبارے کی رسی پکڑ ہوئے تھا، وہ چیتے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بے تماشا بھاگا۔ بلدیو کو اور کچھ نہ سوجھا تو وہ جھٹ سے غبارے پر چڑھ گیا۔ چیتا بھی شاید اسے پکڑنے ہی کے لیے کود کر

غبارے پر جا پہنچا۔ غبارے کی ری چھوڑ کر تو وہ آدمی پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ وہ غبارہ اڑنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ری چھوٹنے ہی وہ اوپر اٹھا۔ بلدیو اور چیتا دونوں اوپر اٹھ گئے۔ بات کی بات میں غبارہ تاڑ کے برابر جا پہنچا۔ بلدیو نے ایک بار نیچے دیکھا تو لوگ چلا چلا کر اسے بچانے کے اپائے بتانے لگے۔ مگر بدلے کے تو ہوش اڑے ہوئے تھے۔ اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی۔ جیوں جیوں غبارہ اوپر اٹھتا جاتا تھا، چیتے کی جان ٹل جاتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون مجھے آسمان کی اور لیے جاتا ہے۔ وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے بلدیو کو چٹ کر جاتا، مگر اسے اپنی ہی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ سارا چیتا پن بھول گیا تھا۔ آخر وہ اتنا ڈرا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور وہ پھسل کر الٹا نیچے گرا۔ زمین پر گرے ہی اس کی ہڈی پہلی چور چور ہو گئی۔

اب تک تو بلدیو کو چیتے کا ڈر تھا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ غبارہ مجھے کہاں لیے جاتا ہے۔ وہ ایک بار گھٹنا گھر کے مینار پر چڑھا تھا۔ اوپر سے اسے نیچے کے آدمی کھلونوں اور گھر کمرندوں سے لگتے تھے۔ مگر اس وقت وہ اس سے کئی گنا اونچا تھا۔

یہ ایک اسے ایک بات یاد آگئی۔ اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ غبارے کا منہ کھول دینے سے گیس نکل جاتی ہے اور غبارہ نیچے اتر آتا ہے، مگر اسے یہ نہ معلوم تھا کہ منہ بہت دیر دیر سے کھولنا چاہیے۔ اس نے ایک دم اس کا منہ کھول دیا اور غبارہ بڑے زور سے گرنے لگا۔ جب وہ زمین سے تھوڑی اونچائی پر آگیا تو اس نے نیچے کی طرف دیکھا۔ دریا بہہ رہا تھا۔ پھر تو وہ ری چھوڑ کر دریا میں کود پڑا اور تیر کر نکل آیا۔

پاگل ہاتھی

موتی راجا صاحب کی خاص سواری کا ہاتھی تھا۔ یوں تو وہ بہت سیدھا اور سمجھ دار تھا، پر کبھی کبھی اس کا مزاج گرم ہو جاتا تھا اور وہ آپے میں نہ رہتا تھا۔ اس حالت میں اسے کسی بات کی سہہ نہ رہتی تھی۔ مہادت کا دباؤ بھی نہ مانتا تھا۔ ایک بار اسی پاگل پن میں اس نے اپنے مہادت کو مار ڈالا۔ راجا صاحب نے یہ خبر سنی تو انھیں بہت کرودہ آیا۔ موتی کی پدوی چھن گئی۔ راجا صاحب کی سواری سے نکال دیا گیا۔ قلیوں کی طرح اسے لکڑیاں ڈھونی پڑیں۔ پتھر لادنے پڑے اور شام کو وہ پتھیل کے نیچے موٹی زنجیروں سے باندھ دیا جاتا۔ راتب بند ہو گیا۔ اس کے سامنے سوکھی ٹھنیاں ڈال دی جاتی تھیں اور انھیں کو چپا کر وہ بھوک کی آگ بجھاتا۔ جب وہ اپنی اس دشا کو اپنی پہلی دشا سے ملاتا تو وہ بہت چنچل ہو جاتا۔ وہ سوچتا، کہاں میں راجا کا سب سے پیارا ہاتھی تھا اور کہاں آج معمولی مزدور ہوں۔ یہ سوچ کر زور زور سے چنگھاڑتا اور اچھلتا۔ آخر ایک اسے اتنا جوش آیا کہ اس نے لوہوں کی زنجیر توڑ ڈالی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

تھوڑی ہی دور پر ایک ندی تھی۔ موتی پہلے اس ندی میں جا کر خوب نہایا۔ تب وہاں سے جنگل کی اور چلا۔ ادھر راجا صاحب کے آدمی اسے پکڑنے کے لیے دوڑے، مگر مارے ڈر کے کوئی اس کے پاس جا نہ سکا۔ جنگل کا جانور جنگل ہی میں چلا گیا۔ جنگل میں پہنچ کر وہ اپنے ساتھیوں کو ڈھنڈنے لگا۔ جب وہ کچھ دور اور آگے بڑھا تو اسے ہاتھیوں کا جمنڈ دکھائی دیا۔ وہ خوش ہو کر ان سے ملنے دوڑا۔ مگر جنگل کے ہاتھیوں نے جب اس کے گلے میں ری اور پاؤں میں ٹوٹی ہوئی زنجیر دیکھی تو منہ پھیر لیا۔ اس کی بات تک نہ پوچھی۔ ان کا شاید یہ مطلب تھا کہ تم غلام تو تھے ہی، اب تک حرام غلام ہو، تمھاری جگہ اس جنگل میں نہیں ہے۔

جب تک دس آنکھوں سے اوچل نہ ہو سکے، موتی وہیں کھڑا تاکتا رہا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہاں سے بھاگتا ہوا محل کی اور چلا۔

وہ راستے ہی میں تھا کہ اس نے دیکھا راجا صاحب شکاریوں کے ساتھ گھوڑے پر چلے آ رہے ہیں۔ وہ فوراً ایک بڑے چٹا کی آڑ میں چھپ گیا۔ دھوپ تیز تھی۔ راجا صاحب ذرا دم لینے کو گھوڑے سے اترے۔ اچانک موتی آڑ سے نکل پڑا اور گر جتا ہوا راجا صاحب کی اُور دوڑا۔ راجا صاحب گھبرا کر بھاگے اور ایک چھوٹی جموہیری میں گھس گئے۔ ذرا دیر بعد موتی بھی آ پہنچا۔ اس نے راجا صاحب کو اندر گھستے دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو اس نے اپنی سوٹ سے اوپر کا چھپر گرادیا، پھر اسے پیروں سے روئے کر چور چور کر ڈالا۔

بجیر راجا صاحب کا مارے ڈر کے برا حال تھا۔ جان بچنے کی کوئی آشا نہ تھی۔ آخر جب کچھ نہ سوچی تو وہ جان پر کھیل کر پیچھے کی دیوار پر چڑھ گئے اور دوسری طرف کود کر بھاگ نکلے۔ موتی دیوار پر کھڑا چھپر روئے رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دیوار کو کیسے گراؤں۔ آخر اس نے دھکا دے دیوار گرا دی۔ مٹی کی دیوار پاگل ہاتھی کا دکھا گیا سستی۔ مگر جب راجا صاحب بجیر نہ ملے تو اس نے باقی دیواریں بھی گرا دیں اور جنگل کی طرف چلا گیا۔

گھر لوٹ کر راجا صاحب نے ڈھنڈورا بٹھا دیا کہ جو آدمی موتی کو جیتا پکڑ کر لائے گا، اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ کئی آدمی انعام کے لالچ سے اسے پکڑنے کے لیے جنگل میں گھس گئے۔ مگر ان میں سے ایک بھی نہ لوٹا۔

موتی کے مہادت کا ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام تھا مرلی۔ ابھی وہ کل آٹھ نو برس کا تھا۔ اسی لیے راجا صاحب دیا کر کے اسے اور اس کی ماں کو کھانے پہنچنے کے لیے کچھ خرچ دیا کرتے تھے۔ مرلی تھا تو بالک، پرہت کا دھنی تھا۔ کمر باندھ کر موتی کو پکڑ لانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ماں نے بجیرا سمجھایا اور لوگوں نے بھی منع کیا، مگر اس نے کسی کی ایک نہ سنی اور جنگل کی اور چل دیا۔

جنگل میں پہنچ کر وہ ایک اونچے بیڑ پر چڑھ گیا اور بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آخر اس نے دیکھا کہ موتی سر جھکائے اسی بیڑ کی اور چلا آ رہا ہے۔ اس کی چال سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا مزاج خنڈا ہو گیا ہے۔

جیوں ہی موتی اس بیڑ کے نیچے آیا، اس نے بیڑ کے اوپر سے ہنچکارا، موتی!

موتی اس آواز کو پہچانتا تھا۔ وہیں رک گیا اور سر اٹھا کر اوپر کی اور دیکھنے لگا۔ مرلی کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ یہ وہی مرلی تھا، جسے وہ اپنی سوڑ سے اٹھا کر اپنے منک پر بٹھالیتا تھا۔ میں نے ہی اس کے باپ کو مار ڈالا ہے۔ یہ سوچ کر اسے بالک پر دیا آگئی۔ خوش ہو کر سوڑ ہلانے لگا۔

مرلی اس کے من کا بھاء پہچان گیا۔ وہ بیڑ سے نیچے اترا اور اس کی سوڑ کو چھکیاں دینے لگا۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ موتی بیٹھا نہیں، مرلی کو اپنی سوڑ سے اٹھا کر پہلے ہی کی طرح اپنے منک پر بٹھالیا اور راج محل کی اور چلا۔

مرلی جب موتی کو لیے ہوئے راج محل کے دوار پر پہنچا تو سب نے دانتوں انگلی دبائی۔ پھر بھی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ موتی کے پاس جائے۔ مرلی نے چلا کر کہا..... ڈرو مت۔ موتی بالکل سیدھا ہو گیا ہے۔ اب وہ کسی سے نہ بولے گا۔ راجا صاحب بھی ڈرتے ڈرتے موتی کے سامنے آئے۔ انھیں کتنا اچنھا ہوا کہ وہی پاگل موتی اب گائے کی طرح سیدھا ہو گیا ہے۔

انھوں نے مرلی کو ایک ہزار روپے انعام تو دیا ہی، اسے اپنا خاص مہات بتالیا۔ اور موتی پھر راجا صاحب کا سب سے پیارا ہاتھی بن گیا۔

سانپ کا مڑی

میں جب جہاز پر لوکر تھا تو ایک بار کلیو بھی گیا تھا۔ بہت دنوں سے وہاں جانے کو من چاہتا تھا۔ خاص کر راون کی لٹا پوری دیکھنے کے لیے۔ کلکتے سے سات دن میں جہاز کلیو پہنچا۔ میرا ایک دوست وہاں کسی کارخانے میں لوکر تھا۔ میں نے پہلے ہی اسے خط ڈال دیا تھا۔ وہ گھاٹ پر آ پہنچا تھا۔ ہم دونوں گلے ملے اور کلیو کی سیر کرنے چلے۔ جہاز وہاں چار دن رکنے والا تھا۔ میں نے کپتان صاحب سے چار دن کی چھٹی لے لی۔

جب ہم دونوں کھاپی چکے، تو کپ شپ ہونے لگی۔ وہاں کے سیپ اور موتی کی بات چٹرمٹی۔ میرے دوست نے کہا۔ یہ سب چیزیں تو یہاں سمندر میں نکلتی ہی ہیں۔ اور آسانی سے مل جائیں گی۔ مگر میں قصیں ایک ایسی چیز دوں گا جو شاید تم نے کبھی نہ دیکھی ہو، ہاں اس کا حال کتابوں میں پڑھا ہوگا۔

میں نے تعجب سے پوچھا۔ وہ کون سی چیز ہے؟
'سانپ کا منی'!

میں چونک اٹھا اور بولا۔ سانپ کا منی! اس کا ذکر تو میں نے قصے کہانیوں میں سنا ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس کا مول سات بادشاہوں کے برابر ہوتا ہے۔ کیا سانپ کا اصلی منی؟

وہ بولے۔ ہاں بھائی، اصلی منی۔ قصیں مل جائے جب تو مانو گے۔ مجھے دشواں نہ ہوا۔ وہ پھر بولے۔ ہاں پچاسوں قسم کے سانپ ہیں، مگر منی ایک ہی طرح کے سانپوں کے پاس ہوتا ہے۔ اسے کالا کہتے ہیں۔ یہ بات سچ ہے کہ یہ چیز مشکل سے ملتی ہے۔ پچاسوں میں شاید ایک کے پاس نکلے۔ مگر ملتی ضرور ہے۔

میں نے سنا تھا کہ سانپ مٹی کو اپنے سر پر رکھتا ہے، مگر یہ بات غلط تھی۔ میرے دوست نے کہا۔ یہ چیز اس کے منہ میں ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا تو منہ کے اندر سے چمک کیسے نظر آتی ہے؟
دوست نے ہنس کر کہا۔ جب اسے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ کسی صاف پتھر پر اسے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس وقت ذرا بھی کھٹکا ہو تو وہ جھٹ اسے منہ میں دبا کر بھاگتا ہے، اس کی یہ عادت ہے کہ جہاں ایک بار مٹی کو نکالتا ہے، وہیں بار بار آتا ہے۔ میں آج ہی اپنے آدمیوں سے کہہ دیتا ہوں اور وہ لوگ کہیں نہ کہیں سے ضرور خبر لائیں گے۔
دو دن گزر گئے۔ تیسرے دن شام کو میرے دوست نے مجھ سے کہا۔ تو بھائی مٹی کا ہتا چل گیا۔

میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دوست کے ساتھ باہر آیا تو وہ آدی کھڑا تھا۔ جو مٹی کی خبر لایا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ابھی میں ایک سانپ کو مٹی سے کھیلنے دیکھ آیا ہوں۔ اگر اسی وقت چلیں تو مٹی ہاتھ آسکتی ہے۔ ہم فوراً اس کے ساتھ چل دیے۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک جنگل میں پہنچے۔ اس آدی نے ایک طرف سے اشارہ کر کے کہا۔ وہ دیکھیے سانپ مٹی رکھے بیٹھا ہے۔ میں نے اس طرف دیکھا تو جھج جھج کوئی مٹی گز کی دوری پر ایک سانپ پھن اٹھائے بیٹھا ہے اور اس کے آس پاس اجالا ہو رہا ہے۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ شاید جگنو ہو، پر وہ روشنی ٹھہری ہوئی ہے۔ جگنو کی چمک چمک ہوتی ہے۔ کبھی دکھائی دیتی ہے، کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ میں بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ کس اپائے سے مٹی ہاتھ لگے۔ آخر میں نے اس آدی سے کہا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ بندوق نہیں لایا۔ نہیں تو اسے مار کر مٹی کو اٹھا لیتا۔

اس آدی نے کہا۔ بندوق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب آپ تھوڑی دیر رکھے میں ابھی آیا۔ یہ کہہ کر وہ کہیں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کچھ ہاتھ میں لیے لوٹا۔

میں نے پوچھا۔ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

اس نے کہا۔ کچھ۔

میں نے پوچھا۔ کچھ کیا ہوگا؟

اس نے کہا۔ چپ چاپ دیکھیے، میں کیا کرتا ہوں۔

وہ چپکے سے ایک ٹکڑ پر چڑھ گیا۔ اور مجھے بھی چڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں بھی اوپر

چڑھا۔ جب وہ ڈالیں پر ہوتا ہوا ٹھیک سانپ کے اوپر آگیا۔ اور پکا یک اس مٹی پر کچڑ پھینک دیا۔ اندھیرا چھا گیا۔ اور سانپ گھبرا کر ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیوں کی کڑکڑاہٹ بند ہوگئی۔ میں نے سمجھا سانپ چلا گیا۔ پل سے اترنے لگا۔ اس آدمی نے مجھے پکڑ لیا اور کہا۔ بھول کر بھی پیچھے نہ ہاجئے گا۔ نہیں تو گھریک نہ پیچھے گا۔ بس سانپ یہیں پر کہیں نہ کہیں چھپا بیٹھا ہے۔

ہم دونوں نے اسی پل پر رات کاٹی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی ہم دونوں ادھر ادھر دیکھ کر پیچھے اترے۔ میرے ساتھی نے کچڑ ہٹایا۔ مٹی پیچھے پڑا تھا۔ میں مارے خوشی کے متوالا ہو گیا۔ جب ہم دونوں گھر پہنچے، تو میرے دوست نے کہا۔ اب تو قصص دشواں آیا یا اب بھی نہیں۔

میں نے کہا۔ ہاں سانپ کے پاس سے اسے لایا ہوں ضرور، مگر مجھے ابھی تک سندیدہ ہے کہ یہ وہی مٹی ہے جس کا مول سات بادشاہوں کے برابر ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کا پتھر ہے۔ جو گرم ہو کر اندھیرے میں جلنے لگتا ہے۔ جب تک وہ خنڈا نہیں ہو جاتا وہ اسی طرح روشن رہتا ہے۔ سانپ اسے دن بھر اپنے منہ میں رکھتا ہے تاکہ یہ گرم رہے۔ رات کو یہ اسے کسی جگہ میں نکالتا ہے اور اس کی روشنی میں کیڑے مکوڑے پکڑ کر کھاتا ہے۔

بن مائش خانساں

کچھ دن ہوئے باد میں ایک سرکس آیا تھا۔ اس میں اور تو بہت سے جانور تھے۔ مگر ایک بن مائش بہت ہوشیار تھا۔ اسے لوگ ڈک کے نام سے پکارتے تھے۔ مالک نے اسے ایسا سکھایا تھا کہ وہ گھر کا سب کام کر لیتا۔ ہاں بولنے سے لاچار تھا۔ اس کے مالک کی استری مرچکی تھی۔ صرف ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ جب مالک کہیں چلا جاتا، تو ڈک ہی اس بچے کی رکھوالی کرتا تھا۔

مالک کے نوکروں میں تین آدمی بڑے شیطان اور کام چور تھے۔ ایک دن تماشا ہورہا تھا، پر تینوں آدمی شراب کے نشے میں چور پڑے ہوئے تھے۔ جب ان کے کام کرنے کا وقت آیا تو ان کا کہیں پتا نہیں۔ مالک بہت گھبرایا۔ بہت تلاش کرنے پر تینوں ایک کھڑی میں ملے۔ مگر اس دشا میں وہ کربھی کیا سکتے تھے۔ تماشا برباد ہو گیا۔ تماشا ختم ہوتے ہی مالک نے ان تینوں کو ڈانٹا اور نکال دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے کیے پر بچھڑاتے اور مالک سے اپرا دھ چھما کراتے، مگر وہ الٹے بگڑاٹھے اور مالک سے اس بے عزتی کا بدلہ لینے کی فکر سوچنے لگے۔

ایک دن تینوں بد معاش اسی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ڈک بچے کو اس کی چھوٹی سی گاڑی پر بٹھا کر گھمانے لگا۔ ڈک کو دیکھتے ہی تینوں بچے کو لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ڈک بڑا سمجھ دار تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس وقت روکتا ہوں تو میری بھی جان جائے گی۔ اور بچے کی بھی۔ وہ چپ چاپ کہیں کھڑا رہا۔ جب وہ تینوں بچے کو لے کر کچھ دور نکل گئے تو وہ ایک بیڑ پر چڑھ گیا کہ دیکھیں یہ سب کیا کرتے ہیں۔ وہ جیوں جیوں آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ڈک بھی ایک سے دوسرے بیڑ پر اور دوسرے سے تیسرے بیڑ پر کود کود

کر ان کا پیچھا کرتا جاتا تھا۔ آخر وہ سب ریل گاڑی کی پڑیوں تک پہنچ گئے۔ وہاں وہ بچے کو ریل گاڑی کی پڑیوں کے بچ والی لکڑی پر لٹا کر دور سے تماشا دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بچے کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے۔ اس لیے وہ ہل بھی نہ سکتا تھا۔ ڈک بھی چپکے سے اترتا اور ایک جھاڑی کی آڑ میں چھپ گیا۔

ارے رے رے! یہ تو غضب ہوا! وہ دور سے گاڑی چلی آ رہی ہے۔ بچے کی جان اب کیسے بچے گی۔ اب کیا اپائے ہے۔ اگر ڈک بچے کے پاس جاتا ہے تو شاید اسے تینوں شیطان دیکھ لیں اور تھپنے سے مار ڈالیں۔ زیادہ سوچنے کا موقع نہ تھا۔ تھوڑی ہی دور پوائنٹ تکل تھا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اپائے نہ تھا۔ ڈک کو تکل کی کرپا معلوم تھی۔ اس نے پہلے کئی بار آدمیوں کو گاڑی کو ایک پڑی سے دوسری پڑی پر لاتے دیکھا تھا۔

گاڑی بچے سے بہت قریب آگئی تھی۔ مسافروں نے دیکھا کہ ایک بچہ پڑی پر کھڑا ہوا ہے۔ ڈرائیور کی نگاہ بھی بچہ پر پڑی۔ وہ بریک کو کسنے لگا، لیکن گاڑی کا ایک دم رکنا مشکل تھا۔ وہ رکتے رکتے بھی بچے کی سر پر آجائے گی۔ ٹھیک اسی وقت ڈک نے پوائنٹ تکل کو کھینچا۔ گاڑی دوسری لائن پر چلی گئی۔ ڈک دوڑتا ہوا آیا اور بچے کو گود میں لے کر بھاگا۔ بد معاش لوگ دل میں خوش ہو رہے تھے کہ آج دلی مراد پوری ہوئی۔ یکا یک انھوں نے دیکھا کہ ڈک بچے کو لیے بھاگا جا رہا ہے۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے۔ سب کے سب اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ بچے کی وجہ سے ڈک تیز نہ دوڑ سکتا تھا۔ تینوں آدمی اس کے قریب ہوتے جاتے تھے۔ مگر ڈک نے ہمت نہ چھوڑی۔ یہاں تک کی سرکس کا تہو سامنے آ گیا۔

یکا یک دن سے ایک گولی اس کی پیٹھ پر لگی۔ آواز سننے ہی مالک تہو سے نکل آیا تو دیکھتا ہے کہ ڈک بچے کو لیے، پیٹھ جھکائے، لنگڑاتا چلا آتا ہے۔ مالک نے آگے بڑھ کر بچے کو لیا۔ اسی وقت ڈک زمین پر گر پڑا اور نمک کا حق ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اتنے میں سرکس کے کئی آدمی ان تینوں بد معاشوں کو پکڑے ہوئے اس کے سامنے لائے۔ ان تینوں کو دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا اور ڈک کی چھاتی پر لیٹ کر بالک کی طرح رونے لگا۔

منٹھو

بندروں کے تماشے تو ہم نے بہت دیکھے ہوں گے۔ مداری کے اشاروں پر وہ کیسی کیسی نقلیں کرتا ہے۔ اس کی شرارتیں بھی تم نے دیکھی ہوں گی۔ تم نے اسے گمروں میں سے کپڑے اٹھا کر بھاگتے دیکھا ہوگا۔ پر آج تمہیں ایک ایسا حال سناتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ بندر لڑکوں سے دوستی بھی کر سکتا ہے۔

کچھ دن ہوئے لکھنؤ میں ایک سرکس کمپنی آئی تھی۔ اس کے پاس شیر، بھالو، چیتا اور کئی طرح کے اور بھی جانور تھے۔ ان کے سوا ایک بندر مٹھو بھی تھا۔ لڑکوں کے جھنڈ کے جھنڈ روز ان جانوروں کو دیکھنے آیا کرتے تھے۔ مٹھو ہی انہیں سب سے اچھا لگتا۔ انہیں لڑکوں میں گوپال بھی تھا۔ وہ روز آتا اور مٹھو کے پاس گھٹنوں چپ چاپ بیٹھا رہتا۔ اسے شیر، بھالو، چیتے آدی سے کوئی پریم نہ تھا۔ وہ مٹھو کے لیے گھر سے پنے، منر، کیلے لاتا اور کھلاتا۔ مٹھو بھی اس سے اتنا مل گیا تھا کہ بغیر اس کے کھلائے کچھ نہ کھاتا۔ اس طرح دونوں میں بڑی دوستی ہو گئی۔

ایک دن گوپال نے سنا کی سرکس کمپنی وہاں سے دوسرے شہر میں جارہی ہے۔ یہ سن کر اسے رنج ہوا۔ وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور بولا۔ اماں! مجھے ایک اٹھنی دو، میں جا کر مٹھو کو خرید لاؤں وہ نہ جانے کہاں چلا جائے گا۔ پھر میں اسے کیسے دیکھوں گا۔ وہ بھی مجھے نہ دیکھے گا، تو روئے گا۔ ماں نے سمجھایا کہ بیٹا بندر کسی کو پیار نہیں کرتا۔ وہ تو بڑا شیطان ہوتا ہے۔ یہاں آکر سب کو کالے گا۔ مفت میں اُلاہنے سننے پڑیں گے۔ لیکن لڑکے پر اس سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ رونے لگا۔ آخر ماں نے مجبور ہو کر اسے ایک اٹھنی نکال کر دے دی۔ اٹھنی پا کر گوپال مارے خوشی کے پھول اٹھا۔ اس نے اٹھنی کو مٹھی سے مل کر خوب

چکایا، پھر مٹھو کو خریدنے چلا۔ لیکن مٹھو وہاں دکھائی نہ دیا۔ گوپال کا دل بھر آیا۔ مٹھو کہیں بھاگ تو نہیں گیا اور مالک کو اٹھنی دکھلا کر بولا۔ کیوں صاحب آپ مٹھو کو میرے ہاتھ بچو گے؟

مالک روز اسے مٹھو سے کہلتے اور کھلاتے دیکھتا تھا۔ ہنس کر بولا۔ اب کی بار آؤں گا تو مٹھو کو قصص دے دوں گا۔ گوپال نراش ہو کر مالک کے پاس سے چلا آیا اور پھر مٹھو کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔ وہ اسے ڈھونڈنے میں اتنا مگن تھا کہ اسے کسی بات کی خبر نہ تھی۔ اسے بالکل نہ معلوم ہوا کہ وہ چیتے کے کھٹکھرے کے پاس آگیا۔ چیتا بھتر چپ چاپ لیٹا تھا۔ گوپال کو کھٹکھرے کے پاس دیکھ کر اس نے بچا باہر نکالا اور اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ گوپال تو دوسری طرف تاک رہا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ چیتے کا تیز بچا اس کے ہاتھ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ قریب تھا کہ چیتا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے کہ مٹھو نہ معلوم کہاں سے آکر اس کے بچے پر کود پڑا اور بچے کو دانتوں سے کاٹنے لگا۔ چیتے نے دوسرا بچا نکالا اور اسے ایسا گھائل کر دیا کہ وہ وہیں گر پڑا اور زور زور سے چیخنے لگا۔

مٹھو کی یہ حالت دیکھ کر گوپال بھی رونے لگا۔ دلوں کا رونا سن کر لوگ دوڑے۔ پر دیکھا کہ مٹھو بے ہوش پڑا ہے اور گوپال رو رہا ہے۔ مٹھو کا گھاؤ ترنت دھویا گیا اور مرہم لگایا گیا۔ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آگیا۔ وہ گوپال کی آؤں پیار کی آنکھوں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب کیوں روتے ہو، میں تو اچھا ہو گیا ہوں۔

کئی دن تک مٹھو کی مرہم پٹی ہوتی رہی اور آخر کو بالکل اچھا ہو گیا۔ گوپال اب بھی روز آتا اور اسے روٹیاں کھلاتا۔

آخر کھیتی کے چلنے کا دن آگیا۔ گوپال بہت رغبت سے تھا۔ وہ مٹھو کے کھٹکھرے کے پاس کھڑا اسے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ مالک نے آکر کہا اگر تم مٹھو کو پا جاؤ تو کیا کرو۔

گوپال نے کہا میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا، اس کے ساتھ ساتھ کھیلوں گا، اسے اپنی تھالی میں کھلاؤں گا اور کیا۔

مالک نے کہا ابھی بات ہے میں تم سے بنا اٹھنی لیے ہی اسے تمہارے ہاتھ بچتا ہوں۔

کوپال کو جیسے کوئی راج مل گیا۔ اس نے مشو کو گود میں اٹھا لیا پر مشو بچے کو پڑا اور
اس کے پیچھے پیچھے چلے گا۔ دونوں کھیلتے کودتے کمر بٹکی گئے۔

پالتو بھالو

کسی شہر میں ایک بنیا رہتا تھا۔ وہ زمیندار کا کارندہ تھا۔ اسامیوں سے روپیہ وصول کرنا اس کا کام تھا۔

ایک دن وہ اسامیوں سے روپے وصول کر کے گھر چلا۔ راستے میں ایک ندی پڑتی تھی۔ لیکن ملاح اپنے اپنے کھانے بنا رہے تھے۔ کوئی اس پار لے جانے پر راضی نہ ہوا۔ وہاں سے تھوڑی ہی دور پر ایک اور ناؤ بندھی تھی۔ اس میں دو ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ کارندہ کے ہاتھ میں روپے کی قبیل دیکھ کر دونوں آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ جب ایک نے کہا۔ آؤ صاحب جی ہم اس پر پہنچا دیں۔

بنیا بڑا سیدھا آدمی تھا۔ اسے کچھ سندیہ نہ ہوا۔ چپ چاپ جا کر ناؤ پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک مداری اپنا بھالو لے کر وہاں آپہنچا اور کارندہ سے پوچھنے لگا۔ صاحب جی کہاں جائیں گے؟

بچے نے جب اپنے گاؤں کا نام بتایا تو وہ خوش ہو کر بولا۔ میں بھی تو وہیں چل رہا ہوں۔ یہ کہتا ہوا وہ بھالو کو لے کر ناؤ پر چڑھ گیا۔ پہلے تو ملاح نے بہت ناک بھوؤں سکڑا، مگر بعد کو زیادہ پیسے دینے پر راضی ہو گیا۔ ناؤ کھل گئی۔

کارندہ دن بھر کا تھکا تھا۔ ناؤ دھیرے دھیرے چلنے لگی، تو اسے نیند آگئی۔ مداری بھالو کی پیٹھ پر سر رکھے ملاحوں کی اور تاک رہا تھا۔ ان دونوں کو قبیل کی طرف بار بار تاکتے دیکھ کر اسے کچھ سندیہ ہونے لگا۔ یہ سب ٹھگ تو نہیں ہیں۔ اس نے سوچا ذرا دیکھوں تو ان دونوں کی کیا نیت ہے۔ اس نے جھوٹ موٹھ کی آنکھیں بند کر لیں مانو سو گیا ہے۔

اب ناؤ زور سے چلنے لگی۔ قریب دو گھنٹے کے بعد کارندہ چونک کر اٹھا تو اسے اپنے

گاؤں کا کنارہ دکھائی دیا۔ ملاحوں سے بولا۔ بس بس پہنچ گئے۔ ناؤ کنارے لگا دو لیکن ملاحوں نے اس کی بات ان سنی کر دی۔ تب کارندہ نے ڈانٹ کر کہا۔ تم لوگ ناؤ کو کنارے کیوں نہیں لگاتے جی؟ سننے نہیں ہو؟

اس پر ایک ملاح نے گھڑک کر کہا۔ کیا بک بک کرتے ہو۔ ہم لوگوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ناؤ کہاں لگانی ہوگی۔

مداری اب تک چپ چاپ پڑا دیکھتا رہا۔ اس نے بھی کہا۔ ہاں ہاں یہی تو کنارہ ہے؟ ناؤ کیوں نہیں لگاتے۔ تب وہ چپکے سے کارندہ کے پاس کھسک آیا اور دھیرے بولا۔ ان سمجھوں کی نیت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ ہوشیار رہنا۔ کارندہ کو جیسے جوڑی چڑھ آئی۔

میل بھر چلنے کے بعد ملاحوں نے ناؤ کو ایک جنگل کے پاس لگایا اور اتر کر جنگل میں جا گئے۔ ان کے ساتھ کے کئی ڈاکو جنگل میں رہتے تھے۔ دونوں اس کی خبر دینے گئے۔ بنیا بچوں کی طرح رونے لگا۔ اپنا گاؤں میل بھر پیچھے جھوٹ گیا۔ یہاں نہ کوئی ساتھی، نہ مددگار مداری نے اسے تسلی دی۔

وہ دیکھو، کئی آدمی ہاتھ میں مشطیں لیے ہوئے ناؤ کی اُور چلے آ رہے ہیں۔ ضرور یہ ڈاکوؤں کا گروہ ہے۔ کارندہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یکایک مداری بھالو کو لیے ہوئے ناؤ سے اتر اور کنارے پر چڑھ گیا۔ ڈاکو نیچے اتر ہی رہے تھے کہ اس نے اپنے بھالو کو ان کے پیچھے لٹکاردیا، پھر کیا تھا۔ بھالو نے لپک کر ایک ڈاکو کو پکڑا اور اس کے منہ پر ایسا پنجہ مارا کہ سارا منہ لہولہان ہو گیا۔ اسے چھوڑ کر وہ دوسرے ڈاکو پر لپکا۔ ڈاکوؤں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ سب کے سب اپنی اپنی جان لے کر بھاگے۔ بس وہی پڑا رہ گیا، جو گھائل ہو گیا تھا۔

یہ شور و غل سن کر پاس ہی کے ایک دوسرے گاؤں سے کئی آدمی آپہنچے۔ انھوں نے مداری اور کارندہ کو بھالو کے ساتھ پھر ناؤ پر بٹھایا اور ناؤ کو لے جا کر ان کے کنارے لگا دیا۔ اس گھائل ڈاکو کو لوگ تھانے لے گئے۔

گاؤں میں پہنچ کر کارندہ نے مداری کو گلے سے لگا کر کہا تم پورہ جہنم میرے بھائی تھے، آج تمھاری بدولت میری جان بچی۔

باگھ کی کھال

راہچی سے لے کر چکر دھر پور تک گھٹا جنگل ہے۔ اس کی لمبائی کوئی ۷۵ میل ہوگی۔ اس جنگل میں طرح طرح کے جانور رہتے ہیں۔ ان میں باگھ سب سے خوفناک ہوتے ہیں۔ کئی سال ہوئے میرا ایک دوست اور میں راہچی کے ایک دفتر میں کام کرتے تھے۔ ہم دونوں چکر دھر پور کے رہنے والے تھے۔ جب دفتر میں پھنسیاں ہو جاتیں تو ہم دونوں گھر چلے جاتے تھے۔ وہاں ریلوے لائن ہے۔ ایک موٹر بس چلا کرتی ہے۔ ایک بار ہم دونوں کو ایک بڑے ضروری کام سے گھر جانا پڑا۔ سنیوگ سے اس دن موٹر بس بھی نہ ملی۔ آخر یہ طے کیا کہ پیر گاڑی پر چلیں۔ حساب لگا کر دیکھا کہ اگر چھ میں کہیں نہ ٹھہرے تو نو دس گھنٹوں میں پہنچ جائیں گے۔ آخر کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر ہم دونوں سائیکل پر سوار ہو کر شام کو چھ بجے نکل کھڑے ہوئے۔

اچلی رات تھی۔ میل بھر جانے کے بعد چاند نکل آیا۔ اس پاس کی پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ چاروں اور سناٹا چھایا ہوا تھا اور اس سناٹے کو چیرتی ہوئی ہماری سائیکلیں سن سن چلی جا رہی تھیں۔ تھوڑی، تھوڑی دور پر جنگلی آدمیوں کی بستیاں مل جاتی تھیں۔ ان کی جموہیزیوں سے ڈھول اور بانسری کی میٹھی میٹھی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم دونوں اس درشہ کا آئندہ اٹھاتے چلے جا رہے تھے۔

اچانک میرے دوست کو قے آگئی۔ اور وہ سائیکل پر سے گر پڑا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر میری جان سوکھ گئی۔ اسے تو ہیضہ ہو گیا تھا۔ اب کیا کروں، نہ کوئی بستی، نہ گاؤں اسے کہاں لے جاؤں۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں نے اپنے دوست کا نام لے کر پکارا، مگر اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ درد بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی یہ دشا

دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ پھر سوچا رونے سے کیا ہوگا، دیکھوں یہاں نزدیک کوئی گاؤں ہے یا نہیں۔ شاید کسی سے کچھ مدد مل جائے۔ میں نے اپنے دوست سے پھر پوچھا۔ بھائی تمہارا جی کیا ہے؟ کچھ تو بتاؤ پھر بھی کوئی جواب نہیں۔ میں نے اس کی ناڑی پر ہاتھ رکھا۔ ناڑی کا کہیں پتا نہیں۔ ہاں سانس چل رہی تھی۔ سوچنے لگا اسے چھوڑ کر کیسے جاؤں۔ کوئی جنگل جانور آپہنچے تو لاش کا بھی پتا نہ چلے۔ آخر میں نے دونوں ہیر گاڑیوں کو ایک ہیڑ کے سہارے کھڑا کیا اور اپنے دوست کو اس پر لٹا کر کسی گاؤں کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں بار بار اپنے دوست کا خیال آنے لگا۔ چاروں اُور گھٹا جنگل، ہیڑوں کے نیچے بڑی مشکل سے روشنی پہنچتی تھی۔ راستہ نہ دکھائی دیتا تھا اچانک میں ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ چوٹ تو زیادہ نہ آئی، مگر ہاتھ پاؤں کچھ جھل گئے۔ میں بھراٹھا کہ یکا یک کچھ آہٹ پا کر پیچھے کی اور ٹاٹکا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی ۱۵ گز کی دوری پر ایک باگھ کھڑا ہے۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ ایسا جان پڑا جیسے بدن میں خون نہیں ہے۔ سانس تک بند ہوگئی۔ مجھے کھڑا دیکھ کر وہ بھی رک گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید مجھے بھرم ہو گیا ہے۔ شاید میں کسی ہیڑ کی پرچھائی کو باگھ سمجھ رہا ہوں۔ یہ سوچ کر میں پھر آگے بڑھا۔ مگر آنکھیں پیچھے ہی لگی رہیں۔ اب کی بار بج بج مجھے بچوں کی کھڑکڑاہٹ سنائی دی۔ میں نے پھر پیچھے کی اور دیکھا۔ باگھ میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میرے رونیں کھڑے ہو گئے اور میں لکڑی سا تن گیا۔ کچھ سوچنے کی مجھ میں ہمت ہی نہیں رہی۔ مجھے کھڑا ہوتے دیکھ کر وہ زمین پر ہاتھ پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ مجھے اب جان کی آشا نہ رہی۔ نہ تو میرے پاس کوئی پستول تھا اور نہ چاقو۔ نہ معلوم کیا سوچ کر میں بڑی زور سے جلا اٹھا۔ باگھ میری آواز سننے ہی اٹھا اور چپ چاپ جنگل کی اور چلا گیا۔

باگھ کو جاتے دیکھ کر میں اتنا خوش ہوا کہ کیا کہوں۔ میری ہمت بھی لوٹ آئی۔ سوچنے لگا گھر پہنچ کر سب کو یہ قصہ سناؤں گا۔ اور کہوں گا کہ اگر کوئی اسی طرح باگھ کے سامنے پڑ جائے تو اسے خوب چلانا چاہیے۔ یہی سوچتا ہوا میں تیزی سے چلا جاتا تھا۔

ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ پھر کچھ آہٹ ملی۔ دیکھا تو سامنے باگھ! میں تو اپنی سمجھ میں باگھ کو بھگانے کا منتر پالیا تھا۔ لگا زور سے چلانے۔ مگر اب کی باگھ وہاں سے ہلا بھی نہیں۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ مجھے آٹھ دس گز پر پا کر مارے خوشی کے اپنی دم ہلانے لگا۔ اب تو میری ہمت چھوٹ گئی۔ کہہ نہیں سکتا کہ میں کتنی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ ایک

موٹر کے ہارن کی آواز کام آئی۔ پھر سوچا شاید یہ بھی بھرم ہو۔ پھر بھی مجھے کچھ ہمت ہوئی۔ میں دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگا۔ کوئی آٹھ دس قدم پیچھے ہٹا تھا کہ اچانک باگھ اٹھا۔ میرا کلیجہ مانوسٹ کرایزیوں میں جھنسا گیا۔ بس وہ مجھ پر چاندنا۔ میں جھٹ آنکھیں بند کر لیں اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ مگر باگھ مجھ پر چاندنا نہیں بلکہ جتنی دور میں پیچھے ہٹ گیا تھا، اتنا ہی وہ آگے بڑھ آیا اور پھر بیٹھ گیا۔

پھر ہارن کی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی لاری راہچی سے آ رہی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ بڑے زور سے چلایا تھا۔ مار ڈالا! مار ڈالا!! جب مجھے ہوش آیا تو میرا سر کسی کی جاگھ پر رکھا ہوا ہے۔ اس پاس کئی آدمی کھڑے ہیں۔ میرا دوست بھی وہیں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے ان سے تھوڑا پانی مانگا۔ انھوں نے مجھے گرم دودھ نکال کر پلایا۔

بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ یہ صاحب انجینئر تھے۔ اپنے تین چار دوستوں کے ساتھ ٹاٹا مگر جارہے تھے۔ راستے میں انھیں دکھائی دیا کہ ایک بیڑ کے نیچے دو آنکھیں سی چمک رہی ہیں۔ انھوں نے باگھ سمجھ کر بندوق اٹھائی۔ اچانک اس پر موٹر کی روشنی پڑتی ہی انھوں نے دیکھا کہ وہ آنکھیں نہیں ہیں بلکہ دو پیر گاڑیوں کی بتیاں جل رہی ہیں۔ انھوں نے فوراً موٹر روک لیا اور اتر کر بیڑ کے نیچے آئے تو دیکھا ایک آدمی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ ان کے پاس کچھ دوائیں تھیں۔ دوائیں پلانے سے اس آدمی کی حالت کچھ سنبھل گئی۔ انھوں نے اسے موٹر میں بٹھایا اور چلے ہی آرہے تھے کہ پھر دیکھا قریب آتے ہی ایک باگھ میری چھاتی پر دونوں اگلے نیچے رکھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ موٹر کے قریب آتے ہی مجھے جھوڑ دیا اور بھاگا۔ مگر انجینئر صاحب کی بندوق نے اسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔

انھیں کی مدد سے ہم دونوں گھر پہنچے۔ میرے سارے کپڑے خون سے تر تھے۔ چھاتی میں زخم ہو گیا تھا۔ کئی دن مرہم پٹی کرنے کے بعد میں اچھا ہو کر پھر راہچی لوٹا۔ اس کے تھوڑے ہی دن بعد انجینئر صاحب نے مجھے ایک باگھ کی کھال بھیج دی اور لکھا کہ یہ اسی باگھ کی کھال ہے۔ وہ کھال ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔

مگر کا شکار

میرا گاؤں سرجو ندی کے کنارے ہے۔ نہ جانے کیوں سرجو میں ایسے جانور بہت رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ میں ندی کے کنارے پار جانے کے لیے آیا تو دیکھا کہ کئی چھوٹے ایک بکری کے بچے کو لیے دریا کے کنارے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بڑا سا جھرا بھی تھا۔ میں نے سمجھا کہ اسے لوگ حلال کرنے کے لیے لائے ہیں۔ میں نے کہا۔ اسے چاقو سے کیوں حلال کرتے ہو، گھنگ سے کیوں نہیں مارتے۔ اس پر ایک آدمی نے کہا۔ حضور، اسے حلال نہیں کریں گے، اس سے مگر کا شکار کریں گے؟ میں نے کہا کیسے؟

”حضور، چپ چاپ دیکھیے۔“

میں پار جانا بھول گیا۔ وہیں مگر کا شکار دیکھنے کے لیے ٹھہر گیا۔ دیکھا کہ لوگوں نے اس بکری کے بچے کو بیڑ کے نیچے باندھا۔ وہ بیڑ دریا سے کل بیس گز پر تھا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ہانڈی سے کچھ جو تک نکالے اور بکری کے بچے پر لگا دیے۔ جب بچہ میں میں کرنے لگا تو ہم لوگ ایک بیڑ کی آڑ میں چھپ گئے اور مگر کا انتظار کرنے لگے۔

مگر کا ایک عجیب سو بھاد یہ ہے کہ وہ جس راستے سے دریا سے نکل کر آتا ہے اسی راستے سے دریا کی اُور لوٹتا بھی ہے۔ جس میں وہ راستہ نہ بھول جائے۔

کوئی گھنٹہ بھر بیٹھنے کے بعد ہم لوگوں نے ایک مگر کو پانی سے سر نکالتے دیکھا۔ ہم لوگوں نے جتنی سادھ لی۔ مگر نے ڈبکی لگائی اور غائب ہو گیا۔ ادھر بکرا میں میں کرتا ہی رہا۔ کوئی تین چار منٹ کے بعد مگر نے پھر سر نکالا اور دھیرے دھیرے کنارے پر چڑھا آیا اور

ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ یہاں بالکل سناٹا ہے۔ تو یہ رہنمائی ہوا بچے کے
سہم گیا۔ بچے کے بالکل پاس پہنچ کر اس نے پھر ایک بار ادھر ادھر غور سے دیکھا اور جب
پھر اسے کوئی نہ دکھائی دیا تو اس نے جھپٹ کر بچے کی گردن پکڑ لی۔

ادھر ان چھوڑوں میں سے آدمی وہی چاقو لیے ہوئے چپکے سے دریا کے کنارے پہنچ
گیا۔ اور ٹھیک اسی جگہ جہاں مگر دریا سے نکلا تھا۔ چاقو کو اس قدر زمین میں گاڑا کہ اس کی
نوک زمین سے کوئی دو انچ نکلی رہے۔ جب وہ چاقو گاڑ کر لوٹا تو سب کے سب ایک ساتھ
چلا کر آڑ سے نکلے اور اپنے سونے لیے ہوئے مگر کے پیچھے دوڑے۔ اچانک اتنے آدمیوں کو
اپنے اوپر حملہ کرتے دیکھ کر مگر گھبرایا اور جلدی سے ندی میں اتر گیا۔ وہ تو ڈکی لگا کر غائب
ہو گیا۔ لیکن اس جگہ ندی کے پانی کا رنگ لال ہی لال دکھائی دینے لگا۔

مچھوے خوش ہو ہو کر اچھل پڑے۔ اور کہنے لگے۔ بس مار دیا۔ میں نے تعجب سے
پوچھا۔ مگر تو بھاگ گیا، تم نے مارا کہاں۔

ایک مچھوے نے کہا۔ ذرا صبر تو کیجیے، ابھی دیکھیے گا۔

میری نظر چاقو کی نوک پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہ بالکل لال ہو گئی ہے اور اس
جگہ سے دریا تک لال ہی لال دکھائی دیتا ہے۔

کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ لوگ چلا آئے۔ وہ نکلا! وہ نکلا!! جھج جھج دریا
میں ایک مگر کی لاش تیر رہی تھی۔ اس کا پیٹ چرا ہوا تھا اور اس وقت بھی خون بہہ رہا تھا۔
وہ لوگ ناؤ پر سوار ہو کر جھج دریا میں گئے۔ اور مگر کو جال میں پھانس کر کنارے
لائے۔ ایک آدمی فوراً دوڑتا ہوا گیا اور ایک تیل گاڑی لایا۔ لوگوں نے مگر کو تیل گاڑی پر لادنا
اور چل دیے۔ اتنا بڑا مگر میں نے نہ دیکھا تھا۔ وہ کوئی ۱۵ فٹ لمبا تھا۔

جڑواں بھائی

کبھی کبھی مورکھ مرد ذرا ذرا سی بات پر عورتوں کو بیٹا کرتے ہیں۔ ایک گاؤں میں ایسا ہی ایک کسان تھا۔ اس کی عورت سے کوئی چھوٹا سا نقصان بھی ہو جاتا تو وہ اسے بغیر مارے نہ چھوڑتا۔ ایک دن چھڑا گائے کا دودھ پی گیا۔ اس پر کسان اتنا تھلا یا کہ عورت کو کئی لاتیں جمائیں۔ بھاری روتی ہوئی گھر سے بھاگ گئی۔ اسے یہ نہ معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں؟ وہ کسی ایسی جگہ بھاگ جانا چاہتی تھی، جہاں اس کا شوہر اسے پھر نہ پاسکے۔

چلتے چلتے وہ ایک جنگل میں پہنچ گئی۔ پہلے تو وہ بہت ڈری کہ کوئی جانور نہ اٹھالے جائے، مگر پھر سوچا مجھے کیا ڈر، جب دنیا میں میرا کوئی اپنا نہیں ہے تو مجھے جی کر کیا کرنا ہے۔ مرکز مصیبت سے تو چھوٹ جاؤں گی۔ مگر اسے کوئی جانور نہ ملا اور وہ رات کو ایک پیڑ کے نیچے سو گئی۔ دوسرے دن اس نے اسی جنگل میں ایک چھوٹی سی جمونہ پڑی بتائی اور اس میں رہنے لگی۔ لکڑی اور پھوس کی کوئی کھنسی ہی نہیں، مونج بھی افراط سے تھی۔ دن بھر میں جمونہ پڑی تیار ہو گئی۔ اب وہ جنگل میں لکڑیاں بٹورتی اور انہیں آس پاس کے گاؤں میں بیچ کر کھانے پینے کا سامان خرید لاتی۔ اسی طرح اس کے دن کٹنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد اس عورت کے جڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔ بچوں کو پالنے پوسنے میں اس کا بہت سا وقت نکل جاتا اور وہ مشکل سے لکڑیاں بٹور پاتی۔ اسے اب رات کو بھی کام کرنا پڑتا۔ مگر اتنی مصیبت جھیلنے پر بھی وہ اپنے شوہر کے گھر نہ جاتی تھی۔ ایک دن وہ دونوں بچوں کو لیے سو رہی تھی۔ گرمی کی رات تھی۔ اس نے ہوا کے لیے جمونہ پڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اچانک رونے کی آواز سن کر اس کی نیند ٹوٹ گئی تو دیکھا کہ ایک بڑا

بھاری بھالو اس کے ایک بچے کو اٹھائے لیے جا رہا ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی مگر بھالو جنگل میں نہ جانے کہاں گھس گیا۔ بھاری چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ تھوری دیر میں اسے دوسرے لڑکے کی یاد آئی۔ بھاگتی ہوئی جمونپڑی میں آئی، دیکھا کہ دوسرے لڑکے کا بھی پتہ نہیں۔ پھر چھاتی پینے لگی۔ زندگی کا یہی ایک سہارا تھا۔ وہ بھی جاتا رہا۔ وہ دکھ کی ماری دوسرے ہی دن مر گئی۔

بھالو اس بچے کو لے جا کر اپنے ماند میں گھس گیا، اور اسے بچے کے پاس جھوڑ دیا۔ بچوں کو ہنسنے کھیلنے دیکھ کر بھالو کے بچوں کو نہ معلوم کیسے اس پر ترس آ گیا۔ پشو بھی کبھی کبھی بالکوں پر دیا کرتے ہیں۔ یہ لڑکا بھالو کے بچوں کے ساتھ رہنے لگا۔ انھیں کے ساتھ کھیلتا، انھیں کے ساتھ کھاتا اور انھیں کے ساتھ رہتا۔ دیرے دیرے وہ انھیں کی طرح چلنے پھرنے لگا۔ اس کی ساری عادتیں جانوروں کی سی ہو گئیں۔ وہ صورت سے آدمی مگر عادتوں سے بھالو تھا اور انھیں کی بولی بولتا بھی تھا۔ اب دوسرے لڑکے کا حال سنو۔ جب اس کی ماں اس کے بھائی کی کھوج میں چلی مٹی تھی، تو جمونپڑی میں ایک نئی بات ہو گئی۔ ایک راجا شکار کھیلنے کے لیے جنگل میں آیا تھا۔ اچانک یہ جمونپڑی دیکھی تو دروازے پر آکر پکارنے لگا کہ جو کوئی اندر ہو مجھے تھوڑا سا پانی پلا دے۔ میں بہت پیاسا ہوں۔ مگر جب بچے کے رونے کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ جمونپڑی میں گھس آیا۔ دیکھا کہ ایک بچہ پڑا رو رہا ہے اور یہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ باہر نکل کر چلانے لگا کہ یہاں کون رہتا ہے۔ جلدی آؤ۔ تمھارا بچہ اکیلا رو رہا ہے۔ جب کئی بار پکارنے پر بھی کوئی نہیں آیا تو اس نے سمجھا کہ اس بچے کی ماں کو کوئی جانور اٹھا لے گیا ہے۔ راجا کو کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس نے بچہ کو گود میں اٹھا لیا اور گھر چلا آیا۔

میں برس بیت گئے۔ کسان کا انا تھ بچہ راجا ہو گیا۔ وہ بڑا ودوان اور چٹر لکلا۔ بہادر بھی ایسا تھا کہ اتنی ہی عمر میں اس نے اپنے بہت سے دشمنوں کو ہرا دیا۔

ایک دن بڑے راجا صاحب شکار کھیلنے گئے۔ مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔ زراش ہو کر گھر کی اور لوٹے آرہے تھے کہ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ ایک ادبست جانور ایک بڑے ہرن کو کندھے پر لادے بھاگا جا رہا ہے۔

اس کی شکل بالکل آدمی کی سی تھی۔ سرداڑھی، مونچھ کے بال اتنے بڑھ گئے تھے کہ اس کا منہ قریب قریب بالوں سے ڈھک گیا تھا۔ اسے دیکھ کر راجا نے فوراً گھوڑا روک لیا

اور اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ جانور ہرن کو زمین پر رکھ کر راجا کی اُور دوڑا۔ راجا صاحب شکار کھیلنے میں چڑتے۔ انھوں نے تھوار نکالی اور دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخر وہ جانور زخمی ہو گیا۔ راجا صاحب نے اسے اپنے گھوڑے پر لاد لیا اور اپنے گھر لے آئے کچھ دنوں تک تو وہ پنجڑے میں بند رکھا گیا، پھر کبھی کبھی باہر نکالا جانے لگا۔ دیرے دیرے اس کی عادتیں بدلنے لگیں۔ وہ آدمیوں کی طرح چلنے لگا اور آدمیوں کی طرح بولنے بھی لگا۔ اس کے بال کاٹ دیے گئے اور کپڑے پہنا دیے گئے۔ دیکھنے والوں کو اچھا ہوتا تھا کہ اس جنگلی آدمی کی صورت راجا صاحب سے اتنی ملتی ہے، مگر یہ کسے معلوم تھا کہ وہ راجا صاحب کا جڑواں بھائی ہے، جسے بھالواٹھالے گیا تھا۔

کتے کی کہانی

(ایک کتے کی آتم کہتا)

بچوں سے

پیارے بچوں! تم جس سنار میں رہتے ہو، وہاں سننے، لمبی ہی نہیں بیٹھ پڑتے اور اینٹ، پتھر تک بولتے ہیں، بالک اس طرح جیسے تم بولتے ہو، اور تم ان سکھوں کی باتیں سننے ہو اور بڑے دھیان سے کان لگا کر سننے ہو۔ ان باتوں میں تمہیں کتنا آند آتا ہے۔ تمہارا سنار بچوں کا سنار ہے۔ ان میں سبھی ایک جیسے جیو بٹتے ہیں۔ ان سکھوں میں پریم ہے، بھائی پن ہے، دوستی ہے جو سادھو سنتوں کو برسوں کے جمن اور سادھن سے نہیں پراپت ہوتی، وہ تم پر م پتا کے گھر سے لے کر آتے ہو۔ یہ چھوٹی پنک میں تمہاری اسی آتم سرلا کی بجیٹ کرتا ہوں، تم دیکھو گے کہ یہ کتا باہر سے کتا ہو کر بھیتر سے تمہارا ہی جیسا بالک ہے، جس میں وہی پریم اور سیوا اور ساس اور سچائی ہے جو تمہیں اتنی پر یہ ہے۔

پریم چند

بنارس

۱۳ جولائی ۱۹۳۶ء

کتے کی کہانی

(۱)

بالکوں! تم نے راجاؤں اور دیروں کی کہانیاں بہت سنی ہوں گی۔ لیکن کسی کتے کی جیون کتھا شاید ہی سنی ہو۔ کتوں کے جیون میں ایسی بات ہی کون سی ہوتی ہے جو سنائی جاسکے۔ نہ وہ دیوں سے لڑتا ہے، نہ پر یوں کے دلش میں جاتا ہے، نہ بڑی بڑی لڑائیاں جیتا ہے، اسی لیے مجھے ہے کہ کہیں تم میری کہانی کو اٹھا کر پھینک نہ دو، کتوں میں تمہیں دشواری دلاتا ہوں کہ میرے جیون میں ایسی کتنی ہی باتیں ہوئی ہیں، جو بڑے بڑے آدمیوں کے جیون میں بھی نہ ہوئی ہوں گی۔ اسی لیے میں آج اپنی کتھا سنانے بیٹھا ہوں۔ جس طرح تم کتوں کو دھتکار دیا کرتے ہو، اسی بھانٹی میرے اس کتھا کو ٹھکرا نہ دینا اس میں تمہیں کتنی ہی باتیں ملیں گی اور اچھی باتیں جہاں ملیں، ترنت لے لینا چاہیے۔

جب میرا جنم ہوا، تو میری آنکھیں اور کان بند تھے۔ اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ باجے گاجے، بجے، گانا بجانا ہوا یا نہیں۔ مجھے تو کچھ سنائی نہ دیا۔ ہاں جس بچادان پر میں لینا تھا وہ روٹی کی بھانٹی نرم تھا۔ سردی ذرا بھی نہ لگتی تھی۔ میں دل میں سمجھ رہا تھا کہ کسی بڑے گھر میں میرا جنم ہوا ہے۔ لیکن جب آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا کہ ایک ہاڑ کی راکھ میں اپنی ماما کی چھاتی سے چپٹا ہوا پڑا ہوں۔ ہم چار بھائی تھے، تین لال تھے، میں کالا تھا۔ اس پر سب سے چھوٹا اور سب سے کمزور۔

ماما بھی ہم لوگوں کے پاس کم رہتی تھی۔ انہیں کھانے کی ٹوہ میں ادھر ادھر دوڑنا پڑتا

تھا۔ وہ رات رات بھر جاگ کر گاؤں کی رکشا کرتی تھیں۔ کیا جال کہ کوئی انجان آدمی گاؤں میں قدم رکھ سکے۔ دوسرے گاؤں کے کتوں کو تو وہ دور ہی سے دیکھ کر بھاگ دیتی تھیں۔ جب کسی کھیت میں کوئی ساڑھ گھنٹا تو اسے دور تک بھاگ آتی۔ مگر اتنا سب کچھ کرنے پر بھی کوئی انھیں کھانے کو نہ دیتا تھا۔ بے چاری پیٹ کی آگ سے جلا کرتی تھیں۔ اس پر ہم لوگوں کی پھتا انھیں اور مارے ڈالتی تھی۔ اس لیے جب بھوک ستاتی تو کبھی کبھی وہ چوری سے گھروں میں گھس جاتیں اور کھانے کی جو چیز مل جاتی لے کر نکل بھاگتیں۔ انھیں دیکھتے ہی لوگ مارنے دوڑتے اور گھروں کے دروازے بند کر لیتے۔

ایک دن بڑی ٹھنڈ پڑی۔ بادل چھا گئے، اور ہوا چلنے لگی۔ ہمارے دو بھائی وہ ٹھنڈ نہ سہہ سکے اور مر گئے۔ ہم دو ہی رہ گئے۔ ماتا جی بہت روئیں۔ مگر کیا کرتیں گاؤں والوں کو پھر بھی ان پر دیا نہ آئی۔ آدمی اتنے مطلبی اور بے درد ہوتے ہیں یہ میں نے پہلی بار دیکھا۔ ایک دن گاؤں میں اتسو تھا۔ ایک غیے کے یہاں براہمن بھوجن تھا۔ سینکڑوں آدمی جمع تھے۔ پوریاں بن رہی تھیں۔ ماتا جی بار بار ادھر جاتیں پر دھکار پا کر بھاگ آتیں تھیں۔ کسی کو اتنی دیا نہ آتی تھی کہ ایک کھڑا ان کی اور پھینک دے۔ ایک کھڑا دے دینے سے کچھ کمی نہ پڑ جاتی، پر یہ کون سمجھائے۔ جب سب چیزیں تیار ہو گئیں تو آگن میں پتل ڈال دیے گئے۔ لوگ اپنے اپنے آسن پر جا بیٹھے اور بھوجن پر دسا جانے لگا۔ اسی سے ماتا جی وہاں پہنچیں، ہم دلوں بھائی ان کے ساتھ تھے۔ دوار پر ہی ایک آدمی نے دھکارا، مگر ماتا جی بھاگیں نہیں پونچھ ہلانے لگیں اور وہیں بیٹھ گئیں۔ وہ آدمی جب کسی کام سے بھیڑ چلا گیا تو ماتا جی بھی دبے پاؤں والان میں جا پہنچیں، انھیں دیکھ کر چاروں طرف سے دھت! دھت! کا ایسا کولال چا کہ ماتا جی گھبرا گئیں۔ دو تین آدمی ڈنڈے لے کر دوڑے۔ ماتا جی کو اگر والان سے نکل جانے کا راستہ ملتا تو وہ ادھر سے باہر نکل جاتیں۔ لیکن ادھر لوگ ڈنڈے لیے کھڑے تھے۔ اس لیے ماتا جی بیٹھے ہوئے آدمیوں کے بچ سے ہو کر موری کے راستے باہر نکل آئیں۔

مگر تماشا تو دیکھیے کہ ماتا جی کے باہر نکلتے ہی بھوجن کرنے والے بھی اٹھ کھڑے ہوئے! جانتے ہو کیوں؟ ماتا جی کے ادھر سے نکل جانے کے کارن بھوجن بھرٹ ہو گیا! دچار ہونے لگا کہ کیا کیا جائے۔ بچارا بنیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ لوگ کہتے تھے اس میں

دوش ہی کیا ہے۔ کتیا نے پتلوں میں منہ تو ڈالا نہیں، چھوٹے سے کیا ہوتا ہے۔ کتھو جو بہت ٹکٹیں تھے۔ وہ کتیا کا کچ سے نکل جاتا ہی بھوجن کو ٹھٹ کرنے کے لیے کافی سمجھتے تھے۔ آخر انھیں ٹکٹیوں کی جیت ہوئی اور سارا بھوجن اچھوتوں کو ہانٹ دیا گیا۔ اس دن ماتا جی نے خوب پیٹ بھر کھایا۔ ایسا سکھ انھیں جیون میں کبھی نہ ملا تھا۔

لیکن ان بے چاری کے بھاگیہ میں سکھ لکھا ہی نہ تھا۔ بھوجن کر کے ذرا لیٹی ہی تھیں کہ بنیا ڈنڈا لیے آپہنچا اور لگا پیٹنے۔ ماتا جی کو بھاگنے کا اور نہ ملا۔ زور زور سے چلانے لگیں۔ ان کا دلاپ سن کر پتھر بھی پہنچ جاتا۔ پر اس نزدیکی کو ذرا بھی دیا نہ آئی۔ میں من میں کڑھ رہا تھا، اپنا کچھ دوش ہوتا تو بننے رام کو اس بے دردی کا حرا چکھا دیتا۔ لیکن ذرا سا پچھ کیا کرتا! بارے یہ دلاپ سن کر کچھ لوگ جمع ہو گئے اور سمجھانے لگے۔ جانے دے بھائی بھوک میں آدمیوں کی بڑھی بھرٹ ہو ہی جاتی ہے۔ یہ تو پشو ہے۔ اسے کیا معلوم کس کا فائدہ ہو رہا ہے کس کا نقصان۔ اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا اسے مار کر کیا پاؤ گے۔ پیسے کے چت میں یہ بات بیٹھ گئی اور ماتا جی کی جان چھٹی۔

اسی دن شام کو ایک بوئی گاؤں میں آکر ٹھہرا۔ اس نے ایک بٹ کے نیچے اپنے چلائے اور ہانڈی میں دال چڑھا کر آنا گوندھنے لگا۔ آنا گوندھ چکنے پر اس نے ہانڈی اتار دی اور سامنے کے کنویں پر پانی لینے چلا گیا۔ گوندھا ہوا آنا پتل پر رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں ماتا جی گھومتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں اور شاید یہ سمجھ کر کہ مسافر نے اتنا جوٹن چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے آنا اٹھا لیا اور چپت ہو گئیں۔ مسافر نے کنویں پر سے ہی دھت دھت کرنا شروع کیا۔ لیکن ماتا جی نے پھر بھی نہ دیکھا۔ بے چارا ماتھے پر ہاتھ دھر کر رونے لگا۔ آج تین دنوں کا بھوکا، تھکا ماندہ اس پر بھگوان کی یہ لیلیا دو تین آدمیوں نے سمجھایا۔ بھائی تمہارا تو چار چھ آنے کا نقصان ہوا، کل تو اس نے ہزاروں پر پانی پھیر دیا۔

مسافر نے کہا۔ میں کیا جانتا تھا کہ یہ چنڈا لن گھات میں بیٹھی ہوئی ہے۔ بوڑھے چودھری بولے۔ جان پڑتا ہے آج کا تمہارا بھوجن اسی کے بھاگیہ میں تھا۔ مثل ہے، شاہ کی مہر آنے آنے پر خدا کی مہر دانے دانے پر۔ پھر سے بنا کر کھالو۔ پتھارے مسافر نے پھر سے چھکا لگایا اور بھوجن بنانے لگا۔ چودھری وہیں بیٹھے رہے۔ مسافر نے پوچھا۔ بابا میں آپ کی اس کہات کا مطلب نہیں سمجھا۔ ذرا سمجھا دیجیے۔

چودھری بولے۔ ایک فقیر بھی کہہ کر سب کے دروازے پر بھیک مانگتا پھرتا تھا ”شاہ کی مہر آنے آنے پر خدا کی مہر دانے دانے پڑے۔“

ایک من چلے رئیس نے اس فقیر سے کہا۔ سائیں بات سمجھ میں نہیں آتی بھلا دانوں پر کیسی مہر؟

سائی نے کہا۔ نہیں بیٹا خدا جس کو جو دانا دینا چاہے گا وہی پاسکتا ہے۔ دوسرا ہرگز نہیں پاسکتا۔ اس کی جب چاہو پرکشا کر سکتے ہو۔

رئیس نے کہا۔ لیجیے میں ابھی پرکشا لیتا ہوں۔ اگر یہ بات سچ نکلی تو میں آپ کا غلام ہو جاؤں گا۔

رئیس نے ایک جوار کا دانا ہاتھ میں لیا اور کہا دیکھیے میں اسے اپنے منہ میں ڈالتا ہوں۔ اگر خدا کی اس پر مہر ہے تو کسی اور کو دے دے۔

یہ کہہ کر اس دانے کو اپنے منہ میں پھینکا، پر دانا منہ میں نہ جا کر زمین پر گر پڑا، اور ایک چڑیا اسے اٹھا کر لے گئی۔

رئیس بھونچکا سا رہ گیا۔ بس آپ بھی یاد رکھیے کہ نہ تو کوئی کسی کو کھلاتا ہے اور نہ کسی کا کھاتا ہے، سب کو کھلانے والا اللہ ہے۔

(۲)

جب ہم دونوں بھائی ذرا بڑے بڑے ہوئے، تو لڑکوں نے ہمیں کھیلانا شروع کیا۔ میں بہت خوبصورت تھا۔ مجھے ایک پنڈت جی کا لڑکا پکڑ لایا۔ میرے بھائی کو ایک ڈفالی کا لڑکا پکڑ لے گیا۔ میں پنڈت جی کے گھر چلے گا۔ میرا بھائی ڈفالی کے گھر۔ اسے ذکیہ کہتے تھے اور مجھے کلہو۔

جاڑے کا موسم تھا۔ جب سب لڑکے دھوپ میں جمع ہو جاتے تو ہمیں گود میں لیٹے اور چومتے۔ کوئی کہتا ہمارا بچہ ہے، کوئی کہتا ہمارا مٹا ہے۔ کوئی لڑکا ایک کان پکڑ کر اٹھاتا اور کہتا، دیکھو بھائی چور ہے یا ساہ؟ جب تک کان درد نہ کرتے میں نہ بولتا، بس سب کہنے لگتے پھینکو پھینکو یہ چور ہے۔ مگر جب کان دکھنے سے چلا اٹھتا تو سب ساہ ساہ کہہ کر ہنس

پڑتے۔ پر ایہ یہ کھیل دن میں سینکڑوں بار ہوتا۔ کوئی ہمارے اگلے بچروں کو اٹھا کر کہتا، میرا متو تو دو بچروں سے چلتا ہے۔ یوں چلائے جانے سے ہمارے جردرد کرنے لگتے تھے۔ پر کرتے کیا؟ کبھی کبھی چھوٹے بڑے لڑکے چھوٹے بچوں کو ہماری پیٹھ پر بیٹھا کر کہتے۔ میرا کلو ہاتھی پر بیٹھا ہے۔ بھلا میں ان لڑکوں کا بوجھ کیا اٹھاتا۔ جب چلانے لگتا تو جان بچتی۔ کوئی کوئی لڑکے تو میرے گلے میں دس باندھ کر دوڑاتے۔ بھلا میں ان کے برابر کیسے دوڑتا۔ لیکن وہ اپنی دھن میں مجھے کھینچتے ہوئے ہی لے جاتے تھے۔ اس سے سارا بدن دکھنے لگتا تھا۔ مگر مجھ غریب کا وہاں کون مددگار بیٹھا تھا۔ کبھی کبھی لڑکے مجھے پاس والے گڈھے میں ڈال دیتے اور میری تیراکی کا تماشا دیکھتے۔ جب میں باہر نکلنے کے لیے پانی میں جھپٹانے لگتا تو لڑکے ہنس ہنس کر کہتے۔ دیکھو۔ کلو کیسا تیرتا ہے۔ اس سے میں ڈوبنے ڈوبنے ہو جاتا تھا۔ پاؤں زور زور سے چلاتا ہوا کسی طرح کنارے آ جاتا اور مارے ٹھنڈ کے کانپنے لگتا۔ جب دھوپ نکلنے سے دیہہ میں کچھ گرمی آتی تو کوئی شیطان لڑکا بول اٹھتا۔ اب کی میری باری ہے۔ سنتے ہی میری جان سی نکل جاتی مگر بھاگ کر جاتا کہاں؟ کوئی پھر پانی میں ڈال دیتا، کیا بتاؤں کہ اس سے کتنا غصہ آتا۔ بار بار یہی جی میں آتا تھا کہ کوئی ان دھنوں کو بھی اس طرح ڈکیاں دیتا تو ان کی آنکھیں کھلتیں۔ ہم دونوں بھائیوں میں سے کبھی تو ایک بھی نہ تھے۔ پر ذکیہ کی دشا میری دشا سے اچھی تھی۔ پنڈت جی کے یہاں مجھے روکھا سوکھا بھوجن ملتا تھا اور وہ بھی بہت کم، اس لیے مجھے دوسرے دواؤں کا چکر لگانا پڑتا تھا۔

ڈفالی ماس کا پر بھی تھا۔ روزانہ اس کے گھر ماس پکا کرتا تھا۔ اس لیے ذکیہ کو کافی بھوجن مل جاتا تھا۔ اسے کسی دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کچھ تو بے فکری اور کچھ پوری خوراک ملنے پر وہ دن دن طاقتور اور تندرست بننے لگا۔ میں کبھی کبھی بھوک سے تنگ آ کر ڈفالی کے دروازے پہنچ جاتا کہ شاید وہاں کچھ مل جائے۔ سوچتا، آخر ذکیہ بھی اپنا ہی خون ہے۔ اس سے آرزو منت کروں گا تو ضرور کچھ نہ کچھ دے دے گا۔ پھر اس کا کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے۔ میں اس کے کھانے میں حصہ لینا نہیں چاہتا تھا، کیوں اس کا جوشن چاہتا تھا۔ پر وہ میری پرچھائی دیکھتے ہی خزا کر مجھ پر ایسا جھپٹتا جیسے میں اس کا دشمن ہوں۔ وہ تھا مجھ سے طاقتور۔ اس لیے میں اس کا سامنا نہ کر سکتا تھا۔ وہ دانتوں سے مجھے خوب کاٹا اور نیچے گرا کر بچوں سے کھسکتا۔ جب میں زور سے چلانے لگتا اور پونچھ سکڑ

لیتا، تب کہیں جان بچتی تھی۔ اٹھ کر جیوں ہی بھاگتا چاہتا کہ ڈفالی کہہ افتا۔ پنڈت کا بھٹو کتا وہ بھاگا! وہ بھاگا!! اس پر بہت گھائی ہوتی تھی۔ میں پھر جا کر ذکیہ سے الجھ پڑتا اور اتنی مستعدی سے لڑتا کہ بھوک کا خیال ہی نہ رہتا۔ میری مستعدی دیکھ کر دیکھنے والے کہتے واہ کلو! واہ شاباش!! اس سے طبیعت اور بھڑک جاتی تھی۔ اور بھی زور لگاتا۔ لیکن آخر مجھے بھاگنا ہی پڑتا تھا۔ تب سب تالیاں بجا کر مجھ پر ہنسنے لگتے۔ جوش ٹھنڈا ہونے پر دیکھتا تو لبوہان ہو گیا ہوں۔ مہینوں جا کر کہیں گھاڑ اچھے ہوتے تھے گھاڑ اچھا ہونے پر یہی جی چاہتا کہ چل کر ذکیہ کو پچھاڑوں اور پنڈت جی کی بدنامی مٹاؤں مگر اپنی حالت دیکھ کر رہ جاتا۔

ایک دن جان پر کھیل کر ذکیہ سے الجھ پڑا۔ وہ بھی پورے جوش کے ساتھ مجھ سے لڑنے لگا۔ سنیوگ سے پنڈت جی بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان کے پہنچنے ہی اور لوگوں نے کہا۔ کھو بھٹو کتا ہے۔ کبھی بھی ذکیہ کا سامنا نہیں کر سکتا ہے۔ اس پر میں نے دیکھا کہ پنڈت جی کا چہرہ پیکا پڑ گیا ہے۔ تب تو میں نے نیچے کر لیا کہ آج چاہے جان رہے یا جائے، مگر ذکیہ کو ضرور پچھاڑوں گا۔ کچھ ایسے جیوٹ سے لڑا اور ایسے داؤں بیچ کھلایا کہ بھائی ذکیہ کو جھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ دیکھنے والے کہنے لگے کہ بھائی آج تو کھو نے کمال کر دیا۔ ٹھیک ہے مالک کو دیکھ کر سب کی چھاتی بڑھتی ہے۔ ذکیہ ڈفالی کو دیکھ کر ہی اسے روز پچھاڑتا تھا۔ آج پنڈت جی کو دیکھ کر کھو نے نیچا دیکھایا۔ میں نے دیکھا پنڈت جی کا چہرہ اس سے کھل اٹھا تھا مانو میں نے ان کی بجا رکھ لی۔ اب انھوں نے میری خوراک کچھ بڑھادی۔ ادھر ذکیہ پر ڈفالی اور بھی توجہ کرنے لگا۔

ایک دن کی بات ہے کہ ماتا جی ڈفالی کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ اس سے ذکیہ وہاں موجود نہ تھا۔ ڈفالی نے ماتا جی دین دشا دیکھ کر ایک کھڑا پھینک دیا۔ جیوں ہی ماتا جی کھڑا اٹھانے کو آگے بڑھیں کہ ذکیہ پہنچ گیا، اور ماتا جی پر ٹوٹ پڑا۔ سنیوگ سے وچیں پر میں بھی پہنچ گیا۔ پھر کیا تھا ذکیہ سے جان بچا کر ماتا جی مجھ سے بھڑ گئیں۔ میں تو ان پر وار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن وہ پوری طاقت سے مجھ پر وار کرنے لگیں۔ اس سے مجھے بڑی ہنسی آتی تھی۔ پیٹ بھی کیا چیز ہے، اس کے لیے لوگ اپنے پرانے کو بھول جاتے ہیں۔ نہیں تو اپنی سگی ماتا اور اپنا سگا بھائی کیوں دشمن ہو جاتے۔ یہ تو ہم جانوروں کی باتیں ہیں۔ منشیوں کی ایشور جانے۔

(۳)

میرے پنڈت جی کے گھر اناج بہت ہوتا تھا۔ گھر کچا تھا۔ لیکن چوہوں نے اپنا اڈا بجا لیا تھا۔ ان کے اُپدریو سے گھر والوں کا ناکوں دم تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ چوہے دانی لگا کر ان کا سُرناش کر دیا جائے۔ مگر پنڈت جی یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ چوہے گنیش جی کے واہن ہیں۔ انہیں تکلیف نہ دینی چاہیے۔ ان کے کھانے سے کتنا اناج کم ہو جائے گا؟ ان کا دشواس تھا کہ چوہے جتنا غلہ کا نقصان کرتے ہیں ان کا چوگنا شری گنیش جی کی دیا سے انج میں بڑھ جاتا ہے اس لیے جب وہ کسی کو چوہے دانی لگاتے دیکھتے تو اسے پچاسوں باتیں کہتے۔

پنڈت جی کی دھاک لوگوں پر خوب بیٹھ گئی۔ جب کہیں دیوتاؤں کی بھکتی کی چرچا ہوتی تو پنڈت جی کا نام پہلے لیا جاتا تھا۔ کیسے جن ہیں کہ اتنا نقصان سننے پر بھی چوہوں کو نہیں مارتے! نہیں تو لوگ آدمی کی جان تک لے لیتے ہیں۔

جب تک چوہے اناج کی لوٹ مچاتے رہے، تب تک تو پنڈت جی اپنی پرکتیہ پر ڈٹے رہے۔ لیکن جب ان کے وار کپڑے لٹے پر بھی ہونے لگے تو ان کے آسن ڈول گئے۔ جاڑوں کے کپڑے کچھ صندوقوں میں رکھے ہوئے تھے، کچھ انگلیوں پر۔ گرمیوں میں کسی نے ان کی پرواہ نہ کی۔ برسات میں جب انہیں دھوپ میں ڈالنے کے لیے نکالا گیا تو سارے کپڑے کٹے پڑے تھے۔ چوہوں نے لکڑی کی صندوق تک کاٹ ڈالی تھی۔ پنڈت جی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ چوہوں نے ایک ایک چیز میں ہزاروں چمید کر دیے تھے۔ دو ڈھائی سو روپے پر پانی بھر گیا تھا۔ پھر تو پنڈت جی نے ٹھان لیا کہ جیسے بھی ہوگا، ان چوہوں کا سر دناش کر کے ہی چھوڑوں گا۔ اسی دن ایک بلی پالی اور تین چار چوہے دانیاں منگوائیں۔ پھر کیا تھا؟ روزانہ چوہے پھسنے لگے۔ مجھے بھی دود کا مسالا لگ گیا۔ یوں تو میں سچا ہندو اور پورا برہمن ہو گیا تھا۔ کیونکہ دیش کر برہمن ہی کا ان جل کھانا چٹا پڑتا تھا۔ ماس پر روچی ہی نہ ہوتی تھی۔ لیکن شکار کھیلنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ مزا کیوں نہ آتا یہ تو میری خاندانی بات تھی۔

جب پنڈت جی چوہے دانی کھولتے اس سے کھوکھو پکارتے۔ میں کہیں پر بھی ہوتا

حیر کی طرح وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اس سے جو کھلواڑ کرتا تھا وہ دیکھنے ہی کے لائق ہوتا تھا۔
چھوٹوں کو کھلا کھلا کر جان سے مار ڈالتا تھا پر کھاتا نہ تھا۔

مگر بھائی ذکیہ پکا مسلمان تھا، روز ماس کھاتا۔ وہ بھی اس شکار میں شامل ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی ماتا جی بھی پہنچ جاتی تھیں۔ ان دنوں خوب پیٹ بھرنے لگا۔ پھر تو من ہی من ہم لوگوں کو آشیرداد دینے لگیں۔ شاید انہیں پچھلے بچوں کی یاد بھی آنے لگی ہو۔ یدہ وہ بھی جیتے ہوئے تو ان کی خوب سیدا کرتے۔ بھائی صاحب کے جی میں آتا تو دو ایک چھوٹوں کو پیٹ میں رکھ لیتے مگر میں تو بابا کال بمیر و جی کی چھچھو کھا کر کہتا ہوں کہ سوگھتا بھی نہ تھا۔

اس سے چھوٹوں کی جان لینے میں ہم لوگوں کو ذرا بھی دیا نہ آتی تھی۔ یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ ان میں بھی جان ہے۔ اب میں سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ بچے جو ہم لوگوں کو اپنے دلوں کے لیے کشت دیتے تھے، وہ کوئی نزدیکی کا کام نہیں کرتے تھے۔ دلوں میں ان سب باتوں پر دھیان ہی نہیں دیا جاتا۔ پنڈت جی بہت خوش ہوتے، جب ہم لوگ چند منٹوں میں پچاسوں چھوٹوں کو سدا کے لیے بے ہوش کر دیتے۔ اس سے پنڈت جی پر مجھے بہت ہنسی آتی تھی۔ اب ان کے گنیش جی کیا ہوئے؟ کیا اب یہ چوہے گنیش جی کے واہن نہیں ہیں؟ کیا اب اس ہتیا سے ناراض ہو کر گنیش بھگوان پنڈت جی کو ڈھن نہ دیں گے؟ واہ! کیا سمجھ ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بات سے لوگوں کو نقصان تو کم ہوتا ہے اور پر تشوہا بہت بڑھتی ہے، اسے تو لوگ جتنے جتنے برداشت کرتے ہیں، لیکن جب ادھک ہانی پہنچتی ہے تو سب پر تکیا ٹوٹ جاتی ہے۔

(۴)

جس گڈھے میں پینک پینک کر مجھ سے لڑکے کھیلے تھے، اسی میں گاؤں کے سبھی چھوٹے بڑے نہاتے دھوتے تھے۔ گڈھا تھا بھی بہت گہرا۔ اسی لیے بارہوں مہینہ پانی بھرا رہتا تھا۔ کچا ہونے پر بھی اس کا پانی سوچھہ تھا۔ پنڈت جی کی استری اپنے چھوٹے بچوں کو روزانہ سادو دھان کرتی تھیں کہ خبردار اس گڈھے کی اُور کبھی نہ جانا نہیں تو ڈوب جاؤ گے۔ پر یہ کبھی ماں باپ اپنے بچوں کو ایسی چیتا دانی دیتے رہے، مگر لڑکے کب ماننے لگے۔ ماں

باپ کی نظریں بچا کر گڈھے پر پہنچ جاتے اور طرح طرح کے کھیل کھیلتے۔ کوئی پانی میں سٹل پھینکتا، کوئی میڈکوں پر نشا لگاتا، کچھ سیانے لڑکے پانی میں کود جاتے اور تیرنے کا ابھياس کرتے۔

ہونہار کو کون روک سکتا ہے۔ گاؤں کے کچھ لڑکے گڈھے میں تیر رہے تھے۔ پنڈت جی کا چھوٹا لڑکا بھی پہنچ گیا۔ پہلے تو وہ کنارے پر ہی کھیلتا رہا، مگر اس کے جی میں آیا کہ ذرا میں بھی تیروں۔ آگے بڑھا ہی تھا کہ پاؤں پھسل گیا اور ڈوبنے لگا۔ سب لڑکے گھبرا کر چلانے لگے۔ لڑکا ڈوبا! مگر کسی کو نکالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اگر کوئی سیانا ہوتا تو کچھ کوشش بھی کرتا۔ یوں تو ڈوبتے ہوئے کو نکالنے میں بھی ڈرتے ہیں۔ ڈوبنے والا بچانے والے کو اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ دونوں ڈوبنے لگتے ہیں۔ اس کام کے لیے بہت ہوشیار آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی بات وہاں بھی ہوئی۔ پنڈت جی کا بڑا لڑکا سنیوگ سے نہانے آ رہا تھا۔ بھائی کو ڈوبتے دیکھا تو خرت کوڈ پڑا۔ پر چھوٹے لڑکے نے بڑے لڑکے کو اس پر کار پکڑ لیا کہ دونوں ڈوبنے لگے۔ پھر تو لڑکوں نے اور بھی شور مچایا اور بات کی بات میں گاؤں بھر میں شور مچ گیا۔ رامو اور شیا مو دونوں ڈوب رہے ہیں۔ چلو نکالو، نہیں ایک بھی نہ بچے گا۔ چند ہی منٹوں میں گڈھے پر مرد اور عورتوں کی بھیڑ لگ گئی۔ پر کودنے میں سب پس و پیش کر رہے تھے۔ اتنے میں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ ساری باتیں چن سمجھ میں آگئیں۔ خرت پانی میں تیر کی طرح گھوسا۔ اس سے دونوں ڈوب چکے تھے۔ صرف ذرا ذرا بال دکھائی پڑ رہے تھے۔ میں نے دانتوں سے ان کے بال پکڑ لیے اور پلک مارے ہی کنارے پر کھینچ لایا۔ لوگ میرا یہ سامں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پنڈت جی اس سے کسی کام سے باہر گئے تھے۔ سنیوگ سے وہ بھی اسی سے آگئے اور آدمیوں کی بھیڑ دیکھ باہر ہی باہر وہاں پہنچ گئے۔ چمن بھر میں انھیں سب باتیں گمات ہو گئیں۔ پھر تو انھوں نے مجھے اٹھا کر چھاتی سے لگایا۔ پنڈت جی کے آنے کے پہلے ہی لوگوں نے لڑکوں کے پیٹ سے پانی باہر کر دیا تھا۔ وہ سوجھ ہو گئے تھے۔ اب تو گاؤں بھر میں میری خوب تعریف ہونے لگی۔ یہ کتا پورو جنم کا کوئی دیوتا ہے۔ کسی بات سے چوکا اور کتے کا جنم پا گیا۔ کوئی کہتا نہیں اس پر بھیجیرو تاتھ کی سواری ہے۔ دیوتاؤں کی انجما ہی تو ہے جس پر سمجھ جائیں۔ اس دن سے پنڈت جی مجھے اپنی جان سے بھی ادھک پیار کرنے لگے۔ اب مجھے پیٹ کے لیے کسی دوسرے کے دروازے پر نہیں

جانا پڑتا تھا۔

اس سے ذکیہ بھی وہاں موجود تھا۔ اس کی موردکتا تو دیکھیے، جس سے لڑکوں کو نکال کر
میں باہر آ رہا تھا، وہ بڑے کرکش سور میں ہاؤں ہاؤں چلا رہا تھا۔ اس پر کچھ لوگوں نے اسے
ڈھیلے مار کر ہمکا دیا۔ ٹھیک ہی تھا، کہاں تو گھبرائے ہوئے لوگ لڑکوں کی جان بچانے کی
کوشش کر رہے تھے، کہاں یہ دیرتھ چلا رہا تھا۔ ڈفالی اس کی یہ حرکت دیکھ کر چڑھ گیا۔ چڑھتا
کیوں نہ؟ اس کو تو یہ امید تھی کہ میرا کتا کبھی نام کرے گا، اس نے اسے کھلانے پلانے میں
کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ مگر وہاں پر سب کے منہ سے ذکیہ کے لیے دُر دُر کھل رہا تھا۔ اسی دن
سے نہ جانے کیوں وہ مجھ سے دشمن پریم کرنے لگا۔ جہاں دیکتا اٹھالیتا اور گھنٹوں تک میری
گردن سہلاتا۔ اس پر اسے میں دھنیاد دینا چاہتا تھا۔ پر سوا پونچھ ہلانے کے اور کیا کر سکتا
تھا۔ اب اس کی آنکھ ذکیہ کی اُور سے دیرے دیرے پھرنے لگی تھی۔ میں اپنے بھائی سے
بہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ذکیہ میری جان کا دشمن ہو گیا۔ جہاں دیکتا مجھ سے بڑھ جاتا۔
مضبوط تھا ہی مجھے ہار مانتی پڑتی۔

(۵)

اب پنڈت جی جو کچھ لاتے، اس میں اپنے لڑکوں کی طرح میرا بھی حصہ لگاتے۔
میں بھی ہر وقت پنڈت جی کے ساتھ ہی ساتھ رہتا تھا۔ وہ کسی کام سے باہر جاتے، تو مجھے
بہت دکھ ہوتا۔ جب لوٹ کر آ جاتے، تو پونچھ ہلا ہلا کر ناچنے لگتا۔ اس سے شاید وہ بھی کھل
اٹھتے، کیونکہ ان کے چہرے پر پرستیا کی ایک گہری جھلک دکھائی پڑتی تھی۔

ایک دن پنڈت جی کے منڑ کی کھیت میں ایک گڈریے کی بھیڑیں پڑ گئیں۔ پنڈت
جی نے دیکھا، تو اسے ڈانٹ دیا۔ کئی دنوں کے بعد گڈریے نے پھر وہی شرارت کی۔ اب کی
پنڈت جی نے ڈانٹ پھینکار کے بعد دو تین تھپڑ بھی جمادیے۔ میں نے سمجھا کہ گڈریا اب
ایسی بھول نہ کرے گا، مگر دو تین دن کے بعد اس نے پھر اپنی بھیڑیں پنڈت جی کے کھیت
میں ڈال دیں۔ اس دن پنڈت جی کو بہت غصہ آیا۔ انھوں نے اسے زمین پر پٹک کر لاتوں
اور گھونٹوں سے خوب مارا۔ میں نے بھی غصہ میں آ کر اسے خوب کاٹا، نواچا۔

اس دن تو گزریا چلا گیا۔ دوسرے دن سے وہ میری کھوج میں رہنے لگا۔ مجھے پنڈت جی کے ساتھ دیکھتا، تو ہونٹ چبا کر رہ جاتا۔ میں بھی تاڑ گیا تھا کہ یہ مجھے اکیلا پاتے ہی اوشیہ وار کرے گا، اسی لیے میں پنڈت جی کا ساتھ کبھی بھول کر بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اب گزریے کی بھیڑ پنڈت جی کے کھیت میں کبھی نہ پڑتی تھی۔ گزریا اب بدلے لینے پر تلا ہوا تھا۔

ایک دن کی بات سنو۔ پنڈت جی کی اکیہ کی کھیتی بہت اچھی تھی۔ گاؤں والے اکثر کہا کرتے تھے کہ اس سال پنڈت جی سب سے بازی مار لے جائیں گے۔ گزریے نے کہا، اس کھیت میں آگ لگا دو ساری کٹر کھل جائے گی۔ آدھی رات کے سے کھیت پر پہنچ جی تو گیا۔ بچا یہ نہیں جانتے تھے کہ یہاں پر بھی میرا ہی پہرا رہتا تھا۔ جیوں ہی آگ کی چنگاری اکیہ میں پھینک کر بھاگنے کا دھار کیا کہ میں نے جھپٹ کر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ وہ اچکا کر گر پڑا۔ کیوں نہ گر پڑتا، چوروں کا کلیجہ ہی کتنا! بچانے بھاگنے کی بہت کوشش کی، مگر ایک نہ چلی۔ خیریت یہ تھی کہ کھیت گاؤں سے تھوڑی ہی دور پر تھا۔ یکا یک جوالہ اٹھی تھی، تو گاؤں والے چٹ پٹ پہنچ گئے۔ مجھے گزریے کا پیر پکڑے دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ یہ اسی کی بد معاشی ہے۔ جو آتا، گزریے کی پوجا کر کے تب آگ بجھانے جاتا اس بد معاش کی ایسی مرمت ہوئی کہ مرنے مرنے ہو گیا۔ اتنے پر بھی لوگوں کو سنسٹوش نہ ہوا، صلاح ہوئی کہ اسے تھانے لے چلو، مگر پنڈت جی نے اسے یوں ہی چھوڑ دیا۔ لوگوں سے کہا۔ جب تک المیہ نہ بگاڑے گا، آدمی کچھ نہیں کر سکتا، حشر ہے۔

’جا کو را کھیں سائیاں مار نہ سکی ہے کوئی۔‘

گاؤں والوں کو پنڈت جی کے اس دیوہار پر بڑا آئچر یہ ہوا۔ کیونکہ ایسی دشا میں اسے پورا ڈنڈ دلائے بنا کوئی نہ چھوڑتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہی سب اکیہ جل گئی ہوتی اور گزریا پکڑ لیا جاتا، تو پنڈت جی جیتا نہ چھوڑتے، مگر یہاں تو دیا لوتا کا ستہ جمانا تھا۔ کیوں نہ چھما کر جاتے۔ نہیں تو کھلانے کو تو پنڈت جی برہمن تھے، پر دروازے پر بھک منگوں کو بھیک نہیں ملتی تھی۔

اس دن سے پنڈت جی مجھ سے اور پریم کرنے لگے۔ سارے گاؤں پر میری دھاک بندھ گئی، لیکن وہ زرباشج اسی فکر میں رہتا تھا کہ کب اس کا انت کر دوں۔ رات دن

میری ہی کھوج میں رہتا، مگر ایٹور کی دیا سے میرا بال بھی ہانکا نہ کر سکا۔

آخر اسے ایک ترکیب سوچ گئی۔ وہ ذکیہ کو خوب کھلانے پلانے لگا۔ اس سے ڈفالی نے ذکیہ کو اپنے گھر سے پراہیہ نکال ہی دیا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے کتوں کی طرح اسے بھی کور دے دیتا تھا۔ بات یہ تھی کہ ایک دن ایک پولیس کا آدمی اس ڈفالی کے دروازے پر رات کو گشت کرنے آیا تھا۔ اس سے ذکیہ نے اسے کاٹ کھایا تھا۔ پولیس کے آدمی نے ڈفالی کو بہت شک کیا تھا، تبھی سے اسے ذکیہ سے گھرنا ہو گئی تھی۔ اس کی تو ایسی ہچھا ہو گئی تھی کہ ذکیہ دروازے پر بھی نہ رہے، مگر بہت دنوں کی محبت کے سبب سے اسے کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑتا تھا۔

ذکیہ طاقتور تو بہت تھا، مگر اسے بھلے برے کامیاب نہ تھا، جیسی چاہتا بے سرا راگ چھیڑ دیتا۔ کبھی کبھی دیو مندروں میں ہڈیاں رکھ آتا تھا۔ اس سے گاؤں والے بھی چڑھ گئے تھے، مگر اس میں یہ تھا کہ وہ مضبوط بہت تھا۔ کیا مجال کہ کوئی دوسرے گاؤں کا کتا آجائے۔ گیدڑوں کی تو اسے دیکھتے ہی نانی مرجاتی تھی۔ ہرن اور نسل گائیں جو پہلے کیتوں کو تھیں نہیں کر دیتی تھیں، اب گاؤں میں آنے کا نام نہ لیتیں۔ ایک بندر نے گاؤں میں بڑا اُتپات مچا رکھا تھا۔ بچوں کے ہاتھ سے روٹی چھین لیتا۔ عورتوں کو راستے میں روک لیتا، اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا، وہ لیے بنا پنڈ نہ چھوڑتا۔ لوگوں کی راہ چلتی شکل ہو گئی تھی۔ گاؤں بھر کی کھیریل الٹ دی تھی۔ ذکیہ نے اسے ایسا جھجھکا کر بچا نے پھر صورت ہی نہ دکھائی۔

ہاں، تو گڑیے نے ذکیہ کو اسی ارادہ سے کھلانا پلانا شروع کیا کہ مجھ سے بدلہ لے، مگر ذکیہ بھی چمٹا ہوا تھا۔ جو ہمیشہ ماس اور مچھلی کا عادی تھا۔ وہ روکے سوکے سڑ پر کیسے نک سکتا تھا۔ گڑیے کی آنکھ بچا کر بھیڑوں پر ہاتھ صاف کرتا اس پر ایک دن گڑیے نے اسے باندھ کر خوب پیٹا۔ جب سے وہ اس کے یہاں سے بھاگ گیا۔ اب وہ کسی کا نہیں تھا کھلاتا تو تھا ڈفالی والا کتا، مگر ڈفالی سے اس کا کچھ بھی سبب نہ تھا۔

اب گڑیے نے نچھنے کیا کہ جیسے بھی ہوگا، مجھے جان سے مار ڈالے گا۔ ایک دن اس کبخت نے جان پر کھیل کر وار کر ہی تو دیا۔ بات یہ تھی کہ پنڈت جی مندر میں پوجا کر رہے تھے اور میں نیچے بیٹھا جھبکی لے رہا تھا۔ پنڈت جی آنکھ موند کر شرعی شیو جی کا دھیان کر رہے تھے۔ پوری طاقت کے ساتھ ایک لاٹھی جہاں تو دی۔ لاٹھی ایسی گھات سے لگی کہ میرے منہ

سے ایک چیخ کھل گئی۔ پھر مجھے کوئی خبر نہ تھی کہ میں کہاں ہوں۔ جب ہوش آیا، تو اپنے کو جانوروں کے اسپتال میں پایا۔ کچھ دنوں میں اچھا ہو کر اسپتال سے چلا آیا، مگر میری کمر بہت کمزور ہو گئی تھی۔ جب جب پوروی ہوا چلتی، جان ہی کھل جاتی تھی۔ پیچھے پنڈت جی سے ہٹا لگا وہ میری اس چیخ کو سن کر پوچھا چھوڑ باہر نکل آئے۔ دیکھا کہ گزریا دوسرا وار کرتا چاہتا ہے۔ جھٹ دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور اس کی لالچی سے اسے خوب پیٹا۔ تب اس کا چالان کرا کے چھ مہینے کی سزا کر دیا۔ پھر تو جیل میں اس کی جو درگتی یا سوگتی ہوئی ہوگی اس کا انوہو تو وہی کرے گا، جو کبھی جیل گیا ہوگا۔ یہ سب باتیں پنڈت جی اپنے مترادف سے کہتے تھے، تو میں سنتا تھا۔ اس سے سے پنڈت جی پر مجھے بہت ہی گرو رہنے لگا۔ میرا دشواں تھا کہ پنڈت جی کے رہتے ہوئے مجھے کسی پرکار کا کٹ نہ ہوگا۔ کبھی میں سمجھتا تھا کہ آدمی کیوں نہ ہوا۔

میری ماما جی کی دشا دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ بھوک، چھتا، مار، ان سب کارنوں نے مل کر انہیں پاگل بنا دیا۔ ایک کھنڈر میں اکیلی پڑی راتیں۔ میں ایک بار انہیں دیکھنے گیا تھا۔ مجھ پر اتنی تیزی سے جھپٹیں کہ میں بھاگ نہ جاؤں تو مجھے ضرور کاٹ کھائیں۔ ادھر سے لوگوں نے آنا بند کر دیا۔ خنوک کی بات، گزریا اسی دن سزا بھگت کر نکلا تھا۔ یکا یک اسی دن راستے میں ماما جی مل گئیں اور اس کے بہت بچانے پر بھی کاٹ کھایا ان کے دانتوں میں اتا دس تھا کہ دو تین دنوں میں ہی گزریا مر گیا۔ کسی کی مرچو پر خوش ہونا، چاہے وہ اپنا کفر شرد ہی کیوں نہ ہو، بری بات ہے، مگر میں اچھلنے لگا۔ گزریے کے مرنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اب میرا کوئی میری نہ تھا۔

مگر اس خوشی نے مجھے جتنا ہسایا، اتنا ہی اس خبر نے رلایا بھی کہ اس کے دو ہی تین دن بعد پولیس نے ماما جی کو گولی مار دی۔ میں کئی دن تک دکھی رہا۔ بھلا سنسار میں ایسا کون ہوگا، جسے ماما کے مرنے کا مارک شوک نہ ہوا!

اب ذکیہ کے سوا کوئی میرا سکا نہ رہ گیا تھا۔ اس سے کبھی کبھی میں سوچتا، دیکھیں ہم دونوں کا انت کیسے ہوتا ہے۔ بدھی اس سے میں کھانے پینے سے سکھی تھا اور ذکیہ دکھی، مگر سنشوش اتنا ہی تھا کہ کہنے کو بھائی تو ہے۔ کبھی اس کے بھی دن بھریں گے! پہلے اس نے سکھ بھوگے، میں نے دکھ جھیلے۔ اب میں سکھ بھوگ رہا ہوں، اور وہ دکھ کسی کے دن برابر نہیں جاتے۔

جب کبھی ذکیہ پنڈت جی کے دروازے پر آتا، تو میں کبھی چڑھتا نہ تھا۔ وہ تو ڈرتا تھا کہ کہیں یہ بدلہ نہ لے، مگر میں وہاں سے ٹل جاتا کہ وہ نچھٹ ہو کر کھالے۔ کبھی کبھی مجھے ادھک بھوجن مل جاتا، تو میں منہ میں رکھ کر ذکیہ کے پاس پہنچا دیتا۔ دکھاؤ میں پرسن رہتا، مگر دل میں مجھ سے برابر جلا کرتا۔

(۶)

اندھیری رات تھی، پنڈت جی کے گھر کے کبھی لوگ کہیں رشتہ داری میں گئے تھے۔ گھر پر میں اور پنڈت جی ہی تھے۔ پنڈت جی تو خزانے کی نیند لے رہے تھے، مگر مجھے نیند کہاں۔ بار بار گھر کا چکر لگتا رہا۔ چوروں نے سمجھا، آج سنا ہے۔ گھر کے نوکر کو ملا کر سب ہمید لے لیا تھا۔ میں آہٹ پا کر بچھوڑے گیا، تو دیکھا کہ ایک دروازہ اور کھلا ہے اور کچھ آدمی وہاں کھڑے ہو کر چوکنی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے باتیں کر رہے ہیں۔ میں ان کی باتیں نہ سن سکتا تھا، کیونکہ وہاں سے دور تھا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا، تو کوئی بھیتر سے قہالی لوٹا، صندوق وغیرہ نکال کر باہر کے آدمیوں کو دے رہا ہے۔ اب سب باتیں میری سمجھ میں آگئی۔ میں بڑے زوروں سے بھونکنے لگا۔ اس پر چوروں نے مجھ پر ڈھیلے پھینکنے شروع کیے، مگر مجھے ان ڈھیلوں کی پھتا نہ تھی۔ سواری کا گھر لوٹا جا رہا ہے، بھلا یہ کیسے دیکھا جاتا! دوڑا ہوا ہمدانے میں پنڈت جی کے پاس گیا اور ان کی چادر دانٹوں سے کھینچنے لگا۔ اس پر انھوں نے خضہ ہو کر مجھے دو تین لاتیں جمائی تو دیں، پر میں باز نہ آیا۔ پھر چادر کھینچی اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ ہارے پنڈت جی کی نیند کل گئی۔ اب ان کو کس طرح سمجھاؤں کہ تمہارا گھر لوٹا جا رہا ہے۔ بار بار بچھوڑے جاتا، اور ان کے سامنے آ کر زوروں سے بھونکنے لگتا۔ اس سے میری یہ فضا تھی کہ پنڈت جی بچھوڑے چل کر دیکھیں کہ ان کا گھر لوٹا جا رہا ہے اور اس کو بچانے کا پرہیز کریں۔ میری جستی سے چوروں کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سامان لے کر بھاگ نکلے۔ میں راستہ روکے ہوئے تھا۔ دھیرے سورا ہونے میں تھوڑی ہی کڑ تھی۔ اس لیے سب مال اسباب اسی پاس والے گڑھے میں ڈبوتے جاتے تھے۔ ان کی فضا شاید یہی تھی کہ دوسری رات میں سب مال اسباب اٹھالے جائیں گے۔ بھلا گڑھے سے

اندر کون ڈھونڈنے جاتا ہے!

مجھے بار بار غصہ آتا تھا کہ پنڈت جی کی بدھی پر آج پھر کیوں پڑ گیا ہے؟ وہ میرے اشارے کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں۔ سنتوش بھی تھا کہ مال ابھی باہر نہیں گیا تھا۔ آخر مجھے ایک اپائے سوچ گیا۔ پلنگ کے نیچے پنڈت جی کی لاٹھی پڑی ہوئی تھی۔ اسے میں نے منہ میں اٹھالیا اور پچھواڑے کی طرف بڑھا۔ اب پنڈت جی میرا اشارہ سمجھ گئے۔ غزنت لاٹھی لے کر پچھواڑے پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ چور سارا مال اسباب اڑائے لیے جا رہا ہے۔ بری طرح گھبرا اٹھے! ان کے منہ سے کیوہ اتا نکلا۔۔۔ چور! چور!!

چور کا نام سنتے ہی پکڑو! پکڑو! آپہنچے، آپہنچے، کی آوازیں چاروں اور سے آنے لگی۔ دم بھر میں گاؤں کے سب لوگ اکٹھا ہو گئے، مگر چوروں کا پتا نہیں تھا۔

اب یہ فکر ہوئی چور کیا کیا لے گئے۔ پنڈت جی کے تو ہوش و حواس ہی ٹھکانے نہ تھے۔ ہوش آنے پر پنڈت جی نے گھر کے اندر جا کر دیکھا، تو سب کچھ غائب تھا۔ سر پر بجلی سی گر پڑی۔ لوگوں نے انہیں سمسالا اور سمجھانے لگے۔ بسیا اتنا چھوٹا جی مت کرو۔ روپیہ پیسا ہاتھ کا میل ہے اس کے جانے کی کیا پتا۔ لیکن پنڈت جی برابر ہائے ہائے کرتے جاتے تھے۔ میرے اور کوئی تاکتا بھی نہ تھا۔ میں دوڑ دوڑ کر گڑھے کے پاس جاتا اور زوروں سے بھونکتا۔ پھر آتا اور پنڈت جی کے پیروں پر منہ رکھ کر ہلاتا، پر پنڈت جی ہر کھینچ لیتے تھے۔ ہر کھینچ لینا تو کوئی بات نہ تھی، وہ غصے میں آکر لاتیں بھی بجا دیتے تھے۔ مگر میں اپنا کام برابر کیے جاتا تھا۔ کب تک کوئی اس اشارے کو نہ سمجھے گا؟

سبھی طرح کے لوگ تھے۔ کچھ لوگ پنڈت جی کو تسلی دے رہے تھے، تو کچھ لوگوں کو ہنسی اڑانے کی سوجھ بوجھ رہی تھی۔ کہہ رہے تھے، اسی سے کہا گیا ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ نہ کچھ دان اوٹنے کرنا چاہیے۔ جو لوگ سب کچھ اپنے آپ ہضم کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ پٹواری نے صلاح دی۔ پنڈت جی پولیس کو اطلاع کر دیجیے۔ شاید کچھ پتا لگ جائے۔ چوہری بولے۔ اچی، پولیس کا ڈھکوسلا بہت برا ہوتا ہے وہ بھی آکر کچھ نہ کچھ چھپتے ہی ہیں۔ میں نے تو اتنی عمر میں سیکڑوں بار اطلاعات کی، مگر چوری گئی ہوئی چیز کبھی نہ ملی۔

پنڈت جی نے دل کڑا کر اثر دیا۔ ہاں چوہری، تم ٹھیک کہتے ہو۔ تقدیر سے اٹھی

ہوئی چیز بھر کہاں ملتی ہے۔ ادھر تو یہ باتیں ہو رہی تھیں، ادھر میرا کام جاری تھا۔ کچھ لوگ میری حرکت دیکھ کر کہنے لگے۔ دیکھو پنڈت جی کے ساتھ ہی ساتھ کتا بھی گھبرا گیا ہے۔ پنڈت جی سمجھدار ہونے کے کارن شانت ہیں، مگر یہ بے سمجھ کتا بوکھلا اٹھا ہے۔ یہ باتیں سن کر مجھے ان پر ہنسی آتی تھی۔ بے سمجھ یہ سب ہیں کہ میں گھنٹوں سے اشارہ کر رہا ہوں، پر کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔ پھر بھی اپنے کو سمجھدار کہتے ہیں؟ کیا کہوں، کہیں میں بھی آدمی ہوتا تو دکھا دیتا۔

ایک ایک مجھے ایک اپائے سوچ گیا۔ میں بھیڑ کو چرتا ہوا پانی میں کود پڑا اور ایک دم نیچے گھس کر تہ تک پہنچ گیا۔ سنیوگ سے ایک کنوری منہ میں آگئی۔ اسے لے کر باہر نکلا، تو میری بات سب کی سمجھ میں آگئی۔ پھر کیا تھا، کئی آدمی پانی میں کود پڑے، اور تھوڑی دیر میں سب سامان مل گیا۔ پنڈت جی اتنے خوش ہوئے کہ مجھے بار بار اٹھا اٹھا کر چھاتی سے لگانے لگے۔ سب یہی کہتے تھے کہ کتے میں ایسی سمجھ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ضرور یہ پورو جنم میں کوئی دودان رہا ہوگا۔ کسی پاپ کا پرائیجٹ کرنے کے لیے اس یونی میں آیا ہے۔ ایک مہاشے بولے۔۔۔ پرانے زمانے میں جانور آدمیوں کی طرح باتیں کرتے تھے، اور آدمیوں کی باتیں سمجھ بھی جاتے تھے۔

اس پر چودھری بولے۔ بالکل سچے کہتے ہو بھائی! رامائن میں لکھا ہے۔ ایک کتے نے شری رام چندر جی سے اپنی کہانی کہی تھی۔ ایک دن شری رام چندر جی کا دربار لگا ہوا تھا، چھوٹے بڑے، امیر غریب سب جی کھول کر اپنا اپنا حال سنارہے تھے، کہ اتنے میں ایک کتا بھی آ پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

شری رام چندر جی نے پوچھا۔ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟

کتے نے کہا۔ بھگوان! آج میرے جیون کا اتم دن ہے۔ اس لیے اُچت سمجھتا ہوں کہ آپ کے سنگھ آپ کی پر جا کو اپنے انوبھو کی کچھ باتیں سمجھا دوں، جس سے وہ اپنے جیون میں بہت سی برائیوں سے بچ جائیں۔

کتے کی یہ گیان سے بھری باتیں سن کر سب لوگ چکت ہو گئے۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔

شری رام چندر جی بولے۔ تمہارا یہ وچار سرائے یوگیہ ہے، اگر سبھی لوگ اس طرح

کے گیانپنڈیش کیا کریں تو منش کا اس سے بڑا اپکار ہو سکتا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ تم آج ہی مرجاؤ گے؟

کتے نے اتر دیا۔ مہاراج! یہ تو میں نہیں بتانا چاہتا تھا، لیکن آپ نے پوچھا ہے تو مجھے بتانا ہی پڑے گا۔ میرا دشواس ہے کہ جو جیسا کرتا ہے، ویسا ہی پھل بھوکتا ہے۔ آپ کرپاکرٹن نامک برہمن کے لڑکے کو بلا کر پوچھیے کہ اس نے آج مجھے زہرپادہ کیوں لاٹھی سے مارا؟ اب حکم ہو تو میں بیٹھ جاؤں، اور بیٹھ کر باتیں کروں، کیونکہ مہری کرٹوٹ مٹی ہے اور اب میں کھڑا نہیں رہ سکتا، چوٹ ایسی گہری پڑی ہے کہ جان پڑتا ہے، آج ہی میرا انت ہو جائے گا۔

تھوڑی دیر میں سپاہیوں نے اپراہمی کو لا کر کھڑا کر دیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے کتے کو کیوں مارا، تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا دین بندھو، میں اپنی راہ چلا جا رہا تھا۔ سچ راستے میں یہ کتا بیٹھا تھا۔ میں نے اسے ہٹنے کے لیے کئی بار کہا، مگر یہ ہٹا نہیں۔ اس پر مجھے غصہ آیا اور میں نے ایک لاٹھی تان کر بھادی۔

شری رام چندر جی نے پوچھا۔ اگر یہ کتا راستے میں بیٹھا تھا، تو تم کنارے سے کیوں نہیں نکل گئے؟

گمن۔ بھگوان، مجھ سے یہ بھول ہوئی۔

شری رام چند جی۔ اور غصہ بھی آیا، تو اتنے زور سے کیوں مارا کہ کرٹوٹ مٹی؟
گمن۔ مہاراج، میں اپنا اپراہم سوئیکار کرتا ہوں۔ پر بھوجی جو دھڑ اُچت سمجھیں، دیں۔

شری رام چندر جی نے کتے سے پوچھا۔ تو اسے کیا دھڑ دینا چاہتا ہے؟
کتے نے جواب دیا۔ نیائے جو دھڑ دلائے، وہ دیا جائے۔
شری رام۔ ہم اس کا فیصلہ تمہارے ہی اوپر چھوڑتے ہیں۔
کتا۔ تو اسے ہاتھی پر بٹھا کر گھر بھیج دیا جائے اور گھر کے راج مندر کا مہنت بنا دیا جائے۔

یہ سن کر سب لوگ اچھٹے میں آ گئے۔ یہ دھڑ ہے یا پرکار! شری رام چندر بھی یہ دوسرے نہ سمجھ سکے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ ایسا ویوہار کیا، اسے تم یہ

پڑسکار دے رہے ہو؟

کتا۔ بھگوان اسے پڑسکار نہ سمجھے۔ یہ بھیا نک دھڑ ہے۔ یہ برہمن بالک اچھے آجرن کا ہوتا، تو دیتا ہو جاتا، مگر مہنت ہونے پر یہ کتا ہوگا۔

شری رام۔ یہ کیوں؟

کتا۔۔۔ یہ تو مجھ پر بیت چکی ہے۔ وہی کتھا کہنے کے لیے تو میں آپ کی سیوا میں آیا ہوں۔ اس کے پہلے میرا جنم بھی برہمن کل میں ہوا تھا۔ میرے پتا بھی ایک مندر کے مہنت تھے، جس دن کوئی دینی مانی آدمی مندر میں آنے والا ہوتا، اس دن تو ٹھاکر جی خوب سچائے جاتے، مگر جس دن کوئی آنے والا نہ ہوتا، اس دن مندر کا دروازہ بھی نہ کھلتا۔ ایک دن ایسا ہی کوئی رئیس ٹھاکر جی کے درشن کو آیا تھا۔ پتا جی نے طرح طرح کی مٹائیاں بنوا کر ٹھاکر جی کو بھوک لگایا تھا۔ جب وہ گھر آئے تو میں رو رہا تھا۔ ماما جی دودھ اور چاول گرم کر رہی تھیں۔ پتا جی کو دیکھتے ہی میں چل گیا کہ انھیں کے ہاتھوں دودھ بھات کھاؤں گا۔ پتا جی مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ مجھے ثنّت گود میں اٹھالیا اور کھلانے لگے اس سے وہ ٹھاکر جی کی پوجا کر کے آئے تھے، اس لیے ان کے نہوں میں کمی لگا ہوا تھا۔ گرم دودھ سے کھل کر کھی اس میں مل گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ذمائی کھی مل جانے کے کارن مجھے اتنا کھنور دہڑ ملے گا۔ میں نے دید پڑھا اور پڑھایا، یکیدہ کرائے اور بڑی نعلیہ سے اپنے دھرم کا پالن کرتا رہا مگر جب میراج کے پاس پہنچا، تو انھوں نے کہا ایک تو یہ پاکھنڈی مہنت کا لڑکا ہے، دوسرے اس نے اس کا کمایا ہوا انیہ کھایا ہے، تیسرے ٹھاکر جی کے چڑھائے ہوئے کھی کو جوٹھا کر دیا اس لیے اسے کتے کی یونی میں بیجا جائے۔ میں بہت رویا، مگر کسی نے میری نہ سنی۔ میں وہی کتا ہوں۔ اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے دھڑ دیا ہے یا پڑسکار۔

اتنا کہہ کر کتا بے ہوش ہو گیا۔ اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔

سویرا ہو رہا تھا، سب لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی، کتے کی وہ کھاسن کر مجھے اپنی دشا پر بہت دکھ ہوا۔ ایک سے وہ تھا کہ پٹوؤں کے ساتھ بھی نیائے کیا جتا تھا۔ ایک سے یہ ہے کہ پٹوؤں کی جان کا کوئی مایہ ہی نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ سنوٹش بھی ہوا کہ پٹو ہونے پر بھی میں ایسے دھورت مہنوں سے تو اچھا ہی ہوں۔

پنڈت جی اس دن سے مجھ سے اور ادھیک اسنیہہ کرنے لگے کسی سے بھیٹ ہوتی تو میری ہی چرچا کرنے لگتے۔ یہ کتنا نہیں، میرے پردہ جنم کی ستان ہے۔

(۷)

انہیں دنوں گاؤں میں کئی جنگی سوار آگئے۔ ان کے اتپات سے سارے گاؤں میں ہلکا کارنچ اٹھا۔ جس کھیت میں گھس جاتے اسے برباد ہی کر کے چھوڑتے۔ کس میں اتنی ہمت تھی کہ ان کا سامنا کرتا۔ شام ہی سے راستہ بند ہو جاتا تھا۔ میرے جی میں تو یہ امنگ آتی تھی کہ ایک بار جان پر کھیل کر ان دھنوں پر جھپٹ پڑوں، پر میری کمرابھی تک اچھی نہ ہوئی تھی۔ میں بھلا ان بھیجنے جنتوں سے کیا بھڑتا؟ لاچار تھا۔ ہاں، ذکیہ خوب موٹا تازہ تھا، وہ ہمت کرتا، تو اکادھ کو مار ہی چھوڑتا، پر وہ ایک کایر تھا۔ سوروں کی صورت دیکھتے ہی کوسوں بھاگتا اور جب سمجھ جاتا کہ یہاں تک سوار نہ آسکیں گے، تو گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا۔ سب سے بڑا کھید تو یہ تھا کہ گاؤں میں سیکڑوں آدمی ہیں، پر کسی میں اتنا سامان نہیں کہ انہیں لٹکاریں۔ کتوں کو مارنے میں تو سبھی شیر تھے، پر سوروں کے سامنے سب کے سب بلی بنے ہوئے تھے۔

آخر ایک دن لوگوں نے تھانے میں جا کر فریاد کی۔ تھانے کا سب سے بڑا افسر اچھا شکاری تھا۔ اسے یہ خبر ملی، تو ایک دن کئی کتے لے کر گاؤں میں آ پہنچا۔ گاؤں کے سب آدمی تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ پنڈت جی بھی مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے۔ ان کا لڑکا بھی چلنے کو تیار ہوا، پر پنڈت جی نے اسے ساتھ لے چلنا منظور نہ کیا۔ بولے، وہاں کیا مٹھائی

بٹ رہی ہے کہ جا کر لے لو گے؟ کہیں سوروں کے سامنے آگئے، تو پران نہ بھیجے۔ میں تو گاؤں کا کھیا ٹھہرا۔ مجبور ہوں، تم جان بوجھ کر کیوں اپنی جان جو حکم میں ڈالتے ہو! یہ باتیں سن کر لڑکا سہم اٹھا، اور ساتھ چلنے کا نام نہ لیا۔

جب میں صاحب کے سیپ پہنچا، تو پہلے پہل میری نگاہ ان سٹوں پر پڑی، جو صاحب کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔

وہ سب ایک گاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے، جسے لوگ موٹر کہتے تھے۔ اپنے ان بھاگیے وان بھائیوں کو دیکھ میں گرو سے پھول اٹھا، میری جاتی میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اتنے بڑے انسر کے ساتھ موٹر میں بیٹھے ہیں! سب کے سب کتنے صاف سحرے تھے! انہیں تو یہاں ورشوں سے نہانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ بالوں میں ہزاروں کلیمیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں تو اپنے بھائیوں کو دیکھ کر آئندہ سے پھولا نہ سانا تھا، اور مورکھ دیکھ کر ایسا ہاؤں ہاؤں کر رہا تھا، مانو اس کے لیے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ گاؤں کے لوگ براہِ منع کرتے، ڈانٹتے، پتھر مارتے، پر وہ کسی طرح چپ نہ ہوتا تھا۔ معلوم نہیں، اس کے من میں کیا بات تھی۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ لوگوں کا آہٹ کرنے نہیں آئے ہیں۔ نہیں تو کیا گاؤں والے مار نہ بھاگتے۔ اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ اس کی مورکھتھی۔ میں نے اپنی جاتی میں یہ بہت بڑا عجیب دیکھا ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسا کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، گویا اس کا جانی دشمن ہو۔ کبھی کبھی اپنے اجڑ بھائیوں کو دیکھ کر مجھے کرودھ آجاتا ہے، پر میں ضبط کر لیتا ہوں۔ میں نے اور پختوں کو دیکھا ہے کہ آپس میں ملتے ہیں، ایک ساتھ سوتے ہیں، کوئی چوں تک نہیں کرتا۔ میری جاتی میں یہ برائی کہاں سے آگئی، کچھ سمجھ میں آتا۔ انومان سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ برائی ہم نے آدمیوں سے ہی سیکھی ہے۔ آدمیوں میں ہی یہ دستور ہے کہ بھائی بھائی سے لڑتا ہے، باپ بیٹے سے، بھائی بہن سے۔ بھائی ایک دوسرے کی گردن تک کاٹ ڈالتے ہیں، بیٹا باپ کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، دوست دوست کا گلا کاٹتا ہے، نوکر مالک کو دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو آدمیوں کے ہی سیوک ہیں، انھیں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اگر یہ برائی ہم میں آگئی تو اچرج کی کون بات ہے؟ کم سے کم ہم میں اتنا گٹن ہے کہ اپنے سوامی کے لیے پران تک دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ جہاں اس کا پسینہ گرے، وہاں اپنا خون تک بہا دیتے ہیں۔ آدمیوں میں تو اتنا بھی نہیں۔ آخر

یہ صاحب کے سنے بھی تو سنے ہی ہیں! وہ کیوں نہیں بھونکتے؟ کیوں اتنے سہمے اور گہمیر ہیں۔ اس کا کارن بھی ہے کہ جن کے ساتھ وہ رہتے ہیں ان میں اتنا پھوٹ اور بھید نہیں ہے۔ مجھے تو وہ سب دیوتاؤں سے لگتے تھے۔ ان کے کھ پر کتنی پریماتھی، کتنی شرافت تھی! صاحب بہادر اپنے کٹوں کو لے کر وہاں پہنچے، جہاں سور کا اڈہ تھا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے سٹی بجائی اور سبھی سنے چمکے ہو گئے۔ ان کی آنکھیں چمکنے لگیں، نتنے پھڑکنے لگے، چھاتیاں پھول اٹھیں، مانوسب کے سب صاحب کا اشارہ پانے کے لیے ادبیر ہو رہے تھے۔ ان کا اتنا اب ان کے روکے نہ رکتا تھا۔

سوروں نے بھی شاید سمجھ لیا کہ آج کشل نہیں۔ ایک بھی باہر نہ نکلا۔ اب گاؤں والوں نے ایکہ کے کھیتوں میں گھس گھس کر شور مچانا شروع کیا، تو ایک سور باہر نکلا۔ یہ جھٹکت دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گیا۔ شاید دیکھ رہا تھا کہ کسی طرف سے بھاگ نکلنے کا موقع ہے یا نہیں۔ یکا یک صاحب کے سنے اس پر نوٹ ہی پڑے، دیکھتے دیکھتے سور کا کام تمام ہو گیا، ان کی یہ بہادری دیکھ کر لوگ واہ واہ کرنے لگے۔ میرے منہ سے بھی نکل گیا۔ شاہاش بھائیوں! سچے مرد تھیں ہو۔

اب میرے دل میں بھی امنگ اٹھی۔ سوچا ایک نہ ایک دن مرنا تو ہے ہی۔ آج کچھ کر دکھانا ہے۔ آپس میں لڑکر یا آدمیوں کے ڈرے کھا کر مرجانے میں کون بہادری ہے۔ میدان میں مرجاؤں گا تو نام تو رہ جائے گا۔ ان کٹوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ اس گاؤں میں کوئی دبو ہے۔ اتنے میں ایک دوسرا سور سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ دلائی کتے دوڑے۔ ساتھ ہی میں بھی چلا۔ وہ سب چاہتے تھے کہ پہلے ہم شکار تک پہنچے، میں چاہتا تھا، میں پہنچوں۔ ہم سبھی جی توڑ کر دوڑے، اور کچھ بھوک ہوا کہ سور پر پہلا وار میرا ہی ہوا، اور سب سنے پیچھے رہ گئے۔ اگر سور ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا، تو شاید مجھے بھاگنا ہی پڑتا، مگر وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر کچھ ایسا گھبرا یا کہ سیدھا بھاگا۔ پھر کیا تھا، ہم نے اسے پیچھے سے نوچنا شروع کر دیا۔ سب کے سب کچھ اس طرح چپے کہ اسے مار کر ہی چھوڑا۔ اب تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ مجھ میں بھی جیوٹ ہے۔ صاحب تو اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے مجھے بلا کر میرا سر تھپتھپایا۔ پڈت جی بھی صاحب کے پاس ہی کھڑے تھے۔ میرا ستان دیکھ کر کھل اٹھے۔

صاحب نے پوچھا۔ ویل، یہ کس کا سکا ہے؟

پنڈت جی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ حضور، یہ میرے ہی یہاں رہتا ہے۔

صاحب۔ آپ کا کتا بڑا بہادر ہے۔

پنڈت جی نے کہا۔ سرکار کا اقبال ہے۔

بات پوری بھی نہ نکلنے پائی تھی کہ یکا یک تیسرا سور نکلا، اور صاحب پر جھپٹا۔ صاحب کے ہاتھ جڑ پھول گئے، یہی ایک چمن کی اور دیر ہو جاتی تو سور انہیں ضرور مار ڈالتا۔ ان کے ہاتھ میں بندوق تھی، پر وہ ایسے گھبرا گئے تھے کہ اسے چلا نہ سکتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ معاملہ نازک ہے، اور کتنے دور تھے، میں وہاں اکیلا ہی کھڑا تھا۔ سور سے بھڑتا جان جو حکم تھا، پر صاحب کی پران رکشا کرنا ضروری تھا۔ میں نے پیچھے سے لپک کر سور کی ٹانگ پکڑ لی۔ اس کا چچھا پھرنا تھا کہ صاحب سنبھل گئے اور بندوق چلائی۔ سور تو گر پڑا، لیکن مجھے بری طرح گھاس کر گیا۔ گھنٹوں ہوش نہ رہا کہ کہاں ہوں۔ جب ہوش آیا، تو دیکھا کہ میں روٹی کے گدے پر لیٹا ہوا ہوں اور دو تین آدمی میرے گھاؤ کو دھو رہے ہیں۔

(۸)

صاحب کے بچنے پر مجھے ایسی ایسی چیزیں کھانے کو ملنے لگیں، جن کا خیال مجھے سوہن میں بھی نہ تھا۔ پہلے کبھی کبھی سوہاگیہ سے کوئی بڑی مل جاتی تھی، پر اب دنوں وقت تازہ ماس کھانے کو ملتا ہے۔ کبھی کبھی دودھ بھی مل جاتا ہے۔ خاناماں روز صائین لگا کر نہلاتا۔ پہلے تو مجھے صائین کا نام بھی نہیں معلوم تھا، کیونکہ پنڈت جی کے یہاں صائین لگانے کا رواج نہ تھا، لیکن جب صاحب نوکر سے کہتے، کلو کو سوپ سے نہلاؤ، تو وہ کوئی نکلیا سی چیز لے کر میرے گولے بدن پر رگڑتا۔ اس وقت میرے بدن سے سفید لکھن نکلنے لگتا۔ ٹھیک ویسا ہی، جیسا دودھ کا لکھن ہوتا ہے۔ اس لکھن سے ایسی خوشبو نکلتی تھی کہ جی خوش ہو جاتا تھا۔ صاحب شام کے وقت مجھے موٹر پر بٹھا کر ہوا کھلانے لے جاتے۔ میم صاحب بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس وقت ان کی بات تو میری سمجھ میں نہ آتی، لیکن بار بار کلو کا نام سن کر سمجھ جاتا کہ میری ہی چچا ہو رہی ہے۔ میم صاحب کبھی کبھی مجھے گود میں اٹھا لیتیں اور میرا منہ چومتیں۔ اس سے مجھے کتنا آند ملتا تھا، کہہ نہیں سکتا۔ میں بھی پونچھ ہلاتا اور ان کی گردن سے لپٹ جاتا۔ اگر وہ میری بولی سمجھ سکتیں، تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ہم لوگ پیار کا جواب دینے میں آدمی

سے کم نہیں ہیں۔

کچھ دنوں تک مجھے پنڈت جی کی یاد برابر ستاتی رہی، لیکن دھیرے دھیرے ساری کھجلی باتیں بھول گئیں۔ سکھ میں دکھ کی باتیں کسے یاد رہتی ہیں!

ایک دن شام کے وقت ہم لوگ سیر کرنے جا رہے تھے، تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے چارے پنڈت جی چلے آ رہے ہیں۔ پنڈت جی کو دیکھتے ہی مجھے پچھلے دن یاد آ گئے، موٹر سے کود پڑا اور ان کے سر پر منہ رکھ کر پونچھ ہلانے لگا۔ پنڈت جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں ہیں۔ ان کے منہ پر دھول جھی ہوئی تھی، ہونٹ سوکھ گئے تھے اور عیروں پر منوں گرد جھی ہوئی تھی۔ کپڑے تو اتنے میلے ہو گئے تھے کہ صاحب کا مہتر بھی نہ پہنتا۔ مجھے ان پر بڑی آری تھی۔

صاحب نے پوچھا۔ ویل پنڈت، ہے تو اچھی طرح؟

پنڈت۔ سرکار کی دیا ہے۔

صاحب۔ کیا کام ہے؟

پنڈت۔ حضور، اپنے کھو کا دیکھنے آیا ہوں۔ سرکار، کیا کہوں، جب سے یہ چلا آیا ہے، میرے آدن آ گئے۔ ایک چمن کے لیے بھی اس کی سدھ نہیں بھولتی۔ اس کی جگہ خالی دیکھ کر رویا کرتا ہوں۔ سرکار، یہ میرے گھر کا رکھک تھا۔ مجھ پر دیا کیجیے۔

صاحب۔ تو کیا چاہتا ہے۔

پنڈت۔ بھی چاہتا ہوں کہ سرکار کھو کی بھیک مجھے دے دیں۔ پر ماما آپ کا کلیان کرے گا۔ اس کے بنا میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔

صاحب۔ او پنڈت، تم بڑا ملکر کرتا ہے، ہم یہ سکا تم کو نہیں دے سکتا۔ اس کے بدلے میں میرا کوئی ولایتی سکا لے جاؤ۔

میں اس سے بڑے دبدبے میں تھا۔ پنڈت جی کا پریم دیکھ کر لہتا ہوتی تھی کہ انہیں کے ساتھ چلوں، پر یہاں کے سکھوں کی یاد کر کے جی چھک جاتا تھا۔

صاحب نے نہیں کردی، تو پنڈت جی نراش ہو کر بولے..... جیسی سرکار کی مرضی۔

جب کھو ہی نہیں ہے تو ولایتی سکا لے کر میں کیا کروں گا۔

یہ کہہ کر پنڈت جی رو پڑے۔ اس سے میں نے نپٹے کیا کہ یہاں رہے ہوئے بھی

میں پنڈت جی کے گھر کی رکشا کرنے کے لیے روز چلا چلا کر دوں گا۔ یہاں سٹوں کی کیا کمی۔

صاحب نے کہا۔ ہم جانتا ہے کہ تم اس سکتے کو بہت پیار کرتا ہے۔ اور ہم تم کو دے دیتا۔ لیکن ہم بہت جلد اپنے دلش جانے والا ہے۔ ہم اس سکتے کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ تم اس کا جو دام مانگو، وہ ہم دے سکتا ہے۔

پنڈت جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ صاحب کو سلام کیا اور لوٹ پڑے۔ ایک ایک انھیں کوئی بات یاد آگئی۔ لوٹ کر بولے۔ سرکار، ولایت سے کب تک لوٹیں گے؟ صاحب۔ ٹھیک نہیں کہہ سکتا، مگر جب ہم آئے گا، تو تم کو اطلاع دے گا۔

اگر صاحب نے میرے ولایت جانے کی بات نہ کہی ہوتی، تو پنڈت جی کے ساتھ ضرور چلا جاتا۔ ان کا دکھ مجھ سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ پنڈت جی نے ایک بار مجھے پریم بھری آنکھوں سے دیکھا اور چلے۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ مہم صاحب کے پریم، "ہیت کی سیر، اچھا اچھا بھوجن، سب میری آنکھوں میں تھپہ جان پڑے۔ من نے کہا..... تو کتنا بے وفا ہے، جس نے تجھے پیچن سے پالا، برہمن ہو کر بھی جس نے تجھے گود میں کھلایا، جس نے کبھی ڈانٹ تک نہیں بتائی، اسے تو کیوں بھوک دلاں کے پیچھے چھوڑ رہا ہے؟ پھر مجھے کچھ سدھ نہ رہی۔ میں برادے سے کوہر پنڈت جی کے پیچھے چل پڑا، مگر میں قدم بھی نہ گیا ہوں گا کہ خاناساں نے آکر مجھے پکڑ لیا اور میرے گلے میں زنجیر ڈال دی۔ اس سے مجھے اتنا درد ہوا کہ میں خاناساں کو کاٹنے لگا، لیکن گلے میں زنجیر پڑی تھی، کیا کر سکتا تھا۔ پنڈت جی کی اور لاچاری کی نگاہ سے دیکھے لگا۔ پنڈت جی بھی بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس دن میں نے بھوجن نہ کیا۔ بار بار پنڈت جی کی یاد آتی رہی۔

(۹)

یہاں کچھ دن اور رہنے کے بعد صاحب اپنی مہم کے ساتھ اپنے دلش چلے۔ مجھے

بھی ساتھ لے لیا۔ راستے میں کیا کیا دیکھا؟ کہاں کہاں ٹھہرا؟ کیسے کیسے آدمیوں سے بھٹ ہوئی؟ یہ سب باتیں کہنے لگوں تو بڑی دیر ہوگی۔ لگ بھگ ایک مہینے تک جہاز پر رہا۔ یہ لکڑی کا ایک بڑا اونچا مکان تھا۔ جو پانی پر تیرتا چلا جاتا تھا۔ پہلے جب جہاز پر سوار ہوا، تو مجھے بہت ڈر لگا۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی، اوپر نیلا آکاش دکھائی دیتا تھا، نیچے نیلا پانی۔ اور اس میں یہ لکڑی کا گھر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے آکاش میں کوئی پتلیں اڑاتا جاتا ہو۔ کئی دنوں کے بعد ہم ایک ایسے دیش میں پہنچے، جہاں کے آدمی لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے تھے اور عورتیں سر سے پاؤں تک ایک اچلے غلاف میں لپٹی چلی جاتیں تھیں۔ کیول آنکھوں کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ مجھے تو اپنے ہی گاؤں کی عورتوں کے لمبے گھونٹ دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ ان کا یہ پہناوا دیکھ کر تو مجھے گھبراتا سی ہوگئی۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ اپنا شریر کیوں چھپائے راتی ہیں۔ جہاز پر بیٹھے ہوئے مجھے بار بار ذکیہ کی یاد آنے لگی۔ کہیں وہ بھی میرے ساتھ ہوتا تو کتنے آرام سے کتنی۔ نہ جانے اس پھارے پر کیا بیت رہی ہوگی۔ مگر اچھا ہی ہوا کہ وہ میرے ساتھ نہ تھا۔ کیونکہ یہاں اس سے ایک جھمن بھی نہ بیٹھا جاتا۔ جہاز پر ہمارے گاؤں کی طرف کا ایک آدمی بھی نہ دکھائی دیتا تھا۔ سب کے سب ہمارے صاحب ہی کی طرح تھے۔ گاؤں میں بدعو پاشی جب کبھی شراب پی کر آتا، تو کوئی اسے پاس نہ بیٹھنے دیتا۔ یہاں جس کو دیکھتا تھا، وہی بوتل سے شراب اٹھیل کر پیتا دیکھائی دیتا تھا۔

ایک دن کی بات سنئے، رات کا سہ تھا، میں فرش پر لیٹا ہوا تھا کہ ایک ایک مجھے ایسا معلوم ہوا، کمرے میں کوئی گارہا ہے۔ وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھا، اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پر کوئی دکھائی نہ دیا۔ اب مجھ سے چپ نہ رہا گیا۔ زور زور سے بھونکنے لگا۔ مہم اور صاحب دونوں میرا بھونکتا سن کر جاگ پڑے اور مجھے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ انھیں دیکھ کر میری ہڈکا دور ہوئی۔ لیکن اب بھی میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کون کا رہا تھا۔

اسی طرح ایک دن دوسری گھنٹا ہوگئی۔ جب شام ہوتی تھی، سب کمروں میں آپ ہی آپ روشنی ہو جاتی تھی۔ دیوار میں ایک گول سی ڈیپا بنی ہوئی تھی، اس ڈیپا میں ایک پتیل کی گھنڈی تھی۔ کبھی صاحب اور کبھی مہم اس گھنڈی کو چھو دیتے تھے۔ بس کرا جھکا اٹھتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوتا۔ میں سوچتا کیا میں بھی گھنڈی چھو دوں تو اسی طرح روشنی ہو جائے

گی۔ اگر کہیں روشنی کرسکوں تو سب لوگ کہتے خوش ہوں گے۔ میں گھنڈی تک پہنچوں کیسے۔ وہ بہت اونچائی پر تھی۔ آخر ایک دن میں نے اس کو چھونے کی ایک حکمت نکالی۔ میں دونوں پیروں سے ایک کرسی کو کھینٹ کر دیوار کے پاس لے گیا۔ اور کرسی کی دلوں ہاتھوں پر کھڑا ہو کر ایک پاؤں سے اس گھنڈی کو چھوا، چھونا تھا کہ ایسا معلوم ہوا میرے پاؤں میں آگ کی چنگاری لگ گئی، اور ساری دیہہ میں دوڑ گئی۔ میں کرسی سے نیچے گر پڑا اور چلا تا ہوا بھاگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ذرا چٹ شانت ہوا، تو میں سوچنے لگا کہ اس گھنڈی میں ضرور کوئی نہ کوئی جادو ہے۔ صاحب یا مہم چھوئیں گے تو انہیں بھی ایسی ہی چوٹ لگے گی۔ میں نے لٹچے کیا انہیں کسی طرح نہ چھونے دوں گا۔ جب اندھیرا ہو گیا اور صاحب گھنڈی کی طرف چلے تو میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے ہٹا کر گھنڈی کے پاس بار بار جاتے تھے۔ اور میں بار بار ان کا راستہ روک لیتا تھا۔

آخر صاحب نے مجھے پکڑ کر باندھ دیا، اور کھنٹی دبا دی۔ کمرے میں اجالا ہو گیا۔ انہیں ذرا بھی چوٹ نہ لگی۔

کئی دنوں کے بعد ایک دن بادل گہر آئے اور آندھی چلنے لگی۔ ذرا دیر میں سارا آکاش لال ہو گیا اور آندھی کا زور اتنا بڑھا کہ سمندر کی لہریں ہاتھوں اچھلتے لگیں۔ ہمارا جہاز لہروں پر اس طرح تلے اوپر ہودھا تھا جیسے کوئی شرابی آدمی لڑکھاتا ہوا چلتا ہے۔ جیسے شرابی کبھی گرتے گرتے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جہاز کبھی کبھی اس طرح کروٹ لیتا تھا کہ ٹک ہوتا تھا کہ اب الٹ جائے گا۔ کبھی آدمی گھبرائے ہوئے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ بجلی اتنی زور سے ترچتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے سر پر آگنی۔ بڑا بھیانک درشہ تھا۔ ایسی آندھی میرے جیون میں ایک بار آئی تھی۔ سینکڑوں مکان گرنے سے ہزاروں جانور مر گئے تھے۔ جہاں جہاں ہزاروں اکھڑے ہوئے بیل چلتے تھے۔ پر سمندری آندھی اس آندھی سے کہیں پرچند تھی۔ اب تک تو جہاز میں اجالا تھا، سہا سب دیکھ بھگے۔ اور چاروں اور اندھکار چھا گیا۔ دن تھا پر سادون بھادوں کی اندھیری رات کے سان۔

چاروں اور گھبراہٹ تھی۔ کوئی المیہ سے پرہیز کر رہا تھا۔ استریاں اپنے بالوں کو چھاتی سے لگائے دیکھ مٹی کھڑی تھیں۔ مجھے اس اندھیرے میں ان کی دشا صاف نظر آتی تھی۔ اوشیہ ہی کوئی ہماری سکٹ آنے والا تھا۔

ایکا یک جہاز کسی چیز سے ٹکرایا اور بھیڑ کر شہد ہوا۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ نیچے بیٹھا جا رہا ہے۔ میرے صاحب اور میں دووں ایک دوسرے سے مل کر رو رہے تھے۔ اب میں سمجھ گیا کہ جہاز ڈوبا جا رہا ہے۔ یہ سب آدمی ذرا دیر میں سمندر کے نیچے پہنچ جائیں گے۔ سمندر جہاز کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے گا۔ شاید وہ جہاز کی گستاخی کا بدلا دے رہا ہے۔ جہاز کے کان ہوتے تو میں کہتا..... تم اپنی وجہ پر کتنا گھمنڈ کر رہے تھے۔ کیسا گھمنڈ ٹوٹ گیا! اپنے ساتھ اتنے آدمیوں کو لے ڈوبے۔ اپنے صاحب اور میں کے لیے میرا کلیجا پھٹا جا رہا تھا۔ کیسے انھیں بچاؤں۔ اگر دونوں جنوں کو اپنی پیٹھ پر بیٹھا سکتا تو بیٹھا کر سمندر میں کود پڑتا۔ کہیں تو جا ہی پہنچتا۔ کیا اس پہاڑ کا، جس نے جہاز کا گھمنڈ توڑا تھا ہمیں اثرے نہ ملے گا؟ لیکن کیا میں ان دونوں کو پکڑ کر اٹھا نہ سکتا تھا؟ میں اپنے سواہی کو ڈھارس دینا چاہتا تھا۔ ان کے پاس جا کر کون کون کرتا پونچھ ہلاتا، پر اس گھبراہٹ میں ان لوگوں کی سمجھ میں میری بات نہ آتی تھی۔

پرٹی لمحہ جہاز نیچے چلا جا رہا تھا۔ استریوں اور بچوں کی آدھت دھونی سن سن کر میرے دل کے کھڑے ہوئے جاتے تھے۔ پانی اتنے شور سے گر رہا تھا، مانو سمندر آکاش پر چڑھ کر وہاں سے جہاز پر گولے برسا رہا ہے۔ الٹورا یہ کیا؟ جہاز سمندر کے اندر چلا گیا، اور میں پانی میں بہا جا رہا تھا۔ میرے صاحب اور میں کا کہیں پتا نہیں۔ کوئی کہیں بہا جاتا تھا۔ کوئی کہیں۔ میں کتنی دور بہا چلا گیا کہہ نہیں سکتا۔ صاحب اور میں کو یاد کر کے مجھے رونا آ رہا تھا۔ سوچتا، مجھے اس وقت بھی وہ مل جاتے تو انھیں بچانے کی کوشش کرتا۔

بارے بھگوان نے میری بچی سن لی۔ بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ ایک مرد اور عورت ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ایک طرف بے جا رہے ہیں۔ میں زور مار کر ان کے سمپ جا پہنچا۔ دیکھا تو وہ میرے صاحب اور میں تھے۔ اس وقت میرے بدن میں نہ معلوم کتنا بلی آگیا، میں تو کبھی بلوان نہ تھا۔ میں نے صاحب کا ہاتھ منہ میں لے لیا اور ہوا کے رخ پر چلا۔ دل میں ٹھان لیا کہ جب تک دم رہے گا انھیں نہ چھوڑوں گا۔ صاحب اور میں دونوں بے ہوش تھے۔ مگر جان باقی تھی ان کی دیہہ گرم تھی۔ الٹورا سے مناتا تھا کہ کسی طرح دن نکلے، نہ جانے کتنی بڑی رات تھی۔ اس گھبراہٹ میں کیا پتا چلتا۔ لہروں پر میں یوں تھپڑے کھاتا جیسے آغی میں کوئی تھی۔ کبھی تو بہت نیچے، کبھی اوپر کبھی، ایک ریلے میں دس ہاتھ آگے تو دوسرے ریلے میں پچاسوں گز پیچھے۔ بھلا اس طوفان کے مقابلے میں میں کیا

کرتا، میری بساط ہی کیا! جس پر اس چھوٹی سی دیہہ ہے جان کا کہیں پتا نہیں۔ مجھے خود مجھے
ہورہا تھا کہ کہیں ڈوب نہ جاؤں۔

وہ رات پہاڑ ہوگئی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ سورج بھی مارے ڈر کے کہیں منہ چھپائے
پڑا ہے۔ دیہہ اتنی بے دم ہوتی جاتی تھی کہ جان پڑتا تھا کہ پران نہ بھیجیں گے، اگر صاحب
اور میم کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنے کولہروں کی دیا پر چھوڑ دیتا اور لہریں ایک منٹ میں مجھے
نگل جاتیں۔ سب سے زیادہ مجھے جل جنتوں کا تھا۔ پران مانو آنکھوں میں تھے۔ لمحہ لمحہ پر
معلوم ہوتا تھا، اب مرے۔

کہہ نہیں سکتا یہ دشا کتنی دیر رہی۔ کم سے کم چار پانچ گھنٹے ضرور رہی ہوگی۔ بارے
ہوا کا زور کچھ کم ہونے لگا۔ لہروں کے تھیمڑے بھی کچھ کم ہوئے اور کچھ کچھ پرکاش ہونے
لگا۔ میری ہمت بندھ گئی۔ آکاش پر بادل بھی کچھ ہٹنے لگے تھے۔ کچھ دور پر بھیڑوں کا جھنڈ
دکھائی دیا۔ ضرور کوئی ٹاپو ہے۔ میرا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ میں انھیں بھیڑوں کی اور چلا۔
اب میں نے دیکھا کہ صاحب اور میم ایک ریشمی چادر سے بندھے ہوئے ہیں۔ اسی سے وہ
اب تک لپٹے ہوئے تھے۔ یکا یک مجھے ایک چھوٹی سی ناؤ دکھائی دی۔ اس پر دو تین بھیا تک
کالے جنگلی صورت والے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا رنگ کوسے کی طرح کالا تھا۔ منہ لال
رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔ ان کے سر پر تپوں کے اونچے ٹوپ تھے۔ وہ کیول چڑے کے
جانبکھے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایک ایک بھالا تھا۔ میں انھیں دیکھ کر ڈر گیا اور اس
وقت بھی بھونک اٹھا۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی وہ ہماری طرف چلے اور ہم تینوں کو اپنی ڈوگی پر
بیٹھا لیا۔ میں مارے ڈر کے سوکھا جاتا تھا، پر کرتا کیا؟ اگر ڈوگی پر نہ بیٹھتا تو گھٹے آدھ گھٹے
میں ڈوب کر مر جاتا۔ کیونکہ اب میرے ہاتھ پاؤں میں طاقت نہ تھی۔ ناؤ کے ایک کونے میں
کھڑا ہو کر تھر تھر کاپٹنے لگا۔ پھر بھی پونچھ ہلاتا جاتا تھا کہ وہ سب مجھے بھالوں سے مار نہ
ڈالیں۔ ایسے کالے بھیگڑ آدمی میں نے کہیں نہ دیکھے تھے۔ ان لوگوں نے ہمیں ڈوگوں پر بیٹھا
کر ان بھیڑوں کے جھنڈ کی طرف ناؤ چلائی۔ ضرور وہاں آدمی رہتے ہوں گے۔ کوئی گھٹے بھر
میں ڈوگی وہاں پہنچ گئی۔ سمندر کے کنارے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ اس کے اوپر کے پڑ نظر آتے
تھے۔ پہاڑ کے نیچے ایک جگہ ناؤ رکی، انھوں نے اسے ایک پڑ سے باندھ دیا اور صاحب اور
میم کو اتار کر زمین پر لے گئے۔ انھیں دیکھتے ہی ویسے ہی صورتوں کی کئی عورتیں نکل آئیں،

اور سبوں نے خوش ہو کر چلا تا شروع کیا۔ پھر صاحب اور میم کو اٹھایا اور گاؤں میں چلے، کچھ اونچائی پر چڑھ کر کئی جمونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہیں ان کا گاؤں تھا۔ ہم جیوں ہی وہاں پہنچے سینکڑوں آدمیوں نے مجھے گھیر لیا اور میم اور صاحب کے کندھے پکڑ کر ہلانے لگے۔ کوئی ان کی ناک دباتا تھا اور کوئی ان کی چھاتی پر سوار ہو کر گھٹنوں سے کچلتا تھا۔ میں ڈر کے مارے دہکا کھڑا تھا آواز نکالنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کہیں یہ سب صاحب اور میم کو مار تو نہیں رہے ہیں، مگر کوئی آدھ گھٹنے کے ہلانے ڈلانے کے بعد دونوں آدمی ہوش میں آئے۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ہاتھ پاؤں ہلنے لگے۔ پر ابھی اٹھ نہ سکتے تھے۔ اب میں اپنی خوشی کو نہ دبا سکا۔ ان کے پاس آکر دیرے دیرے بھونکنے لگا۔ ان کالے آدمیوں نے اب ناچنا گانا شروع کیا۔ معلوم نہیں کیوں اتنے خوش تھے؟ ان کا ناچ بھی کتنا بھدا تھا۔ ان کی اچھل کود دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آتی تھی۔

لیکن میں بہت دیر تک خوش نہ رہ سکا۔ جیوں ہی صاحب اور میم باتیں کرنے لگے، ان کالے آدمیوں نے انہیں ایک کوفری میں قید کر دیا۔ قید ہی کرنا تھا تو سمندر میں کیوں نہ ڈوب جانے دیا؟ رات میں ہم تینوں نے دانے کی صورت تک نہ دیکھی تھی۔ بھوک کے مارے پیٹ کاؤں کاؤں کر رہا تھا۔ بے چارے میم اور صاحب کا بھی یہی حال ہوگا۔ یہ سب ان کو کھانے پینے کو دیں گے یا اس کال کوفری میں بند کر کے مار ڈالیں گے؟ میرے لیے تو وہاں بھانجن کی کمی نہ تھی۔ ادھر ادھر ماس کی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہڈیوں کا تو ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ جنگلی آدمی ماس ہی کھاتے تھے۔ میں نے وہاں کہیں کھیت نہیں دیکھے۔ ایک بیل کے نیچے ماس کا ایک گھوا دیکھ کر مجی لپھایا کہ کھالوں۔ پھر یہ خیال آیا کہ صاحب اور میم کبھی کے بھوکے پڑے ہوں گے۔ اور میں اپنا پیٹ بھروں یہ پتہ کی بات ہے۔

دیرے دیرے دن بیتنے لگا۔ یہاں بہت گرمی نہ تھی۔ صاحب لوگ جہاں قید تھے اسی جمونپڑیوں کے سامنے میں ایک بیل کے نیچے بیٹھا دیکھتا رہا کہ یہ لوگ انہیں کیسے کھانا چاہتے ہیں۔ کچھ کھانے کو دیتے ہیں یا نہیں۔ دوپہر ہوا، شام ہوئی، مگر جمونپڑی ایک بار بھی نہ کھلی۔ دو آدمی برابر جمونپڑی کے دروازے پر بیٹھے رہے، جیسے پہرا دے رہے ہوں۔ دیرے دیرے رات گزرنے لگی، مگر قید خانہ نہ کھلا۔ اب میں نے من میں ٹھان لیا کہ چاہے جیسے ہو، ایک بار اس جمونپڑی میں ضرور جاؤں گا۔ کبھی جمونپڑیوں میں ماس رکھا تھا۔

میں چپکے سے ایک جمبوئری میں گھس گیا اور ماس کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھا لیا۔ یہ لوگ ماس چومنے پر چٹلی میں نہ پکاتے تھے۔ آگ پر بھون لیتے تھے۔ میں نے ایک بڑی سی بھونی ہوئی ٹانگ لی اور باہر لا کر پتوں میں چھپا دیا اور سوچنے لگا، صاحب کی جمبوئری میں کیسے جاؤں؟ وہ دونوں میدوت ابھی تک وہیں بیٹھے ہیں۔ جب تک یہ ہٹ نہ جائیں یا سو نہ جائیں میرا جانا مشکل تھا۔ پھر دوار کیسے کھولوں گا؟ اس کے منہ پر ایک بڑا سا پتھر بھی تو کھڑا رکھا تھا۔ میں اس پتھر کو کیسے ہٹا سکوں گا۔

اس چٹا میں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ ساری دیہہ چور چور ہو رہی تھی۔ بار بار آنکھیں جھپکی جاتی تھیں۔ پر ایک حدت (لحد) ہی میں چوٹک پڑتا تھا۔ اس طرح کوئی آدمی رات بیت گئی۔ گیدڑوں نے دوسرے پہر کی ہانک لگائی۔ میں دیرے سے اور دبے پاؤں جمبوئری کے دوار پر آیا۔ دونوں میدوت وہیں زمین پر پڑے تھے۔ ان کی ٹانگیں زور زور سے بج رہی تھیں۔ کوئی دور سے سنتا تو جان پڑتا دو بلیاں لڑ رہی ہیں۔ میں جان پر کھیل کر اس پتھر کو کھسکانے لگا۔ پوری چٹان تھی۔ کتنا ہی زور بٹنوں میں لگاتا، پر وہ جگہ سے ہلتی تک نہ تھی۔ ادھر ڈر بھی لگا ہوا تھا کہ ذرا بھی کلکا ہوا تو یہ دونوں جاگ پڑیں گے اور شاید مجھے جیتا نہ چھوڑیں۔ میں سوچنے لگا آخر اتنی بڑی اور بھاری چٹان یہ دونوں کیسے ہٹا لیتے ہیں۔ اب تک میں اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب مجھے یہ سوچھی کہ چٹان کو لمبان میں ڈھکیل دوں۔ شاید کھسک جائے۔ جیوں ہی میں نے بھر پور زور لگایا، چٹان ذرا سی آگے کو کھسک گئی۔ بس اس کی کل مجھے مل گئی۔ کئی بار کے ڈھکیلنے سے چٹان دوار سے ہٹ گئی، بائیں اور کوئی ایسی چیز لگی تھی، جس سے وہ داہنے بائیں کی اور نہ ہل سکتی تھی، سیدھے سیدھے کھسک جاتی تھی۔ پتھر پٹنے ہی میں نے دیرے سے دوار کھولا۔ گوشت کا ٹکڑا نکال کر جمبوئری کے اندر پہنچا۔ دیکھا صاحب اور میم زمین پر پڑے تھے۔ میں نے ان کے پیروں کو منہ سے چاٹ کر جگایا۔ دونوں گھبرا گئے، اٹھ بیٹھے اور مارے ڈر کے کونے کی طرف بھاگے۔ مگر میں نے کون کون کیا، تو سمجھ گئے کٹو ہے۔ دونوں میرے گلے سے لپٹ گئے اور میرا سر تھپتھا کر پیار کرنے لگے۔ میں نے ماس کا ٹکڑا صاحب کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اس کی گندھ پاتے ہی دونوں اسے کھانے لگے۔ اس وقت مجھے جتنا آئندہ ہو رہا تھا کہ نہیں سکتا۔ دونوں کھاتے جاتے تھے اور بار بار مجھے پیار کرتے جاتے تھے۔ جب وہ کھا چکے تو پچا ہوا ٹکڑا مجھے دے دیا۔ میں نے اسے نہیں

کھایا۔ اب پانی کہاں سے آوے۔ کھانے کے بعد پانی پینے کی عادت میری تو نہ تھی۔ مگر آدمی تو کھاتے سے تھوڑا بہت پانی ضرور ہی پیتے ہیں۔ اس وقت مجھے یہ بات یاد آئی۔ میں باہر نکلا اور پانی کی تلاش کرنے لگا۔ وہاں اس جمونپڑی کے سوا اور کسی جمونپڑی میں کواڑ نہ تھے۔ جمونپڑیاں کھلی تھیں، لوگ ان کے دوار پر سو رہے تھے۔ میں ایک جمونپڑی میں گھس گیا اور پانی کے لیے کوئی برتن کھوجنے لگا۔ مٹی یا دھات کے برتن وہاں نہ تھے۔ جانوروں کی بڑی کھوپڑیوں میں پانی رکھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کھوپڑیاں میں پانی نکال کر لوگ پیتے تھے۔ میں نے بھی ایک چھوٹی کھوپڑی پانی سے بھری اور اسے دانٹوں میں دبائے صاحب کے پاس پہنچا۔ دونوں پانی دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہی سانس میں پی گئے۔ میں کھوپڑی لے کر پھر گیا اور پانی بھر لیا۔ اس طرح پانچ چھ بار کے آنے جانے میں مالکوں کی پیاس بجھی۔ دونوں کو کھلا پلا کر میں دھیرے سے نکل آیا اور دوار بند کر پھر چٹان جیوں کا تیس کھسکا دیا۔ میں چاہتا تو مالکوں کو بھی اسی طرح نکال لاتا۔ پر جاتا کہاں؟ بیگانے دیش میں رات کو کہاں بچھتے پھرتے۔ یہ کالے آدمی پھر پکڑ لیتے تو جان لے کر ہی چھوڑتے۔ اس لیے جب تک اس دیش کو اچھی طرح دیکھ بھال کر نکل بھاگنے کا مارگ نہ نکال لوں، میں نے ان کا یہیں پڑے رہنا اچھا سمجھا۔

یہی میرا روز دستور ہو گیا۔ میں دن بھر ادھر ادھر دیکھ بھال کرتا۔ رات کو صاحب کو کھلاتا پلاتا اور سو رہتا۔ کوئی مجھے پکڑ نہ سکتا تھا۔ نہ کوئی بھانپ ہی سکتا تھا۔ میں نے اس وقت تک کبھی چوری نہیں کی تھی، لیکن اس چوری کو میں پاپ نہیں سمجھتا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو صاحب مہم ضرور بھوکے مر جاتے۔

یہ کالے آدمی اس طرح صاحبوں کو کیوں قید کیے ہوئے تھے۔ یہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ شاید وہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمیں پکڑنے آئے ہیں۔ یا یہ سمجھتے ہوں کہ کوئی نہ کوئی ان کی تلاش کرنے تو آئے گا ہی۔ اس سے اچھی چیزیں انہیں ملے گی۔ مگر ڈھنگ سے ایسا جان پڑتا تھا کہ وہ صاحب اور مہم کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ وہ جمونپڑی دیوتاؤں کا مندر تھی۔ کیونکہ پرانہ کال سب کے سب جمونپڑی کے سامنے ایک بار ٹاپنے جاتے تھے۔ شاید یہی ان کی پوجا تھی۔ شاید ان کا خیال تھا کہ دیوتاؤں کو کھانے پینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

اس دیش میں ہم لوگ لگ بگ ایک مہینے رہے۔ جنگی لوگوں نے صاحبوں کو کبھی باہر نہ نکالا۔ بات چیت بھلا کیا کرتے۔ شاید وہ سب سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو باہر نکالا گیا تو نہ معلوم اس دیش کو کسی آفت میں ڈال دیں۔ دیوتاؤں کو کوئی بھیانک جو سمجھتے تھے۔ جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

اس ایک مہینے میں میں نے دیش کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لی۔ اس کے ایک طرف تو سمندر تھا۔ تمام طرف ایک بہت اونچا پہاڑ تھا، جس پر برف جمی ہوئی تھی۔ کھنکھن کی طرف پتھر کا میدان تھا۔ جہاں میلوں تک گھاس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہاں سے بھاگیں بھی تو جائیں کہاں؟ مجھے یہ فکر برابر ستایا کرتی تھی۔ سمندر کے کنارے جنگی لوگ برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ اس لیے اھر جانے میں پھر پکڑ لیے جانے کا بھے تھا۔ اونچے پہاڑ پر چڑھنا بہت کٹھن تھا۔ اور پھر کون جانتا ہے اس پار کیا ہو۔ اس پار پہنچنا بھی افسوس جان پڑتا تھا۔ اسی میدان کی طرف بھاگنے کا راستہ تھا۔ سو پچاس کوس بھاگنے پر شاید کوئی دوسرا دیش مل جائے، جہاں کے آدمی ایسے جنگی نہ ہوں۔ یہی میں نے نچے کیا۔

ایک دن بڑی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ چاروں اور کھرا چھایا ہوا تھا۔ آج صاحب کی جموہیزی کے سامنے کے دونوں پہرے ڈالے ٹھنڈ کے مارے اپنی جموہیزی میں سوئے ہوئے تھے۔ میدان صاف تھا۔ میں نے سوچا اس اوسر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ ایسا اوسر پھر شاید ہی ملے۔ جب سب لوگ سو گئے، تو میں نے پتھر کھسکایا اور جموہیزی کا دوار کھول کر دونوں صاحبوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ صاحب میرے اشارے کو خوب سمجھنے لگے تھے۔ دونوں پرانی غرت نکل کھڑے ہوئے۔ میں آگے آگے چلا۔ دو دن کا کھانا میں نے پہلے ہی سے لاکر صاحب کو دے دیا تھا۔ اس کی چتا نہ تھی۔ بس فکر یہی تھی کہ ہم لوگوں کو یہاں نہ پا کر وہ جنگی آدمی ہمارا پیچھا نہ کریں۔ اس لیے رات بھر میں ہم سے بھتا چلا جاسکے، اتنا چلنا چاہیے۔ خوب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں تو بے کیلکے چلا جاتا تھا، پر صاحبوں کو بڑا کشت ہو رہا تھا۔ میم صاحب تو تھوڑی تھوڑی دور پر بیٹھ جاتی تھیں اور صاحب کے بہت کہنے سننے پر دھتکتی تھیں۔

ایک بار میم صاحب جھنجھلا کر بولیں آخر اس طرح ہم لوگ کب تک چلیں گے؟
صاحب۔ جب تک چلا جائے۔

میم۔ یہیں کہیں ٹھہر کیوں نہیں جاتے، سویرے چلیں گے۔

صاحب۔ اور جو سویرے پکڑ لیے جائیں تو؟

میم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ پھر چلیں، مگر جسٹناری تھیں کہ اس سے تو ہماری
قیدی اچھی تھی کہ آرام سے پڑے تو تھے۔ یہاں لا کر نہ جانے کس جنگل میں ڈال دیا کہ
پیا سوں مر جائیں۔ کہیں بستی کا نام نہیں۔ اس طرح ہم لوگ کوئی آدھ گھنٹے تک چلے ہوں گے
کہ پیچھے سے بہت سے آدمیوں کا شور سنائی دیا۔ معلوم ہوتا تھا سینکڑوں آدمی دوڑے چلے
آتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ ہمارے بھائی کے حال کھل گیا اور وہی لوگ ہمیں پکڑنے چلے
آ رہے ہیں۔ صاحب نے میم سے کہا۔ وہی شیطان ہیں۔ اب ہم لوگ پکڑ لیے جائیں گے۔
میں۔ ہاں! ہاں! معلوم تو ہوتا ہے۔

صاحب۔ بیچارا کلو یہاں تک تو لایا، اب ہمارے نصیب ہی پھوٹے ہوں تو وہ کیا
کر سکتا ہے؟

میم۔ ہم لوگ بھی دوڑیں۔ شاید کہیں کوئی ٹھکانا مل جائے۔

دونوں آدمی دوڑے۔ وہی میم صاحب جنھیں ایک ایک گپ چلنا دو بھر ہو رہا تھا،
دوڑنے لگیں۔ ہمت میں اتنا بل ہے! سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پورب کی اور اب کچھ
پرکاش دکھائی دینے لگا تھا۔ ذرا دیر میں دن نکل آوے گا، تب ہمیں یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ
ہم جا کدھر رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم دوڑے جاتے تھے۔

اس طرح آدھ گھنٹا اور گزرا۔ اب پو پھوٹنے لگی تھی۔ راستہ صاف نظر آنے لگا، مگر
پچھا کرنے والے بھی بہت سمپ بکھی گئے تھے۔ ان کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ بھوی
برابر ہوتی تو شاید وہ دکھائی دینے لگتے۔ میں یہ سوچتا ہوا دوڑ رہا تھا اگر سمسوں نے آپکڑا تو
ہم کیسے اپنی رکشا کریں گے۔

سہا ہمیں ایک گہرا غار سا نظر آیا۔ میں نے سوچا، اگر اس غار میں چھپ جائیں
اور اس کے منہ کو گھاس پھوس سے چھپا دیں، تو شاید ان کالے آدمیوں سے جان بچ
جائے، اگر پکڑ لیے گے تو اسی کال کوٹھری میں سڑیں گے، بچ گئے تو دن بھر میں نہ

جالے کتنی دور کھل جائیں گے۔

یہ سوچ کر میں اس غار کے اندر گھسا۔ مہم اور صاحب دونوں میرا مطلب سمجھ گئے۔ میرے پیچھے پیچھے وہ دونوں بھی غار میں گھسے، پر سب کے سب ڈر رہے تھے کہ کہیں کوئی شیر یا چیتا اندر نہ بیٹھا ہو۔ میں آگے آگے تھا۔ تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ دو دو دپک سے اس اندھکار میں جلتے دکھائی دیے۔ میں زور سے چلا کر پیچھے ہٹا۔ سامنے بچ بچ ایک شیر بیٹھا ہوا تھا۔ اب کیا کروں؟ میرے تو جیسے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ نہ آگے جاسکتا تھا نہ پیچھے، بس وہیں پتھر کی صورتی کی بھانتی کھڑا تھا۔ صاحب اور مہم دونوں بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ میں تو بھلا کھڑا رہا۔ پر دونوں جنوں کی تو جان ہی سی نکل گئی۔ اب میرے ہوش ٹھکانے ہوئے۔ اپنا ڈر جاتا رہا۔ جاکر ان دونوں کو سونگھا۔ مرے نہ تھے۔ جان باقی تھی۔ سوچنے لگا، اب کیا کروں؟ ایک آفت سے تو مر مر کے بچے تھے۔ یہ نئی مصیبت پڑ گئی۔ مگر یہ بات کیا ہے کہ شیر اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں، کود کر بھینٹنا تو دور رہا۔ چپ چاپ میری اور تاک رہا تھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی بات نظر آئی کہ میرا خوف جاتا رہا۔ میں ڈرتے ڈرتے ایک قدم اور آگے بڑھا پھر بھی شیر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اب میرے کانوں میں اس کے دھیرے دھیرے کرہانے کی آواز آئی۔ سمجھ گیا میں ذرا اور اس کے پاس گیا تو شیر نے ایک درد بھری آواز منہ سے نکالی اور اپنا اگلا داہنا پیر اٹھایا۔ وہ بری طرح پھولا ہوا تھا۔ اب سمجھ میں آگیا۔ اسی وجہ سے یہ مہاشیر دم سادھے بیٹھے ہوئے تھے۔ بار بار پونچھ ہلاتے تھے، تمہائیاں لیتے تھے اور ہم لوگوں کی طرح کون کون کرتے تھے۔ ضرور اس کے پاؤں میں کانٹا چبھا ہوا ہے۔ مگر میں کیسے نکالتا۔ یہاں بھی تو دانت بالکل شیروں کے سے تھے۔ پہلے تو جی میں آیا کہ یہ کچھ کر تو سکتے نہیں، انھیں یہیں پڑا رہنے دوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کانٹا نکالتے ہی ان کا مزاج بدل جائے اور ایک ہی جست میں ہم تینوں کو چٹ کر جائیں۔ مگر پھر دیا آئی۔ ایسا تو ہم لوگ کبھی نہیں کرتے کہ کسی کا احسان بھول جائیں۔ یہ بھی تو ہماری ہی برادری کا جیو ہے۔

یہ سوچ کر میں صاحب کے ہوش میں آنے کی راہ دیکھنے لگا۔ بارے تھوڑی دیر میں ان کی آنکھیں کھلیں۔ مجھے شیر کے پاس بیٹھے دیکھ کر کچھ تھوڑی ہمت ہوئی۔ وہاں سے بھاگے نہیں۔ شیر نے انھیں دیکھ کر اور بھی پونچھ ہلانا شروع کیا اور بار بار اپنا سوجا ہوا پنجہ اٹھانے

لگا۔ صاحب بھی سمجھ گئے کہ شیر لنگڑا ہے۔ صاحب نے میم کو کئی بار جھنجھوڑا اور جب انہیں بھی ہوش آگیا تو دونوں آپس میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جب صاحب نے شیر کے پاس جا کر اس کا بچا اٹھایا اور دھیرے دھیرے کاٹنا نکال دیا۔ شیر کا درد جاتا رہا۔ اس نے صاحب کے پیروں پر سر رکھ دیا اور پونچھ ہلانے لگا۔

ایک ایک باہر آدمیوں کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ جنگلی لوگ ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آپہنچے۔ میں جا کر دوار پر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تو کسی کو آنے نہ دوں گا، چاہے مری کیوں نہ جاؤں۔ میں دوار پر آیا ہی کہ دس بارہ آدمی لمبے لمبے بھالے لیے منہ پر لال رنگ لگائے سامنے آکھڑے ہوئے اور مجھے دیکھتے ہی تالیاں بجا کر خوش ہو رہے تھے کہ اب مار لیا، بچ کر اب کہاں جا سکتے ہو۔ دو تین آدمی غار میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس بھالے اور ڈھال کے سامنے میری کیا چلتی۔ بس کھڑا بھونک رہا تھا۔

ارے۔ کیا آسمان پھٹ پڑا یا دو پہاڑ لڑ گئے۔ اتنے زور کی گرج ہوئی کہ ساری گھما بل گئی۔ یہ شیر کی گرج تھی آدمیوں کو دوار پر دیکھتے ہی اس نے ایک جست ماری۔ اور دوار پر آپہنچا۔ کچھ نہ پوچھو ان ڈھلوں میں کیسی بھگدڑ مچ گئی۔ بھالے اور ڈھالیں چھوڑ چھوڑ کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے۔ مگر ایک کو شیر نے دبوچ ہی لیا اور ہمارے سامنے ہی اسے چٹ کر گیا۔ میرے تو روئیں کھڑے ہو گئے اور میم صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں سوچنے لگا، کسی طرح یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ اس بیباک جانور کا کیا ٹھکانا، نہ جانے کب اس کا مزاج بدل جائے اور ہماری نکی بوٹی کر ڈالے۔

کوئی گھسنے بھرتو میں وہاں ضبط کیے بیٹھا رہا۔ جب میں نے باہر جا کر دیکھ لیا کہ ان آدمیوں میں سے ایک کا بھی پتا نہیں، تب میں نے صاحب سے چلنے کا اشارہ کیا۔ دونوں ڈرتے ڈرتے نکلے اور پھر اسی طرف چلے۔ شیر سر جھکائے ہمارے آگے اس طرح چلا جا رہا تھا، جیسے گائے ہو۔ پھر بھی میرا تو بکلی جی چاہتا تھا کہ یہ مہاشے اب ہمارے اوپر دیا کرتے اور ہمیں اپنی راہ جانے دیتے۔

شام ہوتے ہوتے ہم لوگ ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ اتنا گھٹا جنگل تھا کہ کچھ بھائی نہ دیتا تھا۔ بش شیر کے پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے۔ ایک ایک وہ کوئی آہٹ پا کر ٹھک گیا۔ پھر کان کھڑے کر لیے اور آہستہ آہستہ غرانے لگا۔ سہا سامنے ایک شیر آگیا۔ میری تو جان نکل

گئی اور صاحب اور میم دونوں ایک جڑ کی آڑ میں دبک گئے۔ مگر اس شیطان نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ وہ دور سے گرج کر صاحب کی طرف چلا کہ ہمارے شیر نے لپک کر اس پر حملہ کیا۔ دونوں گھٹ گئے۔ ہمارے پران سوکھے جاتے تھے۔ کہیں اس نے ہمارے متر شیر کو مار لیا تو پھر ہم لوگوں کی خیریت نہیں۔ میں چاہتا تو بھاگ جاتا، پر صاحب اور میم کو چھوڑ کر کیسے بھاگتا۔ جڑ اتنے سیدھے اور گھٹے تھے کہ ان پر چڑھنا مشکل تھا۔ من میں منار ہے تھے کہ ہمارے شیر کی جیت ہو۔ کبھی وہ دبا لیتا، کبھی یہ، کبھی پنجوں سے لڑتے، کبھی دانتوں سے، دونوں پنجوں سے لڑتے لڑتے کھڑے ہو جاتے کبھی یہ پیچھے ڈھکیل لے جاتا کبھی وہ۔ دونوں کے منہ اور بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں سے جوالا لکڑی رہی تھی۔ دونوں گرج رہے تھے اور ہم سانس روکے ہوئے یہ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ گھٹنے بھر کی لڑائی کے بعد آخر ہمارے متر کی جیت ہوئی۔ اس نے اسے چت گرا دیا اور پنجے سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ ہم تینوں خوشی سے ناپنے لگے۔ مگر ہمارے متر کا بھی کچھ لکڑی گیا تھا۔ ساری دیہہ زخموں سے چور ہو رہی تھی۔ وہیں لیٹ گئے۔ ہم نے بھی وہیں رات کاٹی۔ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ صاحب اور میم نے راستے میں کوئی پھل کھایا تھا۔ پر مجھے پھلوں سے کیا مطلب۔ مجھے تو شکار چاہیے اور اس اندھیرے میں کوئی شکار کرنا کٹھن تھا۔ میں آپا ساعی رہ گیا۔

دوسرے دن ہم لوگ سمندر کے کنارے پہنچے، مگر افسوس! میں سمندر کے کنارے کسی شکار کے ٹوہ میں تھا کہ ہمارے متر نے جو تھک کر ایک چٹان کی آڑ میں بیٹھا تھا۔ دھیرے دھیرے کراہتا شروع کیا۔ میں نے جا کر دیکھا تو اس کی آنکھیں پتھر انگلیں تھیں۔ تھوڑی دیر میں وہیں مر گیا۔ کل کی لڑائی میں وہ بہت گھائل ہو گیا تھا۔ میں بڑی دیر تک اس کی لاش پر بیٹھا روتا رہا اور میم صاحب بھی بہت دکھی ہوئیں۔ مگر سمندر کے کنارے کھینچنے کی خوشی میں وہ غم جلد بھول گیا۔

میں ابھی شکار کی تلاش میں ہی تھا کہ سہا کسی چیز کے گھڑ گھرانے کی آواز کالوں میں آئی۔ ایسی آواز میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ ریل کی آواز سن چکا تھا۔ بھک، بھک، بھک، موڑ کار کی آواز بھی سن چکا تھا۔ یہ آواز ان سبھی سے الگ تھی، جیسے آسمان پر کوئی پن جھکی چل رہی ہو۔ صاحب اور میم آواز سننے ہی آسمان کی اور دیکھنے لگے۔ میں نے بھی اوپر دیکھا۔ کوئی بڑی جھیل سی اڑتی دکھائی دی۔ صاحب نے اپنی ٹوپی اتار کر ہوا میں اچھالی، میم

صاحب بھی اپنا رومال ہلانے لگیں۔ دونوں تالیاں بجاتے تھے، ناچتے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ یہ لوگ کیوں اتنے خوش ہو رہے ہیں۔ مگر یہ کیا بات ہے؟ وہ آسمان میں اڑنے والی چڑیا تو نیچے اترنے لگی۔ اودھ کتنی بڑی چڑیا تھی۔ میں نے کبھی اتنی بھیم کائے چڑیا نہ دیکھی تھی۔ عجیب خانے میں بھی مرغ دیکھا تھا، مگر وہ تو اس کے سامنے ایسا تھا، جیسے اس کے سامنے کھوت۔ دیکھتے دیکھتے وہ نیچے آیا اور اس میں سے دو آدمی اتر پڑے۔ پیچھے مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک طرح کی سواری ہے وہ آدمیوں کو ہوا میں لے کر اڑتی ہے۔ ان دونوں نے ہمارے صاحب اور میم سے ہاتھ ملایا، کچھ باتیں کیں اور پھر اس سواری میں جا بیٹھے۔ ایک ہڈت (لحمہ) میں صاحب نے مجھے گود میں اٹھا لیا اور میرا منہ چوم کر اسی سواری میں بیٹھا دیا۔ پھر میم اور وہ دونوں بھی آکر بیٹھ گئے میری تو مارے ڈر کے جان سوکھی جاتی تھی۔ کیا ہم ہوا میں اڑیں گے؟ کہیں یہ کل بگڑ جائے تو ہماری ہڈی پھلی کا بھی پتا نہ چلے گا۔ مگر صاحب بار بار میرا سر تھپتھا کر میری ہمت باندھتے جاتے تھے۔ پھر چاروں آدمی میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ مجھے بھی ماس کا ایک ٹکڑا دیا۔ میں کھانا کھانے میں ایسا لگ گیا کہ سارا مجھے دل سے جاتا رہا۔ شور اتنا ہو رہا تھا کہ کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ سواری اتنی ڈمکاتے لگتی تھی کہ ڈر کے مارے کلیجا کاٹنے لگتا تھا۔ کئی بار تو وہ کروٹ ہو گئی۔ اور مجھے ایسا لگا کہ وہ الٹا چاہتی ہے، چلانے لگا، لیکن ذرا دیر میں وہ سنبھل گئی۔ ہم ایک رات اور ایک دن اسی سواری میں رہے۔ کبھی تو وہ اتنی اونچی اٹھتی معلوم ہوتی کہ سیدھے تاروں ٹکر لے گی۔ صاحب اور میم دونوں سو رہے تھے، لیکن مجھے نیند کہاں؟ میں تو برابر ”بھگوان بھگوان“ کر رہا تھا کہ کسی طرح وہ سکٹ ٹلے۔

دوسرے دن پراتہ کال بڑے زور کا طوفان آیا۔ وہ میٹر بھنور میں پڑی ہوئی کشتی کے سامان چکر کھانے لگا۔ بجلی اتنی زور سے کڑکتی تھی کہ جان پڑتا تھا، سر پر گری۔ چمک اتنی تیز تھی کہ آنکھیں جمچک جاتی تھیں۔ میٹر کبھی دائیں کروٹ ہو جاتا، کبھی بائیں۔ کبھی کبھی تو اس کے پیسے رک جاتے، اور جان پڑتا وہ نیچے کی اور گرا جا رہا ہے۔ چاروں آدمی گھبرائے ہوئے تھے اور المیہ المیہ کر رہے تھے۔ میم صاحب تو آنکھوں پر رومال رکھے رو رہے تھیں۔ گھبرایا میں بھی کچھ کم نہ تھا۔ مگر میم صاحب کے رونے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ پوچھو، ان کے رونے سے کیا طوفان چلا جائے گا؟ وہ سے رونے کا نہیں، دل کو مضبوط کر کے خطرہ کا سامنا کرنے کا

تھا۔ لیکن سمجھتا کون؟

بارے ایک گھنٹے میں اندھڑ شانت ہو گیا اور ستر سیدھا چلنے لگا۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہ ایک بڑے میدان میں اترا، جہاں جمنڈیاں گڑی ہوئی تھیں۔ اور اسی طرح کے کئی اور ستر رکھے ہوئے تھے۔ صاحب نے مجھے گود میں لے کر اتارا اور ایک موٹر کار پر بیٹھ کر چلے۔ اب میں نے دیکھا تو ہم صاحب کے بیٹے کی اور جارہے تھے۔ میرے کتنے ہی دوست پرانی سڑکوں پر گھومتے نظر آئے۔ میرا جی چاہتا تھا، ان کے پاس جا کر گلے ملوں، ان کا جھیم کشل پوچھوں اور اپنی یاترا کا ورتانت سناؤں، لیکن موٹر بھاگی جارہی تھی۔ ایک ہفت (لحہ) میں ہم بیٹے پر جا پہنچے۔

میں ابھی پہلی نیند بھی نہ لینے پایا تھا کہ مہتر نے آکر مجھے نہلاتا شروع کر دیا۔ پھر اس نے میرے گلے میں ایک ریشی پٹا ڈالا اور مجھے لاکر صاحب کے ملاقاتی کمرے میں ایک صوفے پر بیٹھا دیا۔ میم صاحب پلیٹ میں میرا بھوجن لائیں۔ اور اپنے ہاتھوں سے مجھے کھلانے لگیں۔ اس وقت مجھے ایسا اطمینان ہوا کہ کیا کہوں۔ جی چاہتا تھا، میری برادری والے آکر دیکھیں اور مجھ پر گرد کریں۔ مجھ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگ گئے ہیں۔ میں آج بھی وہی کلو ہوں، وہی کمزور، مرل کلو۔ مگر میں نے اپنے کروتیہ پالن میں کبھی چوک نہیں کی، سچائی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا، مہتری کو ہمیشہ نباہا اور احسان بھی نہیں بھولا۔ اور پڑنے پر خطروں کا ڈر ہو کر، تھیلی پر جان رکھ کر، سامنا کیا۔ جو کچھ ستیہ سمجھا اس کی رکشا میں پران تک دینے کو تیار رہا اور اسی کی آج برکت ہے کہ میں آج اتنا سہیہ اور آدر پارہا ہوں۔

دوسرے دن میں نے دیکھا کہ میرے کمرے کے دوار پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور وہاں پر ایک چھڑا سی بیٹھا دیا گیا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے آدمی مجھے دیکھنے آرہے ہیں اور مجھ پر پھولوں کی ورشا کر رہے ہیں۔ اچھے اچھے جنٹل مین کوٹ چٹون پہنے، اچھی اچھی مہلائیں گاڈن اور ہیٹ سے سوشیٹ، بڑے بڑے سینٹھ ساہوکار، بڑے بڑے گھروں کی دیویاں، اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے، فوجوں کے سپاہی، سبھی آ آکر مجھے دیکھتے ہیں اور میری پرہٹا کرتے ہیں۔ کوئی پھول چڑھاتا ہے اور کوئی ڈھڑوت کرتا ہے، کوئی ہاتھ جوڑتا ہے۔ شاید سب سمجھ رہے تھے یہ کوئی دیوتا ہے اور اس روپ میں سنسار کا کلیان کرنے آیا ہے۔ جنٹل مین لوگ دیوتا تو نہ سمجھتے، پر کوئی غیر معمولی، پتھاری جیو اوشیہ سمجھ رہے تھے۔ کئی

دیویوں نے تو میرے پاؤں چھوئے۔ مجھے ان کی مورکتا پر ہنسی آ رہی تھی۔ آدمیوں میں بھی ایسے ایسے فصل کے اندھے موجود ہیں۔

دن بھر تو یہی لیلیا ہوتی رہی۔ شام کو میں اپنے جنم استھان کی اور بھاگا مگر جیوں ہی نزدیک پہنچا میرے بھائیوں کا ایک غول مجھ پر جھپٹا۔ ابھاگے شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ میں ان کی ہڈیاں چھیننے آیا ہوں۔ یہ نہیں جانتے کہ اب میں وہ کون نہیں ہوں، میری پوجا ہوتی ہے۔ میں نے دم دہالی اور دانت لٹال کر اور ناک سکوڑ کر پران دان مانگا۔ پر ان زردیوں کو مجھ پر ذرا بھی دیا نہ آئی، ایسا جان پڑتا تھا، ان سے کبھی کی جان پہچان ہی نہیں ہے۔ میں ان سے اپنا دکھ سکھ کہنے اور کچھ اپدیش دینے آیا تھا۔ اس کا مجھے یہ پرکار مل رہا تھا۔

بارے اسی وقت میرے پرانے سوامی پنڈت جی لالھیاں لکھتے چلے جا رہے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی جیسے میرے بدن میں نئی ہشتی آ گئی۔ میں دوڑ کر پنڈت جی کے پاس پہنچا اور دم ہلانے لگا۔ پنڈت جی مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ اور ترنت میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دعا دی اور پرسن کھ ہو کر بولے تم تو اب بہت بڑے رشی ہو گئے کھو! تمہاری تو اخباروں میں تعریف ہو رہی ہے۔ تم ان گدھوں کے بچ میں کیسے آ پھنسے؟

اور انھوں نے ڈھڑا تان کر ان ڈھٹوں کو دھمکایا جو ابھی تک مجھ پر جھپٹنے کو تیار تھے۔ مگر ڈھڑا دیکھتے ہی سب کے سب چھوٹ کر طرح بھاگے۔ میں پنڈت جی کے پیچھے پیچھے ہولیا اور بچپن کے کریرا جمہیر کی سیر کرتا ہوا پنڈت جی کے گھر گیا، بار بار ڈکیہ اور ماتا جی کی یاد آ رہی تھی۔ یہ آدرسان ان کے بنا کچھ تھا۔

پنڈت جی کے گھر میں میرا پہنچنا تھا کہ پنڈتائن نے دوڑ کر مجھے ہاتھ جوڑے۔ ذرا دیر میں محلے میں میرے آنے کی خبر پھیل گئی۔ پھر کیا تھا، لوگ درختوں کو آنے لگے۔ اور کھیتوں نے مجھ پر پیسے اور روپے اور مٹھائیاں چڑھائیں جب میں نے دیکھا کہ بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے تو وہاں سے چل کھڑا ہوا اور سیدھا اپنے بنگلے پر چلا آیا۔

اور تب سے کئی نمائشوں میں جا چکا ہوں کئی راجاؤں کا مہمان رہ چکا ہوں، سنا ہے میری قیمت ایک لاکھ تک لگ گئی ہے، مگر صاحب مجھے کسی دام پر بھی الگ نہیں کرنا چاہے۔ میری خاطر دن دن زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے روز شام سویرے دو آدمی سیر کرانے لے جاتے ہیں۔ نت مجھے استنان کر لیا جاتا ہے اور بڑا سواوٹ اور ٹل دردھک بھونچ دیا جاتا

ہے۔ میں اکیا اکہیں نہیں جا سکتا، مگر اب یہ مان مان مجھے بہت اکمرنے لگا ہے۔ یہ بڑہن
میرے لیے قید سے کم نہیں ہے، اس آزادی کے لیے جی تڑپتا رہتا ہے، جب میں چاروں
طرف مست گھوما کرتا تھا۔ نہ جانے آدی ساہو بن کر مفت کا مال کیسے اڑاتا ہے، مجھے تو سیوا
کرنے میں جو آند ملتا ہے، وہ سیوا پانے میں نہیں ملتا، شٹلش بھی نہیں۔

درگا داس

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان
575	پہلا پر تمغید
579	دوسرا پر تمغید
582	تیسرا پر تمغید
590	چوتھا پر تمغید
596	پانچواں پر تمغید
613	چھٹا پر تمغید

بھومکا

بالکوں کے لیے راشٹر کے سپوتوں کے چتر سے بڑھ کر ایچیگی ساہتیہ کا کوئی دوسرا انگ نہیں ہے۔ اس سے ان کا چتر ہی بلوان نہیں ہوتا، ان میں راشتریہ پریم اور سائس کا سچا بھی ہوتا ہے۔ راجپوتانہ میں بڑے بڑے شور دیر ہو گئے ہیں۔ اس مرد بھومی نے کتنے ہی زرتوں کو جنم دیا ہے، پر دیر دُرگا داس اپنے الوہم آتم تیاگ، اپنی فی سوارتھ سیوا بھکتی اور اپنے بقول چتر کے لیے کوہ نور کے سان ہے۔ اوروں میں شور یہ کے ساتھ کہیں کہیں ہنسا اور دودیش کا بھاد بھی پایا جائے گا کرتی کا موہ بھی ہوگا، ابھیمان بھی ہوگا، پر دُرگا داس شیر ہو کر بھی سادھو تھا۔ انھیں کارنوں سے ہم نے دیرتن دُرگا داس کا چتر بالکوں کے سامنے رکھا ہے۔ ہم نے چھٹا کی ہے کہ پینک کی بھاشا شرل اور بامحاورہ ہو اور اس میں بالکوں کی رچی اتھن ہو۔

پریم چند

پہلا پرچھید

جودپور کے مہاراج جسونت سنگھ کی سینا میں آشکرن نام کے ایک راجپوت سینا پتی تھے، بڑے سچے ویر شیل وان اور پر سوار تھی۔ ان کی بہادری کی اتنی دھاک تھی کہ دشمن ان کے نام سے کانپتے تھے۔ دانی اور دیاوان ایسے تھے کہ مارواڑ میں ایسا کوئی انا تھ نہ تھا، جو ان کے دربار سے نراں لوٹا۔ جسونت سنگھ بھی ان کا بڑا آدرشکار کرتے تھے۔ ویر درگا داس انھیں کے بڑے لڑکے تھے۔ چھوٹے لڑکے کا نام جسکرن تھا۔

سن 1605 عیسوی میں آشکرن جی اجین کی لڑائی میں دھوکے سے مارے گئے۔ اس سے درگا داس کیلو 15 برس کے تھے، پر ایسے ہونہار تھے کہ جسونت سنگھ اپنے بڑے بیٹے پرتھوی سنگھ کی طرح انھیں بھی پیار کرنے لگے۔ کچھ دنوں بعد جب مہاراج دکن کی صوبیداری پر گئے تو پرتھوی سنگھ کو راجیہ کا بھار سونپا اور ویر درگا داس کو سینا پتی بنا کر اپنے ساتھ کر لیا۔ اس سے دکن میں مہاراج شیواجی کا سامراجیہ تھا۔ مغلوں کی ان کے سامنے ایک نہ چلتی تھی، اس لیے اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کو بھیجا تھا۔ جسونت سنگھ کے پہنچنے ہی مار کاٹ بند ہو گئی۔ دھیرے دھیرے شیواجی اور جسونت سنگھ میں میل جول ہو گیا۔ اور اورنگ زیب کی اچھا تو تھی کہ شیواجی کو پرست کیا جائے۔ یہ ارادہ پورا نہ ہوا، تو اس نے جسونت سنگھ کو وہاں سے ہٹا دیا، اور کچھ دنوں انھیں لاہور میں رکھ کر پھر کابل بھیج دیا۔ کابل کے مسلمان اتنی آسانی سے دہنے والے نہ تھے۔ بھینٹن سگرام ہوا۔ جس میں مہاراج کے دو لڑکے مارے گئے۔ بڑا چپے میں جسونت سنگھ کو یہ گہری چوٹ لگی۔ بہت دہمی ہو کر وہاں سے پشاور چلے گئے۔

انھیں دنوں اجمیر میں بغاوت ہو گئی۔ اورنگ زیب نے پرتھوی سنگھ کو ویر دیوہوں کا ذمہ کرنے کا حکم دیا۔ پرتھوی سنگھ نے تھوڑے ہی دنوں میں بغاوت کو دبا دیا۔ اورنگ زیب

یہ خبر پا کر بہت خوش ہوا اور پرتھوی سنگھ کو پرسکار دینے کے لیے دتی بلایا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں پرتھوی کو وش سے سنی ہوئی خلعت پہنائی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دھیرے دھیرے وش ان کی دیہہ میں بھن گیا اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں سنسار سے جدا ہو گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب مارواڑ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے جسونت سنگھ کو بار بار لڑائیوں پر بھیجتا رہتا تھا اورنگ زیب کی اس اپرستھا کا کارن شاید یہ ہو سکتا ہے کہ جب دلی کی تخت کے لیے شہزادوں میں لڑائی ہوئی تو جسونت سنگھ نے دارا شکوہ کا ساتھ دیا تھا۔ اورنگ زیب نے ان کا یہ اپراہہ چھما نہ کیا تھا اور جب سے بار بار اس کا بدلا لینے کی فکر میں تھا۔ کھلم کھلا جسونت سنگھ سے لڑنا سارے راجپوتانہ میں آگ لگا دینا تھا۔ اس لیے وہ کوٹ نیتی سے اپنا کام نکالنا چاہتا تھا۔

پرتھوی سنگھ کے مرتے ہی، اورنگ زیب نے مارواڑ میں مغل صوبیدار کو بھیج دیا۔ جسونت سنگھ تو اھر پشاور میں پڑے ہوئے تھے۔ اورنگ زیب کو مارواڑ پر ادھیکار جمانے کا اوسر مل گیا۔ پرتھوی سنگھ کا مرتا سنتے ہی مہاراج پر بجلی سی ٹوٹ پڑی۔ شونگ جی نے مہاراج کو گرنے سے سنبالا اور دھیرے سے ایک پتنگ پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے اپرانت، جسونت سنگھ نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے شونگ جی کو کھڑا دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے۔ بھائی! شونگ جی! یہ پیارے بیٹے کے مرنے کی خبر نہیں آئی! یہ میرے لینے کو میری موت آئی ہے۔ آؤ، ہمارے ساتھ آؤ، ہم اپنے مرنے کے پہلے تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ شونگ جی کو لیے ہوئے مہاراج بھیتر چلے آئے اور ایک لوہے کی چھوٹی صندوقچی دے کر بولے۔ بھائی یہ صندوقچی ہم تمہیں سونپتے ہیں۔ اس کی رکھوالی تمہیں اس سے تک کرنی ہوگی، جب تک کوئی راجپوت مارواڑ کو مغلوں کے ہاتھ سے چھڑا کر ہماری گدی پر نہ بیٹھے۔ یدی المشور کبھی وہ دن دکھائے تو یہ اپہار اس راج کمار کو راج گدی کے سے بھینٹ کرنا۔

اس کے پہلے تم یا دوسرا کوئی اس کو کھول کر دیکھنے کی اچھا بھی نہ کرے۔ یدی کسی آپجی کے کارن تم اس کی رکھنا نہ کر سکو، تو دوسرے کو، جیسا میں نے تم سے کہا ہے، کہہ کر سونپ دینا۔

دوسرے دن مہاراج نے اپنے سب سرداروں کو بلوایا اور بولے۔ بھائیوں! اورنگ زیب نے ہم راجپوتوں سے اپنے سہر کا بدلا پورا پورا چکا لیا۔ اب راج ولس میں ہمارے پیچھے

کوئی بھی نہ رہا جو ہماری گدی پر بیٹھے۔ یہ جی ہماری دو رانیاں بھائی اور ہاڑی سگرہا ہیں پتو ایسے کھولے دلوں میں کیا آشا کی جائے کہ ان کے لڑکا ہی پیدا ہوگا؟ لیکن یہی المیہ کی کرپا ہوئی اور ہماری گدی کا وارث پیدا ہوا، تو یہ کوئی انہونی بات نہیں کہ تم لوگوں کی سہایا سے اورنگ زیب کے ہاتھوں سے مارواڑ کو چھڑا لے، اس لیے ہماری اتم آکھیا ہے کہ اپنے راجکار کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا، جیسا آج تم ہمارے ساتھ کرتے آئے ہو۔ بھائیوں! جو مارواڑ آج تک اوروں کی وجہی میں سہایا کرتا تھا۔ آج وہی اپنی سہایا کے لیے دوسروں کا منہ تاک رہا ہے۔ آدمی نہیں، سے ہی بلوان ہوتا ہے۔ کبھی اورنگ زیب مجھ سے ڈرتا تھا۔ آج میں اس سے ڈرتا ہوں۔ اب اس بڑھاپے میں میں اپنے دیش کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ کچھ نہیں۔

مہاراج کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ پھر کچھ نہ کہہ سکے۔ تھوڑی دیر سہا میں سناٹا رہا، کبھی کے چہروں پر اداسی تھی اور کبھی ایک دوسرے کا منہ تاکتے رہے۔ بعد میں مہاراج بھینر چلے گئے اور سردار لوگ اپنے اپنے ڈیروں پر لوٹے۔ اس کے ایک چہتا بعد مہاراج نے شریر تیاگ دیا۔ بہادر راجپوت شوک اور پرابے کی چوٹوں کو نہ سہہ سکا۔ سب رانیاں مہاراج کے ساتھ سستی ہو گئیں۔ کیول بھائی اور ہاڑی دو رانیاں کو سرداروں نے سستی ہونے سے روک لیا۔ سن 1678 عیسوی ماگھ بدی دشی کے دن مہاراج کا دہانت ہوا اور چھاگن بدی 4 کے دن رانی کے بیٹا پیدا ہوا۔ دوسرے ہی دن ہائی کے بھی لڑکا ہی ہوا۔ بڑے کا نام اجیت اور چھوٹے کا دل بھیمن رکھا گیا۔

اورنگ زیب نے یہ حال سنا تو رانیاں کو پٹاور سے دلی بلوا بھیجا۔ سردی لگ جانے سے دل بھیمن تو راہ میں ہی مر گیا۔ اور لوگ کشل سے دلی جا پہنچے اور روپ سنگھ اداوت کی حویلی میں ٹھہرے، یہ دلی میں سب سے بڑی اور سرداروں کے لیے سو بھینے کی جگہ تھی۔ دوسرے دن درگا داس کرنوت مہارانیوں کے آنے کی سوچنا دینے کے لیے اورنگ زیب کے پاس گیا۔ بادشاہ نے لوکا چار کے بعد کہا۔ درگا داس دیکھو! بیچارہ دل بھیمن تو مر ہی گیا۔ اب ہمیں چاہیے کہ اجیت کا لالہن پالنے ہوشیاری سے کریں، جس سے بیچارے جسونت سنگھ کا دنیا میں نام رہ جائے۔ اس لیے یہی اچھا ہوگا کہ اجیت کو ہمارے پاس چھوڑ دیا جائے۔ جیسے جسونت سنگھ کا لڑکا ویسے ہی ہمارا لڑکا۔ ہم اس کی سوچیم دیکھ رکھ کریں گے۔ اور بڑے ہونے

پر جو دھور کی گدی پر اس کا راج تلک کرویں گے۔

درگاداس بادشاہ کی غشا تاڑ گیا۔ پرتو بڑی نرمی سے بولا۔ جہاں پناہ! اس میں کوئی سند یہ نہیں اجیت کی رکچا اور پالن جیسا یہاں ہو سکتا ہے، اور کہیں نہیں ہو سکتا۔ آپ اس کے اوپر اتنی دیا رکھتے ہیں، یہ اس کا سو بھاگیہ ہے، پر اجیب ابھی تین ہی مہینے کا ہے۔ اور ماما کے ہی دودھ پر اس کا جیون ہے، اس لیے یہ اچھا ہوگا کہ دودھ چھوٹنے پر وہ آپ کی سیوا میں لایا جائے۔ اور نگ زنیب نے درگاداس کی بات مان لی۔

ویر درگاداس نے لوٹ کر مہارانی تنھا سب راجپوت سرداروں کے سامنے بادشاہ کی بات چیت جیسی کی جیسی کہہ سنائی۔ سننے ہی سرداروں کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ درگاداس نے کہا بھائیوں! یہ سب سے کرودھ کا نہیں چڑائی کا ہے۔ پہلے کسی اپائے سے راجکمار کو دلی سے ہٹایا جائے، پھر جیسا ہوگا، دیکھا جائے گا۔ آئندہ اس جی جو سب سے چڑ سردار تھا۔ سویرے ہی ایک سپیرے کو لالچ دے کر لایا اور اس کی سانپ والی پٹاری میں راج کمار کو چھپا کر دلی سے باہر نکل گیا۔ وہاں سے آج کی گھنٹی پہاڑیوں کے چچ سے ہو کر مارواڑ کے ایک ڈگوا نام کے گاؤں میں اپنے مٹر اے دیو برہمن کے گھر پہنچا۔ وہیں چھپے چھپے راج کمار کا لالہ پالن کرنے لگا۔ ادھر مہارانی کی گود میں راج کمار کی جگہ دوسرا لڑکا رکھ دیا گیا۔

دوسرا پرچھید

ایک ورش بیت جانے پر جب اورنگ زیب نے دیکھا، راجپوت اجیت کو سیدھے سیدھے نہیں دینا چاہے، تو اس نے زبردستی راجپوت کو لانے کے لیے شہر کو وال کو بھیجا۔ اس نے 2000 ہتھیار بند سپاہی لے کر روپ سنگھ اداوت کی حویلی گھیر لی۔ یکا یک اپنے کو وچتی میں پڑا دیکھ درگاداس نے کہا بھائیوں! راجپوت دوسروں کی رکچا کے لیے اپنے پرانوں کی لالچ نہیں کرتے۔ ہم راجپوت کھلا کر راجپوت کے سان پالے ہوئے بانک کو اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ مہارانی نے کہا۔ ہماری چھتا مت کرو، ہماری لالچ رکھنے والی یہ کٹاری ہے۔ میں کب کی مرچکی ہوتی، یدی یہ دیکھنے کی لالسا نہ ہوتی کہ راجپوت اپنے دیش پر کس دیرتا سے اپنے پرانوں کو نچھاور کرتے ہیں۔ روپ سنگھ نے بانک کی رکچا کا بھار اپنے اوپر لیا۔ رانی نے چھاتی میں کٹاری مار کر دیہہ تیاگ دیا، بھر کیا تھا۔ راجپوت دیر نہ بچتے ہو، ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے ہر ہر مہادیو کرتے ہوئے شتر و سینا پر ٹوٹ پڑے۔ اتنی بڑی مغل سینا کے سامنے دو ڈھائی سو آدمی اس کے سوا اور کبھی کیا سکتے تھے۔ سب کے سب وہیں لڑ مرے۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ میدان صاف ہو گیا تو شہر کو وال نے روپ سنگھ کی حویلی تل تل کھوج ماری، پرنتو راجپوت اجیت کا کہیں پتہ نہ لگا۔ بچارے کو اتنے راجپوتوں کی ہتیا کرنے پر بھی خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔

جھنپنا ہو ہی چکا تھا۔ چاروں اور نزل آکاش میں تارے چمکنے لگے تھے۔ چندرما کی شیشل کرنیں پرتھوی پر آ کر کراچے گھائل دیروں کو مانو ڈھارس دے رہی تھیں۔ سرد ہوا کے دھبے جھکوروں کے کٹنے سے گھائل دیروں نے آنکھیں کھولیں اور ایک دوسرے کے سہارے اٹھنے لگے۔ ان میں دیر درگاداس کرنوت کی دشا دوسرے کے دیکھتے کچھ اچھی تھی۔ چندرما کے پرکاش میں دیر درگاداس اپنی اور کے سب راجپوت سرداروں کو ایک ایک کر کے دیکھنے لگے۔

جس کسی کو جیوت پایا، سہارا دے کر اٹھا لائے۔ ڈھائی سو راجپوتوں میں کیول دیر درگاداس کروت، محکم سنگھ میڈتیا، بھوج راج وداوت، روپ سنگھ اداوت، مہاسنگھ اور دودھوی چانپاوت اتیادی انے گئے سردار جیوت بچے تھے۔ بوڑھے دودھوی نے کہا ”بھائی“ چاندنی پھکی پڑ چلی، رات آدمی سے ادھک بیت گئی۔ اب یہاں بیٹنے میں بھلائی نہیں ہے۔ دیہ تو چمن بھن ہو چکی ہے۔ بچے کچھ پرانوں کی رکھا کریں!“ دیر درگاداس نے کہا۔ ابھی ٹھہرو ہم مہارانی کا شو لیے بنا یہاں سے جیوت چانا نہیں چاہتے۔ دھکار ہے! ہمارے جیتے جی ہی مہارانی کا پوتر شریر مغلوں کے ہاتھ پڑے۔

ان شبدوں میں نہ جانے کیا جادو تھا، کہ جو دوسرے کے سہارے بھی نہ کھڑے ہو سکتے تھے، وہی مہارانی کی لوتھ لے کر سورا ہوتے ہوتے دلی سے پانچ چھ کوس دور کل گئے اور آبو کے گھنی پہاڑیوں میں واہ کر یا کر دی۔ آج کی رات یہیں کافی، دوسرے دن بے دیو برہمن کے گھر پہنچے۔ راجکمار کسکی دیکھ سب اپنا پچھلا دکھ بھول گئے۔ دوسرے دن آنند داس کبھی کو راجکمار کے لالہ پالن کے وشے میں ساودھان کر کے ایک دوسرے سے گلے ملے اور ودا ہو کر، اپنے اپنے گاؤں کی اور چل دیے۔ راہ میں جتنے چھوٹے بڑے گاؤں ملے، سب میں درگاداس نے فضل سپاہیوں کے چوکی تھانے بنے دیکھے۔ جیسے جیسے چھپتے کلیان گڑھ پہنچے۔ جیسے گائے سے دن بھر کا ٹکھڑا ٹکھڑا ملتا ہے، ویسے ہی درگاداس اپنی ماتا کے چروں پر گر پڑا۔ بوڑھی ماتا نے اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ دونوں ہی کی آنکھوں سے پریم کے آنسو بہنے لگے۔

اسی سے درگاداس کا پرتیج کرن اور چھوٹا بھائی جس کرن بھی آگئے۔ دونوں ہی روپ وان اور بلوان تھے۔ جیسے درگاداس اپنے دلش کی بھلائی کے لیے تن من دھن نچھاور کیے بیٹھا تھا، ویسے ہی جس کرن اور تیج کرن بھی دلش کی سوترتا کے نام پر کبے ہوئے تھے۔ بوڑھی ماتا بھی مغلوں کے اتیاچار سے دکھی تھیں۔ اپنے پتروں کو دلش پر مر مٹنے کے لیے سدبو اکسایا کرتی تھی، پر جب اپنے ہی بندھو دلش کو برباد کرنے پر تلے بیٹھے ہوں، تو کوئی کیا کرے۔

جسوت سنگھ کے بڑے بھائی امر سنگھ کا بڑا لڑکا اندر سنگھ راج کے لالچ میں اورنگ زیب سے مل گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ دلش کے پرہاڑ شالی راجپوت سرداروں کو، راہ میں بچے

ہوئے کانٹوں کے سان ٹھٹ کر دیں اور بے کھٹے مارواڑ پر راج کریں۔ اورنگ زیب کو یہ اپائے بھانے کی دہ قحی۔ اس کی ایسی اچھا پہلے ہی سے قحی۔ یہ بات اس کے من میں بیٹھ گئی۔ مارواڑ کے مغل صوبے دار کے نام ٹرنٹ فرمان جاری کر دیا۔ سرداروں کو گرفتار کرلو۔ پھر کیا تھا! گاؤں گاؤں گھر گھر بھاگے ہوئے سرداروں کی کھوج ہونے لگی۔ کتنے پران کے ڈر سے بادشاہ سے جا ملے، کچھ ادھر ادھر چھپے رہے۔ ان کے گھر لوٹ لیے گئے۔ پھر بھی نہ نکلے۔ شونک جی چانپاوت نے سرداروں کی یہ دشا دیکھی تو گھبرا اٹھے۔ ایسی دشا میں مہاراج جسونت سنگھ کی دی ہوئی لوہے کی صندوقی کی رکھا کیسے کریں! اسی چتا میں تھے کہ دیر درگا داس کی یاد آگئی۔ ترنت ہی گھوڑا کسا اور ارادولی پہاڑی کی تلہنی میں بیٹے ہوئے کلیان گڑھ میں جا پہنچے۔ شونک جی کو آتے دیکھ درگا داس اگوانی کے لیے آگے بڑھے۔ دونوں میل سے گلے ملے۔ دیش کی دشا پر باتیں ہونے لگیں۔ شونک جی نے کہا۔ بھائی یہ سے بیٹنے کا نہیں، آلس چھوڑو اور ہمارے ساتھ ابھی چلو۔ درگا داس نے اپنی ماما سے آگیا مانگی اور شونک جی کے ساتھ چل پڑے۔ دن ڈوبتے ڈوبتے دونوں آواگڑھ کوٹ میں پہنچے۔ درگا داس مغل سپاہیوں کو ادھر ادھر کوٹ کی چوکی کرتے دیکھ بھیتر جانے میں ہچکچایا۔ شونک جی نے دھیرے سے کہا۔ یدی دیش کی بھلائی چاہتے ہو، تو چلے آؤ!

دونوں ایک اندھیری کٹھری میں جا پہنچے۔ شونک جی بھیتر سے ایک چھوٹی سی لوہے کی صندوقی اٹھا لائے اور درگا داس کے سامنے رکھ کر بولے۔ یہ تھاتی مہاراج جسونت سنگھ نے اپنے مرنے کے دس دن پہلے ہمیں سونپی تھی، اور کہا تھا۔ جو دیر مارواڑ کو سوتنہ کر جو دھپور کی گدی پر بیٹھے گا، یہ اہمار اسی کو دیا جائے۔ اسے چھوڑ دھرا کوئی بھی یہ جاننے کی اچھا نہ کرے کہ اس میں کیا ہے؟ بھائی اب میں اس کی رکھا نہیں کر سکتا۔ اس لیے تمہیں سونپتا ہوں اور یدی میری سی دشا، المیہ نہ کرے، کبھی تمہاری بھی ہو تو ایسا ہی کرنا، جیسا میں کر رہا ہوں۔ دیر درگا داس سب باتوں کو دھیان سے سنتا رہا۔ تب صندوقی اٹھا کر شکے کے سہارے کمر میں باندھ لی، اور رام جواہر کرتا ہوا گھوڑے پر سوار سیدھی راہ چھوڑ پھٹڑی پر ہولیا۔

تیسرا پرتھمد

ایک تو اندھیری اٹھنی راہ، بھارا گھوڑا ایک ایک کر چلتا تھا۔ کہیں اپنی ہی ٹاپوں کی دھن سن کر جو کبھی پہاڑیوں سے ٹکرا کر لوٹتی تھی، چونک پڑتا تھا۔ پہر رات جا بھکی تھی، دھیرے دھیرے چاروں اور چاندنی چمکنے لگی تھی، دور سے کھنکھایا گاؤں اب دھواں سا دکھائی پڑتا تھا۔ دیر درگا داس دلش کی دشا پر کھینچا چلا جا رہا تھا۔ اکسات تلواروں کی جھنجھٹ سن پڑی۔ چونکا ہوا، اپنی تلوار کھینچ لی اور اسی اور بڑھا! دیکھا کہ دو راجپوتوں کو ہائیں مغل گھیرے ہوئے ہیں۔ کروڑھ میں آکر مغلوں پر ٹوٹ پڑا۔ دو چار مارے گئے اور دو چار گھائل ہوئے۔ مغلوں نے پیٹھ دکھائی اور مدد دے جانے لگے۔ دیر درگا داس نے دیکھا دونوں راجپوتوں میں سے ایک تو مارا گیا ہے۔ اور دوسرا گھائل، چاہتا تھا کہ گھائل راجپوت کو اٹھا لے جائے۔ پر نہ ہو سکا۔ چندرما کے پرکاش میں دیکھا کہ دوڑتے ہوئے ہیں بھیس مغل چلے آرہے ہیں۔ دیر درگا داس نے ان کو اتنا بھی سے نہ دیا کہ وہ اپنے شتر کو تو دیکھ لیتے، دس گیارہ کو گرا دیا۔ خون! خون! زور آور خان کا خون! چلاتے ہوئے مغل پیچھے ہٹے کہ درگا داس نے سوچا، اب یہاں ٹھہرنا چڑائی نہیں۔ بس گھائل راجپوت کو اٹھا کر کلیان گڑھ کی اور بھاگ نکلا۔ تھوڑی رات رہے گھر پہنچا۔ بوڑھی ماما درگا داس اور دوسرے راجپوت کو رکت سے ٹھلایا ہوا دیکھ گھبرا اٹھی، ترنت ہی دونوں کی مرہم پٹی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب درگا داس کچھ سوجھ ہوا تو ماما نے پوچھا۔ بیٹھا تمہاری یہ دشا کیسے ہوئی؟ درگا داس نے اپنی بیٹی کہہ سنائی۔ ماما نے گھائل راجپوت کو دیکھا تو پہچان گئی۔ درگا داس سے کہا۔ کیا تم انہیں نہیں پہچانتے؟ درگا داس کے بولنے کے پہلے ہی گھائل راجپوت جو اب سمیت ہو چکا تھا۔ بول اٹھا۔ ماما جی، درگا داس مجھے پہچانتے ہیں۔ پر تو اس سے نہیں پہچان سکے؟ کیونکہ پہلے کے دیکھتے اب مجھ میں اتنی بھی تو

ہے بھیا! میں آپ کا چرن سیکو مہاسنگھ ہوں۔ بوڑی ماں جی مہاسنگھ پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی ہانگے! تو تو بہت درمل ہو گیا ہے۔ بیٹا ایسی کیا وجہی پڑی؟ مہاسنگھ ابھی بولا بھی نہ تھا کہ گھر کا سیکو ناقھو دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ مہاراج بھاگو جھتھیار بند مغل سپاہی چلاتے چلے آ رہے ہیں۔

ماں جی نے کہا۔ بیٹا کہیں بھاگ کر اپنے پران بچاؤ۔ مغل بہت ہیں، تم اکیلے ہو اور مہاسنگھ گھائل ہے، ورتھ پران دینا چڑائی نہیں۔ درگاداس بولے۔ ماں جی، تم سب کو سکھ میں چھوڑ کر میں اپنے پرانوں کی رکھا کروں؟ مہاسنگھ نے سمجھایا۔ نہیں بھائی ماں جی کا کہنا مانو۔ زندہ رہو گے۔ تجھی دلیش کا اڈھار کر سکو گے۔

درگاداس نے کہا۔ دیکھو مغلوں کی تلواروں کی جھنجھٹ سن پڑتی ہے۔ وہ اب آپہنچے۔ بھاگنے کا سہ کہاں رہا؟ اور جائیں بھی تو کہاں؟
 ناقھو بولا۔ مہاراج! آپ لوگ پیچھے والے اندھے کوئیں میں اتر جائیں۔

مانا کا ہٹ پورا کرنے کے لیے درگاداس جھینے کو چلا، پرتو کوئیں میں پہلے مہاسنگھ کو اتارا کیونکہ وہ گھائل تھا۔ پھر شنگ جی کی سوہنی ہوئی لوہے کی صندوقچی اتاری۔ اس کے اپرانت جج کرن اور جس کرن کو اتارا۔ اسنے میں مسلمانوں نے کواڑ توڑ ڈالے۔ درگاداس کوئیں میں نہ اتر سکا، ایک چھتار برگد کے برکش پر چڑھ گیا۔ سپاہیوں نے گھر کا کونا کونا ڈھونڈا، پر درگاداس نہ ملا۔ ایک سپاہی ماں جی کو سردار محمد خاں کے پاس پکڑ لے چلا۔ دیکھتے ہی محمد خاں نے ڈھٹ کر کہا۔ خبردار بوڑھی عورت کو ہاتھ نہ لگانا۔ سپاہی الگ جا کھڑا ہوا۔ محمد خاں آپ ہی ماں جی کے سامنے گیا اور بڑی نرمی سے بولا! ماں جی درگاداس نے کھالیا کے سردار سیر خاں کے پیچھے زور آوار خاں کو مار ڈالا ہے۔ بادشاہ کی آگیا ایسے اپرادھ کے لیے سولی ہے۔ اپرادھی کے بچانے اتھوا چھپانے کا بجی ڈھ ہے۔

ماں نے کہا۔ سردار! یہ تو کس سے کہہ رہا ہے؟ میں درگاداس کی ماں ہوں۔ کیا ماں اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سولی پر چڑھا دے گی؟ بھلا میں بتا سکتی ہوں کہ درگاداس کہاں ہے۔ یدی پران کا بدلا پران لینا ہی نیائے ہے تو درگاداس اپرادھی نہیں۔ اس نے تو زور آور خاں کو ایک راجپوت کے مار ڈالنے کے بدلے ہی مارا ہے۔ محمد خاں نے کہا۔ ماں جی! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ زور آور خاں کسی کے بدلے میں مارا گیا ہے۔ اب میں جاتا ہوں۔ پرتو

درگاہ کو سورہ یہ نکلنے کے پہلے ہی کسی انجانے استحان میں بھیج دینا۔ نہیں تو دوسرے سردار کے آنے پر بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ یہ کہتا ہوا شریف محمد خاں باہر نکلا اور اپنے سپاہیوں کو کسی دوسرے گاؤں میں درگاہ کی کھوج کرنے کی آگیا دے دی۔ سنگٹ میں کبھی کبھی ہمیں اس طرف سے مدد ملتی ہے جدھر ہمارا دھیان بھی نہیں ہوتا۔

مغلوں کے چلے جانے کے بعد درگاہ سردار سے اتر کر ماں کے پاس آیا۔ ماں جی نے محمد خاں کے برتاؤ کی بڑی سراہتا کی اور درگاہ کو سورہ اُدے سے پہلے ہی گھر سے نکل کر جانے کو کہا۔ درگاہ راضی ہو گیا۔ پرنتو جس کرن اور جج کرن کو ماتا کی رکھا کے لیے چھوڑ جانا چاہا۔ ماں جی نے کہا۔ ناچینا! میرے کام کے لیے ناتھو بہت ہے۔ تو جسکرن اور جج کرن کو اپنے ساتھ لیتا جا۔ نہ جانے کب کون کام پڑے! ایک سے دو اچھے ہیں۔ درگاہ سو رہا ہوتے ہوئے ماں جی کو پرنام کر اپنے بھائی اور بیٹے کو ساتھ لے گھر سے نکلا۔ چلتے سے ناتھو کو بلا کر کہا۔ دیکھ ماں جی کے کشل ساچار ہم کو پرتی دن پہنچایا کرتا اور مغلوں سے سدا سادو دھان رہتا۔ مہاسنگھ یدی جیوت ہو تو آج ہی جیسے بنے دیسے ماڑوں پہونچا دینا۔ اور یدی مر گیا ہو تو واہ کریا کر دینا اور سن لے اس لوہے کی صندوقی کو اپنے پرانوں کے سامن سمھتا، پرتو کھول کر یہ نہ دیکھنا کہ اس میں کیا ہے؟ اس پرکار ناتھو کو سمجھا بجا کر سورہ اودے سے پہلے ہی ارادلی کی پہاڑیوں میں پہنچ گیا۔ ماں جی دوار پر بڑی دیر تک کھڑی رہیں۔ جب دونوں بیٹے اور پوتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، تو گھر میں لوٹ آئیں اور ایٹور سے پارتھنا کرنے لگیں۔ بھگوان! ہمارے بیٹوں کو کشل سے رکھنا۔

ناتھو جو ابھی باہر ہی تھا، دوڑتا ہوا آیا، بولا۔ ماں جی! سامنے سے کچھ گھڑ سوار چلے آ رہے ہیں۔ ناتھو اور کچھ نہ کہہ سکا تھا کہ ڈیڑھ سو مسلمان سپاہی گھر میں گھس آئے اور ماں جی کو پکڑ لیا۔ ناتھو گھبرا اٹھا، اپنے لیے نہیں، بوڑھی ماں جی کے لیے۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ ایک چھترانی مغل سپاہیوں کے جج میں اگھاڑی کھڑی ہو پرتو کیا کرے؟ چار سپاہیوں نے پہلے ناتھو ہی کو پکڑا تھا، سردار نے پوچھا۔ ڈو کری تا، حیرا خونی لڑکا درگاہ کہاں ہے؟ ماں جی نے کہا۔ میں نہیں جانتی، گھر پڑا ہے۔ جہاں ہو، کھوج لو۔

سردار نے نرمی سے پھر کہا۔ ماں جی جج جج تا دو، تو میں درگاہ داں کا خون معاف کرادوں گا اور مقدور بھر اس کی مدد بھی کروں گا۔ قصص بھی بادشاہ سے بہت سادھن دلا

دوں گا۔ کیونکہ درگاداس اپراہمی نہیں۔ اپراہمی تو وہ راجپوت ہے جس کے لیے زور آور خاں مارا گیا۔ ہمیں درگاداس سے کچھ اور نہ چاہیے۔ ہمیں اس راجپوت کا پتا بتا دے وہ کون تھا اور کہاں ہے۔ یدی بادشاہ کو اس کا پتا نہ لگا تو اس کے بدلے تم سب مارے جاؤ گے۔

ماں جی بولیں۔ اچھا ہو، میں اپنے بیٹے کی رکھا کے لیے ماری جاؤں۔ میں بوڑھی ہوں، اب دن بھی مرنے کے سمپ ہی ہیں، پرتو بیٹوں کی پران رکشا کے لیے بھی دشواس گھات نہیں کر سکتی۔ جسے آشریہ دیا ہے اسے سوارتھ دس ہو کر نکال نہیں سکتے۔

یہ سن کر شمشیر خاں جل اٹھا اور تلوار کھینچ کر ماں جی کی اور دوڑا۔ تاتھو جسے سپاہی پکڑے پاس ہی کھڑے تھے۔ اپنی پوری فکری لگا کر سپاہیوں کے سچ سے نکلا اور شمشیر خاں کے دار کو روکا، پرتو گھائل ہو کر گر پڑا۔ دوسرے وار نے دیر ماتا کا کام تمام کر دیا۔ راجپوتانی نے کھل مریدہ کی دیوی پر اپنے پرانوں کی آہوتی دے دی۔ سردار کو اب بھی سنتوش نہ ہوا۔ گمر کی سہتی بھی لٹوالی اور تب سپاہیوں کو لوٹنے کی آہتیا دی۔ ایک سپاہی وہیں کھڑا رہا، شمشیر خاں نے پوچھا۔ کیوں رے خدا بخش! تو کیوں کھڑا ہے؟ خدا بخش نے کہا۔ میں تیرے جیسے خالم کا کہتا نہیں مانتا، تو مسلمان نہیں۔ اپنے دھرم کا جاننے والا مسلمان کبھی ایسا تیاچار نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی دیر پرش ابلا پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تو نے اس بڑھیا کو کیوں مارا؟ اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ تو نے اس سے کہیں گھور اپراہدہ کیا۔ جو درگاداس پر لگایا جا رہا ہے۔ بتا۔ دو راجپوتوں میں سے ایک گھائل ہوا تھا اور دوسرا مارا گیا تھا۔ اس کے مارنے والے کو کس نے سولی دی۔ شمشیر خاں مجھ کر ہی خدا بخش کی اور لپکا۔ خدا بخش پہلے ہی سے سادو دھان تھا۔ شمشیر خاں کو پلک کر چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اس کی فریاد سننے والا بھی وہاں کوئی نہ تھا۔ سپاہی پہلے ہی چلے گئے تھے۔ خدا بخش نے ایک ہاتھ سے سردار کا گلا دبایا اور دوسرے ہاتھ سے قردلی نکالی۔ شمشیر خاں مڑ مڑا کر پرانوں کی بھکھا مانتے لگا۔ خدا بخش نے قردلی پھر کر میں رکھ لی اور شمشیر خاں کو چھوڑ کر بولا۔ یہ نہ سمجھتا میں نے تجھ پر دیا کی ہے۔ میں نے سوچا دیر درگاداس اپنی بوڑھی ماما کا بدلا کس سے لے گا؟ اپنے کرودھ کی بھمکتی ہوئی آگ کس کے رکت سے بجھائے گا؟ بس، اسی لیے میں نے اپنا ہاتھ تجھ جیسے پاپی کے رکت سے نہیں رگوں گا۔ یہ کہہ کر خدا بخش پیچھے پھرا اور شمشیر خاں کنگالیا کی اور بھاگا۔

خدا بخش نے جا کر تاتھو اور ماں جی کی لاش دیکھی کہ شاید اب بھی کچھ جان باقی

ہو۔ جب تک ناقو چتہ ہو چکا تھا۔ یہ بھی گھاؤ گہرا لگا تھا۔

خدا بخش نے ناقو کو جیتا دیکھ المیہ کو دھواؤ دیا اور گھاؤ دھو کر پنی ہانڈھی پھر بولا۔
 بھائی؟ مجھ سے ڈر مت، میں وہ مسلمان نہیں جو کسی کا برا چیتوں۔ آخر ایک دن خدا کو منہ
 دکھانا ہے۔ میرے لائق جو کام ہو وہ بتاؤ۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ ناقو بڑا پرسن ہوا۔ ماں جی
 کی لوتھ ایک کوٹھر میں رکھ کر، پھر دونوں نے مل کر مہانگہ کو کونئیں سے نکالا۔ باہر کی دایو لگنے
 سے دیرے دیرے مہانگہ بھی چتہ ہو گیا۔ ناقو نے درگاداس کا بن جانا، مسلمانوں کا
 دھادا۔ ماں جی کا مرنا اور خدا بخش کی کرنی کٹھپ میں کہہ سنائی۔ مہانگہ کی آنکھوں میں جل
 بھر آیا۔ کہنے لگا ناقو یہ سب مجھ ابھانگے کے کارن ہوا۔ اچھا ہوتا، کہ میں دیں مارا جاتا تو
 اپنے آتمیں کی یہ دشا تو نہ دیکتا۔

ناقو بولا۔ مہاراج جو ہوتا تھا ہو گیا۔ اب آپ خدا بخش کے ساتھ ماڑواڑ جاییے اور
 میں سوامی کے پاس جاتا ہوں۔ خدا بخش نے کہا۔ ناقو! ہو سکے تو مجھے دوسرے کپڑے لا دو،
 جس میں ہمیں کوئی پچان نہ سکے۔ نہیں تو ہماری خیریت نہیں۔ ناقو نے ایک جوڑا کپڑا اور دو
 گھوڑے لا دیے۔ مہانگہ لوہے کی صندوقچی لے کر خدا بخش کے ساتھ ماڑوں چل دیا۔ اور
 ناقو ارادلی کی پہاڑیوں میں گھومنے لگا، ایک تو بوڑھا، دوسرے گہرا گھاؤ، تیسرے پہاڑیوں کا
 چڑھنا، ناقو ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا پر ماتا! یہ دوی دن میں کیا ہو گیا؟ ہم جہاں کل آئند
 کرتے تھے۔ آج دوی راج بھون شمشان ہو گیا۔ جس کی دھاک سارے مارواڑ میں تھی۔ آج
 دوی نہ جانے کس پہاڑ کی گھا میں چھپا پڑا ہے۔ بوڑھی ماں جی کی لوتھ گھر میں پڑی سڑ رہی
 ہے۔ ہائے! جس کے بیٹوں کا سامنا بڑے بڑے شور دیر نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی یہ دشا!
 ایک دُشت گیدڑ کے ہاتھوں ماری جائے! پر بھو تیری لیا اُدبھت ہے! آج ہی ان کے مرنے
 کا ساچار لے کر جاتا ہوں۔ ہائے سوامی کے پوچھنے پر میں کیا اثر دوں گا؟ کیسے کہوں گا۔
 ورڈھا ماں کو دُشت شمشیر خاں نے میرے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ ہے پر بھو! یہ کہنے کے پہلے
 ہی میں مر کیوں نہ جاؤں، نہیں نہیں یدی مر جاتا ہوں تو سوامی کو دُشت کا نام کون بتائے گا۔
 ہائے ابھانگے! ناقو یہ کہتے کہتے اچیت ہو گیا۔ دیکھوں پر دیا کرنے والی یندرا دیوی نے اسے
 اپنی گود میں لٹا لیا اور دایو نے اپنے کول جھکوروں سے تھپک کر سلا دیا۔ سویرا ہوا ناقو اٹھ بیٹھا
 اور ایک بہتے ہوئے جمرے سے جل لے کر ہاتھ منہ دھویا۔ المیہ کی پرارتھنا کر ایک اور چل

دیا۔ دوپہر ہوتے ہوتے اس پہاڑی پر پہنچا، جہاں درگا داس چھا تھا۔ اپنا پرستے دینے کے لیے راجپوتی کھوار کا بکھان کرتے ہوئے مارو رانگی گائی جسے سن کر دیر درگا داس گھما سے باہر نکلا۔ ناتھو نے اپنے سوامی کو دیکھا تو دوڑ کر چلوں پر گر پڑا۔ درگا داس نے پوچھا، ناتھو ہماری ماں جی تو کشل سے ہیں؟

ناتھو نے اس پر سن کو ٹال کر کہا مہاراج! کل ہی آپ کے چلے آنے کے بعد مہاسنگھ کو کوئیں سے نکالا۔ وہ جوت تھے۔ لوہے والی بیٹی لے کر ماڑو چلے گئے اور (انگوشی دے کر) چلتے سے یہ امولہ انگوشی دے کر کہا۔ ناتھو یہ انگوشی اپنے سوامی کو دینا اور کہنا، جس کے دوارا یہ انگوشی میرے پاس بھیجی جائے گی۔ میں اس کے آگیا نو سار اپنے پران بھی دے سکوں گا۔ جس کرن اور نیچ کرن دونوں ماما کے کشل ساچار کے لیے ویاکل تھے۔ بولے ناتھو! اور باتیں پیچھے کرنا، پہلے ماں جی کی کشل کہہ، ناتھو سوکھ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ درگا داس نے گھبرا کر کہا۔ ناتھو! کیوں؟ بولنا کیوں نہیں؟ کیا ہوا؟ ہٹکھر کہہ! ناتھو نے رو رو کر شوک ورنانت و ستار سہت کہہ سنایا اور شمشیر خاں کی کھوار آگے پھینک دیا۔

درگا داس کی آنکھیں کرودھ سے لال ہو گئیں۔ کھوار ہاتھ میں اٹھالی، اور بولا، ہے فکٹی ماں بکت کی سانشی۔ میں آپ کے سامنے سو گندھ لیتا ہوں؟ جس پاپی نے ہماری زردوش وردھا ماما کو مارا ہے اسے اسی کھوار سے مار کر جب تک رکت کا بدلا نہ لے لوں گا جل پان نہ کروں گا! ناتھو نے کانپتے سوز سے کہا۔ ہاں ہاں سوامی! یہ کیا کرتے ہیں؟ مغل بہت ہیں اور آپ اکیلے، یدی آج ہی بدلا نہ مل سکا، تو کب تک آپ بنا جل پان کے رہیں گے؟ درگا داس بولا۔ ناتھو ناتھو! تو بھولتا ہے میں اکیلا نہیں، میرا ستیہ میرا پریمو میرے ساتھ ہے۔ ستیہ کی سدو دجے ہوتی ہے۔ ابلا پر ہاتھ اٹھانے والا بہت دن جیویت نہیں رہ سکتا۔ البتور نے چاہا تو آج ہی ماما کے دن سے ارن ہو جاؤں گا۔ یدی ایسا نہ کیا گیا تو ایک دلش پر پران دینے والی چھترانی کی مٹی کھاپی نہ ہوگی۔

سوریہ آست ہو رہے تھے۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ درگا داس نے ناتھو کو اپنی انگوشی دے کر کہا تو مہاسنگھ کے پاس چلا جا اور میری انگوشی دے کر کہنا، درگا داس اپنی وردھا ماں جی کا بدلا لینے کے لیے کھالیا گئے ہیں، یدی جیتے رہے تو کبھی ملیں گے۔ نہیں تو ان کا اتم رام رام۔ اور اسی چمن اپنے بیٹے اور اپنے بھائی کو ساتھ لے کر کھالیا کی اور چل دیے۔ پھر

رات بیٹے چیلوں کی ہستی میں پہنچے۔ زن سنگھ لگ بھگ ایک سو راجپوت دیہوں کو ساتھ لے کر درگاداس کی اگمانی کے لیے آیا۔ درگاداس راجپوتوں کو دیکھ کر پرسن ہوا۔ شمشیر خاں والی تلوار اونچی اٹھا کر بولا۔ بھائیو! یہ تلوار دُشت شمشیر خاں کھالیا کے سردار کی ہے۔ اس نے ہماری پوجیہ ماما کی ہتیا کر کے سارے دیش کا ایمان کیا ہے۔ میں نے ماں جی کا بدلا لینے کے لیے سوگندہ لی ہے۔ یدی تم میں راجپوتی کا گھمنڈ ہے، یدی تمہیں دیش کے اذکار کی اچھا ہے، یدی تم اپنی زردوش ورڈھا ماماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی لاج رکھنا چاہتے ہو تو شترؤں سے بدلا لینے کی سوگندہ اٹھاؤ۔

درگاداس کے جلتے ہوئے شہنشاہن کر دیر راجپوتوں کا رکت امنڈ اٹھا اور ایک ساتھ ہی سب سردار بول اٹھے۔ ہم بدلا لیں گے۔ جیتے جی آپ کی آستیا کا پالن کریں گے۔ ترنت سموں نے میان سے تلواریں کھینچ لیں اور درگاداس کے پیچھے چل دیے۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔ جان کی بازی کھیلنے والوں کا دل کھالیا پہنچا اور قلعہ پر دھوا بول دیا۔ دوار بند تھا۔ اسے توڑ کر سب اندر گھسے، جو سامنے آیا اسے وہیں شخڑا کر دیا۔ ہتھیاروں کی جھنجھناہٹ سن کر شمشیر خاں چونک اٹھا۔ سامنے دیکھا تو دیر درگاداس کھڑا تھا۔ درگاداس نے کہا۔ او زردوش ابلا پر ہاتھ اٹھانے والے پانی شمشیر، ساودھان! اپنے کال کو سامنے دیکھ کر شمشیر خاں گڑگڑانے لگا۔

درگاداس نے کہا۔ سنبھل جا۔ راجپوت کبھی ہتھے شترؤ پر وار نہیں کرتے۔ دیکھ یہ وہی تلوار ہے جس نے وردھا ماں جی کا رکت پان کیا ہے۔ ابھی یہ پیاسی ہے، اب حیرے رکت سے اس کی پیاس میں بجھاؤں گا۔

شمشیر خاں جگ ہو کر سامنے آیا۔ دیر درگاداس نے ایک ہی وار میں اس کا سراڑا دیا۔ تب تلوار وہیں پھینک دی اور اپنے سہایک شور دیہوں کو ساتھ لے کر گلیان گڑھ کی اور چل دیا۔

درگاداس کی ہتھاتھی کہ ماں جی کا اگنی سنسکار کر دیا جائے۔ اس لیے گلیان گڑھ گیا بھی تھا۔ پرنو مغل سپاہیوں نے پہلے ہی درگاداس کا گھر ہی نہیں سارا گلیان گڑھ ہی پھونک دیا تھا۔ اپنے گاؤں کی دشا دیکھ بھارے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ تھوڑی دیر مون کھڑا رہا۔ پھر کردودھ میں آکر بولا۔ بھائیو! جب کوئی اپراودھ نہ کرنے پر شترؤں نے ماں جی کو مار

ڈالا، گھر بار لوٹ لیا اور گاؤں چلا دیا، تو پھر اس میل کی کیا آشنا کی جاسکتی ہے۔ ایسے
 ہتھیاروں سے میل کر کے ہم مارواڑ کو ایمانت نہیں کر سکتے۔ ہمارا دھرم کیول پہاڑیوں میں
 چھپ کر جان بچانا نہیں ہے۔ اب تو گاؤں گھر نہ ہونے پر مارواڑی ہی ہمارا گھر ہے۔
 ورڈھا ماں جی کی جگہ مارواڑ کی پتر بھوی ہی ہماری ماما ہے، اس لیے جب تک اپنی ماما کے
 سکنوں کو دور نہ کر لیں گے۔ (میان سے تلوار نکال کر) تب تک یہ میان سے نکلی ہوئی تلوار
 پھر میاں میں نہ رکھوں گا۔

یہ ہن کر کے دیر درگاہ اس اپنے بیٹے، بھائی اور تھوڑے سے راجپوتوں کو ساتھ لے
 اراولی پہاڑ کی اور چلا گیا۔

چوتھا پر تمہید

دیر درگا داس سے ہوا ہو کر ، ناتھو دوسرے دن ماڑوں میں پہنچا، درگا داس کا سینک جان کر دوار پال اسے مہاراج مہاسنگھ کے پاس لے گیا۔ مہاسنگھ نے ناتھو کو آدر کے ساتھ بٹھایا اور دیر درگا داس کا سندیش سنا۔ تھوڑی دیر اداس من ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ پھر بولے۔ ناتھو! بڑے دکھ کی بات ہے کہ جس کے لیے درگا داس نے مظلوں سے ہر کیا، وہ راجہ سکھ بھوگے۔ دھکار ہے ایسے جیون پر، اپنے پران بچانے والے کی نیکیوں کا کچھ بھی بدلا نہ دے سکا۔ ناتھو میں کل ہی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

مہاسنگھ کی استری جھو پائی، جو وہیں بیٹھی بیٹھی یہ کھاسن رہی تھی، بولی۔ مہاراج درگا داس کی سہایتا کا دھار بھول کر بھی نہ کہتا۔ ابھی آپ کے گھاڑ بھی اچھے نہیں ہوئے اور پھر مظلوں کا سامنا کرنے کا سامس کرنے لگے۔ میں نہیں جانتی، آپ مٹھی بھر راجپوت لے کر اتنے بڑے مثل بادشاہ کا سامنا کیوں کر کریں گے۔ چنگھوں کے سان دیکھ میں جل مرنا کوئی جزائی ہے؟ درگا داس نے ہر کر کے کیا لا بھ اٹھایا، پردی ہوئی سونے کی قتالی میں لات ماری۔ زور آور خاں کو مار کر کون سکھ پایا؟ یہی نہ کہ گھر بار لٹوایا، ماں جی کی ہتیا کرائی اور اب جنگوں پہاڑوں کی ہوا کھاتے پھرتے ہیں، کیا آپ بھی ایسے سر بھروں کی سہایتا کر کے راجہ کھونا چاہتے ہیں۔ یہ واکہ مہاسنگھ کے کلیجے میں تیر کی طرح لگے۔ پر تو گھر میں ہی پھوٹ نہ پیدا ہو جائے، اس لیے کرودھ نہ کیا۔ بولا جھو پائی! کیا درگا داس سر بھرا ہے۔ جس نے تیری بیٹی کی لاج رکھی اور سہاگ کی رکھا کی۔ درگا داس نے اپنے لیے نہیں کٹھو میرے پرانوں کو بچانے کے لیے مظلوں سے ہر بلیا۔ یہی زور آور خاں مارا نہ گیا ہوتا، تو آج تیری بیٹی لالبا کی المیہ جانے کون دشا ہوتی۔ کہا! سے کل جانے پر تو ایسے دیر پڑش کو طو رکھ کہتی ہے۔

دھنکار ہے، تجھے اور میرے جنم داتا کو! بدھنا کو تجھے چھترانی نہ بنانا تھا۔ مہما راج سکھ کی ہوگی تھی۔ اسے مہاسکھ کی سکھاون کیسے اچھی لگتی؟ اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی اور اپنے پیچھے مہاسکھ کو بلوا کر کہا بیٹا اپنے کا کا کو سمجھاؤ، بیٹھے بیٹھے دوسرے کا بھڑوا اپنے سر نہ لیں۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ مان سکھ نے کہا کا کی یہ دوسرے کا بھڑوا نہیں۔ یہ اپنا ہی ہے۔ دیر درگاداس نے مظلوں سے جو بڑ بڑھایا وہ ہمارے ہی کل کی لاج رکھنے کے لیے۔ اس میں درگاداس کا کیا سوا تھ تھا؟ دیکھوں کی سہایا کرنا راجپوتوں کا دھرم ہے۔ پھر درگاداس تو ہمارے لیے کشت سہتا ہے۔ یدی اس کی سہایا نہ کی جائے تو کا کی، کیا ہماری راجپوتی میں کلک نہ لگے گا؟ یدی کا کا کا جانا تمہیں اچھا نہ لگتا ہو تو میں چلا جاؤں گا۔

مان سکھ کا کی سے ہوا ہو مہاسکھ کے پاس آیا اور بولا کا کا جی ابھی آپ کے گھاڑ اچھے نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ اپنے لنگر کا سردار مجھے بنا کر درگاداس کی سہایا کے لیے جانے کی آستیا دیجیے۔ مہاسکھ اپنے پیچھے کی ساس پر بڑے پرہن ہوئے اور تین سو دیر راجپوتوں کو بلایا۔ مان سکھ نے ان کے سامنے کھڑے ہو کر کہا، بھائی! میں کسی راجپوت کو اس کی رعنا بنا ہی اپنے ساتھ پردہ پر لے جانا نہیں چاہتا۔ یدی کسی کو اپنے استری پتر اتھاوا اپنے پرانوں کا موہ ہو، تو اچھا ہے کہ وہ ابھی سے اپنے گھر چلا جائے۔ کل شترہ کے سامنے سے بھاگ کر راجپوتوں کی ہسائی نہ کرے۔ شور دیروں نے کہا مہاراج! دیش کو سترہ کیسے بنا آگے بڑھا ہوا ہے اب پیچھے نہیں پڑ سکتا۔ مرنے پر سوگ اور جیتے رہنے پر سکھ اور نیش سب پرکار بھلائی ہی ہے۔ مان سکھ دیروں کو آساہت دیکھ بڑے پرہن ہوئے۔ ترنت تین سو کی تین ٹولیاں بنائیں۔ ایک ٹولی روپ سکھ اداوت کے ساتھ بھیجی اور دوسری ٹولی محکم سکھ میڈیتا کے ساتھ کسی دوسرے ہی مارگ سے بھیجی۔ تھوڑے تھوڑے راجپوتوں کو پر تھک پر تھک مارگوں سے پیچھے کا کارن تھا کہ اتنے ہتھیار بند راجپوتوں کو ایک ساتھ جاتے ہوئے دیکھ کر مظلوں کو سندیدہ اوشیہ ہوگا۔ روک ٹوک میں مار کاٹ تو راجپوتوں کے لیے کوئی انہونی بات تھی ہی نہیں اس کا پھل یہ ہوتا کہ اپنے کام میں بادھا پڑتی اور درگاداس کی سہایا کرنا تو دور رہا، اپنی ہی رکشا دشمن ہوتی۔ انہیں اڑچنوں کے بچاؤ کے لیے دو ٹولیاں پہلے بھیج دیں، اور تیسری ٹولی مان سکھ نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے روک لی۔

جھٹ چا ہو چلا تھا۔ مان سکھ مہما اور لالبا سے جدا ہو کر باہر آئے۔ چاہتے تھے کہ

راجپوتوں کو چلنے کی آگیا دیں، اچانک دکن کی اور دیکھا تو کالے ہاتھوں کے سان ہوا میں اڑتے ہوئے مثل سپاہی آرہے تھے۔ دیکھتے ہی مان سنگھ خبر دیے سمیٹ گیا۔ اجر مظلوں نے گڑھی گھیر لی۔ راجپوت لڑائی کے لیے تو سبے کڑے تھے، ہڑ گئے اور گھمسان مار کاٹ ہونے لگی۔ مہا سنگھ نے کہا بیٹا مان سنگھ۔ جیسے بنے دیے لالبا کو یہاں سے نکال لے جاؤ، ہم کیدل محل میں کلک کے نکلے کو ڈرتے ہیں، مرنے کو نہیں۔ مان سنگھ تحفہ لالبا کے پاس پہنچا اور سمجھا بھگا کر اسے سرگ والی کٹھری میں لے گیا۔ لالبا بولی بھائی وردھ ناتھو کو کسی پر کار بھانا چاہیے۔ مان سنگھ نے لالبا سے کہا اچھا بہن! تم یہیں کٹھری رہو میں ناتھو کو لینے جاتا ہوں۔ یہی میرے آنے میں دیر ہو تو سیدی چلی جانا، تھوڑی سی دور پر تم کو ایک مہندر ناتھ بابا کی مڑھی ملے گی۔ تم وہیں بابا کے پاس ٹھہرنا میں آجاؤں گا۔ مان سنگھ سرگ کا منہ بند کر باہر آیا۔ دیکھا کہ مثل سپاہی گڑھی کے چاروں اور بھر گئے۔ چدر سنگھ جو لالبا کی سندرتا پر موہت تھا۔ پاگوں کے سان کٹھری کٹھری میں لالبا کی ہی کھوج کر رہا تھا۔ مان سنگھ ایک جھروکے سے چھپ کر دیکھ رہا تھا، اچانک تین سپاہی ادر ہی پہنچ گئے۔ مان سنگھ نے تو زنت ہی تینوں کو ہم پھینچ دیا اور وہاں سے ہٹ کر دوسری اور چلا۔ یہاں بھی ایک مثل سپاہی دیکھ پڑا۔ مان سنگھ اسے مانتا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے پیچھے سے کہا، ہاں، ہاں یہ خدا بخش ہے۔ ہاتھ روک لیا۔ مڑ کر دیکھا، تو ناتھو کھڑا تھا۔ زنت ہی تینوں مل کر سرگ میں اترے لالبا ابھی یہیں کٹھری تھی۔ پکڑا۔ بھائی مان سنگھ! کیا ناتھو کو لے آئے؟ ناتھو نے کہا۔ ہاں بیٹی میں کشل سے ہوں، اور خدا بخش کو ساتھ لایا ہوں۔ لالبا نے چلتے چلتے پوچھا، ناتھو! ہمارے مانتا پتا کی کیا دشا ہوگی؟ ناتھو نے کہا! بیٹی دونوں میرے ہی سامنے پکڑے گئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا میں نہیں جانتا، مجھے تو مہاراج نے بھاگ جانے کا حکم کیا۔ میں ان کا ہمچرا لے سمجھ کر بھاگا۔ بیٹی! اپنے لیے نہیں کٹھن لوہے والی صندوق کے لیے۔

خدا بخش نے کہا بیٹی لالبا! اپنے مانتا پتا کی چتا نہ کرو۔ میں مسلمان ہوں، اس لیے اپنے پکڑے جانے کا بھیے تو تھا ہی نہیں۔ وہیں کھڑا رہا اور سب کی سنتا رہا۔ تھوڑی سی دیر میں سارا عہد کھل گیا۔ دیل دروہی چدر سنگھ نے تو منگنی کے لیے مہاراج کو ایک پتر لکھا تھا۔ کھاجت یہ بات تجھے نہ معلوم ہو، مہاراج اس دشت کے سو بھاد سے پر بچت تھے، اس لیے اس کی دلے پر ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ اسی بات پر چدر سنگھ ایٹھ گیا اور مہاراج کو بچا دکھانے

کا اُپائے سوچنے لگا۔ دیو برگ سے کسی پرکار اسے ناتھو کا آنا اور دیر درگاہوں کی سہایا کے لیے وہاں سے راجپوتوں کا بھیجا جانا معلوم ہو گیا۔ ترنت مغل سردار حمایت خاں کے پاس دوڑا گیا اور مہاراج کو راج دروہی بتا کر مازوں پر چڑھائی کرا دی۔ یہ سب تھا تیرے ہی لیے، پرعو المشر کی کرپا تھی، کہ تو اس دیش دروہی دشت کے ہاتھ نہ لگی، نہیں تو آج بڑی خرابی ہوتی۔ جب لاکھ ڈھونڈنے پر بھی چند نگہ نے تیرا پتا نہ پایا۔ تب تیرے ماتا پتا کو پکڑ کر سوچیت گڑھ میں رکھنے کا دھار کیا، المشر نے چاہا تو وہ دو ہی تین دن میں جھوٹ جائیں گے۔

سرگ ساہت ہو گئی، تو مان سنگھ نے آگے بڑھ کر سرگ کا منہ کھولا اور ایک ایک کر کے سب کو باہر نکالا۔ مڑی میں خشیوں کی آہٹ پاتے ہی بابا مہندر ناتھ جی آپہنچے۔ سکھوں نے اٹھ کر پرنام کیا۔ باباجی نے آشرود دیا۔ مان سنگھ نے پوچھنے کے پہلے ہی مغلوں کا دھادا اور بھاگنے کا کارن کہہ سنایا۔ باباجی نے لالبا کی اور دیکھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر بولے بیٹی! اب کسی بات کی چتا نہ کرو۔ یہاں آند سے رہو، تمہارے لیے ایک داسی بلائے دیتا ہوں۔ بیٹی! یہاں کسی کی سار تھ نہیں، کہ حصیں کٹ پہنچا سکے۔ باباجی نے سب کو ڈھارس دیا اور سونے کے لیے استھان بتا کر مڑی میں چلے گئے۔ ڈر اور چتا میں نیند کہاں؟ جیسے جیسے رات گئی۔ سویرا ہوا، خدا بخش نے جانے کی آستیا مانگی۔ بابا مہندر ناتھ نے کہا بیٹا! ایسے اُتالے کیوں ہو رہے ہو؟ چلے جانا خدا بخش نے کہا۔ باباجی، مسلمان ہوں، اس لیے مجھے مسلمانوں کو اتنا چار کرتے دیکھ لاج لگتی ہے۔ سچے مسلمانوں کا دھرم نہیں، کہ دوسرے کی مان بیٹی کا ستیو ٹھٹ کریں۔ دیکھوں کو ستائیں۔ بہادر سپاہی کھلا کر ابلاؤں پر ہاتھ اٹھائیں۔ اب مجھے چھما کیجیے اور آستیا دیجیے۔ جہاں تک ہو سکے۔ اس دیش سے ٹھیکر ہی چلا جاؤں۔ پھر وہ مان سنگھ سے بڑے بڑے پریم کے ساتھ گلے ملا۔ دونوں نے پر سرتواریں بدلیں اور خدا بخش باباجی کو پرنام کر چل دیا۔ تھوڑی دور چل کر پیچھے مڑا اور بولا۔ بھائی مان سنگھ! ہماری تلواریں سے کسی پرانوں کی ہلکھا مانگنے والے کار کو نہ مارنا۔ مان سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کھڑے کھڑے ایک تک اس بچے مسلمان سپاہی کی اور دیکھتے رہے۔ جب تک وہ آنکھوں سے اوچھل نہ ہو گیا۔

ابھی بابا مہندر ناتھ، ناتھو، لالبا اور مان سنگھ بیٹھے خدا بخش ہی کی بات چیت کر رہے

تھے کہ دیکھا کچھ مثل سپاہی ایک راجپوت کو بڑی نزدیکی سے مارتے ہوئے لیے جارہے ہیں۔ باباجی سے دیکھا نہ گیا۔ سو بھاڑ دیا وہاں تھا۔ دوڑ کر پوچھا بھائی، اس بھارے کو کیوں مار رہے ہو؟ سپاہیوں نے کہا باباجی! راج دروہی مہاسنگھ کا پکٹش پاتی ہے۔ اس کے پاس مہاسنگھ کی انگٹھی بھی ہے بابا مہندر ناتھ نے کہا۔ یہ تو کوئی پرمان نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے مان لو اس نے یہ انگٹھی کسی سے چھین لی ہو، اتھوا مہاسنگھ نے ہی دے ڈالی ہو، یا چرا لیا ہو۔ تو اس پر مہاسنگھ کا پکٹش پاتی ہونے کا دوش کیسے لگ سکتا ہے؟ تمہارے دھرم گرنٹھ قرآن میں کسی زردوش کو مارنا مہاپاپ لکھا ہے۔ اس لیے اسے ابھی چھوڑ دو۔ ہم اس سے فحی طور سے پوچھ لیں۔ یدی دوشی ٹھہرے گا تو تم کو سوپ دیں گے۔ نہیں تو چھوڑ دیں گے۔ باباجی کی باتیں سردار کو جج گئیں۔ اور راجپوت کو چھوڑ دیا۔

باباجی راجپوت کو اپنی مڑھی میں لے آئے اور پوچھا بیٹا، یہ مہاسنگھ کی انگٹھی کہاں سے لائے۔ اور کہاں لیے جارہے تھے؟ راجپوت نے کہا سوامی جی آپ نے ہمارے پران بچائے ہیں۔ اس لیے آپ پر بھروسہ کرنا اچت ہے ہی، پرنتو آپ ہی پران کیوں نہ لے لیں۔ اس سے تک کچھ نہ بتاؤں گا۔ جب تک مجھے یہ دشاں نہ ہو جائے گا، کہ آپ ہمارے اتھو ہیں۔ راجپوت کی آواز ناٹھو کو کچھ پہچانی ہوئی جان پڑی، باہر آیا، دیکھتے ہی راجپوت نے پہچان لیا اور بولا ناٹھو! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ مہاسنگھ نے درگاداس کی سہایت کرنے کا کوئی پر بندھ کیا یا نہیں؟ ناٹھو اچنبھے میں آکر بولا۔ کیا سہایت نہیں پہنچی؟ کل ہی دو سو کی دو ٹولیاں بھیجی گئیں ہیں۔ راجپوت نے کہا نہیں ناٹھو! ابھی کوئی نہیں پہنچا! مسلمانوں نے چاروں اور سے گھیر لیا ہے۔ اب کہیں بھوجنوں کا بھی ٹھکانا نہیں۔ یدی دو دن اور یوں ہی بیٹے تو پھر مارواڑ کا سرد ناٹھ ہو جائے گا۔ بابا مہندر ناتھ نے گرج کر کہا۔ کیوں نراٹھ ہوتے ہو؟ مارواڑ سوتھڑ ہوگا۔ اور دیر درگاداس کا منورٹھ سکل ہوگا۔ پرش ہو، پروشارٹھ کرو اوپائے کرو۔ آج ہی رات کو اپنے کا کالیاں سنگھ کے پاس جاؤ اور جو کچھ بھی سہایت مل سکے، لے کر ارادلی پہنچو۔ تمہاری بے ہوگی۔

بابا مہندر ناتھ کے آسمتیا اوسار مان سنگھ اور کرن سنگھ بہن لالبا سے ہدا ہو لگ بھگ آدمی رات کو کالیاں سنگھ کے گھر پہنچے۔ دیکھا تو چوکیدار بھی بے خبر سو رہے تھے۔ جگایا، تو ایک ایک کر کے سبھی جگ پڑے۔ ٹھاکر کالیاں سنگھ نے مان سنگھ کو اتنی رات کو آیا دیکھا تو گھبرا

اٹھے۔ پوچھا بیٹا مان سنگھ اکشل تو ہے؟ کیسے آئے؟ مان سنگھ جبر چھوڑ بیٹھ گیا اور بولا کاکا جی کیا آپ نے ماڈو کے ساچار نہیں سنے؟ دشت چدر سنگھ اپنے ساتھ سردار حمایت خاں کو لایا، اور مرضی لٹوالی، کاکا اور کاکا کی کو پکڑ لے گیا۔ یہ سب کچھ بہن لالبا کے لیے تھا۔ ویر درگا داس نے بھی لالبا اتھا کاکا کی رکشا کے لیے ہی زور آور خاں کو مارا تھا۔ جس کا پھل ابھی بھوک رہا ہے۔ گھر لوٹا، گاؤں جلا، ماں کی ہتھیا ہوئی ارادلی کی پہاڑی میں جا چھپا، وہاں بھی سنگھ نہیں۔ چاروں اور سے مغلوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس لیے کاکا جی ہم چاہتے ہیں، کہ ایسے اپکاری پرش کی آپ ہی کچھ سہایتا کریں۔ کلیان سنگھ نے کہا۔ بیٹا! یہ تو بچ ہے، پرستو ہمارا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کہیں اور تنگ زیب کو معلوم ہو گیا، تو ستیا ناش کر ڈالے گا۔ ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ ڈر تو یہی ہے۔ مان سنگھ نے کہا۔ کاکا جی! راجپوت کبھی اتنا ڈر کر تو نہیں رہے۔ جتنا آپ ڈرتے ہیں۔ دیس کی سوتزنا پر مرنا راجپوتوں کا دھرم ہی ہے اور یدی آپ چاہتے ہی ہیں تو آپ سوئیم یدھ کے لیے نہ جاییے۔ تھوڑے سے ویر راجپوت، جو آپ کی آکیتا میں ہوں، سہایتا کے لیے بھیج دیجیے۔ اس میں آپ پر کسی پرکار کا دوش نہیں لگایا جاسکتا۔ مان سنگھ کے سمجھانے اور ہٹ کرنے پر کلیان سنگھ نے ساتھ راجپوتوں کو درگا داس کی سہایتا کے لیے جانے کی آکیتا دی۔ مان سنگھ دوسرے دن شام کو ساتھ راجپوتوں کو ساتھ لے کر ارادلی کی اور چلا۔

پانچواں پر تھمید

کٹھالیا کے سردار شمشیر خاں کے مارے جانے کی خبر پاتے ہی اورنگ زیب آپے میں نہ رہا، ترنت آگیا دی درگا داس کو جیسے ہو سکے، پکار کر ہمارے سامنے لایا جائے۔ جیتا ہوا یا مرا ہوا، جیسا بھی ہو۔ پانچواں پر تھمید کے ہی دلہا مظلوم نے چاروں اور سے ارادہ کر لیا۔ اوپر چڑھ کر راجپوتوں کا سامنا کرنے کا کوئی سامس نہ کرتا تھا۔ اس لیے بھوکوں ہی مار ڈالنے کی صلاح ہوئی۔ پہاڑی پر نہ کسی کو آنے دیں اور نہ جانے دیں۔ یہاں تک کہ لوتھ بھی کھول کر دیکھ لیتے تھے۔ پچھارے درگا داس اور اس کے ساتھی راجپوتوں کو کند مول بھی کھانے کے لیے ملتا کھن ہو گیا۔ آج تین اپواں ہو چکے تھے۔ درگا داس اپنے ساتھی راجپوتوں کا کھٹ نہ دیکھ سکا۔ بولا۔ بھائیو! آج تاقھو کو گئے چار دن ہوئے، پرتو نہ آپ ہی آیا اور نہ سہاٹیا کے لیے کوئی راجپوت ہی بھیجا۔ تھک ہے، وہ کسے بھیجتا، وہ تو مان سنگھ کے پاس بھیک مانگنے گیا تھا۔ بھائیوں۔ ایک سے تھا جب راجپوتوں کی دیرتا سنسار میں بکھانی جاتی تھی اور تھوڑے ہی دن ہوئے مہاراج جسونت سنگھ کے مرنے کے بعد میں ہزار مغل سپاہیوں پر ڈھائی سو راجپوت لوٹ پڑے تھے۔ اب آج وہی راجپوت مٹھی بھر مظلوم سے ڈر کر گھر سے نہیں نکلتے۔ بھائیوں! اچھا ہوگا کہ تم سب بھی اپنے اپنے گھر جاؤ، مجھے اور میرے اہل گھر کو بھگوان کے بھروسے چھوڑ دو۔ میرے ساتھ کیوں بھوکوں مرد گئے؟ میں تو جو پر ن کر چکا، وہ کر چکا۔ رہوں گا سوتیز ہو کر، نہیں تو بھو ماتا کے لیے لڑ کر سدھو کے لیے ماتا کی پوتر گود میں سو رہوں گا۔

درگا داس کو اداس دیکھ کر، راجپوتوں نے اجماع ہو کر کہا مہاراج، جو آپ کا پر ن وہی

ہمارا پران۔ جہاں مہاراج وہیں ہم سب۔ جب تک مارواڑ سوتلر نہ کر لیں گے۔ جیتے جی مگر نہ لوٹیں گے۔

بھوکوں مرتے ہوئے راجپوتوں کا ایسا سامس دیکھ، دیر درگا داس کی مرجھائی ہوئی آشتاں ایک بار پھر ہری ہوئی۔ کچھ پر پرشتا جھلک اُٹھی۔ بولا اچھا، تو بھوکوں مرنے سے لڑکر ہی مرنا اچھا ہے۔ سہانچا لے یا نہ لے۔ چلو، اس پہاڑی کے نیچے اتریں۔

یہ راستہ بڑا پیڑ تھا۔ منٹش تو کیا، پشو بھی جاتے ڈرتے تھے، پر تو مرنا کیا نہ کرتا، وہی کہاوت تھی۔ لوگ نیچے اترنے لگے۔ اتنے میں درگا داس نے ”رام نام ستیہ ہے“ سنا، وہیں ٹھہر گئے۔ دیکھا، تو سامنے سے چار آدمی ایک اترتی لا رہے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک آدمی ادھ جلا کٹڑا اور ہاڑی لٹکائے ہے۔ پیچھے پیچھے لگ بھگ سو آدمی اور ہیں، اور سب کے سب ادھر ہی آرہے ہیں۔ درگا داس کو سند یہ ہوا کہ شمشان تو ادھر ہے، یہ سب ہماری اور کیوں آرہے ہیں؟ جب ان آدمیوں نے اترتی دیر درگا داس کے سامنے اتاری اور لگے کھولنے تو درگا داس اور بھی چکرایا۔ سوچنے لگا، یا بھگوان! یہ بات کیا ہے؟ اترتی کھلتے ہی ایک دیر راجپوت اٹھ کر درگا داس کے سروں پر گر پڑا۔ درگا داس نے آشرودا دے کر پوچھا بھائی تم کون ہو؟ یہ سب میں کو تک دیکھ رہا ہوں یا سوہن میں؟ روپ سنگھ اداوت نے، جو پیچھے رہ گیا تھا، آگے بڑھ کر رام جہار کی، اور بولا۔ اس دیر راجپوت کا نام گنیر سنگھ ہے۔ آپ کے پاس آنے کے لیے ادھر ادھر وکل گھوم رہا تھا، دیو یوگ سے یہ ہمیں ملا۔ ہم لوگ بھی اسی کی بھاتی دیا کل تھے۔ کیا کرتے؟ چاروں اور سے مغلوں نے پہاڑی گنیر رکھی ہے۔ گنیر سنگھ نے یہی اپائے سوچا اور ایسی سانس چڑھائی کہ تین جگہ کھول کر دیکھنے پر بھی مغلوں کو سند یہ نہ ہوا۔ بچی پوچھیے، تو آپ کو سہانچا پہنچانے والا مہا سنگھ نہیں، کٹھ گنیر سنگھ ہی ہے۔

درگا داس نے گنیر سنگھ کو چھاتی سے لگا لیا اور کہا۔ بیٹا گنیر سنگھ! آج سے ہمیں دشواش ہو گیا کہ مارواڑ دیش تیرا آجیون رہی رہے گا۔ تیری چڑائی، سامس اور پرشرم کے بل پر ہی مارواڑ سوتلر ہوگا۔ روپ سنگھ اداوت نے کہا مہاراج! سورج است ہو چکا، مارگ اٹ پٹ ہے، اندھیرا ہو جانے سے کشت کی سمجھا دنا ہے۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے فکھر ہی چلیے، راجپوت بھی بھوکے ہیں۔ اور اس مارگ کی روک پر مغل بھی اٹے گئے ہیں۔ بس تھوڑا ہی پرشرم کرنے پر پوہارہ ہے۔ دیر درگا داس کی آستیا پاتے ہی راجپوت پہاڑی سے

اترے اور بھوکے سنگھ کے سامن مظلوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہفت (لہو) ماہ میں ہی دیر راجپوتوں نے سینکڑوں مظلوں کا سرھڑ سے الگ کر دیا۔ اتنے مظلوں میں کوئی بچا رگمٹا بھی نہ بچا کہ اپنے سردار کو خبر دیتا۔

دیر درگا داس اب نچھت تھا، کسی پرکار کی ہادھا دیکھائی نہ دیتی تھی۔ ارادلی کی پہاڑیوں کو پار کر کے لوگ ایک میدان میں یہ ملاح کرنے کے لیے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ کہاں چلنا چاہیے؟ کیا ایک کسی کی اس آواز نے سب کو چٹکا دیا، ارے دشت! مجھے کیوں مارتا ہے؟ کیوں نشت کرتا ہے؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ ارے، رکشا کرو، کوئی بچا؟ پانی، ابلا پر کیا بل دکھاتا ہے؟ اچھا مجھے تھوڑے دے دیر درگا داس ادھر ہی دوڑا جدھر سے یہ آواز آ رہی تھی پیچھے پیچھے گمبیر سنگھ اور جسکرن بھی تھے۔ درگا داس نے یہ دیکھا کہ ایک ابلا پر ایک پرش بلا نکار کرنا چاہتا ہے۔ پر تو اندھکار کے کارن پچکان نہ سکا۔ ڈھٹ کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ وہ منٹس بولا جا جا، میں کون ہوں؟ تو پوچھنے والا کون ہے؟ میں کیا کر رہا ہوں، تجھ سے پر یوجن؟ درگا داس نے کہا کیا سیدھے نہ بتائے گا؟ اتنا کہتا تھا کہ تھوڑے کھینچ سامنے آیا اور چاہتا تھا کہ درگا داس پر وار کرے۔ اس کے پہلے ہی گمبیر سنگھ نے اس کا سرھڑ سے الگ کر دیا۔ درگا داس نے استری سے پوچھا۔ بیٹی! تم کون ہو؟ اور یہ دشت کون تھا؟ اس نے تم کو کہاں پایا؟ استری نے کہا پتا جی؟ میں ماڑوں کے راجا مہاسنگھ کی کنیا لالبا ہوں، اور یہ پانی چدر سنگھ تھا۔ اپنے کیے کا پھل پا گیا۔ درگا داس نے پیچھے کسی کی آہٹ پائی، مڑ کر دیکھا، جسکرن اور گمبیر سنگھ دوڑے جارہے ہیں۔ درگا داس ہاتھ میں تھوڑے لالبا کی رکشا کے لیے وہیں کھڑا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں گمبیر سنگھ اور جسکرن ہاتھوں میں ہاگ ڈور پکڑے پانچ گھوڑے لے آئے اور بولے مہاراج! اس پانی کے تین ساتھی اور تھے ہم نے انھیں دیکھ لیا اور بچھا کیا۔ یہ چاہتے تھے کہ گھوڑے پر چڑھ کر بھاگ جائیں پر تو یہ کیسے ہوتا؟ انھیں تو موت کھینچ لائی تھی۔ وہ تو نرک گئے اور گھوڑے آپ کے لیے چھوڑ گئے۔

لالبا نے گمبیر سنگھ کو بولی سے پچھانا اور پکارا۔ بھائی گمبیر سنگھ! کیا آپتی میں آپ بھی ہم کو نہیں پہچانتے؟ گمبیر سنگھ نے کہا کون لالبا! اری، تو یہاں ان پاپیوں میں کیسے آجھنسی؟ لالبا نے کہا ماما مجھا کے کارن! بھائی، مجھا میں چھترانی کی، کچھ بھی اینٹھ نہیں، وہ سد یو راج سنگھ کی بھوی رہتی ہے۔ کداچت پانی چدر سنگھ نے کسی پرکار کا لالچ دے کر مجھا کو پھنسیا ہوا،

اور اس نے اپنی انگٹھی دے دی ہو۔ وہ جانتی تھی کہ لالبا میری انگٹھی پا کر اوشیہ ہی انگٹھی دینے والے کے ساتھ چلی آئے گی۔ گنیر سنگھ نے کہا بہن لالبا! یہ کیسے دشواش کیا جائے، کہ مجھ نے چندر سنگھ کو انگٹھی دی ہے؟ جب عاتیت خاں نے تمہا اور کا کا مان سنگھ کو پکڑ لیا تو ہو سکتا ہے کہ انگٹھی اتار لی ہو۔ لالبا نے کہا نہیں، مان لیا جائے کہ چندر سنگھ نے انگٹھی جھین لی تھی۔ تو پھر ہمارا پتا کیسے پاتا، کہ میں سرنگ سے بابا ہندر ناتھ سنگھ کی مڑھی میں پہنچی، اور وہیں رہی۔ بھائی، ایسے ہی ترکوں سے مجھے دشواش ہو گیا ہے۔ کہ مجھ کے سوا دوسرے نے کپٹ نہیں کیا۔ گنیر بولو۔ اچھا لالبا! یہ تو بتا کہ جب تو چندر سنگھ کو پہچانتی تھی، اور اس کے سوہاڑے سے بھی پر سچت تھی، تب اس کے مایا جال میں کیوں پھنسی؟ لالبا بولی، بھائی، مجھ کی انگٹھی لے جانے والا کوئی دوسرا ہی راجپوت تھا۔ اس نے جا کر کہا کہ مجھ نے لالبا کو بلایا ہے، کیونکہ مہا سنگھ بہت دھکی ہے۔ اور یہی چاہتے ہیں کہ لالبا ان کے آنکھ کے سامنے رہے۔ تو میں سوہ سے اندھی ہو گئی۔ دشواش کے لیے انگٹھی تھی ہی۔ بس بابا ہندر ناتھ سے بڑا ہو اس پانی کے ساتھ چل دی۔ اس کے بعد اس دہیتی میں آ پھنسی۔ انشور نے پانیوں کی اچھا پوری ہونے کے پہلے ہی میری رکشا کے لیے آپ کو بھیج دیا۔

دیر درگاہاں نے اسے دھیر دلاتے ہوئے کہا، بیٹی! اب تجھے ایسے اچھے اور سورکھت استخان میں رکھوں گا، جہاں کسی پرکار کی ہنکا نہ ہوگی۔ لالبا نے کہا نہیں اب میں کبھی اکیلے رہنا نہیں چاہتی۔ یہی آپ میری رکشا کرنا چاہتے ہوں تو اپنے ہی ساتھ رہنے دیں۔ میں بھی اب سپاہیوں کے ہمیش میں رہوں گی۔ -تھا شکتی آپ کی سہیٹا کروں گی۔ مجھے اس سے اچھا اب اپنی سرکشا کا آپائے نہیں سوچتا۔ درگاہاں ایک ہالیکا میں اتنا سانس دیکھ بڑا پرسن ہوا اور اسے اپنے ساتھ رکھنا سوچا کر لیا۔ گنیر سنگھ نے چندر سنگھ کے کپڑے اتار دیے اور لالبا ترنت ہی ایک دیر راجپوت بن گئی۔ ہاتھ میں تلوار پکڑی اور گھوڑے پر سوار ہو کر درگاہاں کے پیچھے پیچھے چل دی۔ تھوڑی دور چلنے پر کسی کے آنے کی آہٹ ملی۔ گنیر سنگھ بڑا سہی تھا ترنت ہی آگے بڑھا۔ دیکھا کہ لگ بھگ پچاس ساٹھ منٹس ادھر ہی چلے آ رہے ہیں۔ اب چندر کا پرکاش ہو چکا تھا۔ دیکھنے سے راجپوت ہی جان پڑتے تھے۔ پاس آتے ہی گنیر سنگھ نے پوچھا کون؟ کسی نے اس کے اتر میں کہا تم کون؟ گنیر سنگھ اس آواز کو پہچانتا تھا۔ گھوڑے سے اتر پڑا بولا بھائی مان سنگھ! میں ہوں گنیر اور مان سنگھ کا ہاتھ پکڑے ہوئے

اسے درگا داس کے سامنے لاکھڑا کیا۔ درگا داس نے مان سنگھ کو بڑے پریم سے گلے لگایا۔ اس نے لالبا کی اور دیکھا، پرتو پچان نہ سکا۔ پوچھا بھائی جس کرن ایہ راجپوت کون ہے؟ جس کرن کے کچھ کہنے کے پہلے ہی لالبا نے کہا بھائی مان سنگھ، میں ہوں آپ کی بہن لالبا۔ مان سنگھ لالبا کی اور بڑے آخر یہ سے ایک تک دیکھتا رہا پھر پوچھا بہن لالبا، تو یہاں کیسے آئی؟ لالبا نے آدی سے لے کر کرات تک ساری باتیں پھر دہرا دیں۔ مان سنگھ نے کہا جو ایسور کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ بہن، ہم نے تو تمھاری رکشا کا اچت پر بندھ کیا تھا، پرتو بھائیہ کا لکھا کیسے مٹ سکتا ہے۔

جب یہ لوگ فکرمیں پہنچے تو دیکھا کہ محکم سنگھ میڑتا بھی ہستھ ہیں۔ اب تو دیروں کی سکھیا بہت ہو گئی، معلوم ہوتا ہے۔ مارواڑ کے بھائیہ اودے ہوئے۔ درگا داس اپنی آشاں کو پھولتے دیکھ بڑا ہی پرں ہوا۔ محکم سنگھ سے گلے مل کر بیٹھ گیا اور صلاح کرنے لگا۔ سوچیت گڑھ پر چڑھائی کرنے کی رائے ٹھہری، کیونکہ مہا سنگھ کا چھڑانا اور سوچیت گڑھ کا اپنا، ایک پختہ دو کاج تھا۔ درگا داس نے دیر راجپوتوں کو اسی جنگل میں دھرام کرنے کی آسنا دی، کیونکہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی سوچیت گڑھ کلچنے کا سے نہ تھا۔ چڑھائی کرنے کی گھات رات ہی میں تھی۔ دن میں مٹی پھر راجپوت تھے ہی کیا، جو سوچیت گڑھ میں مغل سپاہیوں کا سامنا کرتے، اس لیے رات وہیں کائی دوسرے دن جنگلوں میں چھپتے چھپتے پھر رات بیٹے سوچیت گڑھ کی چوحدی پر پہنچے اور دھادا کرنے کے سے کی پرکھنا کرنے لگے۔

گمبیر سنگھ بڑا جوشیلا تھا۔ دلش کے لیے اپنے پران ہتھلی پر لیے پھرتا تھا۔ درگا داس سے بنا پوچھے پانچھے گڑھی کی ٹوہ لینے چل دیا اور بارہ بنجنے کے پہلے ہی لوٹ آیا۔ گڑھی پر جنے پانے کے اوپائے جو کچھ سوچے تھے اور جو کچھ دیکھا تھا، درگا داس سے کہہ سنایا۔ سب نے گمبیر سنگھ کی بڑی بڑائی کی اور اس کے کہے انوسار اپنے راجپوت دیروں کو پھانک کے آس پاس لگا دیا، روپ سنگھ، جسکرن سنگھ، مان سنگھ اور تیج کرن یہ چاروں گمبیر سنگھ کے ساتھ گڑھی کی گھلی دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔

گمبیر سنگھ نے ان چاروں کو تو پھانک کے اوپر والی جھت پر چھپا دیا اور آپ دھن کی اور چلا گیا۔ کمر سے چمک نکال ایک پھپر میں آگ لگا دی اب تو جسے دیکھو، وہی آگ بجھانے دوڑا چلا جاتا ہے۔ گھات پاکر چاروں راجپوت کو پڑے اور گڑھی کا پھانک کھول

دیا۔ پھر کیا تھا؟ درگاہاں راجپوت دیروں کو لے کر گھس پڑا اور لگی مار کاٹ ہوئے۔ لیا کئی دھادے نے مغلوں کے بڑے اکھاڑ دیے۔ جلتی آگ میں کون پران دیتا ہے۔ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہتوں نے اٹھتار چھوڑ دیر درگاہاں کی سرن لی۔ اٹھتار چھوڑے ہوئے بھری پر سچے راجپوت کبھی وار نہیں کرتے۔ استو، مار کاٹ بند ہوگئی۔ مان سنگھ نے حمایت خاں کا ہاتھ لگایا۔ معلوم ہوا، وہ پہلے ہی پران لے بھاگا۔

گنیمت سنگھ نے بادشاہی جھنڈا اکھاڑ پھینکا اور اپنا راجپوتی پکر کا جھنڈا گڑھی پر مہمرا دیا۔ جس کرن، تیج کرن، تھا روپ سنگھ کو گڑھ کی چوکی سوہن درگاہاں، مان سنگھ اور لالبا مہاراج مہاسنگھ کے پاس پہنچے اور دیکھا مہاراج ایک پنگ پر پڑے پڑے اپنے دانٹوں سے موٹھ چبا رہے ہیں، اور نہ جانے من ہی من کیا سوچ رہے ہیں۔ ابھی گھاڑ بھی نہیں بھرے تھے کراچے ہوئے جو کروٹ بدلی، تو سامنے ان تینوں کو دیکھا! بولے ہائے! کیا تم بھی پکڑ آئے؟ بیٹا مان سنگھ! بھاری لالبا کہاں ہوگی؟ پانی چدر سنگھ تو اس کے پیچھے ہی پڑا ہے۔ ہمارا تو سردناش ہو ہی گیا۔ ہائے! مرتو بھی روٹھ گئی! مان سنگھ نے کہا۔ کا کا جی، پانی چدر سنگھ تو ہم پر پہنچ گیا۔ اور لالبا یہ کھڑی ہے ہم لوگ بندی ہو کر نہیں آئے ہیں۔ دیر درگاہاں نے ماٹوں کا نہیں، سو جیت گڑھ کا بھی راجا بنا دیا ہے۔ پانی حمایت کہیں بھاگ گیا۔ اب گڑھی پر راجپوتی جھنڈا پہرا رہا ہے۔

مہاسنگھ کو تو کدچاچت ہی کبھی پہلے ایسے پیار، شہدوں کے سننے کا امر ملا ہو، خوشی سے پھولا نہ سائے ہر دے دھڑکنے لگا۔ ترنت پنگ سے اٹھ کر دیر درگاہاں کو گلے لگا لیا۔ پھر مان سنگھ اور لالبا کو پیار سے چھاتی سے لگایا۔ جمبا جو اس سے دوسرے کمرے میں تھی باہر آدھیوں کے بول چال سن کر اپنے کمرے کے دوار پر آکھڑی ہوئی اور بات چیت سننے لگی۔ لالبا کا نام سننے ہی چوگی، چھاتی دھڑکنے لگی۔ اپنی کروت پر آپ ہی بچھانے اور لجانے لگی۔ مان سنگھ نے لالبا کی ایک ایک بات مہاسنگھ سے کہہ سنائی۔ مہاسنگھ تھوڑی دیر چپ بیٹھا رہا۔ نہ جانے کیا کیا سوچ گیا۔ پھر لالبا کو جمبا کے پاس بھیج دیا۔ رات ایک پہر سے کم رو گئی تھی۔ دیر درگاہاں نے اب تھکے ہوئے راجپوتوں کو دھرام کرنے کی آستیا دی۔ فیش رات آندھ سے کٹی۔ سو رہا ہوا۔ سو جیت گڑھ کے آس پاس کے گاؤں کے رہنے والے راجپوتوں نے جب سو جیت گڑھ پر راجپوتی جھنڈا مہمرا تے دیکھا تو بڑے اٹھریہ میں آئے اور ہاتھ لگانے لگے۔

اب انہیں اپنی وجہ کا دشواں ہوا اور جھنڈ کے جھنڈ سوجیت گڑھ آنے لگے۔ جتنے راجپوت سردار دلی کی لڑائی سے بچ آئے تھے۔ دھیرے دھیرے کبھی اپنی اپنی سینا لے کر ویر درگا داس کی سہایا کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ اب سوجیت گڑھ میں چاروں اور ہتھیار بدن راجپوت سینا ہی سینا دکھائی پڑنے لگی۔ جسے دیکھیے وہ مارو راگ ہی گاتا تھا۔ اور اکیلے ہی دلی پر بے پانے کا سامں دکھاتا تھا۔ ویر درگا داس نے راجپوتوں کو ایسا اتساہی دیکھ ایشور کو دھنیہ واد دیا اور جودہ پور پر چڑھائی کرنا نچیت کیا۔ سب سرداروں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ جب یہ بات جمہا کو معلوم ہوئی تو چھپکنے لگی۔ مان سنگھ کو اپنے پاس بلا کر کہا بیٹا! ہمارا سندیش درگا داس کو سناؤ اور کہو، یہ کون سی چڑائی ہے کہ جیت کر بھی ہار لینے چلے ہیں۔ ان لوگوں کو نالے سے نکال کر اب سندھ میں ڈالنا چاہتے ہیں؟ آپ تو سوجیت گڑھ چھوڑ کر جودہ پور بیدہ کرنے جاتے ہیں، ہماری رکشا کیسے ہوگی؟ بیدی درگا داس ایسا کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہمیں ہمارے جیدہ بھیج دیں اور آپ جو چاہیں کریں۔ مان سنگھ نے کہا۔ کاکی یہ کون کہتا ہے کہ حصیں اکیلے ہی سوجیت گڑھ میں چھوڑ دیا جائے گا؟ یہاں گڑھی کی رکشا کے لیے ایک ہزار سینا رکھی جائے گی اور ویر روپ سنگھ اداوت سینا ناک رہیں گے۔ کا کا جی بھی رہیں گے، کیونکہ وہ ابھی لڑائی کے یگیہ نہیں ہیں، بیدہ بھی گھاڑ سوکھ گئے ہیں۔

مان سنگھ نے بہت کچھ سمجھایا، پرتو جمہا نے اپنا ہٹ نہ چھوڑا۔ وش ہو کر مان سنگھ کو ویر درگا داس سے کہتا ہی پڑا۔ درگا داس نے کہا اچھا ہی ہے، چلو پہلے اسی کام سے نہٹ لیں۔ دوسرے دن سور یہ اودے ہوتے ہوتے درگا داس، مان سنگھ، جس کرن، تیج کرن، مان سنگھ اور گنہیر سنگھ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار جمہا کے ڈولے کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ روپ سنگھ نے تھوڑی سی سینا بھی ساتھ جانے کے لیے بھائی تھی۔ پرتو درگا داس نے اس میں سے کیول بکس دشواں دیروں کو اپنے ساتھ لیا اور سب کو سوجیت گڑھ میں ہی رہنے کی آستیا دی۔ کھار بڑے ہی تیز تھے۔ راہ میں کیول ایک گھنے برکھ کی چھایا میں تھوری دیر وٹرام لیا اور جل پان کر تھوڑا دن رتے رتے جمہا کو اس کے حیدر پہنچا دیا۔ جمہا کا بھائی پرتھوی سنگھ گڑھی کے پھانک پر ملا مہا سنگھ اتیادی کو دیکھ گھبرا اٹھا۔ پوچھا جی کٹشل سے تو ہیں؟ مہا سنگھ نے پرتھوی سنگھ کو سنتوش دینے کے سمجھپ میں اپنا کٹشل سماچار کہہ سنایا اور درگا داس کو اپنا پران رکھنک بتا کر بڑی پرتھسا کی۔ پرتھوی سنگھ نے بڑے پریم سے بیدہ درگا داس کو اپنے گلے لگایا۔ اور سب

کو آور کے ساتھ لے جا کر چھ پال میں بیٹھایا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کسی نے گنیمت سنگھ کی چرتا کی بڑائی کی تو کسی نے جسکرن کی دیرتا کی۔

پرتھوی کی پرتکرم کرتے ہوئے جب پہنچم میں سور یہ بھگوان است ہوئے تو پورب میں چھرا آوت ہوا۔ چاروں اور روپہلی چادر بچھ گئی۔ مہاسنگھ اور درگا داس اکانت میں بیٹھ کر جودھ پور پر چڑھائی کرنے کے اپنے سوچنے لگے۔ اچھے میں ایک دوار پال نے آکر دیسوری سے آئے ہوئے دھاون کی سوچنا دی۔ دیر درگا داس نے اسے اندر بلا لیا۔ دیکھا تو گلاب سنگھ تھا۔ درگا داس نے پوچھا کیوں گلاب سنگھ، کیا ساچار لائے؟ گلاب سنگھ نے کہا..... مہاراج! آپ کے سوجیت گڑھ فتح کرنے کی خبر جب دیسوری میں آئی تب ایسا کوئی راجپوت کا گھر نہ تھا، جہاں آئندہ دھائی نہ بچی ہو، پرتو سردار حمایت خاں نہ جانے کیسے وہاں پہنچ گیا۔ یہ اتو دیکھ کر جل اٹھا۔ سب سر مور راجپوتوں کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ کسی کارن آپ کے سرٹھاکر ناہر سنگھ اور ہمارے پتا کو دیر ہوگئی۔ حمایت خاں نے اور سب درباریوں کو تو بہت طرح کی دھمکی دے کر بدایا۔ پرتو ان دونوں کو تھوڑی دیر ٹھہرنے کو کہا۔ دونوں ٹھہر گئے۔ سرل سوہما دیر پرش بھلا یہ کیا جانتے تھے کہ چلی حمایت آپ کا ہیر ان بھاروں سے لینا چاہتا ہے؟ جب حمایت خاں نے دیکھا کہ سب راجپوت چلے گئے، تو اس بھاروں پر بلوا کرنے کا اپرا دھ لگایا اور ان کے سر کٹوالیے۔ میں نے جب یہ ساچار سنا تو ترنت سوجیت گڑھ دوڑ گیا۔ وہاں معلوم ہوا، آپ والی میں ہیں۔ اگلے ہیروں یہاں بھاگتا آیا۔ انٹور کی کرپا تھی کہ آپ سے بھینٹ ہوگئی۔ اب آپ جو اچت سمجھیں کریں۔

دیسوری کے ساچار سن کر دیر درگا داس مارے کرودھ کے کا پیسے لگے اور بولے جس کرن! تم ابھی جاؤ اور سوجیت گڑھ سے اپنا لشکر لے کر بارہ بجے کے پہلے دیسوری پہنچو۔ میں دُشت حمایت کو آج ہی یم پوری بھیجوں گا۔ گلاب سنگھ نے کہا۔ مہاراج! ٹھاکر روپ سنگھ اداوت نے جس سے دیسوری کی خبر سنی تھی، اسی سے انھوں نے لگ بھگ ایک ہزار دیروں کو آپ کی سہایت کے لیے والی بھیجا ہے۔ کداچت وہ سب آ بھی گئے ہوں دیر درگا داس جیسے ہی دوار پر آئے، راجپوتوں کے جتنے جتنے کار کے شہد سے آکاش گونج اٹھا۔ مرد دیش سوتنر ہوا دیر درگا داس کی جتنے ہوا دیر درگا داس سموں کو بھنوجت سنان دے۔ گھوڑے پر سوار لشکر کے آگے آگے چلے۔ پیچھے جس کرن، جج کرن، مان سنگھ تھا گنیمت سنگھ اتادی چلے۔ جب گاؤں

تھوڑی دور رہ گیا تو درگاہاں نے اپنے دیروں کو دبے پاؤں چلنے کی آہستہ دی۔ جس میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور پانی محتات کا گھر گھیر لیا جائے، دیروں نے ویسا ہی کیا۔ دوسروں کی تو یا اپنی چاپ ہی نہ سن سکتے تھے۔ چادروں اور سناٹا چھا گیا۔ اب دھیرے دھیرے لشکر گاؤں میں پہنچ گیا۔ یکا یک درگاہاں نے کسی کے رونے کی آواز سنی۔ مان سنگھ کو آگے بڑھنے کی آگیا دے، آپ اس اور چلا جدر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ گھر کا دوار کھلا تھا، بھیتر چلا گیا۔ دیکھا تو سامنے ایک مردہ پڑا تھا اور سر ہانے بیٹھی ایک بڑھیا سر پیٹ پیٹ کر رو رہی تھی۔ درگاہاں کو دیکھتے ہی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ درگاہاں نے بڑھیا کے رونے کا کارن پوچھا۔ بڑھیا نے کہا۔ بیٹا میں تیری استری کی دھائے ہوں۔ چٹھین میں میں نے جو دودھ پلایا ہے، آج اس کے بدلے میں اپنے سوامی کا بدلا مغلوں سے لیتا ہی تم سے مانگتی ہوں۔ ویر درگاہاں نے بڑھیا کے سامنے مغلوں سے بدلا لینے کا پرن کیا اور وہیں چٹا بنا کر مردے کا اگنی سنسکار کر دیا۔ تب ایک جٹا ہوا چیلا چٹا سے نکال محتات کے گھر کی اور چل دیا۔ راستے میں گھیر سنگھ ملا۔ درگاہاں کے ہاتھ میں ایک پرچا دے کر بولا۔ مہاراج یہ قلعے کے سامنے والی دیوار میں چپکا ہوا تھا۔ میں اسے آپ ہی کو دکھانے کے لیے اکھاڑ لایا ہوں۔ دیکھیے اس کی ایک طرف ان راجپوتوں کا نام ہے جو مارے جا چکے ہیں اور دوسری طرف ان کے نام ہیں، جو پکڑے گئے ہیں اور جنہیں اب پھانسی کی آگیا ہوگی۔ مہاراج اب مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ دیکھیے اس سوچی میں ہمارا وردھ پتا کیسری سنگھ کا بھی نام ہے۔ یہ دھدھل سی راضور ہمارے لیے پتا کے ہی سان ہیں اور کارا کار میں دشا بھی سب کی ایک سی ہے، تھاپی میں اپنے پتا کے دکھ کو لوگوں کے دیکھتے ادھک سمجھتا ہوں، کیونکہ میں اپنے پتا کی اچھا کے وردھ دلش سبھا کے لیے ایک ورش سے ادھک ہوا، گھر سے نکلا تھا اور ابھی تک ان کے پاس نہیں گیا۔ پہلے کتب کی دیکھ بھال کے لیے میں یا میرے پتا جی ہی تھے، اس لیے پہلے تو پتا جی کو میری ہی چٹا تھی، اب اپنی اور کتب کی بھی ہوگئی۔ درگاہاں نے کہا بیٹا دھیر یہ دھرو، جس المیور نے سوچیت گڑھ سر کر لیا ہے وہی دیسوری پر بھی دے دلائے گا۔ اور تمہارے پتا کو ہی نہیں کٹو ماروڑ دلش کو ہی مغلوں سے مکت کرائے گا۔ چلو محتات کو آج ہی اس کے کرموں کا پرتی پھل دیں۔

یہ کہہ کر درگاہاں اس قلعہ کی گھجلی دیوار کے پاس پہنچا۔ معلوم ہوا کہ راجپوتوں نے

چھانک توڑ ڈالا اور گڑھی میں گھس گئے۔ گنبد سنگھ بھی اسی طرف لپکا۔ شامت کا مارا محتات چھانک پر ہی مل گیا، چاہتا تو تھا کہ کہیں پران لے کر بھاگ جائے، پر پتو ہونی کہاں مل سکتی ہے۔ گنبد سنگھ کے پہلے ہی دار میں آدھ مرا ہو گیا۔ اس پر دیر درگداس نے جلتا ہوا چپلا اس کے منہ میں گھسیو دیا۔ محتات کے پران گنبد سنگھ کو آتے ہی گئے۔ اب تھا کون جو مثل سینا کو اتار دلاتا؟ آدھی مثل سینا کو دیر راجپوتوں نے تلوار کے گھات اتار دیا۔ بچے بچائے دیر درگداس کی شرن آئے۔ دیر راجپوتوں نے سب کو پران دان دے دیا۔ مان سنگھ اور گنبد سنگھ دوڑتے ہوئے کارا گار کی اور گئے۔ شیر خاں نے جو وہاں کا کھیا تھا، ان دونوں کو آتے دیکھ، بنا کہے ہی دوار کھول دیا۔ دونوں اندر چلے گئے۔ گنبد سنگھ نے اپنے پتا کو دیکھا۔ بھروسہ پر گر پڑا۔ کیسری سنگھ نے سال بھر سے پھرے ہوئے بیٹے کو پریم سے چھاتی سے لگا لیا اور آئند کے آنسوؤں سے اس کا منہ دھو دیا۔ دونوں ہی کا گلا رندہ گیا تھا۔ کسی کے منہ سے تھوری دیر تک شبد بھی نہ نکلا۔ ایک دوسرے کو ایک تک دیکھتے رہے۔ انت میں کیسری سنگھ نے اپنے کو بہت کچھ سنبالا، پر پتو پھر بھی آنسو نہ تھے۔ روتے ہوئے بولے۔ بیٹا گنبد سنگھ تمہارے چھپ کر بھاگ جانے کے بعد سے آج تک مجھے کیول یہی سند یہ تھا کہ نہ جانے تم کشل سے ہوا نہیں، اس لیے اتنا دکھ نہ تھا، پر پتو آج حصیں اپنی آنکھوں سے اپنے ہی سان دشا میں دیکھ داروں دکھ ہوتا ہے۔ اپنا کچھ دس نہیں، گنبد سنگھ مسکرا کر بولا۔ پتا جی اب نہ تو میں کارا گار میں ہوں اور نہ آپ۔ انیسور نے آپ کی پراختا سو بیکار کر لی ہے۔ مارواڑ کو اب آپ گنبد سنگھ ہی اپنی پہلی دشا میں دیکھیے گا اور درگداس نے اپنے باہو مل سے سو جیت گڑھ جیت کر، آج دیووری پر چھاپا مارا اور محتات کو اس کے پاؤں کا پورا پورا پھل دیا۔ اب آج اس قلعے پر بھی راجپوتی جمنڈا بھیرا رہا ہے۔ کیسری سنگھ کے لیے اس ادھک آئند کی اور بات کون ہوتی؟ آئند سے پھول اتھا دمانج ہو آیا، گنبد سنگھ کو پھر چھاتی سے لگا لیا اور اتا دلا ہو کر دیر درگداس سے ملنے کے لیے چل دیا۔

ادھر مان سنگھ اور سب راجپوت بند یوں کو بڑے مان اور آدر کے ساتھ کارا گار سے باہر نکالا۔ بچے دھونی آکاش میں گونجنے لگی۔ چاروں طرف سے سب راجپوتوں نے درگداس کو گنبد لیا۔ دیر درگداس بڑی نرمتا کے ساتھ ہر ایک کا ہتھوچت ستان کرتا ہوا، پریم سے گلے ملا۔ سور یہ بھگوان بھی آئند لوٹنے کے لیے ادیا چل سے چل پڑے۔ سو پرا ہوتے ہی دیووری

کے قلعے پر راجپوتوں کا جھنڈا اڑتے دیکھ، چھوٹے بڑے سب راجپوت گاتے بجاتے خوشی مناتے ہوئے دیر درگاداس کے درشنوں کے لیے آپہنچے۔ اس سے راجپوتوں میں زلزلہ جوش تھا۔ کار بھی تلوار کھینچ کر مارواڑ کو سوتنہ کرنے کے لیے سوگندھ کھاتا تھا۔ آج دیسوری کا ایسا کوئی بھی راجپوت نہ ہوگا، جس سے درگاداس نے پورک نہ ملا ہو۔ اب دن لگ بھگ ایک چہر کے ڈھل چکا تھا۔ درگاداس سب سے مل بھیت کر اپنی سرال چلا گیا۔ اور چھایو گیہ اپنے آدمیوں سے ملا۔ بھوجن کیا اور شام ہونے کے پہلے ہی قلعہ پر لوٹ آیا۔

دیسوری کے سردار سرتان سنگھ، کیسری سنگھ اتادی اکانت میں بیٹھ کر دھار کرنے لگے کہ مغل بادشاہ کا کس پرکار سامنا کیا جائے اور مارواڑ میں شانتی کس پرکار استقامت کی جائے۔ اسی سے ایک دھاون دیر درگاداس کے نام پتر لے کر پہنچا۔ درگاداس نے پتر لے کر گمبیر سنگھ کو ہانچ کر سنانے کے لیے دے دیا۔ گمبیر سنگھ پتر پڑھنے لگا۔

”دیالو درگاداس! آپ کے دیسوری چلے جانے کے بعد مغلوں نے گھات پاکر والی گڑھ پر دھاوا کیا۔ یہاں کوئی بڑی سینا تو تھی ہی نہیں اور جو کچھ تھی بھی، وہ سبک نہ تھی۔ ماما جی اپنے کو مغلوں کا سامنا کرنے میں اسرتھ سمجھ، پران لے بھاگے۔ مغلوں نے گڑھی لوٹی، اور ہم تینوں بہت بھاگیوں کو پکڑ کر جودھ پور لائے۔ یہاں پتاجی پر راج دروہ کا اپرادھ لگایا گیا۔ اور پران دھڑ کی آکیتا ہوئی۔ اب یہی دو دن کے اندر ہی ہم لوگوں کا اس دچھی سے چھٹکارا نہ ہوا، تو مارواڑ کا سوتنہ ہونا نہ ہونا ہمارے لیے سامان ہے۔ ایتی۔

آپ کا کرپا بھلاشی

لالبا

پتر سننے ہی دیر درگاداس کے آگ سی لگ گئی۔ پاس بیٹھے ہوئے سرداروں کی بھی تیوریاں چڑھیں اور مان سنگھ تھا گمبیر سنگھ کا کہتا ہی کیا! لوہین رکت تھوڑی سی آج سے بھی اہل پڑتا ہے۔ تھما اٹھے۔ دیسوری کے سرداروں نے لگ بھگ 18 ہزار راجپوت سینا اکٹھی کر دی۔ ترنت ہی دیر درگاداس نے ایک ہزار والی گڑھ کی رکشا کے لیے بھیج دی۔ دو ہزار سینا دیسوری میں چھوڑی۔ باقی 15 ہزار اپنے ساتھ جودھ پور لے جانے کے لیے تیار کرائی۔ حالانکہ 15 ہزار تو کیا، کچیس ہزار راجپوت سینا بھی جودھ پور پر چڑھائی کرنے کے لیے، مغلوں کے سامنے مٹی بھر ہی تھی۔ پرتو یہاں تو ستیہ کا پکش تھا! پردشارتھ پرش کرتا ہے، تو

سہاگیا ایشور کرتا ہے۔ یہی بھروسا اور دشواس تھا۔

رات ایک پہر دھنک ہو چکی تھی۔ گمبیر سنگھ ویر درگاداس کے پاس آیا اور بولا۔
 مہاراج! سینا تیار ہے، کوچ کی آگیا دیجیے۔ اتنے میں کہیں دور سے ڈنکے کی آواز سن پڑی۔
 درگاداس چونکا سا گڑھی کے باہر آیا۔ اب تو ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ ساتھ بے دھونی بھی
 سن پڑنے لگی۔ مہاراج سنگھ کی ہے! اجیت سنگھ کی ہے! ماراؤ کی ہے! ویر درگاداس کا من
 میوڑ گھٹا ٹوپ بیسوی سپید دیکھ کر ناپچے لگا۔ سمجھ گیا کہ اودے پور کے مہارانا نے میرے پتر
 کے اثر میں یہ سینا بھیجی ہے۔ آگواہی کے لیے آگے بڑھا۔ رانا راج سنگھ کا میٹھ پتر دے
 سنگھ ویر درگاداس کو آتے دیکھ کر گھوڑے سے اتار پڑا اور پریم سے گلے ملا۔ کشل پرشن کے بعد
 درگاداس نے کہا ٹھاکر صاحب! یدئی تھوڑی دیر آپ اور نہ آتے، تو ہمارا لشکر جودھ پور کے
 لیے کوچ کر چکا تھا۔ بے سنگھ نے کہا کیوں؟ ہمارا تو من تھا کہ پہلے اجیر پر چھاپا مارا جائے،
 پرتو آپ نے کیا سوچ کر منشی بھر راجپوتوں کے ساتھ جودھ پور پر دھاوا بولنے کا دھار کیا؟
 درگاداس نے کہا بھائی بے سنگھ! میں جودھ پور جانے کے لیے دوش تھا۔ ٹھاکر مہاسنگھ جی
 اپنے غمگین سہت شروڈن کے ہاتھ پڑ گئے۔ اس سے وہ سب جودھ پور میں ہیں، اور ٹھاکر
 صاحب کو پھانسی کی آگیا بھی ہو چکی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے۔ ایسے سے میں ہم لوگوں کا
 کیا دھرم ہے؟ مہاسنگھ کا حال سنتے ہی بے سنگھ جوش میں آگیا، بولا۔ بھائی درگاداس! اب ہم
 لوگوں کا یہاں ایک چمن بھی دھرام کرنا اچھا نہیں۔ ہم اپنے ساتھ دس ہزار سوار اور کچیس
 ہزار پیدل سینا لائے ہیں، اس کا فکھر ہی پر بندھ کرو۔ ویر درگاداس نے سب پچاس ہزار
 پیدل اکثر سینا کے پانچ بھاگ کر ڈالے۔ تین ہزار سوار اور سات ہزار پیدل سینا کا ٹایک
 مان سنگھ کو بتایا۔ اسی پرکار انیہ چاروں بھاگوں کو کرمو، جسکرن، کیسری سنگھ، بے سنگھ اور کرن
 سنگھ کو سونپا۔ آپ ساری سینا کا زچہ بھگ بنا اور اپنی رکھا کے لیے جج کرن اور گمبیر سنگھ کو
 داہنے بائیں رکھا۔

کوچ کا ڈنکا بجا، بے گھوش سے آکاش گونج اٹھا۔ راجپوت ویر دن چنڑی کی پوجا
 کرنے کے لیے جودھ پور کی اور چل دیے۔ ویر درگاداس کے سامن سب راجپوتوں نے اپنا
 دیش سوتنڑ کرنے کی سوگندہ لی تھی۔ سب ہی دیش پر مرٹنے کے لیے تیار تھے۔ سینا میں کوئی
 ایسا راجپوت نہ تھا جسے سوڈیا مہیمان نہ ہو۔ رات بھر چلنے پر بھی کسی کو جوش کے کارن

تھا کاٹ نہ آئی۔ بھوجنوں کی کسی کو اچھا نہ تھی۔ اچھا تھی تو گھما سان بیہ کی۔ درگاداس نے سویرا ہوتے ہی ایک گھنٹے پہاڑی پر دیش میں پڑاؤ ڈالا۔ دو گھنٹی دن باقی تھا۔ کوچ کا ڈنکا بجا اور سینا چل دی۔ راتری کے پچھلے پہر جودھ پور کی چھڈی پر جا پہنچی۔ دیر درگاداس کے آسپاٹو سار بچے سنگھ نے گڑھ کا پورو دوار اور کرن سنگھ نے پچھم دوار گھیر لیا۔ جس میں نہ تو قلعہ سے کوئی سینا باہر آ سکے اور نہ باہر جا سکے۔ بہتی کی چوکی کے لیے کیسری سنگھ اپنی دس ہزار سینا لے کر ڈٹ گئے۔ ایسی ویہ رچتا سے درگاداس کا کیول بھی ابھیر ائے تھا کہ مغلوں کو کسی طرف سے کسی پرکار کی سہایت نہ مل سکے۔ شیش دو بھاگ سینا باہر سے آنے والی مغل سینا کو روکنے کے لیے اور تھکی ہوئی راجپوت سینا کی کمک کے لیے تھی۔ راجپوت بھی جوش میں بھرے تھے اور رات کا پچھلا پہر بھی چھاپا مارنے کے لیے اچھا تھا۔ کوئی مغل سردار شوچ کے لیے گیا تھا، کوئی نماز پڑھ رہا تھا۔ سارا نش یہ ہے کہ سب لوگ غافل تھے، مہتا سے ان کو جنگ ہونے میں لگا۔ اتنا ہی سے راجپوتوں کو قلعہ کا پھانک توڑنے میں لگا۔ دوار ٹوٹتے ہی راجپوت سینا بھیتر گھسی اور گھما سان مار کاٹ ہونے لگی۔ قلعہ پر مارو باجا بجتے لگا۔ رن چنڈی تھرک تھرک کر بھاؤ دکھانے لگی۔ ”اللہ اکبر“ کی ایک طرف اور ”ہر ہر مہادیو“ کی دوسری طرف سے آوازیں گونجنے لگیں۔ جو شیلے دیر راجپوتوں کی دو طرفہ مار نے مغلوں کے ہیرا اکھاڑ دیے۔

مغل سردار دلاور خاں اونچے سوار سے مغل سپاہیوں کو جوش دلانے کے لیے کہنے لگا۔ نمک حرامی گناہ ہے۔ غلام بن کر رہنے سے موت بہتر ہے۔ اہل اسلام، انھیں قسم قرآن مجید کی ہے جو جیتے جی میدان سے بھاگے۔ مغلوں میں ایک جمن کے لیے پھر جوش پیدا ہو گیا۔ لوٹ کر بھوکے باز کی طرح راجپوت سینا پر ٹوٹ پڑے۔ وہ سے پاس ہی تھا کہ راجپوت تراہی تراہی کر کے بھاگیں۔ پرتو پچی ہوئی سینا لے کر ترنت ہی دیر درگاداس آ پہنچا۔ دونوں اور اچم چم بجلی سی تلواں چمک رہی تھیں۔ بان چل رہے تھے۔ بچے کے ماتے راجپوت ”ہر ہر مہادیو“ کہتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اتنے میں کسی انپائی مغل نے دیر درگاداس پر پیچھے سے تھوڑا وار کیا۔ ایٹور کی کرپا تھی کہ گھیر سنگھ نے دیکھ لیا۔ نہیں تو دیر درگاداس کی جیون لپلا یہیں ساہت ہو جاتی۔ گھیر نے اس دعا باز کو اتنے زور سے دھکا مارا کہ وہ اپنے کو کسی پرکار سنبھال نہ سکا اور دھڑام سے پرتوی پر گر پڑا۔ گھیر ترنت اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اپنی جان سکٹ میں دیکھ، اس نے درگاداس کی ڈھائی دی۔ واہ رے دیادیر! ایسی پچھا کا کام کرنے

والے مغل کو بھی ترنت پران بھٹکا دے دی۔ جب مغل سینا نے گمبیر کو اس مغل سردار کی چھاتی پر چڑھتے دیکھا، تو ”عتایت خاں مارا گیا“ کا شور مچ گیا۔ مغل سپاہی اپنے ہی گھاتوں کو روکتے ہوئے بھاگنے لگے۔ ویر درگا داس چکرایا ہوا کھڑا تھا۔ یہ عتایت خاں کون؟ اس کو تو میں نے دیویری گڑھ کے دوار پر مارا تھا۔ تب ہمید کھلا کہ عتایت خاں ایک سپاہی کو جس کی صورت اس کی صورت سے ملتی تھی۔ اپنے کپڑے پہنا کر دیویری سے بھاگ گیا تھا۔ وہی نقلی عتایت خاں وہاں مارا گیا تھا۔

سہا اوپر سے دلاور خاں نے اونچے سوار سے پکار کر کہا۔ درگا داس! اگر مہاسنگھ کی جان بچانا چاہتے ہو، تو ابھی اپنی سینا قلعہ سے باہر لے جاؤ۔ درگا داس نے اوپر دیکھا تو دُشٹ دلاور خاں نے مان سنگھ کے گلے میں پھانسی کی رتی ڈال رکھی تھی۔ ویر درگا داس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ترنت ہی راجپوت سینا کو قلعہ سے باہر نکل جانے کی آستیا دی۔ مہاسنگھ نے اوپر سے درگا داس کو لٹکار کر کہا۔ ویر درگا داس! کیوں بھول رہے ہو؟ کیا ہمارے پران دوسرے راجپوتوں کے پرانوں سے ادھک مٹو لے وان ہیں؟ کیا ہم کو امر سمجھ رکھا ہے؟ تھوڑی دیر کے لیے سب ہی سنسار میں آئے ہیں، ایک دن مرنا آویںک ہے، اس لیے اپنی وجہ کو پرانے سے نہ بدلو۔ مہاسنگھ درگا داس کو اُتھت کر رہا تھا اور دلاور گلے میں پڑی رسی کو جھٹکا دینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ گمبیر سنگھ اپنے کروڑھ کو ادھک سے تک داب نہ سکا۔ ترنت ہی عتایت خاں کو سامنے کھینچ لایا اور بولا۔ اچھا دلاور خاں۔ یدی تم یہی چاہتے ہو تو کرو۔ ہم بھی جتنے مغل سردار ہمارے بندی ہیں، سب کو ایک مہاسنگھ کے بدلے میں تمہاری ہی آنکھوں کے سامنے ایسی بری طرح ماریں گے کہ پتھر کی آنکھیں بھی رو دیں گی۔ اب تو دلاور خاں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گمبیر سنگھ کو کچھ اُتر نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا عتایت خاں کا راج دربار میں کتنا مان ہے۔ یدی عتایت خاں مہاسنگھ کے بدلے میں مارا گیا تو میری بھی کشل نہیں۔ ترنت مہاسنگھ کے گلے سے رسی نکال پھینکی اور بولا۔ ویر درگا داس میں پرستیا کرتا ہوں کہ مہاسنگھ کو اب کسی پرکار کا کٹ نہ پہنچایا جائے گا اور یدی ہم کال تک بادشاہ کا کوئی آستیا پتر نہ آیا تو قلعہ آپ کے آدھین کر کے سندھی کر لوں گا۔ دیرتھ کے لیے میں بہومولیہ رتوں کو مٹی میں ملانا نہیں چاہتا۔

ویر درگا داس نے دلاور خاں کی پرارتمنا سو پکار کر لی۔ راجپوت سینا اپنی تھکاوٹ مٹانے

کے لیے سیپ ہی کے ایک پہاڑی پردیس میں چلی گئی اور شوٹنگ جی ایادی وردہ سرداروں نے گھاتل راجپوت دیروں کو مرہم پٹی کے لیے راج محل میں بھیجا۔ یاں سب سامگری اکٹھی تھی اور کسی بات کی کمی نہ تھی، کیونکہ سردار کسیری سنگھ نے قلعے پر دھماکا ہونے کے پہلے ہی راج بھون پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ بستی میں کسی مغل کا پتلا بھی نہ رہ گیا تھا۔ وحشت مغل سرداروں کو کسیری سنگھ نے بندی بنا کر راج بھون میں ہی قید کر دیا۔ بچا را حیات خاں بھی وہیں پہنچ گیا۔ ان سب آدمیوں کے کاموں سے چھٹی پا کر شوٹنگ جی دیر درگاداس سے ملے۔ سب سردار اکٹھے ہو کر دلاور خاں کی کمی ہوئی باتوں پر دھار کرنے لگے۔ درگاداس نے کہا۔ بھائیو! اس لپٹی کو دتی سے کسی پرکاری سہا پنا ملنے کی پورن آشا ہے۔ اسی کارن اس نے یم کال تک یدھ بند رکھنے کی پراعتان کی ہے۔ اس لیے میرا دھار ہے کہ مغل سینا آنے کے سب مارگ پہلے ہی سے روک دیے جائیں اور قلعے میں کچنے کے پہلے ہی یہیں نہٹ لیا جائے۔ میدان کی لڑائی میں سب پرکاری سویدھا ہے۔ دیر درگاداس کی صلاح سب نے پسند کی اور مارگ کے دونوں اور تھوڑی تھوڑی راجپوت سینا پہاڑی کھوہوں میں چھپادی گئی۔

دن لگ بھگ دوپہر باقی تھا۔ ایک بھیدی نے مغل سینا کے آنے کے ساچار کہے۔ درگاداس نے پرسن ہو کر راجپوت دیروں کو جگ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سامنے سے بادشاہی جنڈا مہمرا تے ہوئے مغل سردار محمد خاں کے ساتھ ایک ہماری مسلمانی دل آتا دکھائی پڑا۔ جوں ہی یہ سینا پہاڑی دروں میں آئی، درگاداس نے ڈنکے پر چوٹ ماری، ادھر دیر راجپوت بے گھوش کرتے ہوئے اپنے شتروں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر سامسی دیر گمبیر سنگھ اور جھگرن دونوں نے جھپٹ کر بادشاہی جنڈا نیچے گرایا۔ ایک نے محمد خاں کو پکڑا اور دوسرے نے راجپوتی جنڈا کھڑا کیا۔

سردار پکڑا گیا تو بادشاہی سینا نراش ہو کر بھاگنے لگی۔ پرتو راجپوت دیروں نے دیر درگاداس کی آگیا نو سار مغل سینا کو پیچھے بھاگنے سے روکا، کیونکہ بھیدی نے ستر ہزار سینا کے تین ہماگوں میں آنے کے ساچار دیے تھے۔ یدی پراجت مغل سینا پیچھے جاتی تو سمجھو تھا کہ دوسری آنے والی سینا جگ رہتی پھر تو دیر درگاداس کو تھوڑے سے راجپوت دیروں کو لے کر اتنی بڑی مغل سینا پر دے پانا کٹھن ہو جاتا، اور ہوا بھی ایسا ہی جب تک پراجت مغل سینا کے ہتھیار چھڑائے جائیں اور آگے والے درے تک راجپوت سینا بھیجی جائے کہ دھرا مسلمانی دل

آگیا۔ اس کا سردار طہور خاں بڑا بہادر تھا۔ اپنی سینا کو آسمان تک پہنچا دیتا تھا۔ اس سے لڑنے لگا۔ اس سے کا درشہ بڑا ہی بھیاں تھا۔ دیر درگاہاں رکت سے نہایا ہوا تھا۔ جس کرن، تچ کرن تھا گھیر گھگھ کا ابھی ایسا کوئی انگ نہ تھا، جہاں گہرا گھاؤ نہ لگا ہو۔ ایک اور طہور خاں دوسری اور دیر درگاہاں اپنے دیروں کو ابھٹ کر رہے تھے۔ ایک قرآن مجید کی سوگند دیتا تھا، تو دوسرا بہن بیٹیوں کی لالچ کے لیے مرٹنے کو کہتا تھا۔ ساراٹش یہ کہ دونوں دل بڑی دیرتا کے ساتھ بھیٹن دیکھ کر رہے تھے۔ درگاہاں کو گھرا دیکھ کر مان سنگھ آگے بڑھا اور طہور خاں پر اپنی پوری ہمت سے بھالے کا پہاڑ کیا۔ پھارا گھائل ہو کر زمین پر گرا۔ ساتھ ہی جس کرن نے دلاور خاں کا سر کاٹ لیا۔ بادشاہی جھنڈا نیچے ہو۔ مغل سینا پر است ہوئی، اور بھاگ نکل۔ رانچوتوں کی بے دھونی چاروں اور گونجے لگی۔ رانچوت اتنے پرسن چت تھے۔ جیسے کبھی کسی کو کچھ پر شرم ہی نہ کرنا پڑا ہو۔ آٹھ یہ تو یہ تھا کہ مرن پر ایہ گھائل بھی، اٹھ کر بے بے دیر درگاہاں کی بے کہہ کرنا چنے لگے۔

دیر درگاہاں نے طہور خاں سے پوچھا۔ خاں صاحب! آپ کے بادشاہ سلامت نے اتنی ہی سینا بھیجی تھی، یا اور بھی؟ طہور خاں نے کہا۔ مہاراج! ابھی سردار اکبر شاہ کے ساتھ لگ بھگ بیس ہزار مغل سینا اور آتی ہوگی۔ دیر درگاہاں نے اس سے دونوں بادشاہی جھنڈے، اور تینوں سردار عیانت خاں، محمد خاں اور طہور خاں کو تھوڑی سینا کے ساتھ آگے بھیجا۔ جب اکبر شاہ کی سینا سمیپ آئی، مان سنگھ نے اکبر شاہ سے مل کر دیر درگاہاں کا سندیش کہا اور دونوں بادشاہی جھنڈے دکھائے۔ اکبر شاہ بڑا ہی شانت تھا۔ دونوں بادشاہی جھنڈوں اور سرداروں کو رانچوتوں کا بندی دیکھ اپنا جھنڈا بھی مان سنگھ کو سونپ دیا، اور سندھی کا جھنڈا اونچا کر کے دیر درگاہاں کی شرن آیا۔ تب اپنی تلوار درگاہاں کے سامنے رکھ دی۔ دیر درگاہاں نے پھر تلوار اٹھا کر پریم سے اکبر شاہ کو دے دی و بے کے باجے بیٹے لگے۔

درگاہاں نے دلاور خاں کے پرستیا نوسار قلعے کو اپنے اوصین کرنے اور مہاراج مہاسنگھ کو جھڑانے کے لیے مان سنگھ اور گھیر سنگھ کو بھیجا۔ ان دونوں کو آتے دیکھ قلعے کے رکھنوں نے آگے بڑھ کر کتیاں سونپ دیں، پرنتو ان دونوں میں کوئی بھی اس قلعے میں پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اس لیے ایک رکھن کی سہایت سے مہاسنگھ کے پاس پہنچے۔ جس پر کار کسی ڈوبنے والے کو آدھا مل جائے اور وہ دوڑ کر اسے پکڑ لے، ویسے ہی مہاراج نے اپنے بیٹے

اور بھانجے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چھاتی سے لگا لیا۔ پریم کے آنسو آنکھوں میں آ گئے۔ گلابر آیا۔ بڑی کھٹکتا سے بولے۔ بیٹا! ہمارا پران رکھک ویر درگاداس کھٹل سے تو ہے؟ گمبیر سنگھ اپنے سرداروں کی کھٹل کے ساتھ ساتھ دوسری اور جودھ پور کی وجے کی کہانی کہنے لگے۔ مان سنگھ اپنی بہن لالبا کے کمرے میں پہنچا۔ دیکھا ایک دیپ جل رہا ہے، اور سامنے لالبا گھٹنا لیجے پر تھوی پر بیٹھی ہوئی جب پتا پریشور سے پرارتھنا کر رہی ہے۔ وہ اتنی مگن تھی کہ مان سنگھ کو اپنے کمرے میں آتے نہ جانا۔ مان سنگھ تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ پرتو لالبا کا دھیان نہ ٹوٹا۔ انت میں مان سنگھ نے پکارا۔ بہن آج المیہ کی کرپا سے وجے ویر درگاداس نے مغلوں کو پراجت کر جودھ پور کی راج شری اپنالی! آج سے اپنا پیارا دلش سوتنر ہوا۔ اس کو لالبا نے اکاشوانی سمجھا، پرتو جب یہ سنا کہ مجھ کو ویر درگاداس نے تیرے بندھن موکھ کے لیے بھیجا ہے، تب آنکھیں کھول دیں اور اپنے پیارے بھائی مان سنگھ کو سامنے کھڑا دیکھا۔ انہوں نے سامان اٹھ پڑی، اور بولی پیارے بھائی ہماری لاج بچانے والا کھٹل سے تو ہے؟ سگرام میں کوئی گہرا گھاؤ تو نہیں لگا۔؟ ہمارے پیارے پتا جی تنھا ماتا تیج با تو پرسن ہیں۔ لالبا کا یہ اتم پرشن پورا بھی نہ ہوا تھا کہ عجبا کو ساتھ لیے ہوئے مہاراج مہا سنگھ آ پہنچے۔ لالبا کو پیار سے چھاتی سے لگا کر کارا گار کے بیٹے دکھوں کو بھول گئے۔ مہا سنگھ گمبیر سنگھ کے ساتھ ویر درگاداس سے ملنے چلے، اور مان سنگھ مجھا تنھا لالبا کو لے کر راج بھون چلا گیا۔

چھٹا پر تمھید

مان سنگھ اور گبیر سنگھ کو قلعے پر بھیجنے کے بیچات، دیر درگاہاں نے چاروں مغل سرداروں کو کیسری سنگھ کے ساتھ کیا اور راج محل کے پاس والے کارا گار میں قید کر دیا۔ جودھ پور کی رکشا کے لیے بھی اچت پر بندھ کیا۔ چاروں طرف دشواہی رکشکوں تھا گبت چروں کو نیوکت کیا۔ سب ضروری کاموں سے نپٹنے کے بعد ایک چھوٹی سی سہا کی۔ راجپوت سرداروں کی الومتی پا کر آس پاس کے گاؤں میں رہنے والے مغلوں کو یہ نعتی کے انوسار پکڑ کر قید کر لیا، پر ان کے ساتھ شتر و کا سانبھیں، متر کا سا دیوہار کیا جاتا تھا۔ دیر درگاہاں کی مشا مغلوں کو کشت پہنچانے کی نہ تھی۔ کیول شتر وڈں پر راجپوت قیدیوں کو چھوڑ دینے کے لیے دباؤ ڈالنا تھا۔

درگاہاں سد یو اپنے دلش اور جاتی کی بھلائی کے لیے کمر کسے تیار ہی رہتا تھا۔ کوئی کام کیسا بھی کشت سادھیہ کیوں نہ ہو، کبھی نہ پھکتا تھا۔ آج اسی سانس اور دلش بھگتی کی بدولت اس نے امر کیرتی پراپت کی ہے۔ مارواڑ کے بچے بھی دیر درگاہاں کے نام پر گرد کرتے ہیں۔

جب جودھ پور کی جیت کا ساچار پھیلا، تو شتر و بھی متر بن کر بدھائی دینے کو اکٹھا ہونے لگے اور اتنی بھیڑ ہوئی کہ جودھ پور میں ایکڑ جتنا سا نہ سکی، اتنی دوش ہو کر دیر درگاہاں کو جودھ پور کے باہر ایک بھاری میدان میں سہا کرنی پڑی۔ پوش کی پرینا کے دن راج پر ساد سے لے کر سہا منڈپ تک ایک مل رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ کبھی کوئی راج بھون سے سہا کی اور جاتا تھا، تو کوئی سہا سے راج بھون کی اور لوٹا آتا تھا۔ اس سے چلتی پھرتی جتنا کا درشیہ بڑا ہی اورو تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سمندر اند پڑا ہے۔ ایسا کوئی نہ تھا، جس کو دیر

درگاہ کے درختوں کی لالسا نہ ہو۔ استریاں جھروکوں سے جھانک رہی تھیں۔ بے دھونی آکاش میں گونج رہی تھی اور چاروں اور سے پھولوں کی ورشا ہو رہی تھی۔ اچھا ہوا، کہ ویر درگاہ راج بھون سے پیدل ہی چلا، نہیں تو پھولوں سے دب جاتا اور بھارے درختوں کی لالسا دھول میں مل جاتی، کیونکہ اس میں ادھی کالش ایسے بھی تھے، جو درگاہ کو پہچانتے بھی نہ تھے۔ وہ اپنے پاس کھڑے منٹس سے پوچھتے تھے، بھائی! ان میں ویر درگاہ کون ہیں؟ کوئی اپنے متر کو اٹھل اٹھا کر بتا رہا تھا۔ کوئی ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا، بھائی، باروا کا دھیتا، ہماری بہن بیٹیوں کی رکشا کرنے والا، ویر درگاہ اس پرکار سب کو نسا کر کرتا ہوا پیدل ہی جا رہا ہے۔ دھنیہ ہے! دیکھو! اتنا بڑا کام کرنے پر بھی گھمنڈ کا نام نہیں! یہ تو منٹس نہیں دیوتا ہے۔ منٹس میں یہ گن کہاں؟

معتا دھیرے دھیرے ویر درگاہ کے ساتھ سبھا منڈپ میں پہنچی۔ یہاں باروا دیش کی سبھی چھوٹی بڑی ریاستوں کے سردار بیٹھے ہوئے ویر درگاہ کے آنے کی پریشا کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے آدھ بھاؤ سے ویر درگاہ کو ایک اونچے آسن پر لا بٹھایا۔ وودھ پرکار کے شکندھت پھولوں کے گجرے ان کے گلے میں ڈالے، کیسریا چندن کا لیپ کیا۔ ادئے پور کے رانا راج سنگھ کے پتر بھینا سنگھ نے راجی پوشاک بھینٹ کی، جو راجا صاحب نے درگاہ کے لیے بھیجی تھی۔ درگاہ نے رانا صاحب کا اہوار بڑے سان کے ساتھ لیا، اسے ماتھے پر چڑھا کر گردی پر رکھ دیا اور جتنا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ راج گرد اور پیارے بھائیو! آج آپ لوگوں نے ہمارا جو کچھ سان کیا ہے، میں اس کے لیے آپ کا اجیون اہماری رہوں گا۔ یہ بھی جو کام میں نے کیے ہیں۔ وہ ہر ایک دیش اہمیتی کر سکتا تھا اور مغلوں کے اتیاچار سے دوش ہو کر کرتا بھی، پرستو ایشور یہ کیرتی مجھ کو دینا چاہتا تھا۔ اس لیے پرسنگ بھی دیا ہی آیتا۔ ہمارے پوجنے وردھا سردار مہا سنگھ جی کو مغلوں نے کھالیا میں گھیر کر مارنا چاہا تھا، ان کی رکشا کرنے میں میرے ہاتھوں میں سردار زور آور خاں کا خون ہوا۔ مغلوں نے اسی خون کے بدلے میں میری وردھا ماں جی کی ہتیا کی۔ گھر بار لوٹا، اور کلیان گڑھ پھونک دیا۔ یہ بھی مغلوں سے اس کا بدلا لینے میں اسر تھا۔ پرستو پر ماتا کی کرپا اور اپنے دیس بھائیوں کی سہایت سے آج اس یگیہ ہوا کہ جودھ پور میں مغلوں کو پراست کر ایک مہتی سبھا کر سکا۔ پیارے بھائیو! اتنی آزادی ہوتے

ہوئے بھی مجھے ایک بار اور بھیٹن دیدہ ہونے کی ہشکا ہے۔ کیا مغل بادشاہ عالمگیر اپنا ایمان سہہ سکتا ہے؟ نہیں، کھاپی نہیں، وہ ایک بار دنیا کے کونے کونے سے اپنی سینا بنور کر مارواڑ پر دھاوا اوشیہ کریں گے۔ اس لیے میں اپنے دلش واسیوں سے ایک بار اور سہایتا کرنے کی پراختنا کرتا ہوں۔ یدی آپ لوگ اپنے پوجیہ گرو براہمنوں کے یگو پویت کے اپنے مندروں کی سورتیوں کی رکشا کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی بہن بیٹیوں کا ستیو بچانا چاہتے ہو تو ہمارا ساتھ دو، مارو اور مرٹو۔ آزادی یا موت کرو۔ جج جب تک مٹی میں نہیں ملتا کبھی ہرا بھرا ہو کر پھل نہیں لاتا۔ بھائیو! مجھے پہلے بڑی سکھیا میں سہایتا کیوں نہیں ملی؟ اس کا کارن تھا کہ ہمارے راجپوت بھائی یہ سمجھتے تھے کہ راج دلش کا تو ناش ہو گیا، اب مہاراج جسونت سنگھ کی گدی کا اترا دھیکاری کوئی رہا نہیں، ہم کس کے لیے اتنے بڑے مغل بادشاہ سے ہیر کریں اور اپنا ستیا ناش کرائیں۔ وہ سمجھتے تھے درگاداس نے مغلوں سے جو ہیر ٹھانا ہے، وہ راجیہ کے لالچ سے۔ بھائیو! میں سردتیریا میثور کو ساشکی کر کے کہتا ہوں کہ نہ مجھ میں راجیہ کا لوبھ تھا۔ نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ میرے بہت سے بھائیوں کو ابھی یہ نہیں معلوم کہ مہاراج جسونت سنگھ کا چرنجوی ہتر اجیت سنگھ ابھی جیوت ہے اور اس کا پالن پوٹن گیت ریتی سے ہو رہا ہے! سے آنے پر آپ لوگ راجبکار کا درشن کریں گے۔

دیر درگاداس اتنا کہہ کر بیٹھ گیا۔ بے دھونی اور پھلوں کی ورشا ہوئی۔ اس کے بچجات مہاراج مہاسنگھ جی اسٹھے اور بھنا کو نمسکار کر بولے۔ بھائیو! دیر درگاداس نے مغلوں سے جو ہیر بسانے کا کارن بتایا وہ انکھر انکھر ستیہ ہے۔ درگاداس نے مارواڑ دیس اپنے لیے نہیں جیتا، پر تو اپنے پتا تلپہ راجا جسونت سنگھ جی کا آسمتا کا پالن کیا۔ مہاراج اپنے سرداروں کو اپنے مرنے کے دس دن پہلے آگیا دے گئے تھے۔ یدی ہاڑی وہ مائی رانی سے میثور کی اچھا سے ہماری گدی کا وارث جھیں تو سب سرداروں کا کرتویہ ہوگا کہ مارواڑ دلش کو مغلوں سے چھڑا کر راجبکار کو گدی پر بیٹھائیں۔ آج دیر درگاداس نے اپنے کرتویہ کا پالن کر دکھایا۔ اب ہم لوگوں کے لیے اچت ہے کہ جی توڑ کر دیر درگاداس کی سہایتا کریں، جس میں وہ سے ہنکھر ہی آجائے کہ سب راجپوت اپنے راجبکار کو جودھ پور کی گدی پر بیٹھے دیکھیں۔

بھنا ایک ہی آواز میں بول اٹھی ہم لوگ اپنے راجبکار کے لیے تھا مارواڑ دیس کے لیے مرٹنے کو تیار ہیں۔

مہاشگھ جی نے جتنا کا جوش دیکھ کر اپنے راج گرو بے دیو کی اور دیکھا۔ گرو جی نے ویروں کو ماگھ سودی ٹہنی کے دن یدھ پر جانے کی الوستی دی۔ سب سرداروں نے اپنی اپنی سینا سہست موہورت کے ایک دن پہلے ہی آنے کی پرتگیا کی۔ سہا و مرجت ہوئی۔ انکڑ جتنا تنہا راجپوت سرداروں نے ایک دوسرے سے ہدالی اور ویر درگاداس کی بڑائی کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر گئے۔

بے چارے درگاداس کا گھر تو کہیں رہا ہی نہ تھا اس لیے مہاشگھ آدی سرداروں کو ساتھ کر راج بھون میں لوٹ آیا اور گھائل راجپوتوں تنہا مغل بندیوں کی دیکھ رکھ میں اپنے دن بتانے لگا۔ وہ اپنے ازمین قیدیوں کو کبھی دکھ نہ دیتا، دن متر کے سان دیو ہار کرتا تھا۔ مگر خان کو تو بہت ماننا تھا۔ شتر و ہو، اتھوا متر کسی کی ننگی کبھی نہ بھوتتا تھا۔ چھما کرنے میں تو ایک ہی تھا۔ عنایت خاں نے درگاداس کے لیے کیا اٹھا رکھا تھا۔ پرتو اسے بھی چھما دان دیا۔ کبھی ان سب کو بلاتا اور کبھی آپ ہی ان کے پاس جاتا۔ رات رات بھران سے باتیں کرتا رہتا۔ اس کے ہردے میں ملدھ کا لیش بھی نہ تھا۔

دیرے دیرے ایک مہینہ چتا اور چاروں اور سے بادلوں کے سان راجپوت سینا نہیں امڑ گھمڑ کر چلنے لگیں۔ جودچور میں راجپوت ویروں کا ایک اچھا جماد ہو گیا۔ بیکانیر اور محسل میر کے سرداروں نے آکر اڈے پور میں پڑاؤ ڈالا اور بے شک کے ساتھ دیسوری آپہنچے۔ ماگھ سودی ٹہنی کے دن ویر درگاداس جودھ پور کی ایکڑ سینا لے کر ٹھاکر بے شک سے دیسوری میں آ ملا۔ وہ چاروں مغل سرداروں کو ان کی مسلمانی سینا سہست اپنے ساتھ لایا تھا کیونکہ بادشاہ سے بندیوں کی ادلا ہدی کرنی تھی۔ یہ لوگ راجپوتوں سے کچھ ایسے مل جل گئے تھے کہ کوئی دیکھنے والا انہیں کدالپی قیدی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کدالپی پر سپر بھائی چاروں کا سا دیو ہار تھا۔ ایک دوسرے سے بڑے پریم سے ملتا تھا اور دشواس کرتا تھا۔ یہ تھانگتی کا پھل اور ویر درگاداس کا برتاؤ کہ شتر و بھی متر بن گیا اور سے سے پر بھکر صلاح بھی دینے لگے، جسے درگاداس سپر ماننا تھا۔ آج ہی جب دیسوری سے سینا کے آگے چلنے کے دشنے میں صلاح ہو رہی تھی تو مگر خاں نے اس کا وردھ کیا۔ اور بات ٹھیک تھی کیونکہ جھٹ پٹا ہو چکا تھا۔ آگے ہدی پہاڑ کے لیے اچت استھان نہ ملتا تو بڑی اسودھا ہوتی۔ سینا کے لیے بھوجن اور ویرام ضروری ہے۔ یہ سوچ کر پڑاؤ دیسوری کے میدان میں رہا، رات ہوئی، سب نے بھوجن کیا اور ویرام کرنے

لگے۔ درگاداس ضروری کاموں سے ہٹ کر اکبر شاہ کے ڈیرے میں گیا اور بیٹھ کر بات چیت کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں اورنگ زیب کا پرسنگ چھڑ گیا۔ درگاداس نے کہا بھائی! آپ مالویا نہ مالو، کیونکہ وہ آپ کے پتا ہیں پرتو میں تو یہی کہوں گا کہ اورنگ زیب کسی پر دشواری نہیں کرتے۔ دیکھو انھوں نے راجا جسونت سنگھ کے ساتھ کیسا کٹ دیا ہار کیا! انھیں کے اشارے سے کابل میں بلوا ہوا، جس میں ہمارے دو راجکار مار گئے۔ تیسرے راجکار کی بھی زہریلے کپڑے پہنا کر جان لی۔ تب دھوکے سے مارواڑ کو اپنے اوصین کر لیا۔ پھر بھی سنتوش نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مہاراج کا دلش ہی ٹٹ کرنے پر اتار دیا ہو گئے! دلی میں ہی اجیت سنگھ کے مروانے کے لیے کیا نہیں کیا؟ دیکھو بھائی اکبر شاہ! بھلا کوئی اپنے منتر یوں کے ساتھ ایسا دشواری گھاٹ کرتا ہے؟ اچھا مان لو ہم لوگ پردھری تھے۔ ہمارے ساتھ جو کچھ کیا اچھا کیا۔ پرتو کیا تمہارے بابا شاہجہاں بھی کافر تھے۔ جنھیں کارا کار میں پانی کا بھی کٹ دیا۔ اپنے سنگے بھائیوں تھا بھتیجیوں سے جیسا برتاؤ کیا۔ کیا وہ آپ سے چھپا ہے۔ خیر یہ بھی سہی۔ وہ دور کے تھے، پرتو آپ تو ان کے بیٹے ہیں۔ وہ آپ ہی پر دشواری نہیں کرتے۔ اگر دشواری کرتے تو طہور خاں کو آپ کی دیکھ رکھ کے لیے تعینات نہ کرتے! اگر آپ کو یقین نہ آئے تو طہور خاں سے پوچھ دیکھیں!

اکبر شاہ کو دشواری نہ آیا، پرتو یہ بات اس کے من میں کھٹکتی رہی۔ آخر طہور خاں کو بلوانے کے لیے ترنت ہی ایک چوکیدار بھیجا۔ تھوڑی دیر میں طہور خاں اور بے سنگھ شہزادے کے ڈیرے میں آپہنچے۔ ویر درگاداس نے بڑے سمان سے دونوں کو آسن دیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو اکبر شاہ نے پوچھا بھائی طہور خاں مجھے دشواری ہے کہ تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ تنہائی آج ٹھا کر بے سنگھ اور درگاداس کے سامنے تمھیں قرآن کی سوگند دیتا ہوں کہ جو کچھ بھی پوچھا جائے، اس کا اثر ستیہ ہی ہو۔ طہور خاں نے کہا۔ پوچھیے آپ لوگ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ شہزادے نے پوچھا بادشاہ سلامت نے میرے بارے میں کیا کچھ کہا تھا؟ طہور خاں اتر دینے کے پہلے کچھ ہچکچایا، پھر جی کڑا کر کے بولا۔ ہاں کہا تو کچھ تھا۔ پرتو میں آپ کے سامنے کہتے ڈرتا ہوں۔

درگاداس نے کہا بھائی ڈر کس بات کا؟ جب قرآن کی سوگند دی گئی تو ایسا کون مورکھ ہے جو تمہارے بچ بولنے پر کرودھ کرے؟ جو کچھ کہتا ہو وہ غر ہو کر کہو۔

مہر خاں نے کہا۔ جب دلی سے ہم اپنا لٹکر لے کر چلے گئے، تب بادشاہ نے ہمیں ایکانت میں بلایا اور کہا۔ دیکھو مہر خاں ہم دنیا میں تم سے زیادہ کسی کو پیار نہیں کرتے! ہم جانتے ہیں کہ تم محمد خاں کی طرح کبھی دھوکا نہ دو گے، کیوں؟ تم کو بادشاہی کا لالچ نہیں۔ جس کو کسی چیز کا لوبھ ہوتا ہے وہی دغا کرتا ہے۔ ہم کو اگر کچھ سندیہ ہے تو اکبر شاہ پر، کیونکہ اس کو راجہ کا لالچ ہے۔ سمجھو ہے کہ وہ کئی درگاہوں کی باتوں میں آجائے، اور ہمارے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو ہم نے اپنے باپ کے ساتھ کیا تھا۔ اس لیے تمہیں ہوشیار کیے دیتا ہوں کہ اس کی نیت اگر بری دیکھنا تو اسی سے تلوار کے گھاٹ اتار دینا۔ میں تم کو سب طرح کے ادھیکار دیتا ہوں۔

اتنا کہہ کر مہر خاں چپ ہو گیا۔

اکبر شاہ چنت ہو کر بولا۔ بھائی درگاہوں آپ کا کہنا سنیہ ہے۔ اباجان کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ ان کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔

جے سنگھ نے کہا اب آپ ہی کہیے! ایسے راجا کا کون ساتھ دینا چاہے گا؟ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ مسلمان ہونے کے کارن ہم لوگ شتر بن گئے۔ ہم نے نیتی پر چلنے والے بادشاہوں کے لیے اپنے بھائیوں کے گلے پر تلواریں چلائیں ہیں۔ آپ ہی کے نام رانی آپ کے پوروج اکبر تھا شاہجہاں کو شاہکروں نے کب سہایت نہیں دی؟ وہ لوگ پر جا پالک تھے۔ اپنی پر جا کو پتر سان مانتے تھے۔ ہندو ہو یا مسلمان ہو، سب کو یوگتا کے انوسار عہدے دیتے تھے۔ کبھی کسی کے دھرم میں ہست چھپ نہ کرتے تھے۔ ہم لوگ ایسے بادشاہوں کے ساتھی ہیں۔ تمہارے پتا جیسے بادشاہ کے ساتھی نہیں، جو مندر توڑ کر مسجد بنائے ہماری مورتیوں کو مسجد کی میزیوں میں لگائے۔ تیرتھ یاتریوں سے گر لے اور نزدوش ہندؤں پر کافر کہہ کر بنا اپرادھ کے ہی اتیا چار کرے۔ آپ ہی کہیے یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟

درگاہوں! اگر آپ لوگ اورنگ زیب کی کروتوں کو دراصل پاپ اور ظلم سمجھتے ہوں اور ان سے بچنا چاہتے ہوں تو جیسے ہم کہیں دیا کرنے کی پرتکلیا کریں، پرتو سے پڑنے پر دھوکا نہ دینا۔ ہم اورنگ زیب کو پکڑ کر شہزادے کو گدی پر بیٹھا دیں گے۔ ان کا جیسا نام ہے ویسے ہی بادشاہ اکبر کے سے گمن بھی نہیں ہیں۔ یدی ایسا کرنا چاہتے ہو تو سردار محمد خاں کو بلالو، میں اپائے بتاتا ہوں۔

جب تک چکیدار محمد خاں کو بلوا کر لائے اتنی دیر میں من ہی من شہزادہ نہ جانے کیا کیا سوچ گیا۔ محمد خاں کے آجانے کے بعد شہزادہ نے کہا۔ بھائی درگاداس! آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اس میں کوئی سند یہ نہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی اپائے نہیں، جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہو، پرتو بھائی! راج کے لیے میں ایسا پاپ نہیں کر سکتا۔

محمد خاں نے کہا۔ شہزادے ابھی آپ بالک ہیں راجتسی نہیں جانتے۔ بہت پاپوں سے بچنے کے لیے یہی ایک پاپ کیا جائے تو وہ پاپ نہیں پڑیہ ہے۔ اتنا تو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کو گدی پر بیٹھنے کے بعد یہ ظلم جو ابھی ہو رہا ہے، کیا بند نہ ہو جائیں گے؟ پھر راجپوتوں کی جو شکایت ہے وہ دور ہو جائے گی۔ پھر میل ہو جانے پر پراچا کتنے سکھ سے رہے گی۔ اس لیے ہمیں تو ایسا کرنے میں کوئی پاپ نہیں معلوم ہوتا۔ اب رہا یہ کہ اورنگ زیب نے اپنے باپ کو کارا گار میں رکھ کر بڑا کٹ دیا تھا۔ آپ ایسا نہ کرنا۔ چلو بس ہو چکا۔ اگر آپ اتنے پر بھی راضی نہیں تو راج کل میں درتھا ہی جنم لیا تھا۔ کہیں فقیر ہوتے جاکے۔

ظہور خاں نے کہا۔ اس میں آپ کو کرنا ہی کیا ہے؟ ہم قیدیوں کی اولاد بدلی کے بہانے اپنی سینا لے جائیں گے اور پیچھے سے راجپوت سینا یکا کی دھاوا کر دے گی۔ بادشاہ اپنی سینا سمجھ کر ہماری اور اوشیہ بھاگے گا۔ بس ہمارا کام بن جائے گا۔ بادشاہ کو پکڑ کر دیر درگاداس کو سوپ دیں گے۔ اور آپ کو شاہی تخت پر بٹھادیں گے۔

اکبر شاہ کی نیت بگڑی۔ سنار میں ایسا کون ہے جو لکشی کا ترسکار کرے؟ اب رات بھی آدمی بیت چکی تھی اور سب سردار بھی درگاداس کی رائے پر سمیت تھے۔ بات چیت بند ہوئی سب لوگ اپنے ڈیرے میں ورام کرنے چلے گئے۔ شہزادہ اپنی بیچ پر پڑا اپنے بھوشیہ پر وچار کرتا رہا۔ سویرا ہوا اور کوچ کا ڈنکا بجا۔ سرداروں نے اپنی اپنی سینائیں سنبالیں اور ہڈھواڑی کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سے امیر کیول ڈیڑھ دو کوس رہ جاتا ہے۔ لڑائی کے لیے میدان بھی اچھا تھا اور سینا کے لیے بھی سب پرکار کی سیدھا تھی۔ درگاداس نے پڑاؤ کے لیے یہی جگہ اچت سمجھی۔ اس کے دونوں طرف پہاڑی پردیس تھا۔ یہاں یہ ہونے سے پرجا کو کسی پرکار کی ہانی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اور ویر درگاداس کا مطلب بھی یہی تھا، نہیں تو آگے ہی سے ہستی کے باہر مورچا بندی کیوں کرتا؟ استو ویر درگاداس کے آگیا نوسار

پڑاؤ میں پڑا۔ سرداروں نے سینا کو بھونچا تھا وشرام کا پورا پر بندھ کیا۔
 شام کو بچے سگھ تھا درگاداس آدی مغل سرداروں سے مل کر اورنگ زیب کے لیے جو
 ہڈ-سٹر رچا گیا تھا، اس پر دھار کرنے لگے۔ درگاداس نے کہا۔ خاں صاحب دیکھو دھوکا نہ
 دینا! نہیں تو پچھارے اکبر شاہ کے ارمان خاک میں مل جائیں گے۔ اگر دھوکا دیا بھی تو ہمارا
 کیا جائے گا۔ ہم تو لڑائی کے لیے گھر سے نکلے ہی ہیں۔ جہاں ایک سے نپٹتا ہے وہاں دو
 سے سکھا!

محمد خاں نے کہا۔ واہ! ہم مسلمان ہیں بات کہہ کر بدلتے نہیں۔ آگے بڑھ کر پیچھے
 نہیں ہٹتے۔ پھر یہ تو اپنے مطلب کی بات ہے۔ اسی طرح سب اپنی اپنی اڑا رہے تھے۔ اکبر
 شاہ تو اسے پرسن تھے مانو بادشاہ ہی بنے بیٹھے ہیں۔

پرنتو یہ ابھی کسی کو نہیں معلوم کہ بتا بتایا کھیل بگڑ گیا۔ منٹ لاکھ سرامے جو امیٹور
 چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس کے سبھی کام ولکھن ہیں۔ کون جان سکتا ہے کہ کب کیا ہوگا؟
 چاہے جتنی گت ریتی سے بات چیت کیوں نہ کی جائے، بھید کھل ہی جاتا ہے۔ بڑے لوگوں
 نے کہا ہے کہ کان دیوار کے بھی ہوتے ہیں۔ جب دیوڑی میں شہزادے کے خیمے میں اس
 پر بات چیت ہو رہی تھی اس سے ایک مغل سپاہی شمشیر باہر پھرے پر تھا۔ وہ سب سن رہا
 تھا۔ یہ تھا مولوی کٹر مسلمان۔ اکبر اور شاہجہاں کو بھی کافر ہی کہتا تھا۔ وہ روزہ اور نماز سے
 بڑھ کر ثواب ہندوؤں کو دکھ دینے ہی میں سمجھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کافروں نے ایک کٹر
 مسلمان بادشاہ کے درودھ ہڈ-سٹر رچا ہے اور وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ اگر میں نے کوئی
 اپائے نہ کیا تو میں بھی خداوند کریم کی نظروں میں کافر ہی بنوں گا۔ اس لیے یہاں سے نکلنا
 چاہیے۔ دیر کرنے میں کام بگڑتا ہے اور کام بگڑنے پر کیول پچھتانا ہی ہاتھ رہے گا۔ پچھتائی
 کے کیا کروں گا؟ پھر یہاں کس لیے ٹھہروں؟ اگر بچ نکلا تو ایک مسلمان کو کافروں کے چنچے
 سے چھڑاؤں گا اور اگر پکڑا گیا تو اسلام کے نام پر قربان ہو جاؤں گا۔ استو مولوی صاحب کو
 کسی طرح کا کٹ نہ اٹھانا پڑا۔ سوگمٹ سے نکل گیا، کیونکہ دیر درگاداس نے اپنے مغل
 قیدیوں پر کڑا چہرا نہ رکھا تھا۔ دوسرے دن مولوی صاحب اجیر پٹنپے اور بادشاہ سے کچا چٹھا
 کہہ سنایا۔ اورنگ زیب تھا بڑا ہی دھرت ترنت ہی ایک چٹھی اکبر شاہ کے نام لکھوا کر ایک
 فقیر کو دی کہ اسے درگاداس کے خیمے میں ڈال دے۔ فقیر کو انعام دیا گیا۔ فقیر کو کہیں روک

ٹوک تو حسی نہیں مانگتا جانچتا، لشکر پہنچا اور اوسر پا کر پتر درگاداس کے ڈبرے میں پھینک دیا۔ دیو یوگ سے وہ پتر سنتری کے ہاتھ لگا۔ اٹھا کر درگاداس کے پاس لایا۔ درگاداس نے دیکھا تو اس پر شاہی مہر تھی اور شہزادے کے نام تھا، کھول کر پڑھنے لگا۔

بیٹا اکبر شاہ! میں تمہارے منہ پر تمہاری بڑائی نہیں کرنا چاہتا، ہمیں تو جتنی بڑائی کی جائے وہ تمہوڑی ہی ہے۔ تم نے کافروں کے پنسانے کے لیے اچھی کتھی نکالی، مگر دیکھو ساودھان رہنا۔ درگاداس بڑا ہی چالاک ہے۔ کہیں کام مگڑنے نہ پائے۔ طہور خاں سے صلاح لیتے رہنا وہ بڑا پکا مسلمان ہے۔ بیٹا! میں تمہارے پتر کا اثر کبھی نہ دیتا کیونکہ دوسرے کے ہاتھ میں پڑ جانے سے کام میں بادعا پڑنے کا اندیشہ تھا۔ پرنٹو پھر یہ سوچا کہ کد اچت قصیں سند یہ بتا رہے کہ تمہارا پتر ہم تک پہنچا یا نہیں اور میں ساودھان ہو گیا یا نہیں اس لیے دشواس ہوا۔

تمہارا پتا

یہ پتر پڑھ کر درگاداس کو اکبر شاہ پر سند یہ اتنن ہو گیا۔ پتر لیے ہوئے سیدھا جے سنگھ کے پاس پہنچا۔ پتر تو ان کے ہاتھ میں دے دیا، اور پلنگ پر بیٹھ کر پاپیوں کے دشواس گھات سے ہونے والے پریتام پر دھار کرنے لگے۔ جے سنگھ نے پتر پڑھا اور میان سے تلوار کھینچ لی۔ درگاداس نے کہا یہ کیا؟ جے سنگھ نے کہا۔ بھائی! آپ تو جھما کے اوتار ہیں۔ کسی نے کیسا ہی اپرا دھ کیوں نہ کیا ہو آپ جھما کر دیتے ہیں، پرنٹو مجھ میں یہ دیوی گن نہیں۔ میں دھٹوں کو دشواس گھات کا مڑا چکھاؤں گا۔ درگاداس نے کہا بھائی! یہ راجپوتوں کا دھرم نہیں۔ وہ ہمارے بندی ہیں اور اس کے ازکت آج تک ان سے ہمارا بھائی چارے کا برتاؤ رہا ہے۔ اب آپ انہیں بتا کسی اپرا دھ کے ہی مارنا چاہتے ہیں۔ یہ انوچت کاریہ کرنے کی میری اچھا نہیں ہے۔

جے سنگھ نے شانت ہو کر پوچھا۔ اچھا! تو بتائیے آپ کی اچھا کیا ہے؟

درگاداس نے کہا۔ اگر میری اچھا پوچھتے ہو تو انہیں اسی پر کار سوتے ہی چھوڑ دیا جائے۔ اور ہم اپنی سینا کو دیواڑی کی پہاڑیوں میں چھپا دیں۔ اورنگ زیب کی سینا کے آنے پر دونوں طرف سے ساتھ ہی دھاوا بول دیا جائے۔ ہمیں دشواس ہے وہ دوطرفہ مار کبھی نہ سہ سکے گا۔ اگر بھانگنا چاہے گا، تو سانے والی دروں کے سوا اور دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔ اور

جب دروں میں چنسا تو ابرنا کھن ہوگا۔ پھر یا تو ہماری شرن آئے گا۔ یا بے موت مرے گا۔ یہ صلاح ہے سنگھ کے من میں بیٹھ گئی۔ دیرے دیرے راجپوت سرداروں کو سمیت کیا گیا۔ سبوں نے اپنی اپنی سینا سنبھالی اور رات کے پچھلے پہر تک دیواڑی کے پہاڑی پردیس میں جا پہنچے۔ سویرا ہوا تاروں کی چمک پھمکی پڑنے لگی۔ آکاش کا رنگ بدلنے لگا۔ اپنے اپنے گھوڑوں سے نکل کر کچھوں نے شاگھاؤں پر البشور کا گن گان آرمہ کیا۔ اذان سن کر مغل سرداروں نے بھی نماز کی تیاری کی۔ خیمے کے باہر نکلے تھے کہ بس جان سوکھ گئی۔ کہاں کی نماز اور کہاں کا روزہ! یہاں تو پرانوں پر آئی۔ اکبر شاہ کی تو کچھ پوچھو ہی نہ جو کل بادشاہ بنے بیٹھے تھے آج بھاگنے کا راستہ نہ پاتے تھے۔ چہرے پر جو شامی جھلک تھی آج پھمکی پڑ گئی۔ سوچنے لگا یا خدا ماجرا کیا ہے۔ راجپوت سینا تھی کہ اندر جال کا تماشا؟

طہور خاں سے بولا۔ ہمیں درگاداس کے چلے جانے کا دکھ نہیں۔ دکھ تو یہ ہے کہ چوری سے کیوں چلے گئے؟ کیا ہم لوگ انھیں روک لیتے؟ ہم لوگ تو خود ہی ان کے بندی تھے۔ پھر چمپ کر جانے کا کارن کیا تھا۔ طہور خاں نے کہا۔ شہزادے! اس میں دکھ کی کون بات ہے؟ ہم لوگوں پر درگاداس کو دشواں نہیں ہوا۔ اور ٹھیک بھی ہے۔ دشواں کیسے آتا؟ ایک پچھلی سارے تال کو گندا کر دیتی ہے۔ پھر بادشاہ نے جمل پر جمل کیے ہیں۔ یہ درگاداس کی بھل مانی تھی کہ ہم لوگوں کو بنا کسی پرکار کا دکھ پہنچائے ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ نہیں جان سے مار ڈالتا تو ہم اس کا کیا بنا لیتے؟ آخر تھے تو اسی کے ازمین۔ جو چاہتا کرتا۔

محمد خاں نے کہا۔ بھائی درگاداس نے جو کچھ کیا اچھا ہی کیا۔ اب ہم لوگوں کو چاہیے کہ درگاداس کو دکھادیں کہ سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اگر کچھ مسلمان جموٹے ہوتے ہیں تو کچھ اپنی پرکتیا کے سچے بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے شہزادے کو جانے دو کہ وہ درگاداس کو تلاش کریں۔ ہم لوگ اپنا لشکر لے کر مورچے پر چلیں اور بادشاہ سے لوہا لیں۔ مرین یا ماریں۔ اپنا کرتیبہ پالن کریں۔ یہ خبر پا کر درگاداس اپنی کرکوت پر لبت ہوگا۔

طہور خاں کو یہ صلاح پسند آئی۔ اکبر شاہ کو بدا کیا اور اپنا لشکر لے کر اورنگ زیب کے مقابلے پر چلا۔ راستے ہی میں اورنگ زیب کی سینا سے ٹکبھیر ہو گئی۔ یہ لشکر معظم اور عظیم کی سرداری میں تھا۔ یہ دونوں ہی اکبر شاہ کے اپنے پتہ کا کٹک سمجھتے تھے۔ پرتو انھیں راستہ صاف کرنے کی گھات نہ ملتی تھی۔ آج منہ مانگی مراد ملی، جی تو ذکر لڑنے لگے۔ پہلے تو طہور

خاں کے سپاہیوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ مگر پھر مولوی صاحب کا فتویٰ سننے ہی تو تے کی بھانتی آنکھیں بدل دیں اور اپنے دلوں سرداروں کو گھیر کر خود ہی مار ڈالا۔

محمد خاں اور طہور خاں کے مارے جانے کے پشیمات عظیم نے اکبر شاہ کی بہت کھوج کی، پرتو پتا نہ چلا۔ دوش ہو کر اجیر لوٹ پڑا۔ کیونکہ سینا آدمی سے ادھیک گھائل ہو گئی تھی۔ اس لیے ویر درگاداس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رہی، نہیں تو وجے کے گھمنڈ میں آگے ضرور بڑھتا۔ گھمنڈ تو درگاداس چور ہی کر دیتا، مگر بیچارے اکبر شاہ کے پران نہ بچتے۔ کسی نہ کسی کی درشنی پڑ ہی جاتی، کیونکہ وہ ویر درگاداس کی کھوج میں دیواڑی کی پہاڑیوں پر ادھر سے ادھر بھٹکتا پھرتا تھا۔ سینگ وٹ شامل داس سے بھینٹ ہو گئی۔ جو پانچ سو سوار لیے دیواڑی کے مارگ کی چوکی کر رہا تھا، پہلے تو شامل داس کو سند یہ ہوا کہ کداجت بھید لینے آیا ہو، لیکن بات چیت ہوتے ہی سند یہ جاتا رہا اور اسے ویر درگاداس کے پاس بھیج دیا۔ شہزادے کو دیکھ کر درگاداس لبت ہو کر بولا۔ شہزادے! مجھے چھما کرنا مجھ سے اپنی اتنی آہو میں یہ پہلی بھول ہوئی ہے۔ آج تک میں نے کسی کے ساتھ دشواس گھات نہیں کیا اور نہ کسی زردوش پر تلوار ہی اٹھائی ہے۔ آپ کے ساتھ جو مجھ سے چوک ہوئی وہ دھوکے میں ہوئی۔ لیجیے یہ اپنے پتاجی کا پتر پڑھیے اور آپ ہی کہیے ایسی استغھی میں ہمارا کرتیبہ کیا ہونا چاہیے تھا؟

شہزادے نے پتر پڑھ کر کہا۔ بھائی درگادا اس میں تمھارا کچھ دوش نہیں۔ یہ ہماری کنبختی تھی۔ مرتیو کی ساگری تو پتر ہی میں تھی، پرتو نہ جانے ابھی بھاگ میں کیا ہے۔ جو جیوت رہے۔ خدا جانے طہور خاں پر کیسی گزری؟ درگاداس نے کہا۔ شہزادے مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ بھول میں نے کی اور مارے گئے محمد خاں اور طہور خاں۔

درگادا کا یہ اتھم واکیہ پورا بھی نہ ہوا تھا اللہ اکبر کی آواز کانوں میں آئی۔ شہزادے پر پھر سند یہ اتھن ہوا مگر آگے بڑھ کر پہاڑی سے جو نیچے جھانکا تو اورنگ زیب کی سینا دروں میں پھنسی دیکھی۔ پھر کیا تھا راجپوتوں کو لے کر لوٹ پڑا۔ لگی دوطرفہ مار پڑنے۔ مغل سینا جس طرف بھاگتی تھی اسی طرف اپنے کو راجپوتوں سے گھری پاتی تھی۔ درگاداس نے سوا ایک پہاڑی درے کے چاروں طرف سے دیواڑی کی پہاڑیاں گھیر رکھی تھیں۔ اس درے کے تینوں طرف اونچی پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف راستہ تھا۔ وہ بھی چھوٹا سا۔ اورنگ زیب یہ کیا جانے کہ ہمارے بچنے کا راستہ نہیں چوہا دان ہے۔ پل پڑا بیچے بیچے لشکر بھی کٹکھ گیا۔

راجپوتوں نے ایسا بچھا کیا، جیسے چرواہے بھیڑوں کو ہاڑے میں ہانکتے ہیں۔ جب سب لنگر درے میں چلا گیا تو راجپوتوں نے کھلوڑ کی طرح وہ بھی راستہ پتھروں سے بند کر دیا۔ پہاڑیاں اتنی اونچی اور کٹھن نہ تھیں کہ کوئی چڑھ نہ سکے پرتو کٹھنائی آدھیک تھی۔ رات ابھی ایک پہر سے ادھک تو بقی نہ تھی لیکن اندھیلا ہو چکا تھا۔ اور چندرما کا پرکاش بھی اتنا نہ تھا۔ اس پر راجپوت اوپر سے پتھر ڈھکیل رہے تھے۔ سارانش یہ کہ سب ڈھنگ بے موت مرنے کے ہی تھے۔ بھل یہ ہوا کہ کچھ تو پتھروں سے گھائل ہو کر مر گئے اور کچھ جیتے رہے، پرتو وہ بھی مرگوں سے کسی دشمن میں اچھے نہ تھے۔ اپائے تو راجپوتوں نے یہی سوچا تھا کہ ایک بھی مغل جیوت نہ بچے اور درابھی آدمے کے لگ بھگ پاٹ دیا تھا، پرتو اورنگ زیب کے بھاگ کو کیا کرتے اسے ایک چھوٹی سی کھوہ مل گئی۔ باپ بیٹے دونوں بڑی سادو دھانی سے اسی میں دب کر رہے۔

جب راجپوتوں کا اُپر دوشانت ہوا تو دونوں دبے پاؤں باہر نکلے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ چندر دیو است ہو چکے تھے۔ ہاں چاروں طرف آکاش پر تارے ضرور جھلما رہے تھے۔ درگاداس اپنا لنگر لے کر بدھواڑی لوٹ آیا تھا۔ میدان صاف تھا، اس لیے اورنگ زیب کو اونچی نیچی پہاڑیوں پر چڑھنے کے سوائے اور کوئی ارجن نہ پڑی۔ کوئی کہیں دیکھ نہ لے! شترو کے ہاتھ بھر نہ پڑ جائے! کیول یہی جیسے تھا۔ اس لیے اپنے کو چھپاتا ہوا بڑی سادو دھانی سے ادھر ادھر پہاڑیوں میں بھٹکنے لگا۔ جیسے تیسے بھوکا پیاسا تیسرے دن اجیر پہنچا۔ عظیم اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اورنگ زیب اس پر بہت جھنجھلا گیا۔ اور یہ غصہ کچھ عظیم ہی پر نہ تھا۔ وہ جسے پاتا تھا، پھاڑ کھاتا تھا۔ جل پان کے اپرانت جب ذرا جی ٹھکانے ہوا تو سرداروں کو بلایا۔ جب کسی میں دیر درگاداس کا سامنا کرنے کا سامس نہ دیکھا تو اپنے راجپوت کے کونے کونے سے مسلمانی سینا بھیجنے کے لیے صوبیداروں کو آگیا پتر لکھوائے۔ پھر بھی سنتوش نہ ہوا۔ سوچنے لگا کہ اتنی مغل سینا جسے درگاداس کا سامنا کرنے کو بھیج سکوں، ایک سپتہا میں ایکتر ہونا سمجھو ہے۔ اور درگاداس کا کچھ ٹھیک نہیں، نہ جانے کب اجیر پر دھواوا بول دے۔ اس لیے کوئی جال بھینکنا چاہیے۔

دوسرے دن سردار ذوالفقار خاں کو چالیس ہزار اشرفیاں دے کر دیر درگاداس کے پاس بھیجا۔ یہ سردار بھی بڑا چتور تھا۔ شام کو درگاداس کے پاس گیا۔ سلام کیا اور اشرفیاں

سامنے رکھ کر بولا۔ ٹھاکر صاحب ہمارے بادشاہ سلامت نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ چالیس ہزار اشرفیاں بیہیٹ میں بھیجی ہیں۔ ٹھاکر صاحب اب آپ کو چاہیے کہ بادشاہ کی بیہیٹ خوشی کے ساتھ سویکار کریں، اور ایٹور کو دھنیہ واد دیں۔ کیونکہ بادشاہ جلد کسی پر اتنے پرسن نہیں ہوتے۔ نہ جانے کیوں آپ کی بہادری پر خوش ہو گئے۔ پرسکار میں چالیس ہزار اشرفیاں ہی نہیں بھیجیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ تاج کرن کو پانچ ہزار سواروں کا نایک بناؤں گا اور مارواڑ کے سرداروں کے ادھیکار جیسے راجا بیہیٹ سنگھ کے سامنے تھے۔ ویسے ہی رہیں گے۔ جس کی جاگیر ضبط کی گئی ہے، وہ لوٹا دی جائے گی۔ اور لوٹ جانے پر سب راجپوت بندی بھی چھوڑ دیے جائیں گے۔ اس لیے کرپا کر مجھے ٹھیکہ ہی لوٹ جانے کی آگیا دیں۔ اور شہزادے کو سادر میرے ساتھ کر دیں۔ بادشاہ اکبر شاہ کے دیوگ سے دکی ہے۔ اسے دیکھتے ہی بڑا پرسن ہوگا۔ ایٹور جانے آپ کے ساتھ اور کیا بھلائی کرے؟ اچھے کاموں میں دیر نہ کرنی چاہیے۔ ہنکا وناش کا کارن ہے۔ ہنکا کرنے سے بنے بنائے کام بگڑتے ہیں۔ اگر میں خالی ہاتھ لوٹا تو کبھے رہے۔ راجاؤں کی پرستنا اتنا سکھ نہیں دیتی جتنا کہ اپرستنا دکھ دیتی ہے۔ ایٹور نہ کرے کہیں بادشاہ آپ کے برتاؤ سے چڑھ جائے تو یہ جان لیجیے گا کہ پلک مارتے ہی جو دھپور کا ستیا ناس کر ڈالے گا، جو بادشاہ جمن ماتر میں بیس لاکھ سینا اکٹھی کر سکتا ہے، اس کا سامنا آپ مٹھی بھر راجپوت لے کر کیا کر سکتے ہیں؟ میں آپ کی بھلائی کے لیے آیا ہوں، برائی کے لیے نہیں۔ اگر آپ نے دھرم کی اپنی بہن بیٹیوں کی اپنے بھولے بھائیوں کی اور دیو مندروں کی بھلائی چاہتے ہیں تو شہزادے کو ہمارے ساتھ کر دیں۔ ٹھاکر صاحب، ایک کے لیے بہتوں کو دکھ میں ڈالنا چتورائی نہیں ہے۔

درگاداس چپ چاپ سردار ذوالفقار خاں کی باتیں سن رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ کیا اتر دیا جائے؟ اگر ہاں کرتا ہوں، تو ادھرم ہوتا ہے ایسے دان دے کر شہزادے کو پھر کیوں کر موت کے منہ میں ڈال دوں، اگر نہ کرتا ہوں تو نہ جانے سرداروں کے من میں کیا ہو؟ درگاداس اسی سوچ وچار میں پڑا تھا۔ شہزادہ بڑی دیر سے درگاداس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کیا اتر دیتے ہیں؟ جب دیکھا کہ درگاداس بولتا ہی نہیں۔ مون ورت ہی دھارن کر لیا ہے، تو شہزادے کو چٹانے گھیر دہایا۔ اداس من وچارنے لگا کہ کداحت ویر درگاداس اپنے پرانوں کے لالچ سے مجھے نہ تیاگتا، پرنتو اپنے دیش دھرم اور جاتی کا پرشن ہے۔ دیش کی بھلائی کے

نت مجھے اوشیہ تیاگ دے گا، کیونکہ اپنی جاتی والوں کے آگے مجھ مغل کے پرانوں کی اسے کیا پرواہ ہوگی؟ اور اچت بھی ایسا ہی ہے۔ جہاں ایک بلیدان سے انیکوں کی رکھا ہوتی ہے۔ تو اس میں ولسم نہ کرنا چاہیے۔ تب درگاداس ذوالفقار خاں کی باتوں کا اثر کیوں نہیں دیتا؟ کد اچت اچھنھے میں پڑا ہو کہ جس کو ابھیدان دے چکا ہے، اسے کس پرکار تیاگ دے؟ میری تو مرتیو آہی گئی، تب اپنے شہ چٹک کو ادھک کشت کیوں پہنچاؤں۔

یہ وچار کر شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ویر درگاداس میں آپ کی نہیں بلکہ اپنی اچھا سے سردار ذوالفقار خاں کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اس میں آپ کا کچھ دوش نہیں، کیونکہ جہاں تک ہو سکا، آپ نے میری رکشا کی۔ منش اپنی فطرتی کے باہر کیا کر سکتا ہے؟ کوئی کسی کا بھاگیہ نہیں پلٹ سکتا۔

ویر درگاداس نے شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور بولا۔ شہزادہ! میں یہ چالیس ہزار کیا، اگر بادشاہ اپنا راجہ بھی دے کر تمہیں لینا چاہے تب بھی تمہیں اب مرتیو کے کھ میں نہیں ڈال سکتا۔ میں اپنے کل تنہا جاتی کو کلنکت نہیں کرنا چاہتا۔ راجپوتوں کے کھ میں ایک ہی جھہ ہوتی ہے۔ شہزادے کد اچت تم نے یہ سوچا ہو کہ میرے ایک کے لیے درگاداس اپنے دلش بھر کو وہتی میں کیوں ڈالے گا؟ تو یہ تمہاری بھول ہے۔ دیکھا کیول مہاسنگھ کے لیے ہمارے مارواڑ واسیوں نے کتنا کشت بھوگا۔ پرتو اس کا پھل کیا ملا؟ کہنا ویر تھ ہے۔ ہاتھ نکلن کو آری کیا؟ دیکھو مارواڑ سوتنر ہوا۔ بادشاہ نے سلام کے ساتھ ساتھ چالیس ہزار کی بھینٹ بھی بھیجی ہے۔ اب یدی تمہارے لیے کشت اٹھانا پڑے گا۔ تو اس سے بھی اچھے پھل کی آشا ہے۔ اندھیرے کے بعد ہی اجالا ہوتا ہے۔ دکھ بھوگنے کے پشچات ہی سکھ کا آند ملتا ہے۔ مٹی میں مل جانے کے پشچات ہی جج ہرا بھرا ورکش بنتا ہے۔

درگاداس کو اس پرکار شہزادے کو تسلی دیتے دیکھ بے سنگھ کو اب سردار ذوالفقار خاں کی باتوں کا جواب دینے میں بڑی سہا جی ملی۔ بڑی نرمی کے ساتھ بولا۔ بھائی ذوالفقار خاں! تمہارے بادشاہ نے آج تک ہم راجپوتوں کے لیے کون ایسا کشت پہنچانے والے کام تھا، جو نہ کیا ہو؟ اب اس سے ادھک کشت دینے والا کون اپاے سوچ رکھا ہے، جس کی دمگی دیتا ہے۔ دیو مندروں کو توڑ کر مسجدیں بنوائی۔ دھرم پستکوں کو جلوایا، براہمنوں جن توڑوئے، سستی ابادوں کا ستون ٹھٹ کرایا، تیر تھ یاتریوں پر جزیہ ناک کر لگایا اور بنا اپرادھ ہی کے بیچارے

نردوش راجپوتوں کو بندی گرہ کا کٹٹ بھگوا یا۔ بہتوں کو پھانسی دلائی۔ اب تمہیں کہو پران ڈھ سے ادھک اور کون ڈھ ہوگا۔ بھائی ہم راجپوتوں کو ساتھ یدی وہ نیائے کا مدتہ کرتا تو ہم لوگ کالے سرپ کے سان اسے کبھی ڈستے، ورن شوان کے سان اس کی سیوا کرتے۔ یہ نوبت کبھی نہ آتی کہ اتنا بڑا بادشاہ ایک راج دروہی کے لیے پر جا کو جھک کر سلام کرے۔ چالیس ہزار اشرفیوں کا لوہہ دکھائے۔

درگاداس نے کہا۔ بھائی بے سنگھ آپ ایسی باتیں کس سے اور کس لیے کر رہے ہیں؟ میں ابھی تک اس لیے مون بیٹھا رہا کہ ذوالفقار خاں سے دیرتھ باتیں کر کے اپنا سے کیوں نعت کروں؟ ان سے باتیں کرنے میں کوئی لایھ تو ہے ہی نہیں، اتر دے کر کیا کریں۔ انھیں جو کچھ کہنا ہے کہہ لینے دو۔ بادشاہ نے نہ تو دھکی دی ہے اور نہ لالچ۔ یہ کیول دھوکا بازی اور جال ہے۔ سردار ذوالفقار خاں آپ اپنی یہ اشرفیاں لیجیے، کیونکہ پاپ سے کمائے ہوئے دھن کی بھینٹ راجپوت سویکار نہیں کر سکتے۔ اور نہ شرن آئے ہوئے کو اپنے پران رتے تیگ ہی سکتے ہیں۔ اس لیے اب آپ خوشی سے لوٹ جائیے، اور بادشاہ کے سلام کے جواب میں سلام کہیے۔ ذوالفقار خاں نے اب بھی بہت کچھ کہا سنا، پرنٹو راجپوت ہٹھ (پران جائے پر وچن نہ جائے) کب چھوٹ سکتا ہے۔ انت میں لاچار ہو کر سردار ذوالفقار خاں کو لوٹا ہی پڑا۔

ذوالفقار خاں کے چلے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ادے پور کے رانا کے چھوٹا بیٹا بھیم سنگھ آیا۔ سب سرداروں سے مل بھینٹ کر درگاداس کے پاس بیٹھ گیا۔ بے سنگھ نے پوچھا۔ بھیا بھیم سنگھ! گھبرائے سے کیوں ہو؟ کیا کوئی نئی بات ہے؟ بھیم سنگھ نے کہا گھبراہٹ نہیں، پرنٹو آٹھر یہ اوشیہ ہے۔ یہ کہ آپ سب کو ٹھٹ دیکھ رہا ہوں۔ ابھی تک آپ لوگوں نے اجیر پر چڑھائی کیوں نہ کی؟ اوسر اچھا تھا۔ اب وہ سے ہاتھ سے نکل گیا۔ اورنگ زیب نے چاروں طرف لڑائی بند کروادی اور سب مغل سینا اجیر بلوالی ہے۔ ایشور ہی جانے اب مارواڑ کی کیا دشا ہونے والی ہے۔

کیسری سنگھ سب سے وردھ سردار تھا۔ بولا بھائیو! ہمیں اپنی یا مارواڑ کی کوئی چٹا نہیں، ہمارا پہلا دھرم ہے کہ شہزادے کی رکشا کا پر بندھ کیا جائے۔ پشچات اورنگ زیب سے لوہا لیں۔ یہ بات سب راجپوت سرداروں کے من میں بیٹھ گئی۔ وہ سوچنے لگے کہ شہزادے کو

کہیں بھیجا جائے۔ جہاں اس کی رکشا میں کسی پرکار کی تروٹی نہ ہو۔ ہمیں شکھ نے کہا۔ مہاراج شیواجی کا پتر ویرمھماجی ان کی رکشا کر سکے گا۔ کیونکہ ایک تو وہ ویر پرش ہے۔ دوسرے اورنگ زیب کا کٹر شتر و ہے، تیسرے اب وہاں مغل سینا بھی نہیں ہے۔ لڑائی بند ہے، سب طرح کی سدیدھا ہے۔ ویر درگاداس تھا شہزادے نے سویمھماجی کے پاس جانا پسند کیا۔

شام کو درگاداس تھوڑے سے سواروں کو ساتھ لے کر مھماجی کے پاس چلا اور چلنے کے سے سینا کو مورچوں پر لے جانے کے لیے سرداروں کو آگیا دیتا گیا۔ شہزادے کو ساتھ لیے وہ بہونیک جنگل پہاڑ پار کرتا ہو تیسرے دن مھماجی کے یہاں پہنچا۔ مھماجی نے دیکھتے ہی شہزادے کو پہچان لیا اور بڑے آدر بھاء سے ملا۔ نچھت ہونے کے پشچات درگاداس نے اس سے اپنے آنے کا کارن کہہ سنایا۔ مھماجی نے اپنا ہاروک ہرش پرکٹ کیا اور کہا بھائی درگاداس! ہم لوگوں کا مکھیہ دھرم ہی ہے کہ شرنکٹ کی رکشا کریں۔ پھر شہزادے نے تو ہمارے ساتھ بڑا اپکار کیا ہے۔ جب دلی کے کارا گار میں میں اور میرے پوجیہ پتاجی دونوں بندی تھے اس سے شہزادے نے ہماری بڑی سہایا کی۔ ان کی دیا ہوا گھوڑا ابھی تک ہمارے پاس ہے۔ میں ان کی رکشا پرانوں کے سان کروں گا۔ اب آپ ان سے نچھت رہیے۔

رات کو درگاداس نے وہیں دھرام کیا۔ دوسرے دن مھماجی سے بدا ہو مارواڑ کی طرف چل دیا۔ مہجرات کے آگے ایک پہاڑی پر کھڑے ہوئے شامل داس میٹریٹا سے بھیٹ ہوئی۔ یہ اپنی سینا لے کر بے شکھ کے آگیا نو سار مکھی پرائٹ سے آنے والی مغل سینا روکنے کے لیے راستے میں آڈٹا تھا۔ یہ حال درگاداس کو معلوم نہ تھا۔ اس لیے شامل داس نے کہا مہاراج! آپ کے چلے جانے کے پشچات سب سرداروں نے یہ صلاح کی کہ مغل سینا جو ہم لوگوں کی اساد دھانی کے کارن اجیر آچکی سو آچکی، پرنو اب دور سے آنے والی سینا کے سب مارگ روک دیے جائیں۔ نہیں تو سوہن میں بھی بے پانا کشن ہوگا۔ یہ سوچ کر سرداروں نے کچھ سینا بنگال مدراس اور پنجاب کی طرف بھیج دی ہے۔ اب آپ جہاں تک ہو سکے ٹھیکر ہی پہنچے۔ کداچیت آج ہی آپ کا راستہ دیکھ کر سردار شونک جی اجیر پر چڑھائی کر دیں۔

یہ سن کر ویر درگاداس، شامل داس کے یدھ کے دشے میں کچھ سمجھ بوجھ کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ لگام کھینچتے ہی گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا چل دیا۔ رات کے پچھلے پھر بدھواڑی پہنچا۔ پرنو درگاداس تو دیس سیدا کے لیے شریر ہی ارہن کر چکا تھا۔ بنا مارواڑ سونتر کیے اسے

جین کب تھا؟ سیدھا اجیر بھاگا اور پو پٹنے کے پہلے اپنی سینا میں بٹخی گیا۔ یہ سب ساچار اورنگ زیب کو ملا تو وہ گھبرا اٹھا، کیونکہ اجیر میں ابھی تک سینا کے دو ہی بھاگ آ سکے گے۔ باقی سینا کی پرکشا کی جارہی تھی۔ بادشاہ کو اپنی آدمی سینا پر کافی بھروسہ نہ تھا۔ اس لیے دھرا جال رچا اور سویرا ہوتے ہی سردار دلیر خاں کے ہاتھ سندھی کا سندیش بھیجا۔ دیر درگا داس نے کہا۔ سردار دلیر خاں بھولے راجپوتوں نے بہت دھوکا کھائے۔ اب ہم لوگ تمہارے بادشاہ کی زبانی بات چیت پر دھواں نہیں کریں گے۔ اگر وہ سچ مچ سندھی کرنا چاہتے ہیں تو بادشاہ کی مہر لگا کر پتر لکھیں کہ ہمارے دھرم پر اکیسپ نہ کریں گے۔ ہندو اور مسلم میں کوئی اتتر نہ سمجھیں گے۔ یوگتا پر ہی عہدے دیے جائیں گے۔ یدی تمہارا بادشاہ ایسا کرنا سوچا کرتا ہے تو ہم لوگ بھی سندھی کرنے کو تیار ہیں، نہیں تو ہاتھ میں لی ہوئی تلواریں مارنے کے بعد ہی ہاتھ سے چھوٹیں گی۔ بس جاؤ ہمیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے، اب ہمارے کہنے کے درودھ یدی اتر لانا ہو تو یدھ استقل میں تلوار ہی لے کر آنا۔

دلیر خاں کو را اتر پا کر اورنگ زیب کے پاس لوٹ گئے۔ اور دو کی چار بتائی۔ سننے ہی اورنگ زیب جل اٹھا۔ اور ترنت ہی یدھ کی تیاری کے لیے ڈنکا بجوا دیا۔ مغل سینا میدان میں ایکڑ ہوئی۔ اس سے ایک اونچے استھان پر کھڑے ہو کر اورنگ زیب نے دھرم اپدیش کیا اور سینکوں کو یہاں تک اجمت کیا کہ دھرماندھ مغلوں کو لڑائی کے داؤں گھات کی سدھ نہ رہی۔ جس پر کار لہریں کنارے کی چٹانوں سے ٹکرا کر پھر جاتی ہیں، اسی پر کار مغل سینا راجپوتوں سے ٹکرا لینے لگیں۔ دیر راجپوتوں نے بڑی سادو دھانی سے حملے کو روکا اور دیکھتے دیکھتے آدمی مغل سینا کاٹ ڈالی۔ دھرماندھ اورنگ زیب کی آنکھیں کھلیں۔ سارا دھرم کا گھمنڈ جاتا رہا۔ پرانوں کے لالے پڑے۔ دائیں بائیں جھانکنے لگا۔ اور موقعہ پا کر پران لے بھاگا۔ سینا کی بھی ہمت ٹوٹ گئی۔ پیر اکھڑ گئے۔ بادشاہ کے بھاگتے سینا بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ قلعے کے اترت دوسری طرف مارگ نہ ملا، کیونکہ راجپوتوں نے اپورو دیہور رچتا کی تھی۔ جب مغل سینا قلعے میں جا گھسی تو راجپوتوں نے چاروں طرف سے قلعہ گھیر لیا۔ اسی سے ایک بھیدی نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ شامل داس اور دیال داس نے دکن سے آنے والی سینا کا ایک بھی سپاہی جیوت نہیں چھوڑا۔ اور مالوے میں بھی راجپوتوں نے بڑا اپدرو مچا رکھا ہے۔ یہ ساچار سن کر اورنگ زیب گھبرا گیا۔ اپنے بڑے بیٹے معظم کو بلوا کر راجپوتوں کی مانگیں سندھی پتر پر

لکھوا کر بادشاہی مہر لگائی اور درگاداس کے پاس بھیج دیا۔ ویر درگاداس نے سندھی پتر پڑھ کر اپنے سرداروں کو سنایا۔ قلعے کا دوار کھول دیا گیا۔ بادشاہی جھنڈے کی جگہ راجپوتی جھنڈا بھرا گیا۔ مارواڑ کی سب چھوٹی بڑی ریاستوں کو وجے ساچار بھیجا گیا۔ اور کنور اجیت سنگھ کے راجیہ بھیچک میں ستمیت ہونے کے لیے انہیں نمٹرن کیا گیا۔

ویر درگاداس نے کنور اجیت سنگھ کا راج تلک اورنگ زیب کے ہاتھوں کرانا نچت کیا تھا۔ اس لیے اسے دلی جانے سے روک لیا۔ دوسرے دن ویر درگاداس اپنے ساتھ کرن سنگھ، گنہیر سنگھ، تنہا تھوڑے سے سوار لے کر آہو کی گھٹی پہاڑیوں میں بے ہوئے ڈڈوا گاؤں پہنچے۔ جے دیو برہمن کے دوار پر بھیلوں کے لڑکوں کے ساتھ آئند سے کھیلتے ہوئے، کنور اجیت کو دیکھا۔ یدھی اجیت اب آٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ پرتو راج جہوں کو دیکھ کر درگاداس نے پہچان لیا۔ آنکھوں میں آنند کے آنسو بھر آئے۔ اجیت کو گود میں اٹھا لیا۔ اگلے سے آنند داس کچی بھی آپہنچے۔ بڑے پریم سے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ درگاداس نے کچی مہاشے کو آٹھ برس کے اچھے برے ساچار کہہ سنائے۔ اجیر کی وجے اور کنور اجیت سنگھ کی راج گدی سن کر سب بڑا ہی آنند ہوا۔ یہ شہہ ساچار وایو کے سامن چھن بھر میں سارے گاؤں میں پھیل گیا۔

مگر وایو تنہا راج کمار کے ساتھ کھیلنے والے چھوٹے بڑے سب ساتھی اکٹھے ہو گئے۔ اب راج کمار کے بھولے بھالے کھ پر الہیلی راج شری کا پرکاش تھا۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے آپس میں کہتے تھے۔ بھائی ہم لوگوں نے انجانے میں بڑے اپراہہ کیے ہیں۔ ہزاروں بار کھیل میں راج کمار کا مارا ہوگا۔ بھائی ایک دن وہ تھا کہ راج کمار ہم لوگوں کے ساتھ دھول میں کھیلتے تھے اب کل وہ دن ہوگا کہ سارے مارواڑ دیش کے سوامی بن کر راج سہاسن پر شوہا پائیں گے۔ رتھد سے چور ہو کر ہم دین سکھاؤں کی اور پھر کرپا ورشی کیوں کرنے لگے؟ اسی پرکار اپنی اپنی کہتے تھے۔ اور راجکمار کے کھ کی اور ایک تک دیکھ رہے تھے۔ راج کمار بھی اپنے پیارے متروں کی طرف بڑے پریم سے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ چاچا جی ان سب کو ہمارے ساتھ لے چلیں گے یا نہیں۔ ایک بار اپنے متروں کی طرف دیکھ کر آنند داس کچی کی اور دیکھا۔ کچی مہاشے نے راجکمار کا ابھی پرانے سمجھ کر بالکوں سے کہا۔ جاؤ اپنے اپنے پتا کو لے کر راجکمار کے ساتھ چلو۔ تم لوگوں کے لیے اس سے بڑھ کر آنند کا

سے اور کب ہوگا۔ یہ تمہارے ساتھ کھیلنے والا آج مارواڑ دلش کا سوامی ہے۔
 تھوڑی ہی دیر میں سارے مگر لو اسی راج کمار کا راج تلک دیکھنے کے لیے ساتھ چلے
 کو تیار ہو کر آپہنچے جس سے جو ہوسکا راجا کی بجینٹ کی ساگری بھی اپنے ساتھ لے چلا۔
 راجکمار اپنے متروں کو اپنے ساتھ چلتے دیکھ بڑا گن تھا۔ عمر ہی ابھی کھیل کود کی تھی۔ تھا تو
 کیول آٹھ ہی برس کا! کیا جانے راج کس کو کہتے ہیں۔ راج تلک کیا ہوتا ہے۔ وہ تو یہ سب
 کھیل سمجھتا تھا۔ آج تک اس بچارے کو سامنے اس کے پوجیہ پتا کا بھی نام نہ کیا گیا تھا۔ وہ
 سنسار میں کسی کو اپنا جانتا تھا، تو آئندہ اس چچی کو اور دیوشرما تھا دیوشرما کی استری کو، جنہیں
 وہ چاچی چاچا کہہ کر بلاتا تھا۔

گیدڑوں میں پلا ہوا سنگھ کا بچہ، چاہے اس کے سوا بھادک گن نٹ نہ ہوئے ہوں۔
 اپنے کو سنگھ نہیں سمجھتا، جب تک سنگھوں کے ساتھ نہ پڑے۔ یہی بات راجکمار اجیت کے
 ساتھ تھی۔ بھیلوں کے ساتھ پالا گیا تھا۔ پھر راج کرنا کیا جانے؟ اپنے متروں سے ہنسا بولتا
 دوسرے دن یا ترا ساہت کر دوپہر دن ڈھلے اجیر آپہنچا۔ یہاں بھاری بھیڑ تھی۔ ایک اور مغل
 سینا دوسری اور راجپوت سینا سندر و متروں سے دھوشت راجکمار کا سواگت کرنے کے لیے
 کھڑی تھی۔ استھان استھان پر باجے بج رہے تھے۔ ناچ گانا ہو رہا تھا۔ ایسا کوئی بھی گھر نہ
 تھا جس کے دوار پر بدن بار نہ بندھی ہو، منگل کٹش نہ دھرے ہوں۔ گھر گھر آئندہ منایا جا رہا
 تھا۔ اور بے دھونی آکاش میں گونج رہی تھی۔ مارواڑ کی چھوٹی بڑی سب ریاستوں کے سردار
 اسٹھ تھے۔ راجکمار کا سواگت بڑی دھوم دھام سے کیا گیا اور شوبھ مہورت میں اسے سونے
 کے سنگھان پر بیٹھا کر اورنگ زیب کے ہاتھوں تلک کرایا تھا۔ سرداروں نے راجکمار کے
 ہڑنوں پر شیش جھکایا اور -جھاٹکتی نظریں دیں۔ اسی سے دردھا ناٹھو کو ساتھ لیے ہوا بابا مہندر
 ناٹھ جی پدھارے۔ اسٹھ مہتا نے ان کا بڑا شکار کیا۔ ناٹھو نے سوامی کو مہاراج یثونت سنگھ
 کی دی ہوئی لوہے کی صندوقی سونپی، جسے دیر درگا داس نے بھرے دربار میں مہاراج اجیت
 سنگھ کو سرپین کر دیا، اور مہاراج یثونت سنگھ جی نے جس اوستھا میں اور جو کچھ کہہ کر شونک جی
 چپاوت کو صندوقی سونپی تھی، وہ کہہ سنائی۔ اجیت سنگھ نے صندوقی بڑے مان کے ساتھ لے
 کر درگا داس کو پھر دے دی اور اسے کھول کر پر جا کو دکھلانے کی آگیا دی۔ صندوقی دربار میں
 کھولی گئی۔ اس میں مہاراج یثونت سنگھ کا راج کٹ، انگوٹھی اور کئی ایک بہول رتن تھے۔

درگاداس نے راج کٹ راج کمار کو پہنا دیا اور ہٹا کے سامنے کھڑے ہو کر راج کمار اجیت سنگھ کے جنم سے لے کر راج تلک پر عین جو جو گھٹنائیں ہوئیں تھیں، کہہ سنائی۔ دیو یوگ سے وہ مسلمان مداری بھی مل گیا، جو کچھ مہاشے اور اجیت کو چھپا کر لایا تھا۔ اس کی گواہی نے پر جا کا سند یہہ سمول ٹوٹ کر دیا۔ ویر درگاداس کو پر جانے کو تیش دھوا دیے۔ کیونکہ مہاراج لیثونت سنگھ جی کے وٹس تھا راجیہ کے رکھیک بھی تھے۔

راجپوتوں کا یہ آئند اتسو اورنگ زیب کو اچھا نہ لگتا تھا۔ اس لیے کیول تین دن اجیر میں رہ کر مہاراج اجیت سنگھ سے وداع ہو دلی چلا گیا۔ جو دھور کی پر جا راجکمار کے درشن کے لیے بڑی اتسک تھی۔ تھوڑے دنوں تک راستہ دیکھتی رہی، جب راجکمار کو جو دھور میں نہ دیکھا، تو دروہوں اور بالکوں کو چھوڑ کر جن میں چلنے کی شکتی نہ تھی، باقی سب کے سب اجیر کو چل دی۔ کئی ایک دن میں گاتے بجاتے آئند مناتے پر جا جن اجیر پہنچے۔ ویر درگاداس نے اپنے راجکمار پر پر جا کا اتنا پریم دیکھ کر دربار کیا۔ سب نے اپنے اپنے اچھا نروپ درشن کیے اور ان سے جو دھور کی سوئی گدی شوبھت کرنے کی پرا تمنا کی۔ مہاراج نے اپنے پوجیہ پتا کی گدی پر بیٹھا سو نکار کیا۔ لگ بھگ تین ماس اجیر میں رہ کر مہاراج جو دھور چلے آئے۔ آج پر جا کو جیسا آئند ہوا، کداجت مہاراج لیثونت سنگھ کے شاشن سے میں نہ ہوا ہو۔ مگر مگر ناچ گانا ہوتا تھا، مگر مگر ہون ہوتا تھا، دوارے دوارے منگل کلش دھرے تھے۔ دندناریں بندھی تھیں۔ سو گندھت پھولوں کی مالائیں لٹکیں تھیں۔ شیشل وایو چل رہی تھی۔ دربار میں سندر بستر پہنے، سردار تھا یو گیتا نوروپ ہٹا بیٹھی تھی۔ سامنے سونے کے سہاسن پر مہاراج اجیت سنگھ بیٹھے تھے۔ پاس ہی ویر درگاداس کھڑا ہوا مہاراج کے آگیا نو سار سہایتا کرنے والے راجپوتوں کو ان کی جاگیروں میں کچھ بڑھتی کرتا اور پٹ باندھ رہا تھا۔ درودھ مہاسنگھ کو کوشدھیکش بتایا، گلاب سنگھ تھا کبیر سنگھ کو مہاراج کا رکھک نیوکت کیا۔ کرن سنگھ کو سینا نانک بتایا۔ اور درباریوں کی انومتی سے اپنے اوپر راجیہ بھار لیا۔ انت میں مہاسنگھ کی کنیا لالبا کی باری آئی۔ درگاداس نے اس کو سب سے اچھا اور امولیہ پر سکار دیا، ارتھات۔ رانا راج سنگھ جی کے جیشٹھ پتر رانا جے سنگھ کے ساتھ دواہ نچت کرایا۔ اور راجیہ کی اور سے ہی بڑی دھوم دھام کے ساتھ دواہ کر دیا۔

ان سب آدھیک کاموں سے چھٹی پانے کے بعد ایک دن درگاداس کو شہزادے اکبر

شاہ کی یاد آئی۔ اسی سے درگاداس نے مہاراج کی آسمیتا لے کر مسمحا جی کے پاس دُوت بھیجا، پرتو شہزادہ وہاں نہ ملا۔ پتا لگانے سے معلوم ہوا کہ دکن سے اورنگ زیب کی سہائیتا کے لیے جب مغل سینا جانے لگی تو شہزادہ نے مسمحا جی کو اس کے روکنے کی انومتی دی، پرتو مسمحا جی نے سنی ان سنی کر دی۔ اس بات پر شہزادہ رست ہو کر مکہ چلا گیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد وہیں اس کا دہانت ہو گیا۔ اس ساچار سے درگاداس کو بڑا دکھ ہوا۔ پرتو کرتا کیا؟ الٹور اچھا سمجھ کر من کو شانت کیا۔ خدا بخش اور مسلمان مداری کو مہاراج نے اپنے دربار میں رکھا اور سد یو ان کا مان کرتے رہے۔ اپنے ساتھ کھیلنے والے بھیل بالکوں کی کھچھا کا جود چور میں ہی اچت پر بندھ کرایا اور ان کے پتاؤں کو بڑی بڑی جاگیریں پر دان کیں۔ درگاداس ایسی نیتی سے راجیہ چلاتا تھا کہ کسی کو کسی پرکار کا کشت نہ تھا۔ شیر بکری ایک ہی گھاٹ پانی پیتے تھے۔ چوری چماری کا مارواڑ دلش میں نام بھی نہ تھا۔ پر جانچت اور سکھ سے رہتی تھی۔ خزانہ ادارتا کے ساتھ لٹانے پر بھی بڑھتا ہی تھا۔ ٹوٹے پھوٹے قلعوں کی اچت روپ سے درستی کرائی گئی۔ جہاں کہیں نئے قلعہ کی اوٹینا ہوئی، تو نیا بنوایا گیا۔ مہاراجا نے اجڑا ہوا کلیان گڑھ پھر سے بسانے کی آسمیتا دی۔

اب مہاراج اجیت سنگھ کی آہو اٹھارہ برس کی تھی دھیرے دھیرے راجیہ کا کام سمجھ گئے تھے، اور اس یوگ ہو گئے تھے کہ درگاداس کی سہائیتا بنا ہی راجیہ بھار وہن کر سکیں۔ یہ دیکھ کر ویر درگاداس نے سنوت 1758 میں مہاراج اجیت کو بھار سوئپ دیا۔ ضرورت پڑنے پر اپنی سستی دے دیا کرتا تھا۔ جب 1765 میں اورنگ زیب دکن میں مارا گیا، تو اس کا جیشٹھ پتر معظم گدی پر بیٹھا اور اپنے پوروج بادشاہ اکبر کی بھانٹی اپنی پر جا کا پالن کرنے لگا۔ ہندو مسلمان میں کسی پرکار کا بھید بھاؤ نہ رکھا۔ یہ دیکھ درگاداس نے نچت ہو کر پورن روپ سے راجیہ بھار اجیت سنگھ کو سوئپ دیا۔ کنتو سوتتر ہو کر اب اجیت سنگھ کے سو بھاد میں بہت پر یورتن ہونے لگا۔ پھوٹی ہوئی کیاری کے جل کے سان وہ سوچند ہو گیا۔ اپنے سڑچھا چاری متروں کے کہنے سے پر جا کو کبھی کبھی نیائے وردھ بھاری دڈ دیتا تھا۔ کر مع اپنے ہانی لایھ پر وچار کرنے کی ہشتی چھن ہونے لگتی۔ جو جیسی صلاح دیتا تھا، کرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ سوئیم کچھ نہ دیکھتا تھا۔ کانوں ہی سے سنتا تھا۔ جس نے پہلے کان پھونکے، اسی کے بات ستیہ سمجھتا تھا۔ دھیرے دھیرے پر جا بھی نندا کرنے لگی۔ درگاداس نے کئی بار نیتی اپدیش کیا، بہت کچھ سمجھایا

بجھایا، پرتو کسل کے سچے پر جس پر کار جل کی بوند ٹھہر جاتی ہے۔ اور وایو کے جھروکے کے سے ترنت ہی گر جاتی ہے، اسی پرکار جو کچھ اجیت سنگھ کے ہر دیہ پٹل پر اپدیش کا اثر ہوا، ترنت ہی سوار تھی متروں نے نکال پھینکا، اور یہاں تک پرین کیا کہ درگاداس کی اور سے مہاراج کا منو ملدی ہو گیا۔ دھیرے دھیرے انیائے بڑھتا گیا۔ دوش ہو کر درگاداس نے اپنے پرپوار کو اودے پور بھیج دیا۔ اور آپ اکیلا ہی جو دھپور میں رہ کر انیائے کے پرینام کی پرنیکشا کرنے لگا۔

منش اپنے ہاتھ سے مٹچے ہوئے دس برکھ کو بھی جب سوکھتے نہیں دیکھ سکتا، تو یہ دیر درگاداس کے پوجیہ سوامی شری مہاراج یثونت سنگھ جی کا پتر تھا، اس کا ناش ہوتے وہ کب دیکھ سکتا تھا۔ پرتو کرتا کیا؟ سوار تھی متروں کے آگے اس کی دال ہی نہ گھلتی تھی۔ اتیو جو دھپور سے باہر چلا جانا سخت کیا۔ اور پارک ایک دن مہاراج سے بدا لینے کے لیے دربار جا رہا تھا۔ راستے میں ایک وردھ منش ملا، جو درگاداس کا شہر چٹک تھا۔ کہنے لگا بھائی! درگاداس! اچھا ہوتا، یدی آپ آج راج دربار نہ جاتے، کیونکہ آج دربار جانے میں آپ کی کشل نہیں۔ مجھے جہاں تک پتا چلا ہے، وہ یہ ہے کہ مہاراج نے اپنے سوار تھی متروں کی صلاح سے آپ کے مار ڈالنے کی گت روپ سے آگیا دی ہے۔ درگاداس نے کہا بھائی! اب میں وردھ ہوا، مجھے مرنا تو ہے ہی، پھر چھتریہ ہو کر مرتیو سے کیوں ڈروں؟ راجپوتی میں کلک لگاؤں، موت سے ڈر کر پیچھے لوٹ جاؤں! اس پرکار کہتا ہوا زبھے سنگھ کے سامن دربار میں پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر مہاراج سے تیرتھ یاترا کے لیے بدا مانگی۔ مہاراج نے اوپری من سے کہا چا چائی! آپ کا دیوگیہ ہمارے لیے بڑا دکھ ہوگا، پرتو اب آپ وردھ ہوئے ہیں۔ اور پرشن تیرتھ یاترا کا ہے۔ اس لیے نہیں بھی نہیں کی جاتی۔ اچھا جاییے، پرتو جہاں تک سمھو ہو، شکر ہی لوٹ آئیے گا۔ درگاداس نے کہا مہاراج کی جیسی آگیا۔ اور چل دیا۔ پرتو دوار تک جا کر پھر لوٹا۔ مہاراج نے پوچھا۔ چا چائی، کیوں؟ درگاداس نے کہا مہاراج، اب آج نہ جاؤں گا، مجھے ابھی یاد آیا مہاراج یثونت سنگھ جی مجھے ایک گت کوش کی چابی دے گئے تھے۔ پرتو ابھی تک میں نے نہ تو آپ کو گت خزانہ ہی بتا سکا اور نہ چابی ہی دے سکا۔ اس لیے وہ بھی آپ کو سوپ دوں، تب جاؤں۔ کیونکہ اب میں بہت وردھ ہو گیا ہوں، نہ جانے کب اور کہاں مرجاؤں؟ تب تو یہ اسیم دمن راشی سب مٹی ہی میں مل جائے گی۔ یہ سن کر اجیت سنگھ کو لو بھ

نے دہا لیا۔ سنار میں ایسا کون ہے جسے لوبھ نے نہ گھیرا ہو؟ کس نے لوبھ دیوتا کی آگیا کا انکھن کیا ہے؟ سوچنے لگا، یدی میرے آگیا نوسار درگا داس کہیں مارا گیا، تو یہ کبھی اپنے ہاتھ نہ آسکے گی۔ کیا کوئی اور اوسر نہ ملے گا؟ پھر دیکھا جائے گا۔ یہ وچار کر اپنے جتروں کو سنکیت کیا۔ اس کا آٹے سمجھ کر ایک نے آگے بڑھ کر ننگت پرش کو وہاں سے ہٹا دیا۔ اس پر کار دھوکے سے دھن کا لالچ دے کر چتور درگا داس نے اپنے پرانوں کی رکش کی۔ گھر آیا، ہتھیار لیے، گھوڑے پر سوار ہوا اور مہاراج سے کہلا بھیجا کہ درگا داس کتے کی موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ رن جھمتر میں جس ویر کی ہمت ہو آئے۔ اجیت سنگھ یہ سندیش سن کر کانپ گیا۔ بولا درگا داس جہاں جانا چاہے، جانے دو۔ جو اورنگ زیب جیسے بادشاہ سے لڑ کر اپنا دلش جھین لے ہم ایسے ویر پرش کا سامنا نہیں کرتے۔

ویر درگا داس اس پرکار مہاراج اجیت سنگھ سے درکت ہو کر اور اپنی اجول کیرتی کے پھل سوروپ اتادور اور ہیکچھا پا کر ادے پور چلا گیا۔ یہاں اس سے رانا جے سنگھ اپنے پوجیہ پتا رانا راج سنگھ کے بعد گدی پر بیٹھے تھے۔ اجیت سنگھ کا ایسا برا برتاؤ سن کر انھیں بڑا کرودھ آیا۔ پرہر کا متر بھاؤ چھوڑ دیا۔ ویر درگا داس کو اپنے پرہوار کے منش کی بھاننی مان کر جاگیر پردان کی۔ تھوڑے دن تک درگا داس مہاراج کے دربار میں رہا، پھر آگیا لے کر اکانت داس کے لیے اجین چلا گیا۔ وہاں مہاکاشور پوجن کرتا رہا۔ سنوت 1765 میں ویر درگا داس کا سورگ واس ہوا۔ جس نے یشونت سنگھ کے پتر کی پران رکشا کی اور مارواڑ دیس کا سوامی بنایا، آج اسی ویر کا مرت شریر چھپرا ندی کی سوکھی جھاؤ کی چتا میں بھسم کیا گیا۔ ودھاتا! تیری لیلیا اد بھت ہے۔

